بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے (المائدہ ۵۵)

باقیاتِ جہانِ امامِ ربانی

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

جلد اول

زیر سرپرستی: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظر ثانی
محمد عالم مختار حق

امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے (مائدہ: ۵۵)

باقیاتِ جہانِ امامِ ربانی

حضرت مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

جلد اول

زیرِ سرپرستی: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرِ ثانی

محمد عالم مختار حق

امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۹/۲۰۰۸ء

(جملہ حقوق طباعت بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام .... باقیات جہان امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
مرتبین .... صاحب زادہ ابو السرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
نظر ثانی .... محمد عالم مختار حق
جلد .... اول
حروف ساز........... سید شعیب افتخار مسعودی، قاری محمد شریف کمبوہ
طابع .... جاوید اقبال مظہری
مطبع .... برکت پریس
طباعت ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء
اشاعت .... اول (بارہ سو)
ناشر .... امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
ہدیہ ....

ناشر
امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
فلیٹ نمبر اے-۵، پلاٹ نمبر سی-۷، اسٹیڈیم لین نمبر ۱، فیز 7، خیابان شمشیر ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی۔
فون ۰۱۲_۵۸۴۰۳۹۵ (اسلامی جمہوریہ پاکستان)

ملنے کے پتے

☆☆

☆ ادارۂ مسعودیہ......۲/۶، ۵_ای، ناظم آباد، کراچی فون: ۰۲۱_۶۶۱۴۷۴۷

☆ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز......ضیاء منزل (شوگن مینشن) محمد بن قاسم روڈ آف ایم۔اے۔ جناح روڈ، کراچی
فون: ۰۲۱_۲۲۱۳۹۷۳

☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز......اردو بازار، کراچی فون: ۰۲۱_۲۶۳۰۴۱۱

☆ مکتبہ غوثیہ ہول سیل......پرانی سبزل منڈی، یونیورسٹی روڈ، نزد پولیس چوکی محلہ فرقان آباد، کراچی فون: ۰۲۱_۴۹۲۶۱۱۰

☆ فرید بک اسٹال......۳۸_اردو بازار، لاہور فون: ۰۴۲_۷۲۲۴۸۹۹

☆ مکتبہ نبویہ......گنج بخش روڈ، لاہور

☆ مکتبہ جامعہ نقشبندیہ بستان العلوم......کڈہالہ (مجاہد آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

☆ Khalifa Muhammad Sadique Raza, Roza Shareef, Sirhind, District Fategharh, Pin code-140406 (INDIA) Ph. 01763-30144.

☆ Dr. Mufti Muhammad Mukarram Ahmad, Nusratul Islam Educational Society, Masjid Fatehpuri, Delhi-6,(INDIA)

☆ Mr. Masood Ahmad Ashrafi, Chairman, Global Islamic Mission, 335, Walnut Street # 2, Yonkers, New York-10701(U.S.A)

☆ Mr. Munir Hussain Masoodi, 46-Holly Lane Smethwich, West Midlnds B67 7JD. (U.K)

☆ Hafiz Muhammad Qamaruddin Rizvi, Maktaba-i-Razvia 423-Matia Mahal, Jama Masjid Delhi-110006. (INDIA)

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

انتساب

پاک و ہند کے انبیاء کرام علیہم السلام کے نام

○

☆ ...... جن کے انوار سے سرزمین ہند جگمگا رہی ہے

☆ ...... جن کے انوار کا حضرت مجدد الف ثانی مشاہدہ فرما رہے ہیں

☆ ...... جن کی دانائی و حکمت سے دانشوران ہند فیض پا رہے ہیں

(مرتبین)

مآخذ:

۱ ... مکتوبات امام ربانی (شیخ احمد سرہندی)
۲ ... خلاصۃ الاحادیث (شیخ عبدالحق محدث دہلوی)
۳ آئین اکبری (ابوالفضل)
۴ ... خلاصۃ الوقائع (شہاب الدین دولت آبادی)
۵ ... مہر نیمروز (مرزا غالب)
۶ ... گلزار ابرار (غوثی مانڈوی)
۷ ... نجم الوجدان (مولوی نجم الدین آفندی)
۸ ... تذکرہ فیض آباد
۹ تواریخ نو
۱۰ جامع التواریخ
۱۱ ... ناسخ التواریخ
۱۲ تاریخ کشفی
۱۳ بحار الانوار (ملا باقر مجلسی)
۱۴ ... سیر المتاخرین (غلام حسن)
۱۵ انتفاع عن ذکر اہل الاصلاح (شاہ تراب علی قلندری کاکوروی)
۱۶ ہندوستان اسلام کے سایہ میں (عابد علی وجدی الحسینی)
۱۷ تاریخ جائس (سید عابد حسین سہرامی)

(بحوالہ: ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ۔ خواجہ معین الدین، امام ربانی مطبوعہ گجرات (پنجاب) ۲۰۰۵ء، ص ۳۰-۳۵)

☆ ☆ ☆

نعت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العُلیٰ بکمالہ
کشف الدُجیٰ بجمالہ
حسُنت جمیعُ خصالہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام
صلّوا علیہ وآلہ

کلام شیخ سعدی
کتبہ محمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

باقیات جہان امام ربانی

جلد اول

☆☆

حمدِ ربِ جلیل ...... خالد محمود خالد نقشبندی ۱۱
نعت شریف ...... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳
مناقب ...... محمد نعیم صدیق، طارق سلطان پوری
آغا عبداللہ جان شریف ۱۵
افتتاحیہ ...... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۲۳
ابتدائیہ ...... ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری ۵۳
تأثرات ...... محمد صادق کشمیری، ڈاکٹر سلطان الطاف علی،
ڈاکٹر محمد یونس قادری ۶۱

باب اول

مجددِ دوراں ...... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۶۵
امام ربانی کے تجدیدی کارنامے اور عصر حاضر ...... ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی ۷۵

۞ ...... مرشد کریم کے نام مکتوبات شریف میں نجی زندگی کی جھلکیاں — صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد ۸۳

۞ ...... وجود و عدم وجود اور امکان (مکتوبات کی روشنی میں) — میاں فضل احمد حبیبی ۹۱

باب دوم

۞ ...... تفردات مجدد الف ثانی — پروفیسر ضیاء الدین شمس طہرانی ۱۰۳

۞ ...... جواہر مکتوبات مقدسہ — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۱۳۵

۞ ...... مجدد الف ثانی، سرمایہ ملت کا نگہبان — ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی ۱۶۷

۞ ...... مجدد الف ثانی کا نظام تبلیغ — علامہ محمد صدیق ہزاروی ۱۷۳

۞ ...... مجدد الف ثانی، نشان وحدت ملت اسلامی — علامہ محمد ہادی بخش نقشبندی ۱۸۳

۞ ...... اشاعت مسلک اہل سنت اور حضرت مجدد کی اولاد و احفاد — صاحبزادہ نوید الحسن مشہدی ۲۲۱

باب سوم

۞ ...... مجدد الف ثانی کے فلسفہ کا تنقیدی جائزہ (انگریزی) — پروفیسر ڈاکٹر عبدالقدیر سلیم ۲۳۹

۞ ...... جہان امام ربانی کا تنقیدی جائزہ — ڈاکٹر منظور احمد سعیدی ۲۴۳

۞ ...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی — پروفیسر محمد کبیر احمد مظہر ۳۲۷

باب چہارم

۞ ...... حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ آلوسی — مفتی علیم الدین نقشبندی ۳۵۳

۞ ...... تصانیف رضا میں اذکار امام ربانی — ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ۳۶۷

۞ ...... فتاوٰی رضویہ میں افکار مجدد الف ثانی — پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ۳۶۹

باب پنجم

۞ ...... چودہویں صدی ہجری کے عرب مشائخ نقشبندیہ مجددیہ — عبد الحق انصاری ۳۸۵

۞ ...... وسط ایشیاء میں سلسلہ نقشبندیہ کا عروج — ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی ۴۲۹

۞ ...... کردستان میں سلسلۂ نقشبندیہ کے آخری تاجدار (شیخ محمد معصوم) — رؤف نقشبندی، ترجمہ اردو: ڈاکٹر صفی الدین مسعودی ۴۴۱

۞ ...... انگلستان میں مشائخ نقشبندیہ مجددیہ — منیر حسین مسعودی ۴۴۵

۞ ...... لاہور کے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ — محمد عبد الستار طاہر مسعودی ۴۴۹

۞ ...... سلسلہ نقشبندیہ اور اقبال — مکتوب شمیم ہاشمی ۵۳۱

۞ ...... حافظ سید وزیر علی شاہ نقشبندی — چودھری نبی احمد ۵۳۳

۞ ...... خواجہ سید محبوب عالم توکلی — پروفیسر محمد کبیر احمد مظہر ۵۳۹

۞ ...... حضرت میاں شیر محمد شرقپوری — میر عبد الغفور ۵۵۱

۞ ...... مرقعات مشائخ نقشبندیہ (ازبکستان، بخارا) — شیخ صبور احمد محمودی ۵۵۷

۞ ...... مرقعات ۵۷۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حمدِ ربِ جلیل

خالد محمود خالدؔ نقشبندی مجددی
(بین الاقوامی شہرت یافتہ نعت گو شاعر)

☆☆

نہ ابتدا کوئی تیری نہ انتہا تیری
ہے ذات حدِ تعین سے ماورٰی تیری

تو رزق دیتا ہے بندوں کو بے حساب مگر
جواب اپنا ہے خود آپ ہر عطا تیری

”میں لاشریک ہوں میرا کوئی شریک نہیں“
جہاں میں گونج رہی ہے یہی صدا تیری

ہر اک ارادے میں شامل الگ تھلگ سب سے
کوئی بشر بھی نہ سمجھا ہے یہ ادا تیری

کوئی بھی کام ہو، نا کام ہی وہ رہتا ہے
وہ کام جس میں کہ شامل نہ ہو رضا تیری

اجالا ارض و سمٰوٰت کا ہے نور ترا
ہے کائنات کے ہر ذرّے میں ضیا تیری

زمین کی گود سے ہر پھول ہی نکلتا ہے
زبان حال سے کرتے ہوئے ثنا تیری

ترا ہی رنگ ہر ایک رنگ سے جھلکتا ہے
ہر ایک رنگ ہے پہنے ہوئے قبا تیری

بہت قریب سے سنتا ہے دھڑکنیں دل کی
بہت قریب ہے رحمت بھی اے خدا تیری

"ہے کوئی طالبِ بخشش" فلک سے آتی ہے
ہر ایک رات کے پچھلے پہر ندا تیری

کریم اپنے کرم سے نواز دے گا تجھے
اثر دکھائے گی خالدؔ ہر اک دعا تیری

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

نعتِ رسول مقبول

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

☆☆

سُنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے
گر اُن کی رسائی ہے، لو جب تو بن آئی ہے

مچلا ہے کہ "رحمت نے اُمید بندھائی ہے"
کیا بات تری مجرم، کیا بات بنائی ہے!

سب نے صفِ محشر میں، للکار دیا ہم کو
اے بے کسوں کے آقا، اَب تیری دوہائی ہے

یُوں تو سب انھیں کا ہے، پر دل کی اگر پوچھ
یہ ٹُوٹے ہُوئے دل ہی، خاص اُن کی کمائی ہے

زائر گئے بھی کب کے، دن ڈھلنے پہ ہے پیارے
اُٹھ، میرے اکیلے، چل، کیا دیر لگائی ہے

مجرم کو نہ شرماؤ، احباب کفن ڈھک دو
منہ دیکھ کے کیا ہوگا؛ پردے میں بھلائی ہے

اَب آپ ہی سنبھالیں تو، کام اپنے سنبھل جائیں
ہم نے تو کمائی سب، کھیلوں میں گنوائی ہے

اے عشق ترے صدقے، جلنے سے چھُٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی، وہ آگ لگائی ہے

طیبہ نہ سہی افضل، مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں، کیوں بات بڑھائی ہے؟

مطلع میں یہ شک کیا تھا، واللہ رضا واللہ
صرف اُن کی رسائی ہے، صرف اُن کی رسائی ہے

بسم الله الرحمٰن الرحیم
نحمدهٗ ونصلی علٰی رسوله الکریم

مکتوب خواجه محمد نعیم، صدیق

☆☆

به اداره محترم حضرت امام رباني عليه الرحمة فونديشن!

خدمت جناب فضيلتمآب پروفيسر داكترمسعود احمد صاحب دام ظله و همه كارمندان اين كانون فيض بخش و نور افزاء سلام، احترام و تمنيات نيك خويش راكه طريقه مسنونه حضرت رسول كريم عليه افضل الصلوه والتسليم است تقديم ميد ارم اميد است درجه قبول يافته ازدعاي خير شان درهيچ مقطع زمان فراموش نباشم۔

زحماتي راكه مادرراه پخش اشعه نجات بخش عرفان اسلام عزيز متقبل شده ايدقابل تقدير برده ازبارگاه ارحم الراحمين موفقيت هاي مزيد تان رادراين راستا خواهانم۔

سعي و تلاش درراه نجات بشر(بخصوص برادران و خواهران مسلمانان كه فسادهاي‌فكري آينه صفاي قلب هاي شان رامكدر كرده و به صيقل روحاني اشد ضرورت دارند) ببارگاه اقدس بي نيازي او تعالي جل جلاله خالي ازاجر نيست واينكه جناب شمادايره المعارفي و به معرض استفاده برادران مومن خويش قرارداده ايدو كتابي‌رابنام جهان امام رباني نشروبدسترس مطالعه منتظران سپرده ايد جاي آن داردكه مخلصين و بازماندگاني حضرت سيدنا و مولانا غوث الصمداني ، صديق الثاني، امام رباني، مجدد الف ثاني ابو البركات شيخ احمد كابلي ثم سرهندي اويسي تاجهان است ممنون احسان شماباشندزيرا نسل جوان از خدمات عرفاني حضرت امام رباني خالي ذهن بوده بائيست هاي شان رابنور معرفت درپر تو شريعت منور ساخت۔

واینکه مخدوم بزرگوار و مقصوم ارجمند جناب فضیلتمآب پیر صاحب فضل الرحمٰن آغاي مجددي که از صباوت تاحال درراه مبارزات اسلامي کمر همت بربسته و مانند و دیگر برادران عزیزش از هیچنوع فدا کاري خود داري نورزیده است چنانچه دوبرادربزرگش حضرات عالیقدرشاه آغاجان وفضل محمود جان آغا در حلقوم وحشتزاي کمونیزم فرورفته شهید راه جهاد افغانستان گردیدهِ اندسبب ارتباط من باشما وحضرت امام رباني فوندیش شده است از جناب شان اظهار سپاس و شکران مینمایم میخواستم مقاله اي درمورد شناخت حضرت امام بنویسم (اگر چه شخصیت اوشان حاجت به تعارف ندارد کمالات شان اظهر من الشمس است) کهولت و پیري ، مریضي و ناتواني مانع گشت عندالموقع این مامول نیزبرآورده خواهد شد ۔

درتجلیل سالگره مجددالف ثاني علیه الرحمة

بپاي خامه بودِ نزد بوسه ارزاني   که برزمین سخن مي کندگل افشاني
گلِ ارادت و اخلاص گسترد بزمین   بسالگردِ بلند آسمان روحاني
سپهر مرتبه ذاتي که الف ثاني را   مجدد است و خودش درزمانه لاثاني
بخا نقاهِ طریقت چراغ اهل شهود   بسجده گاهِ شریعت امام رباني
کسیکه بردرِوي خسروان گرفته بعجز   بجاي قبضه خنجر عصاي درباني
کسیکه صاحب اکلیل و زینت اورنك   به فخر مانده بخاکش زعجز پیشاني
کسیکه کشتي اسلام درشبِ دیجور   نجات یافت به یمنش زبحرِ طوفاني
درآن زمانه که مي گشت فتنه هابرپا   زهر طرف بسرا پرده مسلماني
یکي بروي حقیقت حجاب مي افگند   زنقش باطل اسطوره هاي یوناني
یکي زمعبد تاریك برهمن مي جست   چراغ راه به گم گشتگان انساني
یکي برانکه شود باز آدمي بتگرا!   زخاكِ بتکده مي خواست نورِیزداني
یکي برانکه کند دعوي خدائي گاو   دوبار دیوزند نوبت سلیماني .
زلال چشمهٔ توحید بود آلوده   برنگهاي فریباي شوم شیطاني

بنا گهان زگريبان فيض برزد سر   فروغِ بارقه آفتاب رحماني
دميد نورِ الهي زسينهٔ خاور   عيان شد ازدل سر هند فيضِ فاراني
نجات دادبه توفيق دستياريِ حق   بناي خانقهِ عشق راز ويراني
زاهلِ ريب و ريا پاك كرد منبررا   كه باريا نسزذ دعوي مسلماني
ندافگندكه حق آشكار بايد گفت   ز آفتاب نيايد يسد فروغ پنهاني
به پيش ديدهٔ صوفي نهاد مشعلِ نور   كه راه بيني بهتر بود زر هباني
زپر تو خلف الصدق عمر فاروق   دوبار گشت شبستانِ هند نوراني
رواند اشت كه گيرد به مسندِ بلقيس   مقام بانوي اسلام را مهاراني
زتخت شاه فراتر نهاد منبر حق   بپاي فقر نگون كرد تاجِ سلطاني
نگر بخامهٔ گوهر فشان گل بيزش   كه فيض بار بود همچوابرِ نيساني
چكيده قلمش رامگوي مكتوبات   كه حرف حرفش باشد كتاب اگر داني
اگر نه مصرمعانيست ازچه روبيني   به نكته نكته آن شاهدانِ كنعاني
زآسمانِ خيالش ستاره مي بارد   زهي فقير كه دارد ستاره افشاني
ببارگاهِ مهين خواجه رو كه دريابي،   به بورياي كهن افتخارِ خاقاني
زذره ذره خاكش بگوش جان آمد   هنوز نغمهٔ جان آفرين قرآني
زدور باش ادب در حريم آن درگاه   بگوشت آيد سبحانه نه سبحاني
دران رياض بداغ ادب بود نازان   به فيض تر بيتش لاله هاي نغماني
هميشه تاشب تاري به تير گيست غلمْ   هميشه خاصه روز است تادر خشاني

رجب ١٤٠٤ق مطابق ١٧اپريل ١٩٨٤

كاركردگي(خواجه محمد نعيم) :

١ـ معلم درليسه هاي استقلال و حبيبه و متوسطه هاي ميرويس نيكه و ايوب خان در كابل معاون امريت اطلاعات فرهنگي و مدير عكاسي و فلمرداري جبهه ملي نجات۔

۲- مدیر تفتیش در وزارت داخله حکومت عبوري افغانستان-

۳- عضو نصاب تعلیمي-

٤- مدیر تربیه معلم مرکز تعلیمي افغانستان-

٥- مدیر ریسرچ و تحقیق جبهه ملي نجات افغانستان-

٦- مدیر لیسه مولانا جلال الدین محمدبلخي-

۷- مدیر لیسه ناهید شهیددرپشاور-

۸- امر مود مخدره وزارت معارف-

۹- رئیس فرهنگي ومتعاقباً رئیس کمیسیون مستقل ملي تحکیم صلح افغانستان درننگر هار و لغمان-

باعرض حرمت احقر العباد خواجه محمد نعیم (صدیق)

۲۲دلو۱۳۸۵ش مطابق ۱۱فبروري ۲۰۰۷م

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قطعۂ تاریخ سالِ وصال

امام ربانی حضرت مُجدد الف ثانی

محمد عبدالقیوم طارق سُلطانپوری

☆☆

"شہبازِ طریقت"
۱۰۳۴ھ

"آوازِ حق، حرارتِ ایمان"
۱۰۳۴ھ

"صدق ویقین وجسارت"
۱۰۳۴ھ

"فیضانِ الٰہی"
۱۰۳۴ھ

اُس کا جاہ و مرتبہ اُس کا حشم　　انقلابِ وقت سے ہوگا نہ کم
وہ طریقت کے حقائق کا علیم　　شرع کا دانائے اسرار و حکیم
ربِّ مُعطی نے عطا اُس کو کیا　　علم کا اجلال عرفاں کا حشم
مُصطفیٰ ﷺ کا ایسا باعظمت فقیر　　جس کے آگے گردنِ شاہاں ہے خم
وہ سراپا غیرتِ دینِ نبی　　پاسبانِ عزتِ شاہِ اُمم
قول بھی کردار بھی باطل شکن　　حق نُما اُس کی زباں اُس کا قلم

آندھیاں طاغوت کی چلتی رہیں   اُس نے گُل ہونے نہ دی شمعِ حرم
تُندیٔ طوفان باطل تھی مگر   سربُلند اُس نے رکھا حق کا علم
اکبری فتنہ کے استیصال میں   کام ہے اُس مردِ مومن کا اہم
استقامت کا حوالہ اُس کی ذات   ذکر اُس کا فخر سے کرتے ہیں ہم
وہ جہاد و ابتلا میں سُرخ رُو   کاروانِ حق کا میر مُحترم

دو تواریخِ وصال اُس کی کہیں
"جاں نثارِ مصطفیٰ" "فیض العجم"
۱۰۳۴ھ   ۱۰۳۴ھ

☆ ☆ ☆

واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

مناقب مجدد الف ثانی

(پشتو)

عبداللہ جان فاروقی شریفؔ

☆☆

پہ طریقہ دَ شیخ احمد سرہندی یَمہ زہ
زہَ یو غلام حلقہ بگوش دا فاروقی یَمہ زہ
مجددی یَمہ زہَ

پہ طریقہ قادریہ کښې بیعت کړے دے
دام دہ خپل مرشد پہٴ لاس پہ صفانیت کړے دے
پہ سلسلہ کښې دَ خپل پیر نقشبندی یَمہ زہَ
مجددی یَمہ زہَ

خاص پہ سرہند شریف کښې دے دَدہَ مزار عجیبہ
نہٴ خزان هلتہ کښې هر وختې بهار عجیبہ
دَدہَ پاکے روضے هر وخت طلبی یَمہ زہ
مجددی یَمہ زہَ

مجددی صاحب دَ اُچتے کورنئے خاوند دے
وے دَ خلورو طریقو دَ نګرانئے خاوند دے

پہ طریقہ دَ خپل امام ربانی یَمہ زہ
مجددی یَمہ زہَ

پہ کور دَ شیخ عبدالاحد کنبے شہء پیدا مجدد
ډیر گمراہانو لہ اللہ کړہَ رہنما مجدد
ځکہ مداح دَ مجدد الف ثانی یَمہ زہ
مجددی یَمہ زہَ

د مجدد الف ثانی پشان ثانی نشتہ دے
پہ دوئَم الف داسے مردِ روحانی نشتہ دے
پہ مینے مست داسے شخص ابدی یَمہ زہ
مجددی یَمہ زہَ

بل دا خپل پیر عبد اللہ جان صاحب نظیر نشتہ دے
دَ دہَ پمثل داسے پیر روشن ضمیر نشتہ دے
دا زہَ فیضان دَرہَ لہ فیض فیاضی یَمہ زہ
مجددی یَمہ زہَ

☆......☆......☆

نوٹ: عبداللہ جان فاروقی نقشبندی شریؔف حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کے برادر کلاں شاہ عبدالرزاق علیہ الرحمۃ کی اولاد سے ہیں، موضع گڑھی خیل (نزد تھانہ) ملاکنڈ ایجنسی (سرحد) میں پیدا ہوئے اور ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء کو وصال فرمایا۔ عالم وفاضل، صاحب تصنیف اور شاعر تھے۔ "شریؔف" تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا ایک منظوم رسالہ "افکارِ شریفی" بنوں (سرحد) سے چھپا تھا یہ مناقب اسی سے لیے گئے ہیں جس کے لیے ہم جناب راجہ نور احمد نظامی کے مشکور ہیں۔ (مرتبیؔن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

افتتاحیہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

☆☆

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ اسلام کی ایک عظیم شخصیت ہیں...... ہم اپنے علمی اور فکری پیمانوں سے ان کے علم و فکر کو ناپتے ہیں...... ان کا جہاں اس جہاں سے بہت بلند ہے...... اس جہاں کے رہنے والے ان کے جہاں کو نہیں پا سکتے...... ہم کو مدارس عربیہ، جامعات و کلیات کی تعلیم و تدریس پر ناز ہے اور اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، ہم کو نہیں معلوم کہ وہ کریم اپنے کرم سے اپنے محبوبوں کو براہ راست وہ علم بھی عطا فرماتا ہے جو ہمارے مدارس عربیہ، جامعات و کلیات میں نہیں پایا جاتا جس کا کسی کو ادراک بھی نہیں، وہ علم، علم لدنی...... وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[1]...... مولیٰ تعالیٰ اپنے خاص محبوبوں کو کبھی کبھی اس علم سے نوازتا ہے...... حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کو اس علم سے نوازا گیا، ان کے مکتوبات شریفہ اس حقیقت پر گواہ ہیں...... ایک مکتوب میں فرمایا کہ یہ راز کی باتیں بتادوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو ان علوم مخفیہ سے باخبر فرمایا تو انھوں نے یہی فرمایا کہ میں نے ایک علم تو بتادیا دوسرا علم بتادوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے جہاں کو اس جہاں والے نہیں پا سکتے...... معروف علم و فنون منقولہ و معقولہ کے علاوہ ذرا ان کی تصانیف میں ان علوم کی بہار ملاحظہ ہو:

الٰہیات، مادرائیات، آفاقیات، انفسیات، وجدانیات، عدمیات، امکانیات، علویات، سفلیات، سرّیات، عصریات، روحانیات، مرئیات، مغیبات، کشفیات، سُکریات، صحویات، حربیات، جمالیات، حیاتیات، نباتیات، ارضیات، اقتصادیات، معالجات، عمرانیات، نفسیات وغیرہ وغیرہ

وہ ایک بلند مینار ہیں...... جس کی بلندی آسمان کو چھو رہی ہے...... نیچے رہ جانے والے مینار کی بلندی کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوئے جاتے ہیں...... وہ بلند ہو رہے ہیں وہ بلند ہوتے رہیں گے...... ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ وہ ہم سے بزبانِ بے زبانی فرما رہے ہیں:

"اِنِّیۡ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ"[۳]

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی معمولی شخصیت کا نام نہیں...... ان کا اثر و رسوخ صرف برصغیر ہی میں نہ تھا...... شاہانِ مغلیہ ان کے دربار میں غلامانہ حاضر ہوتے تھے...... ان کا اثر و رسوخ افغانستان، ایران، ترکی، سعودی عرب، حرمین شریفین، دیگر عرب ممالک، روس، چین، انڈونیشیا وغیرہ میں بھی تھا اور ہے...... اور اب تو برطانیہ اور امریکہ کے طول و عرض میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور پھیلتا جا رہا ہے......

۲۰۰۶ء میں خانقاہ مظہریہ دہلی کے سجادہ نشین صاحبزادہ ابو النصر محمد انس فاروقی مجددی چین اور روس کے دورے پر گئے تو وہاں حضراتِ نقشبندیہ نے شاندار پذیرائی کی...... یہ سن کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی......

۱۹۶۰ء میں جب فقیر نے حضرت مجدد الف ثانی پر کام شروع کیا تو مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ اتنے عظیم ہیں اور ان کے افکار اتنے بلند ہیں...... حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فقیر کا مقالہ معارف (اعظم گڑھ) میں ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۲ء کے درمیان نو قسطوں میں شائع ہوا[۴]...... پھر عرصہ دراز کے بعد یہ مقالہ سیرت مجدد الف ثانی کے عنوان سے مزید اضافوں کے ساتھ مدون کیا اور سندھ کے مشہور و معروف مجدد فاضل حضرت مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرہندی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں کتاب کا مبیضہ نظر ثانی اور تقریظ کے لیے پیش کیا، ممدوح نے اس پر سیر حاصل تقریظ قلم بند کی...... چونکہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اس لیے انھوں نے بڑی پُر مغز تقریظ تحریر فرمائی (۹ رجون ۱۹۷۵ء)...... لیکن اس میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے ایسے فضائل و کمالات اور افکار تحریر فرمائے جس نے فقیر کو حیرت میں ڈال دیا......

میں اپنی نادانی اور کم فہمی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ فاضل جلیل مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرہندی علیہ الرحمۃ نے مبالغہ فرمایا...... چونکہ تحقیقی مقالات میں مبالغہ اور مدح سرائی کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے میں نے فاضل ممدوح سے تقریظ میں بعض مضامین کو حذف کرنے کی اجازت چاہی...... فاضل ممدوح نے خوش دلی سے اجازت دے دی...... پھر یہ تقریظ سیرت مجدد الف ثانی (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۶ء) میں شائع ہوگئی...... بات آئی گئی ہوگئی...... مگر جب ۲۰۰۲ء میں جہان امام ربانی مجدد الف ثانی کی مہم کا آغاز

ہوا اور مطالعہ آگے بڑھا فضلا اور محققین کے مقالات میری نظر سے گزرے تو حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی عظمت میری نظروں میں دوبالا ہوگئی اور محسوس ہوا کہ فاضل جلیل علامہ محمد ہاشم جان مجددی سرہندی علیہ الرحمۃ نے جو کچھ تحریر فرمایا تھا حرف بہ حرف صحیح تھا...... بڑی پشیمانی ہوئی...... اس لیے بھی فاضل ممدوح کی تحریر جو سلک مروارید تھی کہیں گم ہوگئی...... تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی اور اس غلطی کی تلافی نہ ہوسکی...... اس میں شک نہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے احوال و مقامات علماء و مشائخ اور فضلاء کو حیرت میں ڈالنے والے ہیں......

۳۱/مارچ ۲۰۰۶ء کو دہلی میں ڈاکٹر محمد امین مارہروی زید مجدہ کی صدارت میں اور مفتی اعظم علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد کی سرپرستی میں دہلی میں امام ربانی مجدد الف ثانی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی...... مقالات پڑھے گئے...... تقاریر ہوئیں...... حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے مقامات عالیہ کا بیان ہوا...... ڈاکٹر محمد امین مارہروی سن سن کر حیران ہوئے اور اپنی صدارتی تقریر میں حیرت کا اظہار بھی فرمایا اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا...

◆

چار سو برس ہوگئے...... حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی تعلیمات زندہ و پائندہ ہیں...... ان کے خلاف مسلمانوں کے کسی طبقے میں یا مسلمان کہلانے والوں میں کوئی تحریک نہ چلی...... ابتداء میں ان کے مقامات عالیہ کے عدم ادراک کی وجہ سے مخالفت ہوئی...... مگر پھر مخالفین تائب ہوئے اور مخالفت ختم ہوگئی...... حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی قبولیت عامہ اور محبوبیت تامہ اور آپ کے خلاف کوئی تحریک نہ چلنے کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی طرف دعوت نہیں دی بقول آپ کے یہ انبیاء علیہم السلام کے شایان شان ہے، آپ نے اتباع سنت اور اکابر اہل سنت و جماعت کی طرف متوجہ فرمایا...... دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے شخصیات کو نہیں بلکہ نظریات کو ہدف بنایا...... جس کا وہ نظریہ ہوگا یقیناً مجروح ہوگا اور اپنے جراحت پر ٹھنڈے دل سے غور بھی کرے گا...... مثلاً حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے شہزادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

> "جن محروموں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کو تصور کیا تو لازمی طور پر وہ (ان

کے) منکر ہو گئے''۵

اس ایک فتویٰ نے (جو بصورت فتویٰ نہیں) ان تمام لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں...... تعجب ہے کہ یہ لوگ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کو اپنا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی شخصیت وفکر کا استحصال کرتے ہیں......

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے شخصیات کو نہیں نظریات کو ہدف بنایا...... کسی شخصیت کی تکفیر کے سلسلے میں آپ نے اہل سنت و جماعت کی کمال احتیاط کا ذکر کرتے ہوئے ایک مکتوب شریف میں تحریر فرمایا ہے:

> ''یہ اہل سنت کی خوبی ہے کہ کسی معین شخص کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو، اسلام اور توبہ کے احتمال کی وجہ سے دوزخی نہیں کہتے اور لعن کا اطلاق اس پر تجویز نہیں کرتے اور عام کافروں پر لعنت کرنا جائز سمجھتے ہیں لیکن کافر معین پر اس وقت تک لعنت کرنا تجویز نہیں کرتے جب تک کہ اس کا سوء خاتمہ دلیل قطعی سے معلوم نہ ہو جائے''

اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس احتیاط سے بالا احتیاط کا ذکر فرماتے ہوئے اہل مجاہدہ اور حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی خاص خوبی کا یوں ذکر فرمایا ہے:

> ''اہل قبلہ میں کسی کے کفر ونفاق پر قطعی شہادت نہ دے...... یہ عمل اس کو رحمتِ خداوندی سے بہت قریب کر دے گا...... بلند مرتبہ حاصل ہو گا...... یہ سنت رسول اللہ (ﷺ) ہے...... علم الٰہی میں دخیل بننے سے بندے کو محفوظ رکھتی ہے اور اللہ کے غضب میں گرفتار ہونے سے بندہ محفوظ رہتا ہے...... اللہ کی رحمت اور خوشنودی سے یہ عمل بہت قریب ہے...... یہ خصلت اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا ایک معزز دروازہ ہے اور دوسری مخلوق پر رحم کرنے کا جذبہ اللہ تعالیٰ بندے میں پیدا کر دیتا ہے''۷

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے تاریخ ساز احتیاط، دور اندیشی اور صبر وتحمل کا مظاہرہ

فرمایا...... ان کے صبر وتحمل اور اللہ کے فضل وکرم نے ان کی تعلیمات اور پیغام کو عام کیا...... احتیاط اور دور اندیشی اور صبر وتحمل کے حوالے سے دربار جہانگیری میں سجدۂ تعظیمی نہ کرنے کی بات ہم سنتے رہتے ہیں مگر کبھی غور بھی فرمایا کہ صورت حال کتنی مہیب تھی؟ خوف و دہشت کے سائے منڈلا رہے تھے...... عظیم الشان قلعہء آگرہ جس کی چاروں سمت اوپر تلے طویل وعریض گہری گہری خندقیں دہلی کے لال قلعے سے بڑھ چڑھ کر عمارت کی شان وشوکت دیکھ دیکھ کر پتہ پانی ہوجائے...... ہاں اسی قلعہ میں جہانگیر تنہا نہ تھا...... دربار سجا ہے...... وزراء بھی ہیں، امراء بھی ہیں، راجہ مہاراجہ بھی ہیں، فوجی کمانڈر بھی ہیں...... درباریوں سے دربار کھچا کھچ بھرا ہوا ہے...... سب دم بخود ساکت وصامت، کہ یہ وہ دربار ہے کہ جہاں ادنی اشارے پر گردنیں اڑادی جاتی ہیں...... ایک مرتبہ ایک وزیر نے بادشاہ کے حضور اپنے لباس کا بٹن ٹھیک کر لیا...... قیامت آگئی...... پوری قلم رو میں یہ گستاخی زبان زدِ خاص وعام ہوگئی...... ہاں اسی دربار میں ایک مردمجاہد خراماں چلا آرہا ہے...... درباری منہ تک رہے ہیں یہ کیا ہورہا ہے...... کہیں اس گستاخی پر گردن نہ اڑادی جائے...... "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" سب نے سنا...... کسی نے جواب نہ دیا کہ دربار شاہی میں یہ سنت مٹ چکی تھی...... کان نا آشنا ہو چکے تھے...... یہاں سجدوں پر سجدے ہوتے تھے...... ناتواں انسان کے آگے سجدے...... مگر آپ نے سجدہ نہ کیا...... سلام کیا...... تمام درباری حیران پریشان...... خود بادشاہ حیران اور درباریوں کے سامنے نادم وشرمسار...... شرمساری نے غضبناک کر دیا...... حکم ہوا...... گرفتار کرلیا جائے...... بھرے دربار میں ایک راجپوت کمانڈر آگے بڑھتا ہے...... ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پیروں میں بیڑیاں ڈالتا ہے...... جانثار وزراء وامراء کے اضطراب کا عالم دیدنی تھا...... مگر اس مردمجاہد نے ان کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا...... دشمن کو بھی گلے لگایا اور دوستوں کو دشمن کی دشمنی سے روک دیا...... وہ تو ایک اللہ پر یقین رکھتا ہے...... جس نے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ"[۸]

ہندوستان ایک عظیم ملک تھا...... چار پانچ ملکوں کو سمیٹے ہوئے...... خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی...... دور دراز کے لوگ قافلے والوں کے انتظار میں آنکھیں لگائے ہوئے...... خبر یہ اڑی کہ شہید کردیا

گیا...... پورا عالم مضطرب ہو گیا...... مگر جب یہ سنا کہ قید کیا گیا ہے تو کچھ چین آیا...... مگر پھر بھی دل بے قرار اور آنکھیں اشک بار...... گرفتار کر کے معمولی زنداں میں نہ رکھا بلکہ بلند و بالا قلعہ گوالیار میں... بے شک وہ تو جہان عرفاں کے بادشاہ تھے...... ان کے شایان شان یہی زنداں تھا..... قلعہ گوالیار وہ کیا گئے کفار و مشرکین قیدی آپ کے چہرہ انور کو دیکھ دیکھ کر جوق در جوق مسلمان ہونے لگے...... ادھر جہانگیر بادشاہ کو پشیمانی نے جینے نہ دیا...... ایک سال کے اندر اندر اپنے دربار میں یاد فرمایا.. خلعت سے نوازا...... اشرفیاں پیش کیں... پانچ سال شب و روز جہانگیر بادشاہ کے ساتھ لشکر اور دربار شاہی میں ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ہر ملاقات میں مسلک اہل سنت و جماعت کا بیان اور تلقین ہوتی رہی حتیٰ کہ آپ کی تبلیغی مساعی جمیلہ بار آور ہوئیں...... ہندوستان کی کایا پلٹ گئی اور ایک عظیم انقلاب برپا ہوا[۹] ...... معلوم ہوا کہ انقلاب کسی کے پیچھے پڑنے سے نہیں آتے...... انقلاب صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے آتے ہیں اور مقبولیت عامہ اور محبوبیت تامہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے سے ملتی ہے۔ ....

⊙

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ پر جدید تحقیق کا آغاز ۲۰۰۲ء میں ہوا... مولانا جاوید اقبال مظہری نے امام ربانی فاؤنڈیشن (انٹرنیشنل) کراچی، قایم کی...... جس کی سرپرستی میں یہ عظیم کام ہوا...... تین سال کی قلیل مدت میں ۲۰۰۵ء میں "جہان امام ربانی مجدد الف ثانی" کی سات ضخیم جلدیں تیار ہوئیں اور طبع ہوئیں...... امام ربانی انٹرنیشنل کانفرنس (منعقدہ کراچی ۲۰۰۵ء) میں پیش کی گئیں... پھر ۲۰۰۵ء سے مزید کام شروع ہوا... اور ۲۰۰۷ء تک مزید پانچ جلدیں تیار ہو کر طبع ہوئیں جو امام ربانی کانفرنس (منعقدہ کراچی ۲۰۰۷ء) میں پیش کی گئیں...... اللہ اکبر! تائید الٰہی کا سلسلہ جاری رہا...... جہان امام ربانی مجدد الف ثانی کی بارہ ضخیم جلدوں کی اشاعت کے باوجود جو کم و بیش آٹھ ہزار صفحات پر محیط ہیں مقالات کی آمد کا سلسلہ جاری رہا...... اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ "باقیات جہان امام ربانی" کے عنوان سے مزید جلدیں مرتب کی جائیں...... یہاں ایک اہم بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں... حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ پر کام کے حوالے سے حضرات قادریہ پر قرض تھا...... وہ قرض عزیز محترم ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری نے اُتارا...... جو علامہ ازہری زید لطفہ کے مرید اور خلیفہ ہیں اور جو جہان امام ربانی کے عظیم منصوبے کی تکمیل میں ۲۰۰۲ء سے برابر لگے ہوئے ہیں، ان کا طرز عمل حضرات قادریہ کے لیے ایک یادگار

نمونہ ہے   حضرات قادریہ کو ان کا مشکور ہونا چاہیے۔۔۔

جہان امام ربانی مجدد الف ثانی کے مقالات و مضامین وغیرہ کا اشاریہ بعنوان ''جہان امام ربانی کا موضوعاتی اشاریہ'' صوفی محمد عبدالستار طاہر (لاہور) نے بڑی دیدہ ریزی اور جانکاہی سے مرتب کیا ہے۔۔۔۔اس کو ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری نے مزید اضافات و محنت سے مکمل کیا ہے۔۔۔۔۔ یہ الگ سے شائع کرنے کے بعد باقیات جہان امام ربانی میں بھی شامل کیا جارہا ہے تاکہ محققین و قلم کار اپنے اپنے موضوعات پر کام کرتے وقت متعلقہ مقالات و مضامین سے آسانی کے ساتھ استفادہ کرسکیں۔۔۔۔۔

الحمدللہ! جہان امام ربانی مجدد الف ثانی دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ گیا۔۔۔۔۔ یہ تائید الٰہی ہے۔۔۔۔ برصغیر پاک و ہند، بنگلہ دیش و کشمیر کے علاوہ احباب و مخلصین مختلف ممالک میں لے گئے۔۔۔۔۔ جناب شیخ صبور احمد صاحب اُزبکستان (روس) لے گئے۔۔۔۔ جناب محمد راشد بازی مسعودی چین لے گئے۔۔۔۔۔ جناب ڈاکٹر احمد مرزا امریکہ لے گئے۔۔۔۔۔ ان ہی کی وساطت سے نیوزی لینڈ میں پروفیسر ڈاکٹر آرتھر بیولر کو جب جہان امام ربانی کا سیٹ ملا تو انھوں نے تحریر فرمایا:

> ''اتنا عظیم کام کسی بھی زبان میں کسی بھی صوفی پر نہ ہوا''[۱۰]

جناب منیر حسین مسعودی (برمنگھم، یوکے) نے تو اپنا دولت کدہ مرکز بنالیا ہے۔۔۔۔ وہ انگلستان میں نہایت خلوص اور لگن سے جہان امام ربانی کو پھیلا رہے ہیں۔۔۔۔۔ ہندوستان دہلی میں مفتی اعظم ڈاکٹر محمد مکرم احمد کی خانقاہ اور رضوی کتاب گھر اہم مراکز ہیں۔۔۔۔۔ جہاں سے پورے ہندوستان اور کشمیر میں جہان امام ربانی مجدد الف ثانی پھیل رہا ہے۔۔۔۔۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ باقیات جہان امام ربانی پر ۲۰۰۷ء میں کام شروع کردیا گیا۔۔۔۔۔ اب تک تین جلدوں کا مواد جمع ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ امید ہے کہ ۲۰۰۸ء میں تین جلدیں شائع ہوجائیں گی، ان شاءاللہ۔۔۔۔۔

باقیات جہان امام ربانی کے سلسلے میں مختلف علماء و مشائخ نے ترغیب و تشویق اور تحریک کی۔۔۔۔۔ مثلاً پروفیسر محمد کبیر احمد مظہر، صدر شعبۂ عربی (پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے تحریر فرمایا:

> ''معلوم ہوا تھا کہ جہان امام ربانی کا کام اختتام پذیر ہے۔۔۔۔ صرف تکمیلی مجلدات تحریر ہو رہے ہیں   ازراہ مہربانی اس کام کو جاری رکھیے اور تقریباً پانچ جلد مزید کام کا پروگرام بنالیجیے۔۔۔   میرے پاس

بہت مختصر اور نادر متون ہیں''۱۱

اور مفتی اعظم ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نے تحریر فرمایا:

> ''واقعہ یہ ہے کہ جہان امام ربانی کے کام میں غیبی مدد آئی اور اتنا عظیم الشان کام انجام پا گیا جس کا اندازہ بھی شروع میں نہ تھا...... اگر اس کام کا آگے بھی جاری رکھا جاتا تو اور بھی ذخائر حاصل ہوتے رہتے''۱۲

فاضل جلیل مفتی محمد علیم الدین نقشبندی سے ۲۰۰۷ء میں ملاقات ہوئی اور باقیات جہان امام ربانی کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا:

> ''باقیات نہ کہیں بلکہ لکھتے جائیں''

پاکستان کے مشہور دانشور محمد عالم مختار حق نے بھی یہی بات فرمائی اور پروفیسر غلام جابر مصباحی (بمبئی) تشریف لائے تو ملاقات میں باقیات امام ربانی کی ایک جلد کا ذکر ہوا...... اس وقت یہی توقع تھی...... ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

> ''ایک نہیں دو جلدیں''

الحمدللہ! اب دو جلدوں کی بجائے تین جلدوں کی نوبت آرہی ہے...... بفضلہٖ تعالیٰ باقیات امام ربانی کے لیے علماء وفضلاء کا تعاون جاری رہا...... نادر مواد آیا...... مخطوطات ومطبوعات اور مقالات بھی آئے اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری ہے......

◆

باقیات جہان امام ربانی کی تدوین کے ساتھ ساتھ دوسرے علمی کام بھی ہوتے رہے کیونکہ صالحین کے ذکر کے ساتھ ساتھ باران رحمت ہوتی رہتی ہے، یہ باران رحمت مسلسل ہوتی رہی، تحدیث نعمت کا تقاضا ہے کہ اس کی تفصیلات بھی پیش کی جائیں...... ۲۰۰۵ء میں امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی نے ''سیرت مجدد الف ثانی'' کا نیا خوبصورت ایڈیشن شائع کیا...... ۲۰۰۷ء میں حضرت مجدد الف ثانی پر فقیر کی اردو تصنیف ''حضرت مجدد الف ثانی حالات، افکار وخدمات کا انگریزی ترجمہ از قاضی عبدالسنان نقشبندی محمودی بعنوان

''Shaykh Ahmed Sirhindi Mujaddid Alf-i-Thani''

ادارۂ مسعودیہ کراچی نے شائع کیا...... اور ۲۰۰۷ء میں اس کا فارسی ترجمہ از صاحبزادہ محمد زبیر مجددی بعنوان حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ حالات، افکار و خدمات (کراچی ۲۰۰۷ء) شائع ہوا...... حسن اتفاق جب ان کتابوں کے پہلے ایڈیشن کی چند کاپیاں آئیں تو امریکہ سے میرے محبین ڈاکٹر احمد مرزا نقشبندی اور جناب محمد مسعود احمد اشرفی موجود تھے...... اسی وقت ان کو پیش کی گئیں جو امریکہ پہنچ گئیں...... فارسی ایڈیشن فاضل مترجم محمد زبیر مجددی اور حضرت پیر آغا فضل الرحمٰن مجددی (نبیرۂ حضرت ضیائے معصوم مجددی)، مولانا محمد شعیب مسعودی نے افغانستان میں اہل علم و دانش میں پھیلایا...... اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے...... آمین

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے حالات و خدمات پر پہلی عربی تصنیف مفتی اعظم ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد امام و خطیب جامع مسجد فتحپوری دہلی نے مدون کی......

"الامام الربانی مجددالالف الثانی الشیخ احمد السرھندی"

اس کا مسودہ دہلی سے موصوف نے فقیر کو بھیجا...... فقیر نے بعض علماء کو نظر ثانی کے لیے دیا...... پھر مزید کام کے لیے دار العلوم سلطانیہ جہلم بھیج دیا...... جہاں فاضل جلیل مفتی محمد علیم الدین نقشبندی نے مہینوں کام کیا، بہت سے مفید اضافے کیے اور عرب علمائے نقشبندیہ سے متعلق صاحبزادہ بدر الاسلام صدیقی نے ایک مقالے کا اضافہ بھی کیا...... پھر صاحبزادہ بدر الاسلام نے ۲۰۰۷ء میں مکتبۃ العصر، گجرات (پاکستان) سے آب و تاب کے ساتھ اس کو شائع کیا...... الحمد للہ! شائع ہوتے ہی اس کی کاپیاں مدینہ منورہ، دمشق، قاہرہ (مصر)، ماریشس، دوبئی، نیوزی لینڈ وغیرہ پہنچ گئیں...... اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ علامہ محمد رضوان احمد نقشبندی (ناظم تعلیمات نصرۃ العلوم، کراچی) کے اس وقیع تبصرے سے ہوتا ہے:

> "اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مصنف کا تعلق ایک ایسے علمی و روحانی خانوادے سے ہے جس کے فیض و برکت کے آثار سے عالم جگمگا رہا ہے...... خصوصاً آپ کے جد امجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی کی جن کی روحانی تربیت اور روحانی توجہ نے آپ کو کمالات علمی اور علمی معراج سے سرفراز فرمایا......
>
> کتاب مذکور یقیناً تعلیمات مجددیہ کا مظہر ہے اور اس لائق ہے کہ

> اسے بجا طور پر علمی اور تحقیقی دنیا میں پیش کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ آپ نے یہ کتاب تصنیف فرما کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے وابستگان پر خصوصاً اور عامۃ المسلمین پر عموماً ایک احسان عظیم فرمایا ہے۔۔۔۔ اس احسان کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمانے والا ہے۔۔۔۔۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب مستطاب کو مقبول عام و خاص بنائے۔۔۔۔۔ خصوصاً بلاد عرب میں اس کتاب کے ذریعے تعلیمات مجددیہ کا فیض عام فرمائے۔۔۔۔۔ آمین“[۱۳۰]

◆

باقیات جہان امام ربانی کی تدوین کے دوران جیسا کہ عرض کیا بہت سا علمی کام ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں سے نہ صرف فقیر بلکہ تمام مخلصین اور معاونین فیض یاب ہوئے اور فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔۔۔۔۔

۲۰۰۵ء میں ابھی جہان امام ربانی کی پانچ مزید جلدیں منظر عام پر نہ آئیں تھیں کہ زیارت حرمین شریفین اور عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔۔۔۔۔ الحمد للہ۔۔۔۔۔ مدینہ منورہ سے رابطہ رہتا ہے اور شیخ محمد عارف قادری ضیائی مدنی فقیر پر کرم فرماتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔ کبھی مدینہ منورہ کی کھجوریں بھیجتے ہیں۔۔۔۔۔ کبھی آب زم زم اور تسبیحیں کبھی جائے نمازیں۔۔۔۔۔ حال ہی میں ایک جائے نماز بھیجی جس پر لکھا تھا:

”مصنع المدینة المنورة“

پڑھ کر اتنی فرحت ہوئی کہ عرض نہیں کرسکتا۔۔۔۔۔

شیخ محمد عارف قادری ضیائی کی مایۂ تصنیف ”سیدی ضیاء الدین احمد القادری“ جو دو جلدوں میں ان کے معتقد و مخلص جناب شیخ عبد العزیز خاں نے ۲۰۰۵ء میں حزب القادریہ لاہور سے شائع کی شیخ محمد عارف نے چند نسخے علماء و مشائخ میں تقسیم کے لیے فقیر کو بھی بھجوا دیے۔۔۔ اور یہ مدینہ منورہ کا فیضان ہے کہ ۲۷؍ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ بمطابق ۱۴؍ اگست ۲۰۰۷ء کو فقیر کو ایک سو برس بعد جد امجد فقیہ الہند حضرت محمد مسعود شاہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے عمامہ شریف کا ایک پارچہ ایک خاندانی بزرگ خاتون کی طرف سے عطا کیا گیا۔۔۔ الحمد للہ! فقیر کے پاس تبرکات کا ایک جہاں آباد ہے۔۔۔۔

باقیات جہان امام ربانی کی تدوین کے دوران بفضلہٖ تعالیٰ چند تحقیقی مقالات اور تقدیمات وتاثرات بھی قلم بند کیے گئے...... مثلاً

۱...... مقالہ درود تاج ...... قرآن وحدیث کی روشنی میں ...... ادارہ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۶ء یہ مقالہ اسی سال گلوبل اسلامک مشن نیویارک کے چیئرمین جناب محمد مسعود احمد اشرفی نے بھی شائع کیا......

۲...... تعظیم کتاب اللہ...... ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۶ء ...... یہ کتاب بھی گلوبل اسلامک مشن نیویارک نے ۲۰۰۶ء ہی میں شائع کی...... اور اس کا عربی ترجمہ صاحبزادہ احمد سہیل مجددی نے کیا...... جو ادارۂ مسعودیہ نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا...... بفضلہٖ تعالیٰ حرمین شریفین اور دیگر بلاد عرب میں پہنچا...... اس کا انگریزی ترجمہ محمد نسیم خان، دہلی نے کیا جو ادارۂ مسعودیہ کراچی نے ۲۰۰۷ء نے شائع کیا......

۳...... مقالہ فتح مبین، ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۶ء، مقالے کا مبیضہ علامہ محمد عبد الحکیم شریف قادری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو تحریر فرمایا:

''میں اسے پڑھ کر بہت محظوظ ہوا''

یہ مقالہ جناب محمد مسعود احمد اشرفی نے ۲۰۰۶ء میں گلوبل اسلامک مشن نیویارک سے شائع کیا......

۴...... پیغامبر امن حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اردو انگریزی) ۲۰۰۷ء، یہ مقالہ گلوبل اسلامک مشن، نیویارک سے شائع کرے گا...... اس کے علاوہ ادارۂ مسعودیہ، امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی، ادارۂ مظہر اسلام، لاہور کی طرف سے دیگر قلم کاروں کی مطبوعات ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۷ء میں شائع کی گئیں...... یہ سب باقیات جہان امام ربانی کی تدوین کی برکات تھیں......

نومبر ۲۰۰۷ء میں ایک مجددی خاتون جرمنی سے کراچی تشریف لائیں وہ اپنے والد ماجد حضرت بدر المشائخ فضل الرحمٰن مجددی اور اجداد کرام حضرت صدر المشائخ فضل عثمان مجددی اور نور المشائخ فضل عمر مجددی علیہم الرحمۃ کی سوانح لکھوانا چاہتی تھیں، حسن اتفاق فقیر نے تینوں بزرگوں کی زیارت کی اور اول الذکر دو بزرگوں نے فقیر پر بہت کرم فرمایا...... فقیر نے یہ اہم کام فرزند طریقت محمد عبد الستار طاہر زید مجدہٗ کے سپرد کردیا کہ وہ صاحب اخلاص بھی ہیں اور صاحب استقامت بھی...... یہ کام بھی جہان امام ربانی کی برکات میں شامل ہے......

اسی کے ساتھ ساتھ فقیر نے چند تقدیمات اور تأثرات بھی لکھے...... حالانکہ عرصہ دراز سے فقیر نہ تقدیمات لکھتا ہے نہ تأثرات...... بس رب کریم لکھواتا ہے وہی لکھتا ہے...... تو یہ تقدیمات وتاثرات بھی اسی کریم کے لکھائے سے لکھے ہیں......

تقدیمات:

۱......اختلافات رضا، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، دہلی (۶/دسمبر ۲۰۰۵ء)

۲......سیل تجلیات، دیوان نعت، جناب خالد محمود نقشبندی، کراچی (۲۰۰۶ء)

۳......کلیات مکاتیب رضا، ڈاکٹر غلام جابر مصباحی، ممبئی، (۱۰/دسمبر ۲۰۰۶ء)

۴......فیضان کرم، محمد رفیق کمال الدین، یوکے، (جنوری ۲۰۰۷ء)

۵......خطوط مشاہیر، از ڈاکٹر غلام جابر مصباحی، (ممبئی ۲۰۰۷ء)

۶......انمول ہیرے، مفتی مشتاق احمد پنیالوی ترجمہ اردو ''المنبہات'' مؤلفہ علامہ ابن حجر عسقلانی (۲۴/اکتوبر ۲۰۰۷ء)

تاثرات:

۱......پیغام برائے تنظیم المدارس، پاکستان (۲۰۰۵ء)

۲......علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ، جمشید پور (بہار) (۷/فروری ۲۰۰۷ء)

۳......مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن عباسی علیہ الرحمۃ، (۹/فروری ۲۰۰۷ء)

۴......حکیم مشتاق احمد حیدری علیہ الرحمۃ، کراچی (۲۱/مارچ ۲۰۰۷ء)

۵......حکیم سید اکرام حسین چشتی سیکری علیہ الرحمۃ، حیدرآباد سندھ (۱۵/مئی ۲۰۰۷ء)

۶......علامہ تحسین رضا خاں علیہ الرحمۃ بریلی شریف (بھارت) (۷/اگست ۲۰۰۷ء)

۷......علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ، لاہور (۹/ستمبر ۲۰۰۷ء)

۸......علامہ ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی مدظلہ العالی (۱۳/دسمبر ۲۰۰۷ء)

۱......**الجنات الثمانیہ:**

باقیات جہان امام ربانی کی تدوین کے دوران علمی فتوحات بھی ہوئیں جس میں سرفہرست حضرت مجدد

الف ثانی رضی اللہ عنہ کے پوتے خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید علیہما الرحمۃ کے آٹھ عربی رسائل کا نادر قلمی مجموعہ ہے جو علماء عرب کی درخواست پر لکھا گیا تھا جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (بھارت) کے لائبریرین نے شیفتہ کلیکشن سے سی ڈی بنوا کر مفتی اعظم ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد شاہی امام و خطیب جامع مسجد فتحپوری دہلی کو ارسال فرمایا...... موصوف نے یہ سی ڈی فقیر کو ارسال فرمائی اور فقیر نے یہ سی ڈی خانقاہ فتحیہ جہلم (پاکستان) کے صاحبزادہ بدر الاسلام صدیقی کو ارسال کی...... انھوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے اس مجموعے سے ایک رسالے الجنات الثمانیہ کے مخطوطے کا مطالعہ کر کے مبیضہ تیار کیا اور کمپوز کروا کر اگست ۲۰۰۷ء کو اس کی سی ڈی اس خوشخبری کے ساتھ ارسال کی کہ دار العلوم سلطانیہ (جہلم) کے شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی نے اس کا اردو ترجمہ بھی تیار کرلیا ہے...... **فالحمد للّٰہ علیٰ ذلک حمدا کثیرا.** الحمدللہ "**الجنات الثمانیہ**" دار العلوم سلطانیہ، جہلم سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوگئی ہے اور جسے باقیات جہان امام ربانی میں بھی شامل کرلیا گیا ہے۔

۲...... ۶ رجولائی ۲۰۰۷ء کو امریکہ سے ڈاکٹر احمد مرزا (چیئرمین نقشبندی فاؤنڈیشن فار اسلامک ایجوکیشن) تشریف لائے اور انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں عنایت فرمائیں:

1......Abdul Hakeem Murad
Understanding the four Madhahbs

یہ کتاب مسلم اکیڈمک ٹرسٹ استانبول نے شائع کی۔

2.....NUHA Min Keller
Concept of Bid'a in The Islamic Shari'a

یہ مسلم اکیڈمک ٹرسٹ استانبول نے شائع کی ہے۔

3.....Sufi Irshad Alam
Faith Pratice and Piety

یہ کتاب صوفی پیس مشن، ڈھاکہ نے ۲۰۰۶ء میں شائع کی۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے جلد اول کے مکتوب نمبر ۲۶۶ کا انگریزی میں ترجمہ اور شرح ہے جو ۱۸۶ صفحات پر مشتمل ہے...... مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی اسرار و معارف کا خزینہ ہے...... ایک

ایک مکتوب پر رسائل وکتب لکھی جاسکتی ہیں...... اسی لیے امام احمد رضا محدث بریلوی نے مکتوبات شریف کو دوسری کتابوں پر فوقیت دی ہے...... ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''تفسیر عقائد اہل سنت اور بیان مسائل نفیسہ وفقہ وکلام کے سبب بہت کتب پر مزیت (برتر وفوق) ہے''[۱۴]

اور مولانا محمد علی مونگیری کو انہی مکتوبات شریفہ کا حوالہ دیتے ہوئے سلف وصالحین کے مسلک کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا:

> ''مولانا! خدارا انصاف...... آپ یا زید، اراکین، مصلحت دین و مذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت شیخ مجدد...... مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کو معاذ اللہ باطل جانیے...... اور جب وہ حق ہے اور بے شک حق ہے کیوں نہ مانیے''[۱۵]

بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکتوبات امام ربانی کے مطالعے کے نتیجہ میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے کچھ عرصے رفع سبابہ بھی ترک فرمایا...... جس کا اندازہ ڈاکٹر غلام جابر مصباحی کی ایک کتاب ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' (از ڈاکٹر غلام جابر مصباحی) کے مطالعہ سے ہوتا ہے......[۱۶]

لیکن امام احمد رضا نے اس کا اقرار کہیں نہیں فرمایا بلکہ سکوت فرمایا اور رفع سبابہ ہی پر اپنا عمل بتایا۔[۱۷]

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے رفع سبابہ کے مسئلہ میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا دفاع کرتے ہوئے اسماعیل دہلوی کا خوب تعاقب کیا ہے اور محاسبہ فرمایا ہے...... اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں آپ کا میلان ترک رفع سبابہ پر تھا...... ورنہ دفاع نہیں فرماتے...... لیکن بالعموم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ اور ان کے اکابر نے رفع سبابہ پر عمل کیا ہے

4.....Elizabath Oztalga

Naoshbandis In Westren and Central Asia

یہ کتاب سوئیڈش انسٹیٹیوٹ استنبول نے ۱۹۹۹ء میں شائع کی......

۳......سراج القلوب:

شیخ محمد عثمان، سراج الدین نقشبندی القادری، انگریزی ترجمہ، مطبوعہ کنیڈا، ترجمہ فارسی از بہاء الدین نقشبند "حقیقت تصوف، بحث طریقۂ نقشبندیہ" یہ کتاب کردش میں لکھی گئی...... پھر انگریزی اور فارسی میں ترجمہ ہوا...... پھر عربی زبان میں "ماھو التصوف" کے عنوان سے ڈاکٹر محمد شریف احمد نے کیا...... ڈاکٹر احمد مرزا نے انگریزی میں ترجمہ عنایت فرمایا......

ڈاکٹر احمد مرزا نے یہ بھی بتایا کہ فرانس سے ایک رسالہ بعنوان

History Of Sufi Islam

نکلتا ہے...... عنقریب اس کا مشائخ نقشبندیہ قادریہ نمبر بھی شائع ہونے والا ہے......

۴...... صاحبزادہ بدر الاسلام صدیقی نے فتاویٰ دیداریہ کی ضخیم جلد ارسال فرمائی اس میں مولانا دیدار علی شاہ علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں اور یہ پہلی بار ۲۰۰۷ء میں مکتبۃ العصر، گجرات سے شائع ہوا۔

۵...... حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمۂ قرآن کریم اور تفسیری حواشی جو پہلی بار سید محمد شفیع الدین نقشبندی نے ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء دہلی سے شائع کیے تھے۔ وہ صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ نے ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور نے بعنوان تفسیر مظہر القرآن دو جلدوں میں رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں لاہور سے شائع کر دیے۔ مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ رمضان المبارک ہی میں اس کا پہلا اڈیشن ختم ہو گیا ہے۔

۶...... پروفیسر محمد اکبر واد ملک نے آزاد کشمیر سے اپنی تالیف "البلاغ المبین" (گلہار، ۲۰۰۷ء) ارسال فرمائی جو خواجہ محمد صادق صدیقی نقشبندی مجددی کا عارفانہ پند و نصائح کا ایک حسین مجموعہ ہے۔

۷...... حضرت سید سرمد الحسینی نے ایک نادر کتاب "تجدد امثال" عنایت فرمائی جو دو قرآنی آیات کی فلسفیانہ تفسیر ہے اور فکر خیز ہے۔ اس کے آخر میں "نغمہ تاثر" کے عنوان سے ایک نظم ہے جس کا مطلع ہے:

محفل میں جب وہی ہیں تو محفل کدھر کو ہے؟
سینے میں جب وہی ہیں تو پھر دل کدھر کو ہے؟

یہ کتاب ۱۹۵۹ء انجمن پریس، کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

۸...... حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری نے ایک نادر تحفہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ کے قلمی خطوط کا عکس عنایت فرمایا جس کی فلم باقیات جہان امام ربانی کی مرقعات میں شامل کی گئی

ہیں۔

۹......ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس نے اطلاع دی ہے کہ یورپ میں ایک خاتون نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے ''نظریہ تجدید'' پر کسی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا ہے۔

۱۰......برمنگھم (یو کے) سے جناب منیر حسین مسعودی نے اپنے برقی مراسلہ (۷ردسمبر ۲۰۰۷ء) میں Anna Zelkina کی انگریزی کتاب In Quest of God and Freedom (London:2000) کا ذکر کیا ہے جس میں نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ کے طریقۂ سلوک اور روس میں مشائخ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ کی کچھ تفصیلات ہیں...... داغستان میں سلسلہ مجددیہ خالدیہ کے فروغ کے ساتھ ساتھ ان مشائخ مجددیہ خالدیہ کا ذکر کیا ہے......

☆......شیخ محمد اسماعیل شیروانی

☆......محمد الیراغی

☆......جمال الدین الغازی غوماقی

اس کے علاوہ چیچنیا میں مجددی اثرات کے اثر ونفوذ کے ساتھ ساتھ داغستان کے ان مشائخ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ کا ذکر کیا ہے......

☆......امام غازی محمد مجددی

☆......امام حمزہ بیگ مجددی

☆......امام شامل اور ان کے عروج اور نظام شریعت کا ذکر کیا ہے......

۱۱......جناب گوہر احمد وفائی نے مقبوضہ کشمیر سے اپنے برقی مکتوب (۱۶ردسمبر ۲۰۰۷ء) میں اطلاع دی ہے کہ وہاں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے استادِ گرامی شیخ یعقوب صرفی علیہ الرحمۃ کا مزار مبارک ہے، انھوں نے مزار مبارک کا عکس بھیجنے کا وعدہ کیا ہے...... اگر بروقت مل گیا تو مرقعات میں شامل کر دیا جائے گا...... ان شاء اللہ تعالیٰ۔

⊙

باقیات جہان امام ربانی کی تدوین کے دوران ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۷ء میں تقریباً ڈیڑھ سو اعزازی کتابیں ملیں...... اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی بارش ہوتی رہی...... لیکن بعض لوگ شاید اللہ تعالیٰ کے فضل کو

نہیں جانتے پہچانتے...... اس لیے وہ شخصیات کو سندوں کی میزان پر تولتے ہیں...... حالانکہ جن کے پاس سند ہے ہی نہیں ان کی کتابیں نصاب میں شامل ہیں...... جس پر سندیں دی جاتی ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ علم دین اللہ کے فضل سے ملتا ہے...... مطالعے سے بڑھتا ہے اور پھیلتا ہے اور مہارت سے قایم رہتا ہے...... علم دین کی بہار عمل سے ہے...... عمل کی بہار اخلاص اور تقویٰ ہے...... عمل و اخلاص نہیں تو سندیں تہمت علم بن کر رہ جاتی ہیں اور عالم بار بردار جانور سے زیادہ نہیں رہتا...... جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

”مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ
یَحْمِلُ اَسْفَارًا“ (٥/ جمعہ/٦٢)

◆

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ۲۰۰۶ء سے ادارۂ مسعودیہ کراچی کی ویب سائٹ

www.almazhar.com

کا اجراء ہوا...... جس کا شمار دنیا کی بہترین اسلامی ویب سائٹوں میں کیا جا رہا ہے...... جو تصاویر اور دنیاوی سیاست سے مبرا ہے...... جناب چراغ الدین مسعودی، جناب عمیر احمد مسعودی اور جناب محمد ابراہیم مسعودی خالصۃً لوجہ اللہ خدمت میں لگے ہوئے ہیں...... مولیٰ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے...... آمین

اس ویب سائٹ میں اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور ہندی وغیرہ زبانوں میں اصلاحی لٹریچر ڈالا گیا ہے...... الحمدللہ! یہ ویب سائٹ ایک سال کے اندر اندر پوری دنیا بہت مقبول ہوئی...... اس ویب سائٹ سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی استفادہ کر رہے ہیں...... ۲۰۰۷ء میں امریکہ کے ایک سکھ Visitor گر تیج سنگھ باجوا نے ویب سائٹ میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ پر فقیر کی کتاب کا ترجمہ دیکھا...... وہ صوفیہ سے عقیدت رکھتے ہیں اور سرہند شریف میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے ہیں اس لیے ان کے بارے میں پڑھنا چاہتے تھے...... چنانچہ اس کتاب کے حصول کے لیے انھوں نے ای میل بھیجا...... کتاب کی سی ڈی ان کو بھیج دی گئی...... الحمدللہ! ایک سال کے اندر اندر ہزاروں ناظرین نے ویب سائٹ کو دیکھا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے...... اب تک مندرجہ ذیل ممالک کے ناظرین استفادہ کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں......

ٹیونس، نیپال، تھائی لینڈ، کویت، اٹلی، کولمبیا، فن لینڈ، بحرین، برکینا ناسو، ارجنٹائن،

فلپائن، چین، مصر، آسٹریا، کرغستان، چلی، مالدیو، نائجیریا، ہالینڈ، انڈیا، فرانس، سوئٹزرلینڈ، پرتگال، کنیڈا، سری لنکا، بنگلہ دیش، ایران، ملائشیا، سنگاپور، سویڈن، امریکہ، پاکستان، آسٹریلیا، عرب امارات، ہانگ کانگ، برطانیہ، سعودی عرب، جاپان، اسپین، یورپی ممالک، جنوبی افریقہ، ڈنمارک، اردن، جرمنی، بوسنیا ہرزی گوینا، تائیوان، برازیل، یونان، قازقستان، ماریشس، انڈونیشیا، یوگوسلاویہ، ناروے، ترکی، بلجئم، پیورٹوریکو، رشین فیڈریشن، تنزانیہ، رومانیہ، پولینڈ، فلپائن، ہسپانیہ، آذربائیجان وغیرہ وغیرہ

الحمدللہ علیٰ احسانہ! حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا پیغام اس ویب سائٹ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیل رہا ہے...... پیغام کی اشاعت کی عالمی سطح پر ضرورت کو محسوس کیا جارہا ہے...... چنانچہ ۲۰۰۷ء میں جرمنی سے ایک مسلمان خاتون کا فون آیا جنھوں نے تعلیمات مجددیہ کی اشاعت کی طرف متوجہ کیا...... جب ان کو امام ربانی فاؤنڈیشن اور ادارۂ مسعودیہ کراچی کی خدمات کا ذکر کیا تو انھوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا......

◆

''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' کی جلد گیارہ (مطبوعہ کراچی ۲۰۰۷ء) میں جام جم کے عنوان سے مختلف علماء و مشائخ، پروفیسر و دانشور وغیرہ کے تاثرات شامل کیے گئے ہیں (صفحہ ۷۷ تا ۸۶۲) فقیر جام جم سے چند منتخب افراد کے تأثراتی کلمات پیش کرتا ہے...... مقصود جہان امام ربانی کا تعارف ہے... ضمناً میرا ذکر آگیا ہے تو مجبوراً بطور تحدیث نعمت شامل کیا گیا ہے......

علامہ عبدالحکیم شرف قادری

(سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ و جامعہ اسلامیہ، لاہور)

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کی طرف سے اس موقع پر (انٹرنیشنل امام احمد رضا، انٹرنیشنل امام ربانی کانفرنس۔ مارچ ۲۰۰۵ء) بیس سے زیادہ کتب شائع ہوجانا اور امام ربانی فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کراچی کی طرف سے جہان امام ربانی کی سات ضخیم جلدوں کا چھپ جانا امام ربانی مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی کی کرامت اور اہل سنت و جماعت کی بیداری کی علامت ہے...... وہاں آپ کی زندہ و پائندہ کرامت بھی ہے...... فقیر کے نزدیک آپ کا یہ کارنامہ خوش آئند ہے کہ آپ نے نقشبندیوں اور رضویوں کے درمیان پائے جانے والے فاصلے کی خلیج کو ختم کر کے رکھ دیا اور یہ عصر حاضر کا اہم ترین تقاضا

ہے۔[18] (۲۵/اپریل ۲۰۰۵ء)

علامہ محمد جمیل احمد نعیمی چشتی صابری

(استاذ الحدیث وناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ کراچی)

احقر یہ سمجھتا ہے کہ مسعود ملت کی سرپرستی میں اس مختصر مدت میں اتنے عظیم علمی، فکری، تحقیقی، تخلیقی اور حسن صوری ومعنوی کے ساتھ کام کا ہو جانا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کا تصرف نہیں تو اور کیا ہے......

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

احقر اس شعر پر اپنی تحریر کو ختم کرتا ہے:

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما[19]

(۱۲/جنوری ۲۰۰۷ء)

مفتی اعظم علامہ ڈاکٹر محمد مکرم احمد نقشبندی

(امام وخطیب شاہی مسجد فتح پوری، دہلی (بھارت)

☆......جہان امام ربانی نے دھوم مچا رکھی ہے، جو بھی دیکھتا ہے بے حد متاثر ہوتا ہے (۱۳/جولائی ۲۰۰۵ء)

☆......شاید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری کے بعد آپ کے غلاموں میں کسی بھی شخصیت پر اتنا عظیم کام نہ ہوا ہوگا، بے شک یہ ایک تاریخ ساز کام ہے۔ (محررہ: ۲۴/اپریل ۲۰۰۵ء)

☆......حقیقت یہ ہے کہ سات جلدوں پر مشتمل "جہان امام ربانی" کو شایع کر کے انھوں نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ جیسی عظیم ذات کے محاسن ومحامد کا جو جہاں آباد کیا ہے اور اس طرح ان کی بارگاہ میں جس خوبصورت انداز میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے وہ تصوف کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا اور بارگاہ مجدد سے دنیا و آخرت میں بہت بڑے انعام واکرام کا موجب بنے گا۔[۲۰]

(محررہ: ۱۰/اپریل ۲۰۰۵ء)

علامہ مفتی محمد علیم الدین نقشبندی

(شیخ الحدیث دارالعلوم سلطانیہ، جہلم، پنجاب)

یہ کتاب آپ کے مؤقر ادارہ اور آپ کی طرف سے بارگاہ مجددی میں منفرد اور عدیم النظیر نذرانۂ عقیدت ہے اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت کی امید ہے۔ اتنی جامعیت، اتنے تنوع، اتنی انفرادیت اور اتنی ضخامت کے باوجود دل یہ کہتا ہے

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا[۲۱]

(محررہ: ۴؍ستمبر ۲۰۰۵ء)

علامہ محمد منشا تابش قصوری

(استاد جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان)

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ پر بیس سے زائد کتب لکھنے کے بعد اب امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر نہ صرف کام کا آغاز کیا ہے بلکہ ان کی زیر سرپرستی جہان امام ربانی کے مقدس نام سے چھے ضخیم مجلدات بڑی آب وتاب سے منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہو چکی ہیں جو اہل تحقیق کے لیے نہایت تاریخی شاہکار رہیں۔[۲۲] (۲؍ستمبر ۲۰۰۵ء)

علامہ محمد صدیق ہزاروی

(جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ'' کی وقعت اور جامعیت کے حوالے سے جہاں دیگر عوامل کو رد کرنا مشکل ہے وہاں اس انسائیکلوپیڈیا کے عمدہ مضامین کے ساتھ ساتھ اس کی شاندار ترتیب اور دیدہ زیب طباعت میں حضرت مسعود ملت کی سرپرستی اور تحریک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔[۲۳]

قاری محمد میاں نقشبندی مجددی

(سجادہ نشین خانقاہ حامدیہ، مہتمم جامعہ اسلامیہ خیر المعاد، قلعہ کہنہ قاسم، ملتان)

یہ حقیقت ہے کہ ''جہان امام ربانی'' میں حضرت امام ربانی کا ذکر نزول رحمت کا سبب ہے اور معناً صحبت کا حکم رکھتا ہے۔[۲۴]

مولانا قمر الدین نقشبندی

(سنام گنج، بنگلہ دیش)

الحمدللہ جہان امام ربانی کے مطالعہ سے فارغ ہوا اور الصبح ہر وقت نظارہ کرتا ہوں الحمدللہ میں آپ کی تحقیقات میں ڈوب گیا ہوں میں حتی المقدور دو ایک نسخہ مطبوعات ترجمہ کر رہا ہوں دعا فرمانا۔ ۲۵

(محررہ: ۴؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ)

ابوالحسن مولوی سلطان احمد مسعود چشتی

(حافظ آباد، پنجاب)

واجب الاحترام قبلہ پروفیسر صاحب دامت برکاتہم آپ کا سات جلدوں میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ملفوظات اور ان کی سیرت کا مرتب کرنا ایک نادر المثال تاریخی کارنامہ ہے اور اس عظیم کارنامہ کی بدولت ہر دور میں مؤرخ، مؤلف، مصنف اور رائیٹرز مخلصین اسلام پسند اور انصاف پسند سنہری حروف سے آپ کا نام لکھتے رہیں گے۔ ۲۶ (محررہ: ۲۴؍اکتوبر ۲۰۰۵ء)

علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

(جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر اسلام، لاہور)

قلم و قرطاس کے دیرینہ رفیق، نیر افق تحقیق قبلہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے ”جہان امام ربانی“ مرتب کروا کر سرمایۂ ملت کی نگہبانی کے ایک روشن عہد اور تابناک تاریخ کو یوں جامۂ تحریر عطا کیا ہے کہ موضوع کو اپنے حق کی خاطر کسی اور طرف متوجہ نہیں ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ قبلہ ڈاکٹر صاحب اور آپ کے رفقاء کی یہ کاوش قبول فرمائے۔ آمین۔ ۲۷

پیر طریقت عبد العزیز صدیقی نقشبندی مجددی

(بانی، سینٹ عبد الغنی میموریل اسکول، اندور، بھارت)

رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اتنا زبردست کارنامہ جناب کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچایا، یہ احسان عظیم ہے، چند لفظوں میں تعریف کر دینا اس محنت و جانفشانی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ۲۸

(۷؍اگست ۲۰۰۵ء)

صاحبزادہ سید محمد طاہر مظہری

(سابق ناظم اعلیٰ، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، اسلام آباد برانچ)

شیخ طریقت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کا تصور ”جہان امام ربانی“ مشیت الٰہی کے تحت آسمان دنیا کے اسلام پر اس طرح چمکا کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ اور آج دنیا انگشت بدنداں ہے کہ یہ عدیم المثل کام کب، کس نے اور کیسے کر لیا؟[۲۹]

میاں فضل احمد حبیبی

(نور علیٰ نور فاؤنڈیشن، گجرات)

جہان امام ربانی کی اشاعت نے فکر و سوچ کا دھارا بدل دیا ہے۔ نیز جلد اول کا مطالعہ ابھی جاری ہے، اس کے آغاز میں جس خوبی سے آپ کی بالغ نظری کے باعث اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں، سلسلہ مجددیہ کا حصہ نظر آتے ہیں اور ایک عظیم فرد ہیں۔ یہ فکری تبدیلی وقت کے ساتھ ساتھ قوی سے قوی تر ہوتی جائے گی، ان شاء اللہ۔ آپ نے پورے دھارے کو بدلنے میں کمال حکمت سے کام لیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے لطف و کرم سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔[۳۰] (محررہ: ۷/ مئی ۲۰۰۵ء)

علامہ محمد رضوان احمد خان نقشبندی

(ناظم تعلیمات و صدر مدرس، نصرۃ العلوم استاد اسلامک مشن یونیورسٹی، کراچی)

یقیناً یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام ہے کیونکہ ہماری معلومات کے مطابق اب تک کسی بھی شخصیت کے بارے میں اتنا مواد یکجا نہیں کیا گیا۔[۳۱]

مولانا جمیل احمد الوری نوحی

(مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتح پوری، دہلی)

”جہان امام ربانی“ یہ کتاب عہد اکبری کی ایک عظیم عہد آفریں ہستی کی سوانح حیات کا ایک اہم

انسائیکلو پیڈیا اور نہایت قیمتی مقالات کا قابل قدر مجموعہ ہے۔ [۳۲]

مفتی محمد نصیر الدین نصیر

(جامعہ سلطانیہ، شورکوٹ ضلع جھنگ)

عالم اسلام کی اس بے مثال شخصیت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی گراں مایہ خدمات اب تک اس امت پر قرض چلی آ رہی تھیں کہ آپ نے اس جدوجہد کے ذریعے امت مسلمہ پر عموماً اور اہالیان سلسلہ نقشبندیہ پر خصوصاً احسان عظیم فرما کر اس قرض سے سبکدوش کیا۔ [۳۳]

مولانا حافظ سخی محمد مہران قادری

(خطیب جامع مسجد، راوتیانی ضلع سانگھڑ، سندھ)

آج جلد ششم تک حرف بحرف مطالعہ کر چکا ہوں۔ واللہ! آپ نے حق ادا کر دیا ہے۔ جیسا عظیم کام تھا ویسا ہی آپ نے اس کو نبھایا ہے۔ ہر پہلو سے اس کو سمیٹا گیا ہے۔ سبحان اللہ جزاکم اللہ۔ [۳۴]

مولانا محمد نجم الحسن نجم نقشبندی

(دربار عالیہ کبوہ شریف، ڈیرہ اسماعیل خان، سرحد)

امام ربانی مجدد الف ثانی اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ پر آپ کی کاوشیں لائق تحسین ہیں۔ جس محنت اور جانفشانی سے بزرگوں کے حالات اکٹھے کیے گئے ہیں اور جس حسن ترتیب و تحقیق سے مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے فیوض و برکات اور شخصیت و فن کو جہان امام ربانی میں مرتب کیا گیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ گراں قدر کتاب آنے والے دور کے محققین و مؤرخین کی رہنمائی میں یقیناً بہت اہم کردار ادا کرے گی۔ [۳۵]

سردار علی احمد خان

(معروف دانشور، لاہور)

یہ کتاب وقت کی اہم ضرورت ہے اس میں تصوف کے علمی، عملی، روحانی اور معنوی پہلو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ [۳۶]

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

(نگران مرکزی مجلس رضا، لاہور)

"جہان امام ربانی" کی ترتیب واشاعت اتنا بڑا کارنامہ ہے جو پوری صدی پر حاوی رہے گا۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے علمی اور روحانی فیضان کو بکھیرتا رہے گا۔ ۳۷

(۱۷؍مئی ۲۰۰۵ء)

محمد عالم مختار حق

(معروف نقاد، لاہور)

جہان امام ربانی اپنی نفاست، حسن طباعت، گیٹ اپ، جلد سازی اور ترتیب کے لحاظ سے ایسا بدیع المثال مرقع ہے جو تعریف سے بے نیاز ہے ہم نے ایک محاورہ پڑھ سن رکھا ہے کہ "دیر آید درست آید" مگر آپ نے شبانہ روز محنت سے اتنا بڑا پروجیکٹ کم سے کم مدت میں مکمل کر کے اس محاورہ کو مقلب کر دیا، یعنی "جلد آید درست آید" ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ ۳۸

(۲۵؍اپریل ۲۰۰۵ء)

پروفیسر ڈاکٹر سلطان الطاف علی

(سابق چیئرمین، ٹیکسٹ بک بورڈ، کوئٹہ، بلوچستان)

اس شاندار کاوش پر مبارک ہو، میں نے ایک متلاشی حقیقت کی نظر سے ہر کشور علم وفن کو غور سے دیکھا تو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے متعلق تمام بنیادی عنوانات موجود تھے۔ ۳۹

(۲۸؍نومبر ۲۰۰۵ء)

پروفیسر حافظ سید مقصود علی

(سابق پرنسپل، پاکستان گورنمنٹ کالج، خیر پور۔ سندھ)

امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی قابل صد مبارکباد اور لائق تحسین ہے کہ اس نے شب وروز کی محنت شاقہ اور جہد مسلسل سے ۲ سال کے ایک مختصر وقت میں ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں اس قدر وسیع معلومات اکٹھی کر کے اس کو قارئین تک پہنچایا۔ یہ کام تائید الٰہی کے

بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ شاید اس پیمانے پر جس لگن اور جذبے کے ساتھ جو کام بھی ہوا ہے وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ [۴۰]

پروفیسر ڈاکٹر قاری رفیق احمد نقشبندی

(استاد، گورنمنٹ ایم۔ اے۔ او۔ کالج، لاہور)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے ایک منفرد و لازوال کارنامہ سرانجام دیا۔ جس سے چمن علم نبوت کی یاد تازہ ہوگی اور افکار مجدد سے کائنات میں اجالا ہوگا۔ نفرتوں کی دیواریں گر جائیں گی، محبت کا چمن آباد اور اسلامی امت ارتقاء پذیر ہوگی۔ ان شاءاللہ۔ [۴۱]

(محررہ: ۱۰/اپریل ۲۰۰۵ء)

شہزاد احمد اعوان قادری

(اسلامک لائبریری، کلورکوٹ، بھکر، پنجاب)

☆ ......میرے خیال میں جہان امام ربانی کی اشاعت کے بعد انقلاب کی ایک لہر بپا ہوگی جو بہت سوں کو عقائد و نظریات کے بارے میں نظر ثانی کا جھنجھوڑا دے گی۔ (۱۲/اگست ۲۰۰۵ء)

☆ ......یہ ہیں جہان امام ربانی کے بارے میں علماء و مشائخ اور دانشوروں کے خیالات و تاثرات۔ اس کی تفصیل جہان امام ربانی مجدد الف ثانی جلد نمبر گیارہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے...... [۴۲]

◆

باقیات جہان امام ربانی میں بعض عربی، فارسی، انگریزی مواد بغیر اردو ترجمے کے شائع کر دیا گیا ہے...... اردو ترجمہ کرایا جاتا تو غیر معمولی تاخیر کا امکان تھا...... اس لیے سوچا کہ اصل تو محفوظ ہو جائے گا اور اہل زبان بھی مستفیض ہو جائیں گے پھر جب اللہ تعالیٰ توفیق دے گا اس کا اردو ترجمہ کر لیا جائے گا......

بالعموم مذہبی شخصیات پر لکھتے وقت یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ مقالات میں صرف تعریف و توصیف ہو کوئی منفی بات نہ ہو...... مگر تحقیق کی دنیا میں تعریف و توصیف کی کوئی گنجائش نہیں...... وہاں بات حقائق سے ہوتی ہے...... اس لیے ہم نے جہان امام ربانی میں اس نظر سے مقالات کی چھان پھٹک نہ کی...... البتہ جہان امام ربانی کے بعض مقالات کے تعاقب میں جو علمی مقالات آئے وہ باقیات جہان امام ربانی مجدد الف ثانی میں شامل کر لیے گئے...... قارئین کرام کوئی بات خلاف حقیقت پائیں تو ضرور مطلع فرمائیں......

جہان امام ربانی اور پھر باقیات جہان امام ربانی کا کام بڑا وسیع ہے اس لیے اس میں علمی، تحقیقی واملائی غلطیوں کا قوی احتمال ہے...... جو قارئین کرام ایسی غلطیاں دیکھیں تو ضرور مطلع فرمائیں...... جن دانشوروں نے بعض اغلاط کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہم ان کے ممنون ہیں...... ایک امر کی وضاحت ضروری ہے، بعض مشائخ نقشبندیہ خود کو حضرت غوث اعظم اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہما سے برتر خیال فرماتے ہیں اور بعض مشائخ نقشبندیہ کی محافل میں بظاہر بعض باتیں خلاف شرع نظر آتی ہیں، گو ان حضرات کا حلقۂ اثر ایشیا، یورپ وامریکہ وغیرہ میں بہت وسیع ہے مگر ہم نے جہان امام ربانی میں ان کا ذکر نہیں کیا اگر کسی جلد میں ایسے مشائخ نقشبندیہ کا ذکر آ گیا ہو تو اس کو کالعدم سمجھا جائے......

◆

الحمدللہ! باقیات جہان امام ربانی مجدد الف ثانی کی تین جلدیں آپ کے سامنے ہیں...... اس سے قبل ''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' کی بارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں...... یہ سارا کام امام ربانی فاؤنڈیشن (انٹرنیشنل) کراچی کی سرپرستی میں ۲۰۰۵ء۔۲۰۰۷ء میں ہوا...... باقیات کا سلسلہ وسیع ہوتا نظر آرہا ہے...... پہلے خیال تھا کہ شاید ایک جلد شائع ہوگی، دو ہو گئیں پھر دو سے تین ہو گئیں...... مختلف فضلاء نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اور مشائخ نقشبندیہ علیہم الرحمۃ پر نوادرات و مقالات بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے اس لیے اگر اس طرف توجہ کی گئی تو مزید جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں لیکن تقریباً بیس سال سے فقیر غیر مسلموں کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر لکھنے کا ارادہ کر رہا ہے، کچھ مواد بھی جمع کیا گیا، عنوان بھی یہ تجویز کیا گیا ''جس کا انتظار تھا''...... اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ دو محبوبوں پر کام کے بعد ان کی توجہات خاصہ کے طفیل محبوب رب العالمین (ﷺ) کی طرف متوجہ ہوا جائے...... مولیٰ تعالیٰ اپنے کرم سے اس منصوبے کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور فقیر کی غیب سے مدد فرمائے...... آمین

۲۰؍ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ
یکم جنوری ۲۰۰۸ء

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
کراچی (سندھ)
اسلامی جمہوریہ پاکستان

☆......☆......☆

ماخذ و مراجع:

۱.....قرآن کریم، سورۂ کہف، آیت نمبر ۶۰

۲.....احمد سرہندی: مکتوبات شریف، ج ۳، مکتوب ۹۵

۳.....قرآن کریم، سورۂ یوسف، آیت ۹۶

۴.....ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) شمارہ جون ۱۹۶۲ء تا فروری ۱۹۶۳ء

۵.....احمد سرہندی: مکتوبات شریف، ج ۳، مکتوب ۶۹

۶.....ایضاً، جلد ۲، مکتوب شریف ۳۶

۷.....عبدالقادر جیلانی شیخ: غنیۃ الطالبین (ترجمہ اردو)، کراچی ۱۹۷۳ء، ص ۶۴۹

۸.....قرآن کریم، سورۂ صف، آیت ۴۱

۹.....احمد سرہندی: مکتوبات شریف، امرتسر ۱۳۳۳ھ

☆.....جلد اول، مکتوب نمبر ۱۱، ۱۸، ۸۲، ۸۳، ۸۷، ۱۰۶، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۱

☆.....جلد سوم، مکتوب نمبر ۲، ۶، ۷، ۱۵، ۱۹، ۳۷، ۴۳، ۵۶، ۱۲۳

☆.....بدرالدین سرہندی: مجمع الاولیاء (۱۰۴۳ھ) انڈیا آفس لائبریری، لندن مخطوطہ نمبر ۱۴۵

☆.....جہاں گیر نورالدین: تزک جہانگیری، لاہور ۱۹۶۰ء

☆.....داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، لکھنؤ ۱۸۷۸ء

☆.....رحمان علی، مولانا: تذکرہ علمائے ہند، لکھنؤ ۱۹۱۴ء

☆.....صدیق حسن خاں، نواب: ابجد العلوم، جلد سوم، بھوپال ۱۲۹۵

☆.....عنایت اللہ شیخ، ڈاکٹر: انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد اول، جز ۵

☆.....غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ۱۳۰۳ھ

☆.....کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ، لاہور

☆.....محمد امین بدخشی: مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ (۱۰۷۰ھ) مخطوطہ برٹش میوزیم، لندن

☆.....محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، کانپور ۱۳۰۷ھ

☆.....I.H.Qureshi: History of Freedom Movement Karachi, 1957

☆......T.W.AArnold: The Preaching of Islam, Lahore, 1956

☆......Tripathi: Rise And Fall of Mughal Eampire, 1956

۱۰......ڈاکٹر آرتھر بیولر، برقی مکتوب محررہ ۲۰۰۶ء از نیوزی لینڈ

۱۱......پروفیسر محمد کبیر احمد مظہر، مکتوب محررہ ۳۱ مئی ۲۰۰۷ء، از لاہور

۱۲......محمد مکرم احمد: مکتوب محررہ ۳۱ مئی ۲۰۰۷ء، از دہلی

۱۳......محمد رضوان احمد خاں، ناظم تعلیمات جامعہ نظرۃ العلوم، کراچی ۲۰۰۶ء

۱۴......احمد رضا خاں بریلوی: فتاوٰی رضویہ، جلد ۲۶، ص ۵۷۶، مطبوعہ لاہور

۱۵......محمود احمد قادری: مکتوبات امام احمد رضا بریلوی، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۲

۱۶......ڈاکٹر غلام جابر مصباحی: خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا خاں بریلوی، مکتوب مرزا محمد بیگ محررہ ۸ر شعبان المعظم، ص ۱۸۶_۱۸۷، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

۱۷......احمد رضا خاں بریلوی: کبۃ الشہابیہ (۱۳۱۲ھ) مطبوعہ اہل سنت برقی پریس، مراد آباد ۱۳۵۳ھ

۱۸......جہان امام ربانی مجدد الف ثانی، ج ۱۱، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء، جام جم، ص ۷۶۴_۷۶۵

۱۹......ایضاً، جام جم، ص ۷۸۷_۷۸۸

۲۰......ایضاً، جام جم، ص ۷۹۳_۷۹۵

۲۱......ایضاً، جام جم، ص ۷۹۵

۲۲......ایضاً، جام جم، ص ۷۹۷

۲۳......ایضاً، جام جم، ۷۹۹

۲۴......ایضاً، جام جم، ص ۸۰۰

۲۵......ایضاً، جام جم، ص ۸۰۰_۸۰۱

۲۶......ایضاً، جام جم، ص ۸۰۳

۲۷......ایضاً، جام جم، ص ۸۰۴

۲۸......ایضاً، جام جم، ص ۸۰۷

۲۹......ایضاً، جام جم، ص ۸۰۹

۳۰......ایضاً، جام جم، ص ۸۱۱

۳۱......ایضاً، جام جم، ص ۸۱۶

۳۲......ایضاً، جام جم، ص ۸۱۹

۳۳...... ایضاً، جام جم، ص ۸۲۶

۳۴...... ایضاً، جام جم، ص ۸۲۷

۳۵......ایضاً، جام جم، ص ۸۲۹

۳۶......ایضاً، جام جم، ص ۸۳۰

۳۷......ایضاً، جام جم، ص ۸۴۵

۳۸......ایضاً، جام جم، ص ۸۴۶۔۸۴۷

۳۹......ایضاً، جام جم، ص ۸۴۸

۴۰......ایضاً، جام جم، ص ۸۵۰

۴۱......ایضاً، جام جم، ص ۸۵۳

۴۲......ایضاً، جام جم، ص ۸۵۹

☆......☆......☆

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام

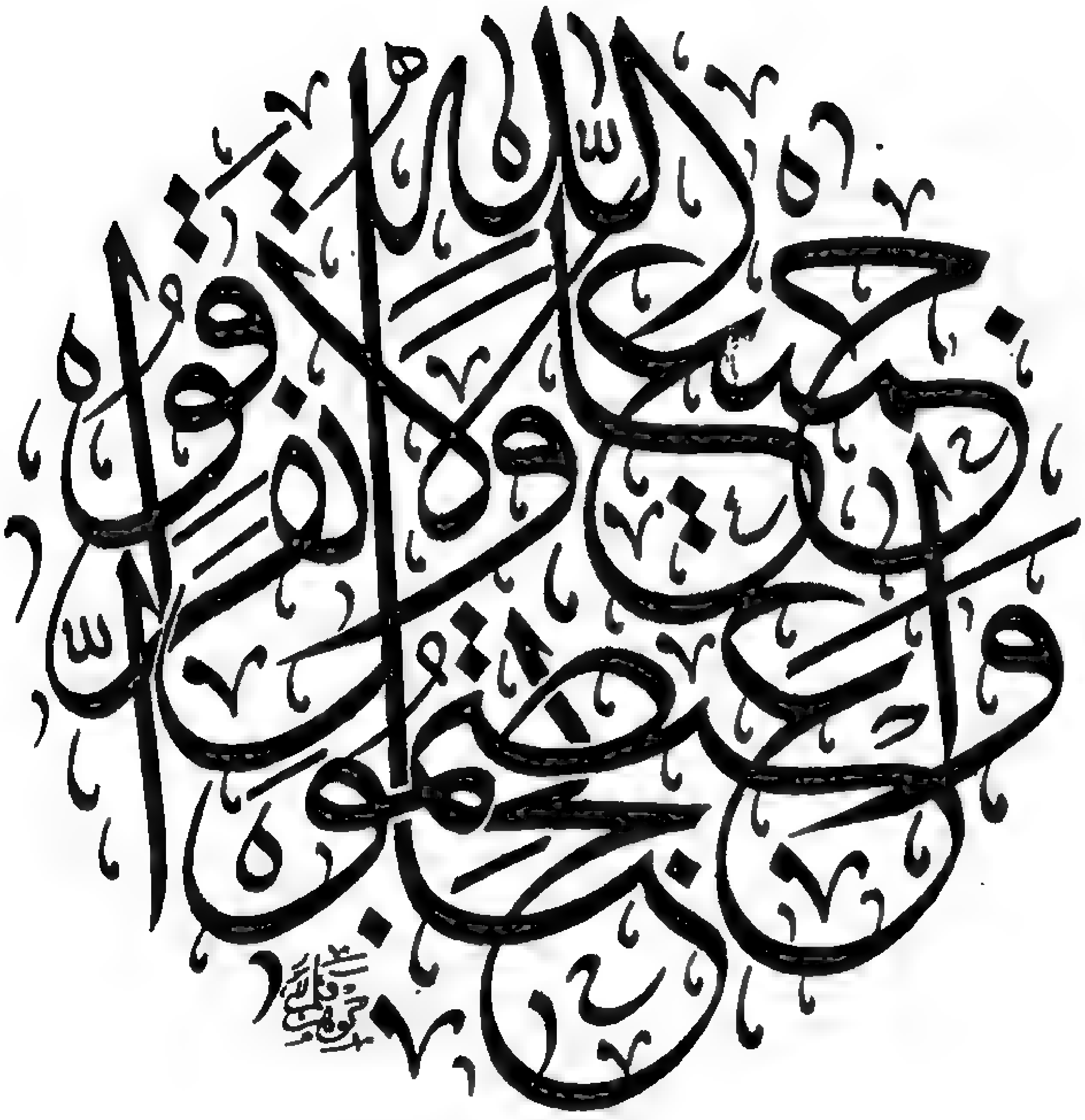
واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابتدائیہ

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ (م سنہ ۱۰۳۴ھ/ سنہ ۱۶۲۴ء) عالم اسلام کے آفتاب وماہتاب ہیں...... آپ سرزمین ہند میں اکبر بادشاہ کے دور حکومت میں سنہ ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء میں پیدا ہوئے اور اکبر بادشاہ کے آخری دور حکومت (سنہ ۹۹۰ھ...... سنہ ۱۰۱۴ھ) میں جب حالات نہایت بدتر ہو چکے تھے اپنی تجدیدی مہم کا آغاز کیا...... آپ کی ہمت بلند نے گوشہ نشینی کی بجائے میدان عمل کا انتخاب کیا، بقول آپ کے حکومت وقت نے آپ کی اور آپ کے احباب کی ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، جلاوطن کیا گیا حتیٰ کہ شہید کیا گیا...... آپ کے خسر شیخ سلطان کو شریعت کی پابندی کی پاداش میں شہید کیا گیا، آپ کا گھر غم کدہ بن گیا مگر آپ کے دل میں دشمن سے انتقام کا ادنیٰ خیال تک نہ آیا...... جہانگیری دور میں بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر کسی سے انتقام نہ لیا...... جس دربار میں جہانگیر نے عتاب کیا ایک زمانہ آیا کہ اس دربار میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ جہانگیر بادشاہ کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے...... آپ کے بے مثال تدبر و عمل نے تاریخ میں ایک نیا باب رقم کیا اور مؤرخین کو حیرت میں ڈال دیا...... آپ نے مبلغین کو تبلیغ کا سلیقہ سکھایا اور واعظین کو وعظ و نصیحت کا ڈھنگ بتایا...... آج بھی آپ کے طریقوں کو اپنایا جائے تو فساد مٹ سکتا ہے اور اتحاد پیدا ہو سکتا ہے...... آپ کے مدبرانہ طرز عمل سے آپ کی تجدیدی مہم قوی سے قوی تر ہوتی گئی حتیٰ کہ اس مہم کا دائرہ اثر پورے ایشیا میں پھیل گیا اور آج ایشیائی ممالک کے علاوہ یورپ و امریکہ میں سرعت سے پھیل رہا ہے......

آپ کے اور آپ کی اولاد و احفاد اور خلفاء کے مریدین و منتسبین عرب و عجم بلکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور آزادی کی تحریکوں میں پیش پیش ہیں...... آپ سراپا عمل تھے کہ سنت کے پیرو تھے، عمل ہی

آپ کی پہچان ہے...... آپ نے ملت اسلامیہ کے اصلاح احوال کے لیے سخت جدو جہد کی اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ کی تجدیدی اور اصلاحی تحریک سے ملت اسلامیہ میں کوئی فساد مچانہ خون خرابہ ہوا بلکہ خون کا ایک قطرہ تک نہ بہا...... تاریخ عالم میں ایسی بے ضرر تحریک نظر نہیں آئی...... آپ کی شخصیت کی عظمت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی نے آپ کے احوال پر ۱۲ر جلدوں پر مشتمل جہان امام ربانی مجدد الف ثانی (۲۰۰۵ء...... ۲۰۰۷ء) شائع کی، اس کے بعد بھی مواد مسلسل آتا رہا تو ۴ر جلدیں ''باقیات جہان امام ربانی'' کی پیش کی جارہی ہیں...... لیکن مقالات ومناقب کی آمد کا سلسلہ مسلسل جاری ہے...... بے شک ۔

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

''باقیات جہان امام ربانی'' کی جلد اول آپ کے پیش نظر ہے...... بعض قارئین صرف ''باقیات جہان امام ربانی'' ہی ملاحظہ کریں گے اور ''جہان امام ربانی'' کی بارہ جلدیں ان کی نظر سے نہ گزری ہوں گی جن میں ملک و بیرون ممالک کے بیسیوں اسکالرز کے مقالات شامل ہیں...... اس خیال سے اُن جلدوں کی تفصیل یہاں پیش کی جاتی ہے تاکہ قارئین کو آگاہی رہے جبکہ پیش نظر جلد کی فہرست اسی کتاب کے شروع میں دے دی گئی ہے......

''جہان امام ربانی'' میں جلد کو ''اقلیم'' سے اور باب کو ''کشور'' سے تعبیر کیا گیا تھا جبکہ ''باقیات جہان امام ربانی'' میں یہ اصطلاح استعمال نہیں کی گئی ہاں ''جہان امام ربانی'' کی طرح ''باقیات جہان امام ربانی'' میں بھی صفحہ کے اوپر ہر جلد کے صفحات نمبر اور نیچے تینوں جلد کے مسلسل نمبر کا اہتمام کیا گیا ہے......

جہان امام ربانی اقلیم اول میں تقدیم، ابتدائیہ اور افتتاحیہ کے بعد کشور اول میں حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، مناقب، احادیث مبارکہ، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں متقدمین ومتاخرین علماء وصوفیہ کے تاثرات اور مثنوی درشان حضرت مجدد الف ثانی شامل ہیں...... کشور دوم میں تصوف...... کشور سوم میں اکابر نقشبندیہ پر مقالات ہیں...... کشور چہارم میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی حیات اوران کے تأثرات پر مقالات ہیں...... کشور پنجم میں سرہند شریف کا تعارف، حضرت مجدد کے

حالات زندگی، آپ کے امتیازات، خانقاہ شریف کا علمی ماحول، آپ کے لباس وحلیہ شریف کے علاوہ نگارخانہ (بعض مقالہ نگاروں کا مختصر تعارف) اور مرقعات شامل ہیں……

اقلیم دوم میں نعت ومناقب اور ابتدائیہ وتاثرات کے بعد کشور اول میں ماہ وسال، مکتوبات کی تخریج احادیث، فقہی خدمات، عربی زبان وادب میں خدمات پر مقالات ہیں……کشور دوم میں سنت، بدعت، ذکر الٰہی، مسلک امام ربانی اور آپ کے معمولات شامل ہیں……کشور سوم میں علم لدنی، جذبہ وسلوک، تعلیمات تصوف، تزکیہ نفس، صحو وسکر، علم النفسیات، علم الکائنات پر مقالات ہیں……کشور چہارم میں ''مجدد الف ثانی'' اور ''منصب قیومت'' پر مقالات ہیں جبکہ کشور پنجم عرفان کے مجتہد اعظم، نظریہ وحدۃ الشہود، وحدۃ الوجود، ابن عربی اور امام ربانی کے نظریات کا تقابل اور نگارخانہ ومرقعات پر مشتمل ہے……

اقلیم سوم میں نعت ومناقب اور ابتدائیہ وتاثرات کے بعد کشور اول میں تعارف شیخ احمد سرہندی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور) مجدد نامہ، مقامات مجدد، مقام مجدد، مقامات روحانی کی جھلکیاں، ملی اور دینی خدمات پر مقالات ہیں……کشور دوم میں اثبات نبوت، حضرت مجدد کی اصلاحی وتجدیدی تحریک، عقیدہ ختم نبوت اور وسیلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر مقالات ہیں……کشور سوم میں امام ربانی کا رسالہ رد روافض، تقلید ائمہ مجتہدین اور رفع سبابہ پر مقالات ہیں……کشور چہارم میں حضرت مجدد کا طریقہ ایصال ثواب، عقائد ومعمولات، تعلیمات ومسلک، طریقۂ نماز وطہارت اور انداز تعلیم وتبلیغ پر مقالات ہیں جبکہ کشور پنجم، علم وعلماء حضرت مجدد کی نظر میں، حضرت مجدد کے تعلیمی افکار، ارشادات، ملفوظات، کرامات امام ربانی اور نگارخانہ ومرقعات پر مشتمل ہے……

اقلیم چہارم میں نعت ومناقب اور ابتدائیہ وتاثرات کے بعد کشور اول میں آفتاب شرف، تعارف امام ربانی، حضرت مجدد مطلع تاریخ پر اور اکبر وجہانگیر اور حضرت مجدد کے حوالے سے مقالات ہیں…… کشور دوم میں برصغیر میں حق وباطل کے معرکے اور دوقومی نظریہ پر مقالات ہیں……کشور سوم میں خاندان مجددیہ کا زریں کردار، سلسلۂ مجددیہ کا نقطۂ آغاز، حضرت مجدد اور محمد علی جناح، سرمایہ ملت کا نگہبان اور امام ربانی دانشوروں کی نظر میں شامل ہیں……کشور چہارم میں سفر آخرت، اشک باری، تاریخ ہائے وصال،

سلسلہ مجددیہ کے حضراتِ قدسیہ، مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، سرمایہ ملت کا نگہبان، خواجہ محمد معصوم مقامات آدمیہ کی روشنی میں، خواجہ محمد معصوم اور اورنگ زیب کے تعلقات، مکتوبات معصومیہ اور مکتوبات سیفیہ بادشاہ، شہزادوں، شہزادی کے نام، خلفاء مجدد الف ثانی، حضرت مجدد اور علماء عصر اور علماء عصر سے اختلافات کا جائزہ شامل ہیں جبکہ کشور پنجم، حالات مرزا مظہر جان جاناں، شاہ غلام علی دہلوی، ملفوظات شاہ غلام علی، مولانا شیخ خالد کردی اور نگار خانہ و مرقعات پر مشتمل ہے......

اقلیم پنجم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد کشور اول میں امام ربانی کا تعارف، تصانیف کا تحقیقی جائزہ، مکتوبات کی فہم و تفہیم اور حضرات مجددیہ، مکتوبات کا تحقیقی جائزہ، مکتوبات کا عربی ترجمہ، قدمہ شرح مکتوبات، مکتوبات کا ایک مترجم قاضی عالم الدین نقشبندی شامل ہیں......کشور دوم میں زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کا جائزہ، سلسلہ مجددیہ کا ایک ترک مصنف، مارکسی مؤرخین، حضرت مجدد کے دفاع میں لکھی گئی کتب اور اقوال پر مبنی کتب پر مقالات شامل ہیں......کشور سوم میں افکار مجدد کا ایک مأخذ، حضرت مجدد مغرب میں اور دو عربی کتب ''الاجابة الربانيه'' اور ''الاشارات السنيه'' کا تعارف شامل ہیں......کشور چہارم میں حضرت مجدد اور امام احمد رضا، امام احمد رضا اور حضرات نقشبندیہ، امام ربانی اور امام اہل سنت، حضرت مجدد اور ڈاکٹر اقبال، فلسفہ اقبال پر اثرات مجدد اور تصانیف اقبال میں ذکر مجدد شامل ہیں جبکہ کشور پنجم، حضرت مجدد اور غوث اعظم اور حضرت مجدد اور امام اعظم کے حوالے سے مقالات کے علاوہ نگار خانہ و مرقعات پر مشتمل ہے......

اقلیم ششم میں نعت شریف، مناقب، ابتدائیہ اور تاثرات کے بعد کشور اول میں تعارف حضرت مجدد الف ثانی، دنیائے عرب کے نقشبندی مشائخ و علماء، تیرہویں صدی کے عرب مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، متحدہ امریکہ، ترکی اور کردستان کے مشائخ نقشبندیہ اور حافظ عمر ضیاء الدین داغستانی و شیخ محمد معصوم ضیائے نقشبندی کے حالات ہیں......کشور دوم میں افغانستان میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ اور افغانستان کے مشائخ نقشبندیہ، شاہان کابل و افغانستان سرہند میں، دہلی کے مشائخ نقشبندیہ، مولانا غلام محی الدین گھوسوی اور مولانا شاہ آل محی الدین ہادی کے حالات ہیں......کشور سوم میں سندھ کے اولیاء و صوفیائے نقشبندیہ مجددیہ کا ذکر ہے......کشور چہارم میں بلوچستان، پنجاب اور کشمیر کے مشائخ کے تذکروں کے ساتھ ساتھ

مولانا محمد حسین پسروری کے حالات بھی شامل ہیں...... کشور پنجم میں سرحد کے صوفیائے نقشبندیہ مجددیہ، خانقاہ نقشبندیہ موسیٰ زئی شریف، حضرت زندہ پیر گھمکول شریف پر مقالات کے علاوہ نگارخانہ، آئینہ جمال، کتابیات اور مناجات پیش کیے گئے ہیں......

اقلیم ہفتم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد کشور اول میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حالات، خواجہ بہاء الدین نقشبند کے حالات و واقعات، تصوف کی ضرورت و اہمیت، تبلیغ دین اور اشاعت تصوف میں خواجہ بہاء الدین نقشبند کا کردار اور ان کے ارشادات و کرامات کا ذکر ہے...... کشور دوم میں خواجہ باقی باللہ، تعارف امام ربانی، امام ربانی اور فیضان کمالات نبوت ہیں...... کشور سوم میں تفسیر مظہری اور تفسیر روح البیان میں معارف و اذکار امام ربانی کے حوالے سے مقالات ہیں...... کشور چہارم میں تخریج احادیث در مکتوبات (فارسی)، تخریج احادیثِ مکتوبات، جبکہ کشور پنجم، حضرت مجدد اور ترویج شریعت، شریعت طریقت حقیقت حضرت مجدد کی نظر میں، امام ربانی اور تنفیذ شریعت اور مرقعات و مختصر تعارف جہان امام ربانی اقلیم ہشتم پر مشتمل ہیں......

اقلیم ہشتم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد کشور اول میں امام ربانی مجدد الف ثانی (حالات)، حضرت مجدد بحیثیت فقیہ اسلام، مسئلہ اشارۂ سبابہ، حضرت مجدد پر اعتراضات اور ان کے جوابات...... کشور دوم میں قطعات تاریخ طبع مکتوبات امام ربانی، تاریخ مکتوبات امام ربانی، جواہر مکتوبات مقدسہ، نرمی و آسانی مکتوبات کی روشنی میں، مسلک اہل سنت اور مکتوبات امام ربانی، احمد بن عبدالاحد کے نزدیک عقائد اہل سنت...... کشور سوم میں امام ربانی کا سلسلہ نسب، حضرت مجدد کا شجرہ طریقت قادریہ صابریہ، حضرت مجدد کے سلسلہ ہائے طریقت، حضرت مجدد کے اربعہ سلاسل طریقت اور مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کے ماہ و سال...... کشور چہارم میں شیخ احمد سرہندی اور مستشرقین، عہد حاضر اور حضرت مجدد پر کام کی رفتار، دور حاضر میں درپیش چیلنجز اور ان کا مقابلہ اور حضرت مجدد اور ذرائع ابلاغ شامل ہیں جبکہ کشور پنجم، حضرت مجدد کا کارنامہ، طالبان علم کے لیے مینارۂ نور، حضرت مجدد کا حسن ادب، مجدد الف ثانی کا پیغام، مرقعات اور مختصر تعارف جہان امام ربانی اقلیم نہم پر مشتمل ہے......

اقلیم نہم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد میں کشور اول میں شیخ احمد سرہندی

(سوانحی خاکہ)، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (عربی/اردو)، الجنات الثمانیہ، (سوانح مجدد الف ثانی پر نادر عربی مخطوطہ)، حضرت مجدد لاہور میں، لاہور سے حضرت امام ربانی کی نسبت...... کشور دوم میں فکر مجدد الف ثانی میں خلفائے راشدین کا مقام، شیخ احمد سرہندی اور اہل حکومت میں شریعت کی ترویج، شیخ احمد سرہندی اصلاحی وتجدیدی خدمات کی روشنی میں...... کشور سوم میں مجدد الف ثانی کی عربی نگارشات اور کارتجدید میں ان کی اہمیت، مجدد الف ثانی کی علم پروری اور علماء نوازی، امام احمد رضا پر حضرت مجدد کے اثرات، خدمت خلق اور صوفیائے نقشبند...... کشور چہارم میں حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے ناقدین، شیخ احمد سرہندی اور شیخ عبدالحق دہلوی، شیخ عبدالحق دہلوی کے ایک معاصر مجدد الف ثانی شامل ہیں جبکہ کشور پنجم، خاندان مجددیہ اور فارسی ادب، خاندان مجددیہ سے قائداعظم کے اجداد کی عقیدت، نگارخانہ اور مختصر تعارف جہان امام ربانی اقلیم دہم پر مشتمل ہے......

اقلیم دہم میں نعت شریف، مناقب، ابتدائیہ اور تاثرات کے بعد کشور اول میں شیخ احمد سرہندی، مفکر اسلام شیخ احمد سرہندی، شیخ احمد فاروقی سرہندی اور مقام مجدد الف ثانی کے عنوان سے آپ کے حالات پر مقالات ہیں...... کشور دوم میں شیخ احمد سرہندی کی تحریک احیائے دین، اعلیٰ عربی زبان وادب کی مثال مکتوبات امام ربانی، مکتوبات خواجہ محمد ہاشم کشمی بنام حضرت مجدد الف ثانی (فارسی، قلمی) خواجہ محمد معصوم حرمین شریفین میں اور شاہجہاں واورنگ زیب کے مرشد کریم کے عنوان سے مقالات ہیں...... کشور سوم میں نقشبندیہ سلسلہ تصوف، قادری شہرت پانے والے مشائخ نقشبندیہ، ارشادات سید امام علی شاہ مکان شریفی، مرزا مظہر جان جاناں، تصوف، ادیان و مذاہب کے درمیان وسیلہ اور ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں کے عنوانات ہیں...... کشور چہارم میں بعض مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کے حالات وخدمات کا ذکر ہے جن میں شاہ امان اللہ نقشبندی افغانی، خواجہ فیض محمد شاہ قندھاری، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ سرحد، خواجہ غلام حسن نقشبندی مجددی (سواگ شریف)، خواجہ غلام قاسم کمبوہ نقشبندی، خواجہ رکن الدین صدیقی نقشبندی، شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ پوٹھوہار، بلوچستان میں نقشبندی خانقاہیں،

علامہ محمد نور بخش توکلی، مولانا سید حبیب اللہ نقشبندی توکلی، مولانا سید محمد یوسف نقشبندی، حافظ محمد رانجھا نقشبندی مجددی، خواجہ محمد نامدار، صوفی محمد علی، خواجہ سید امین، خواجہ محمد سعید نقشبندی المعروف پیر مٹھا، مولانا غلام محی الدین قصوری، خواجہ محمد فضل علی مجددی، خواجہ محمد عبد الغفار فضلی نقشبندی، علامہ سید حبیب احمد حبیب نقشبندی، حضرت کرماں والے، پروفیسر محمد حسین آسیؔ اور سلسلہ نقشبندیہ کے مخطوطات کی اشاعت میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی خدمات شامل ہیں...... کشور پنجم میں پہلے مرقعات علمی ہیں جس میں اکابر مشائخ نقشبندیہ، اکابر مجددیہ، حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف، حضرت مجدد الف ثانی پر تصانیف، صاحبزادگان، خلفاء و دیگر مشائخ کی تصانیف اور دیگر تصانیف کے سرورق شامل ہیں اس کے بعد مرقع جرائد نقشبندیہ، نقشبندیہ مآخذ و مراجع، نگار خانہ اور مختصر تعارف جہان امام ربانی اقلیم یازدہم شامل ہیں......

اقلیم یازدہم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تأثرات کے بعد کشور اول میں تجلیات امام ربانی، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی، ایک مرد حق آگاہ، شجرۂ مصافحہ، حقیقت محمدیہ، حقیقت احمدیہ اور حقیقت کعبہ مکتوبات کی روشنی میں، علم الکلام میں حضرت مجدد کے اجتہادات، مشائخ نقشبندیہ مجددیہ سے سلاطین کی ارادت و عقیدت، مکتوبات خواجہ محمد سعید بنام والی یمن، شیخ محمد ناظم قبرصی، مولانا نور الدین نقشبندی اور توضیحات...... کشور دوم میں روئداد محفل تشکر کراچی، قومی جہان امام ربانی کانفرنس لاہور اور حضرت مجدد الف ثانی عالمی کانفرنس دہلی کی روئداد، خطبۂ صدارت اور خطبۂ استقبالیہ وغیرہ ہیں...... کشور سوم میں آئینۂ مجدد، مآخذ و مراجع...... کشور چہارم میں اشاریۂ رجال، اشاریۂ کتب اور اشاریہ اماکن جبکہ کشور پنجم جامِ جام (جہان تبریک و تشکر)، فہارس جہان امام ربانی اقلیم اول تا یازدہم، اختتامیہ، مرقعات کتب، مرقعات اور مناجات پر مشتمل ہے......

اقلیم دوازدہم نورٌ علیٰ نور کے نام سے موسوم ہے جس میں مقدس مقامات اور مقابر و مزارات کی تقریباً ۱۱۲۵ر رنگین تصاویر شائع کی گئی ہیں جنہیں درج ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

☆......مرقعات مقامات مقدسہ

☆......مرقع نقشبندی

☆......مرقع مجددی (اول)

☆......مرقع جہانگیری

☆......مرقع مجددی (دوم)

''باقیات جہان امام ربانی'' کی جلد اول آپ کے پیش نظر ہے گزارش کی جاتی ہے کہ دوران مطالعہ جو بھی فروگزاشت نظر سے گزرے تو برائے کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کر لی جائے......

''جہان امام ربانی'' کی اشاعت نے جس طرح اہل محبت کو مسرور کیا، امید ہے کہ ''باقیات جہان امام ربانی'' کی اشاعت انھیں مزید شاداں کرے گی......

کرم کردیا کس کی یادِ وفا نے
نظر ہوگئی شادمانِ مجدد

۷رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ
۱۷رجنوری ۲۰۰۸ء

احقر
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
(کراچی، پاکستان)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

تأثرات

☆☆

محمد صادق کشمیری دہلوی مرید خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ

☆☆

آپ (حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ) کے نہایت کامل اصحاب اور عظیم خلفاء میں سے ایک میاں شیخ احمد فاروقی سرہندی ہیں، ان کی ظاہری اور باطنی خوبیاں اور کمالات بے حد و بے حساب ہیں، بہت سے کامل اور فاضل حضرات ان کے رشتہء ارادت سے منسلک ہیں۔

(محمد صادق کشمیری، کلمات الصادقین، مترجم لطف اللہ، ادارہ نشر المعارف، کراچی، ص ۲۲۹)

ڈاکٹر محمد یونس قادری

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی اسلام کے اُن مشاہیر میں سے ہیں جن کے افکار و نظریات نے عالم اسلام کو متاثر کیا۔ آپ کے افکار و خیالات میں دور جدید کے مسائل و مشکلات کا حل موجود ہے غالباً اسی لیے (عہد) جہاں گیر کے عالم علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی نے آپ کو دوسری ہزارہ ہجری کا مجدد قرار دیا اور پہلی بار آپ کو ”مجدد الف ثانی“ تحریر فرمایا۔

(شیخ عبد الحق محدث دہلوی (بحیثیت دینی و سیاسی مفکر) موضوعاتی جائزہ، مکتبۃ الحق، کراچی ۲۰۰۷ء، ص ۱۰۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پروفیسر ڈاکٹر سلطان الطاف علی

(سابق چیئرمین، ٹیکسٹ بک بورڈ، کوئٹہ، بلوچستان)

☆

تخلیق کائنات کے ساتھ اللہ جل شانہٗ نے انسان کی رہنمائی کے لیے ہر وقت کی ضرورت کے مطابق اپنے اولوالعزم انبیاء اور رسول بھیجے اور یہ سلسلۂ ہدایت حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔ دین اسلام کی تکمیل کے بعد پھر کسی نبی و رسول کے اس دنیاءِ دنی میں بھیجے جانے کی ضرورت نہ رہی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مخلوق خدا کو دین اسلام سے آشنا رکھنے کے لیے صحابۂ کرام، ائمہ اہلبیت مطہرین، اولیائے عظام و علماء ربانی کا سلسلہ چلا آرہا ہے جنہوں نے دین ابراہیمی و ملت مصطفوی کی رہنمائی کو قرآن و سنت کی روشنی میں جاری رکھا ہوا ہے۔

وقت کی رنگا رنگ لہروں، مختلف مذاہب کے نافہم بکھیڑوں، مفکرین کے گوناگوں نظریات و آراء سے ہر معاشرہ اپنے اصل فکر و فلسفہ کو گرد آلود کر بیٹھتا ہے، اس لیے قدرت کی طرف سے ایک ایسی شخصیت کا ورود ہو جایا کرتا ہے جو دین خالص کا احیاء کرتا ہے اسے تازگی و جدت عطا کرتا ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی محی الدین کا اور دسویں صدی ہجری میں حضرت سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا ورود مسعود ہوا۔ مسلمانوں کے دورۂ مغلیہ پاکستان و ہندوافغانستان میں اکبر اعظم جیسا قوی باہوش بادشاہ مختلف فرقوں کے تنازعات اور فروعی الجھنوں میں ایسا الجھا کہ اس نے بالآخر سیاسی مقاصد کے لیے ایک نیا مذہب ''دین الٰہی'' ترتیب دیا۔ اکبر کا دین الٰہی اگرچہ صرف اس کے چند مقربین تک ہی کار فرما رہا مگر مستقبل میں عوام پر اس کے برے اثرات مرتب ہونے کے خدشات رونما ہو گئے تھے، دورۂ جہانگیری میں فرقے اور فتنے مزید بڑھے۔ اس نازک دور میں حضرت مجدد الف ثانی کا قدم باعث برکت و سعادت ہوا۔ انھوں نے اپنے صوفیانہ خطبات اور عارفانہ مکتوبات سے نہ صرف یہ کہ ایسے ماحول کو پاک کر دیا بلکہ دین اسلامی کا احیاء مشیت ایزدی کے مطابق کر دیا انھوں نے اپنے کلام و مواعظ سے کفر و دین کے درمیان بنیادی فرق کو بھی ظاہر فرما دیا جو آگے چل کر مسلمانوں کے معاشرہ کو غیر مسلم معاشرہ سے الگ مملکت قائم کرنے میں ممد ثابت ہوا۔ (جہان امام ربانی، اقلیم یازدہم ۲۰۰۷ء کراچی، ص: ۸۴۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اکبر

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد اول……باب اول

* * *

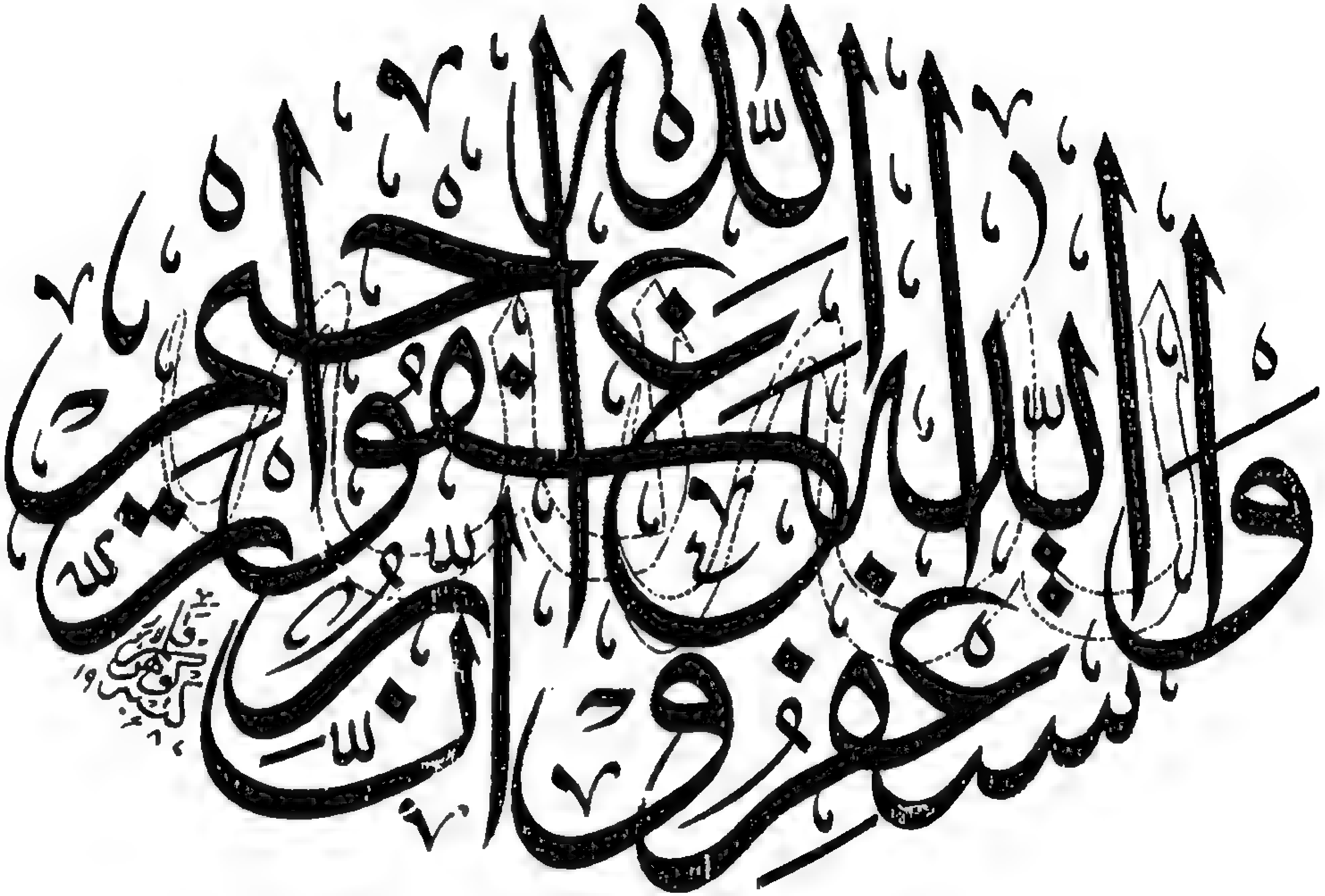
واستغفروا الله إن الله غفور رحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الکریم

مجددِ دوراں

(حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(ایم۔ اے؛ پی۔ ایچ۔ ڈی)

☆☆

جو آتا ہے، جانے کے لیے آتا ہے، کچھ اولوالعزم ہستیاں رہنے کے لیے آتی ہیں، وہ ہماری یادوں میں رہتی ہیں، وہ ہمارے دلوں میں رہتی ہیں، وہ ہماری روحوں میں رہتی ہیں ___ وہ آنے والوں کی صورتوں میں نظر آتی ہیں، وہ آنے والوں کی سیرتوں میں نظر آتی ہیں، وہ آنے والوں کے سینوں میں نظر آتی ہیں۔۔ ان کی صورتیں چمکتا آفتاب ہیں، ان کی سیرتیں بہتا دریا ہیں ___ شیخ احمد سرھندی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ انہیں مقدس ہستیوں میں یکتا تھے ___ وہ فیضان کمالات ولایت اور فیضان کمالات نبوت کے فیض یافتہ تھے، علم ودانش میں یگانہ روزگار اور علم لدنی میں بے مثال، ان کے خاص افکار تک رسائی ناممکن ہے ___ انہوں نے شریعت وطریقت کی لاج رکھی، وہ شریعت وطریقت کی پیروی میں اپنی مثال آپ تھے ___ وہ بڑے باوقار تھے، وہ بڑے بردبار تھے ___ وقار و بردباری ان پر ختم تھی ___ کبھی کسی کا تعاقب نہ فرمایا ___ بتایا ضرور، سمجھایا ضرور ___ وہ بتانے اور سمجھانے آئے تھے، تعاقب کرنے نہیں آئے تھے ___ انہوں نے کسی مخالف پر لعن طعن نہ کی، کسی معاند کی تضحیک وتخفیف نہ کی، کسی دشمن کی تذلیل وتحقیر نہ کی ___ سنت پر عمل ہو تو ایسا ہو ___ تہذیب وشائستگی کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹا ___

ان کا تعاقب کیا گیا مگر جس کو اللہ اپنا محبوب بنالیتا ہے اس کی عزت وحرمت کو کوئی پامال نہیں کرسکتا خود پامال ہو جاتا ہے ___ انہوں نے خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کیا اور جو پیغام پہنچانا تھا پہنچا کر

رہے ___ یہی ان کا جمال تھا، یہی ان کا کمال تھا، غالباً اسی لیے جس کو دیکھو ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ وہ محبوب رب العالمین ہیں۔ وہ ہر دل عزیز ہیں، وہ ہر دل کے قریب ہیں۔

ان کی استقامت کا یہ عالم کہ شاہی جبروت کے آگے سرخم نہ کیا۔ وہ دربار جہانگیری میں اس طرح گئے جیسے کچھار میں شیر آتا ہے۔ گرفتار ہوئے، سرفراز ہوئے ___ جیسے سیپ میں موتی ___ گھبرائے نہیں، گھبرانے والوں کو تشفی و تسلی دی ___ اللہ اکبر! ___ زہد کا یہ عالم کہ جہانگیر نے سب کچھ لے لیا لیکن رب کریم سے ایک آن توجہ نہ ہٹی ___ آزاد ہوئے تو فیض بار ہوئے، جیسے پھول میں خوشبو ___ ان کے دوست بھی تھے، ان کے دشمن بھی تھے ___ دوستی و دشمنی کی گنگا جمنی میں ان کا جمال دیدنی تھا ___ دوستوں کو سب گلے لگاتے ہیں، انہوں نے دشمنوں کو گلے لگایا ___ دلداری کوئی ان سے سیکھے، شاہی میں فقیری کوئی ان سے سیکھے! ___ انہوں نے اپنی جان کے لیے کبھی انتقام نہ لیا بلکہ سوچا تک نہیں ___ سنت کی پیروی ہو تو ایسی ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان جلیل القدر ہستیوں میں تھے صدیاں جن کو ترس رہی تھیں، وہ آئے اور صدیوں پر چھا گئے، وہ عالی نسب تھے، سلسلہ نسب ۲۹ واسطوں سے آرزوئے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ سلاسل طریقت، رفیق غار، خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تربیت یافتۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتے ہیں ___ خاندانی نسبت بھی بہت عالی ہے، ان کے جد اعلیٰ سلطان شہاب الدین المعروف بہ فرخ شاہ، والی کابل تھے، تخت شاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کرلی ___ پانچویں جد امام رفیع الدین علیہ الرحمۃ نے حضرت جلال الدین بخاری کی خواہش اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے ایماء پر شہر سہرند (شیروں کی کچھار) بسایا جو بعد میں سرہند کہلایا، اس شہر میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے والد خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ وہ تمام ظاہری علوم وفنون سے فارغ ہو کر شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے صاحبزادے شیخ رکن الدین علیہ الرحمۃ سے سلاسل قادریہ، چشتیہ میں بیعت ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں سلاسل میں والد ماجد سے بیعت ہوئے اور والد ماجد ہی کے رفیق شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے شاہ سکندر کیتھلی نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کا جبہ شریف پیش کیا جس کے فیض سے آپ مستفیض ہوئے۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے فیض پایا پھر وہ عروج ملا کہ عقل و دل دونوں حیران ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہر سہرند یعنی شیروں کی کچھار میں پیدا ہوئے ___ پھر اس سرزمین سے اللہ کے شیر پیدا ہونے لگے۔ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی مہاجر مکی علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آرام کرنے والے صاحب زادگان خواجہ محمد صادق اور خواجہ محمد سعید علیہما الرحمۃ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوب فرمایا۔

شیرے بخوابِ ناز بہ پہلوئے دو شبل
یارب چہ رازہاست کہ ایں جا نہفتہ اند!

سرھند کی سرزمین بڑی مقدس سرزمین ہے، اسی زمین میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے انوار الٰہیہ کا مشاہدہ فرمایا ___ اسی سرزمین سے تھوڑے فاصلے پر انبیاء علیہم السلام کے مزارات بھی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے اکابر علمائے وقت سے علوم معقولہ و منقولہ کی تحصیل تکمیل کی اور سرھند شریف میں درس و تدریس کا آغاز فرمایا، آپ کے والد ماجد خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ بھی درس و تدریس میں مہارت رکھتے تھے، فقہ و اصول میں بے نظیر تھے، ابن عربی کے حل دقائق میں ید طولیٰ رکھتے تھے ___ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ تعلیم سے فارغ ہو کر پایۂ تخت سلطنتِ مغلیہ آگرہ بھی تشریف لے گئے، آپ ابوالفضل اور فیضی کے ہاں بھی آتے جاتے اور وہ بھی آپ کے پاس آتے جاتے مگر ان کی گمراہی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا ___ اکبری دربار کے اکثر امراء آپ کے مرشد کریم خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے عقیدت رکھتے تھے اسی نسبت سے آپ سے بھی عقیدت رکھتے تھے اس کے علاوہ آپ کے خسر شیخ سلطان شہید علیہ الرحمۃ بھی اکبر بادشاہ کے امراء میں تھے۔ آپ نے ان امراء کو خطوط لکھ لکھ کر اسلامی انقلاب پر آمادہ کیا اور تجدیدی مہم کا آغاز فرمایا، بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم ''سلسلہ نقشبندیہ 'حرکی' ہے''، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے احیاء اسلام کے سلسلے میں برصغیر کے علاوہ مختلف ممالک میں اپنے خلفاء کی سرپرستی میں وفود بھیجے مثلاً ترکستان، حجاز، یمن، شام، روم، کاشغر، توران، بدخشاں،

خراسان وغیرہ ___ مکتوبات شریف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مریدین وخلفاء دوسرے ممالک میں جہاد پر جانے والی فوج کے سپہ سالار ہوتے تھے اور آپ ان کو ہدایات اور شریعت کی پابندی کا حکم دیتے تھے۔ جہاں گیر کی قید سے رہائی کے بعد آپ کو لشکر شاہی اور دربار شاہی میں ''تبلیغ دین'' کا وہ موقع ملا جو اس اسارت کے بغیر ممکن نہ تھا ___ آپ نے امراء سلطنت اور جہاں گیر بادشاہ کو بالمشافہہ تبلیغ فرمائی اور ایک فکری انقلاب برپا کیا، جہاں گیر کے دربار میں جو سوال وجواب ہوئے اور جس جرأت وبے باکی سے ہوئے یہ منظر دیکھ کر ایک ہندو راجہ پر اسلام کی حقانیت الم نشرح ہوگئی اور وہ مشرف باسلام ہوگیا، قلعہ گوالیار میں اسارت کے دوران بکثرت غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے، غیر مسلموں کو مسلمان کرنا حضرات نقشبندیہ مجددیہ کا خاص امتیاز رہا ہے، یہاں سندھ (پاکستان) میں ایک نقشبندی بزرگ نے ایک ماہ میں پانچ پانچ سو غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا۔ جہاں گیر بادشاہ کو بالمشافہہ تبلیغ کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ سرہند شریف عقیدت مندانہ حاضر ہوا۔ شاہ جہاں بادشاہ، اورنگزیب بادشاہ اور دوسرے بہت سے بادشاہ حاضر ہوئے بلکہ افغانی بادشاہوں کے تو روضہ شریف کے احاطے میں مزارات بھی ہیں۔ شاہوں کو دفن کے لیے کسی ولی کی خدمت میں آتے نہ دیکھا۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر جہاد اکبر کیا ___ جہاد اکبر زندگی کے ساتھ ساتھ ہے، زندگی کی ضرورت ہے جبکہ جہاد اصغر وقت کی ضرورت ہے اور وقتی و آنی ہے، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی جدوجہد کا یہ خاص امتیاز ہے کہ خون کا ایک قطرہ تک نہ بہا اور اتنا عظیم انقلاب آیا جو ہم لاکھوں معصوموں کی جان لے کر بھی برپا نہ کرسکے ___ اگر اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کی تحریک کامیاب ہوجاتی تو بعد میں آنے والا کوئی قائد ورہبر اس قابل نہ ہوتا کہ برصغیر میں اسلام کی بات کرتا، بیشک حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا بعد میں آنے والے ہر قائد ورہبر پر احسانِ عظیم ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بیسیوں فرقے اور مذاہب تھے جس کا اندازہ ''دبستانِ مذاہب'' کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ تاریخ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ہم صرف اکبر بادشاہ کی بات کرتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کو اس کا مدمقابل سمجھتے ہیں ___ آپ کے عہد میں بت پرست بھی تھے، آتش پرست بھی، عقل پرست بھی تھے اور نفس پرست بھی۔ دنیا کے پرستار،

آخرت سے بیزار ____ اور الوھیت کے دعویدار بھی تھے، نبوت کے دعویدار اور گستاخ بھی، مھدویت کے دعویدار بھی تھے ____ آپ نے مدبرانہ آن بان سے سب کی اصلاح فرمائی اور گناہوں سے آلودہ معاشرے کو نکھارا۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر درس توحید دیا، تحفظ مقام رسالت، تحفظ ناموس رسالت، احیاء سنت، نفاذ شریعت اور رد بدعت کے لیے انتھک جدوجہد کی اور انہیں خطوط پر بعد میں آنے والے علماء و مشائخ نے کام کیا، آپ نے فرائض وواجبات وسنن پر زور دیا، مستحبات ومباحات اور تعویذات وعملیات پر زور نہ دیا اور نہ فروغ دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی تعلیمات نے ایک عالم کو متاثر کیا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ڈاکٹر محمد اقبال آپ ہی سے بالواسطہ فیض یافتہ تھے، جس طرح آپ کا فکر برصغیر کی حدود وثغور سے گزر کر باہر کی دنیا میں پھیلا اسی طرح آپ سے متاثر ہونے والے مفکرین کے افکار بھی باہر کی دنیا میں پھیلے۔ یہ آپ کا اور آپ کی تعلیمات کا خاص امتیاز ہے ____ تعلیمات مجددیہ ہمہ گیر و عالم گیر ہیں ____ خصوصاً حرمین شریفین اور عرب ممالک میں یہ تعلیمات مقبول رہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے مکتوبات شریفہ کا عربی ترجمہ تین جلدوں میں مکہ معظمہ سے شائع ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے برادران طریقت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور شیخ تاج الدین سنبھلی مکہ معظمہ میں مقیم رہے یہیں وصال فرمایا بیت اللہ کے قریب دفن ہوئے ____ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ شیخ آدم بنوری مدینہ منورہ میں مقیم رہے، یہیں وصال فرمایا، جنت البقیع میں دفن ہوئے ____ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے فرزند و جانشین خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کی سفرحج کے دوران یمن و حجاز میں پذیرائی ہوئی۔ آپ کے نو لاکھ مرید اور سات ہزار خلفاء تھے۔ آپ کے خلیفہ شیخ حبیب اللہ بخاری کے ذریعے بخارا میں فیض پھیلا۔ آپ کے چار ہزار خلفاء ہوئے ____ سفرحج میں خواجہ معصوم علیہ الرحمۃ کے بھائی اور بھتیجے ساتھ تھے، سفرحج کی تفصیلات سے دربار نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آپ کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد امجاد کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے یہ قلبی تعلق تھا کہ روضہ شریف سرہند کی سجادگی غالباً پانچویں پشت تک حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں رہی پھر سادات کرام میں منتقل ہو گئی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا حرمین شریفین اور ممالک عربیہ میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا خوب فیض پھیلا، خانقاہ مظہریہ دہلی کے سجادہ نشین شاہ غلام علی دہلوی علیہ ارحمۃ کی خدمت میں سمرقند و بخارا، غزنی، تاشقند، قندھار، کابل کے علاوہ عرب ممالک سے طالبین آتے تھے۔ انہیں میں شیخ خالد کردی تھے جنہوں نے حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمۃ سے فیض پا کر عرب وعجم میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو پھیلایا، آج ترکی اور امریکہ ویورپ میں بکثرت مشائخ نقشبندیہ مجددیہ انہیں کے فیض یافتہ ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی، مولانا خالد کردی کے شاگرد اور محبِّ خاص تھے۔ خانقاہ مظہریہ کے ایک اور سجادہ نشین شاہ احمد سعید دہلوی مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے اور دو سال کے اندر اندر سیکڑوں عرب مرید ہوئے، آپ کے بعد آپ کے بھائی شاہ عبدالرشید علیہ الرحمۃ مدینہ منورہ آپ کے جانشین ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے شاہ محمد مظہر علیہ الرحمۃ کی خدمت میں سمرقند، بخارا، غزنی، روم، افغانستان، ایران کے علاوہ جزیرۃ العرب اور شام وغیرہ سے صدہا طالبین آتے تھے۔ شاہ احمد سعید علیہ الرحمۃ کے بھائی شاہ عبدالغنی دہلوی مہاجر مکی مدت العمر حرمین شریفین میں درس دیتے رہے اور عرب وعجم کو فیض پہنچایا، ___ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم علیہما الرحمۃ، شیخ آدم بنوری کے خلیفہ حافظ ابو عبداللہ اکبرآبادی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر علیہم الرحمۃ خود نقشبندی مجددی تھے جن کا فیض عرب وعجم میں پھیلا۔ غالباً انہیں حضرات عالیہ کا یہ فیض ہے کہ آج عرب ممالک میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بکثرت مشائخ کرام موجود ہیں، (جہان امام ربانی مجدد الف ثانی مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء، جلد چہارم) میں اس موضوع پر فاضل محقق عبدالحق انصاری کے متعدد مقالات شامل ہیں ___ حال ہی میں جامعہ ازہر (قاہرہ، مصر) کے شیخ الحدیث ڈاکٹر محمد ابراہیم قندیل نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ جامعہ ازہر میں کئی اساتذہ نقشبندی مجددی ہیں ___ دہلی میں بھی بڑی شان والے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ پیدا ہوئے مثلاً شاہ ابوالخیر دہلوی، شاہ محمد آفاق دہلوی جن کے خلیفہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تھے جن سے مولانا وصی احمد محدث سورتی بیعت تھے، شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے مکاشفات وکرامات کا بڑا چرچا تھا ___ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشائخ کرام تو بحر بیکراں ہیں، دنیا کے بکثرت علماء کرام ومشائخ کرام کا جہان امام ربانی مجدد الف ثانی کی متعدد جلدوں میں ذکر کیا گیا ہے، تفصیلات وہاں مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے دہلی ہی سے فیض پایا، آپ کے صاحبزادے اور جانشین خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے شاہجہاں بادشاہ نے لال قلعہ دہلی کا سنگ بنیاد رکھوایا، اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ دہلی ہی میں آپ سے بیعت ہوئے، خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے خواجہ سیف الدین علیہ الرحمۃ نے دہلی ہی میں لال قلعہ میں قیام فرمایا اورنگ زیب کو منازل سلوک طے کرائے، مسجد فتحپوری، دہلی کے شاہی امام خواجہ سیف الدین علیہ الرحمۃ کے مرید وخلیفہ تھے۔ دہلی سلسلہ عالیہ مجددیہ کا عظیم مرکز ہے، یہاں خانقاہ مظہریہ اور مسجد فتحپوری عظیم مراکز ہیں۔ جہاں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نقشبندی مجددی بھی تشریف لاتے رہے۔ حضرت جواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے سلسلے کے فیض یافتہ فقیہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی بھی تھے جو عارف کامل شاہ امام علی مکان شریفی (جو عراقی سادات میں تھے) کے مرید وخلیفہ تھے۔ جن کی خانقاہ میں عرب وعجم کے مہمانوں کا اتنا ہجوم رہتا کہ تین سو بکرے روزانہ ذبح ہوتے ___ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ آپ ہی کے پوتے تھے اور مفتی اعظم ڈاکٹر محمد مکرم احمد (شاہی امام وخطیب مسجد فتحپوری، دہلی) آپ کے پوتے ہیں ___ تو دہلی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا ایک عظیم مرکز ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات، افکار وتعلیمات اور خدمات پر مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ مثلاً مانچسٹر یونیورسٹی (یو۔کے)، لندن یونیورسٹی (یو۔کے) لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ)، میکگل یونیورسٹی (کینڈا)، گلاسگو یونیورسٹی (امریکہ)، مرمرا یونیورسٹی (استانبول، ترکی)، وکٹوریہ یونیورسٹی (سوئٹزرلینڈ)، ڈھاکہ یونیورسٹی (ڈھاکہ، بنگلہ دیش)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ، بھارت)، سندھ یونیورسٹی (جامشورو، پاکستان)، پنجاب یونیورسٹی (لاہور، پاکستان)، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی (ملتان، پاکستان) کراچی یونیورسٹی (کراچی، پاکستان) وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ عالمی سطح پر کتابیں بھی شائع ہو رہی ہیں حال ہی میں امام ربانی فاؤنڈیشن (انٹرنیشنل)، کراچی نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیقی سوانح اردو، انگریزی، فارسی میں شائع کر دی ہیں اور عربی میں ایک ضخیم سوانح دار العلوم سلطانیہ (جہلم، پاکستان) کی مساعی جمیلہ سے شائع ہوگئی۔ امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی نے ایک اہم اور بین الاقوامی اہمیت کا یہ کام کیا کہ جہان امام ربانی مجدد الف ثانی کے عنوان سے سات ضخیم جلدوں پر ایک انسائیکلوپیڈیا، کراچی سے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا اور اس کے بعد مزید پانچ جلدیں ۲۰۰۷ء میں شائع

ہوگئیں اس طرح یہ انسائیکلو پیڈیا ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے وکٹوریہ یونیورسٹی، سوئٹزرلینڈ کے فاضل ڈاکٹر آرتھر بیولر کو جب یہ انسائیکلو پیڈیا بھیجا گیا تو انہوں نے تحریر کیا:۔

> ''اس میں شک نہیں کہ کسی بھی زبان میں کسی بھی صوفی پر اتنی عظیم وضخیم کتاب نہیں لکھی گئی، خدا کرے کہ یہ کتاب ہمارے اور پندرہویں صدی کے بعد آنے والوں کے لیے بھی مینارۂ نور ثابت ہو۔''
>
> (برقی مکتوب، مورخہ ۲ فروری ۲۰۰۷ء)

الختصر حضرت مجدد ثانی علیہ الرحمۃ پر تحقیق ہوتی رہی، ہو رہی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہوتی رہے گی لیکن دنیا کے فضلاء ان معارف کو بیان کرنے سے خود کو عاجز پائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم خاص سے آپ کو عطا فرمائے، ڈاکٹر اقبال مرحوم جب انگلستان کی ایک کانفرنس میں فضلاء سے خطاب کر رہے تھے تو انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے معارف سے بھرپور ایک مکتوب شریف کا ترجمہ انگریزی میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''نفسیات حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کرسکوں کیوں کہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں۔'' (۱۹۳۲ء، لندن)

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی یونیورسٹی نہیں، دنیا کی کوئی دانشگاہ نہیں جہاں ان معارف کی تعلیم دی جاتی ہو۔ بلاشبہ جس نے جہانِ علم کی سیر کی ہو، جس نے جہان حیات کی سیر کی ہو، جس کی نظر سارے عالم پر ہو، جس کی نظر لوح محفوظ پر ہو، اس کی نظر کو کون پا سکتا ہے، اس کے معارف کو کون سمجھ سکتا ہے؟

☆......☆......☆

مآخذ ومراجع

۱......احمد سرھندی، شیخ: مکتوبات امام ربانی، (سہ مجلدات) مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۴ء
۲......احمد سرھندی، شیخ: اثبات النبوۃ، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۶ء
۳......بدرالدین سرھندی، شیخ: حضرات القدس، جلد دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۲ء
۴......بدرالدین سرھندی، شیخ: مجمع الاولیاء، مطبوعہ انڈیا آفس لائبریری، لندن
۵......جہاں گیر بادشاہ، تزک جہاں گیری، مطبوعہ لکھنؤ

۶......زوار حسین شاہ: انوار معصومی، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۰ء

۷......سیف الدین خواجہ: مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ کراچی

۸......عدنان خورشید، ڈاکٹر: جہاں نما، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء

۹......علی ندوی، ابوالحسن: تاریخ دعوت و عزیمت، جلد چہارم، مطبوعہ کراچی

۱۰......محسن فانی: دبستان مذاہب، مطبوعہ بمبئی ۱۸۲۶ء

۱۱......محمد احسان مجددی سرہندی، روضۃ القیومیہ، جلد اول و دوم، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء

۱۲......محمد اقبال مجددی: مقامات معصومی، جلد اول، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء

۱۳......محمد عبیداللہ: حسنات الحرمین، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء (تحقیق و تعلیق پروفیسر محمد اقبال مجددی)

۱۴......محمد مراد منزلوی: الدرر المکنونات النفیسہ، جلد اول، مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۸۹۸ء

۱۵......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: سیرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء

۱۶......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حضرت مجدد الف ثانی، حالات و افکار و خدمات، (ترجمہ انگریزی قاضی عبدالسنان)، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۷ء

۱۷......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حضرت مجدد الف ثانی، حالات و افکار و خدمات (ترجمہ فارسی صاحبزادہ محمد زبیر مجددی) مطبوعہ کراچی ۲۰۰۷ء

۱۸......جہان امام ربانی مجدد الف ثانی، جلد ششم، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء

۱۹......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: افتتاحیہ جہان امام ربانی مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء

۲۰......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۲ء

۲۱......محمد معصوم سرہندی، خواجہ: مکتوبات معصومی (سہ مجلدات) مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء

۲۲......محمد مکرم احمد، ڈاکٹر مفتی: شیخ احمد السرہندی حیاتہ و آثارہ، جہلم ۲۰۰۷ء

۲۳......محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور ۱۸۸۹ء

☆......☆......☆

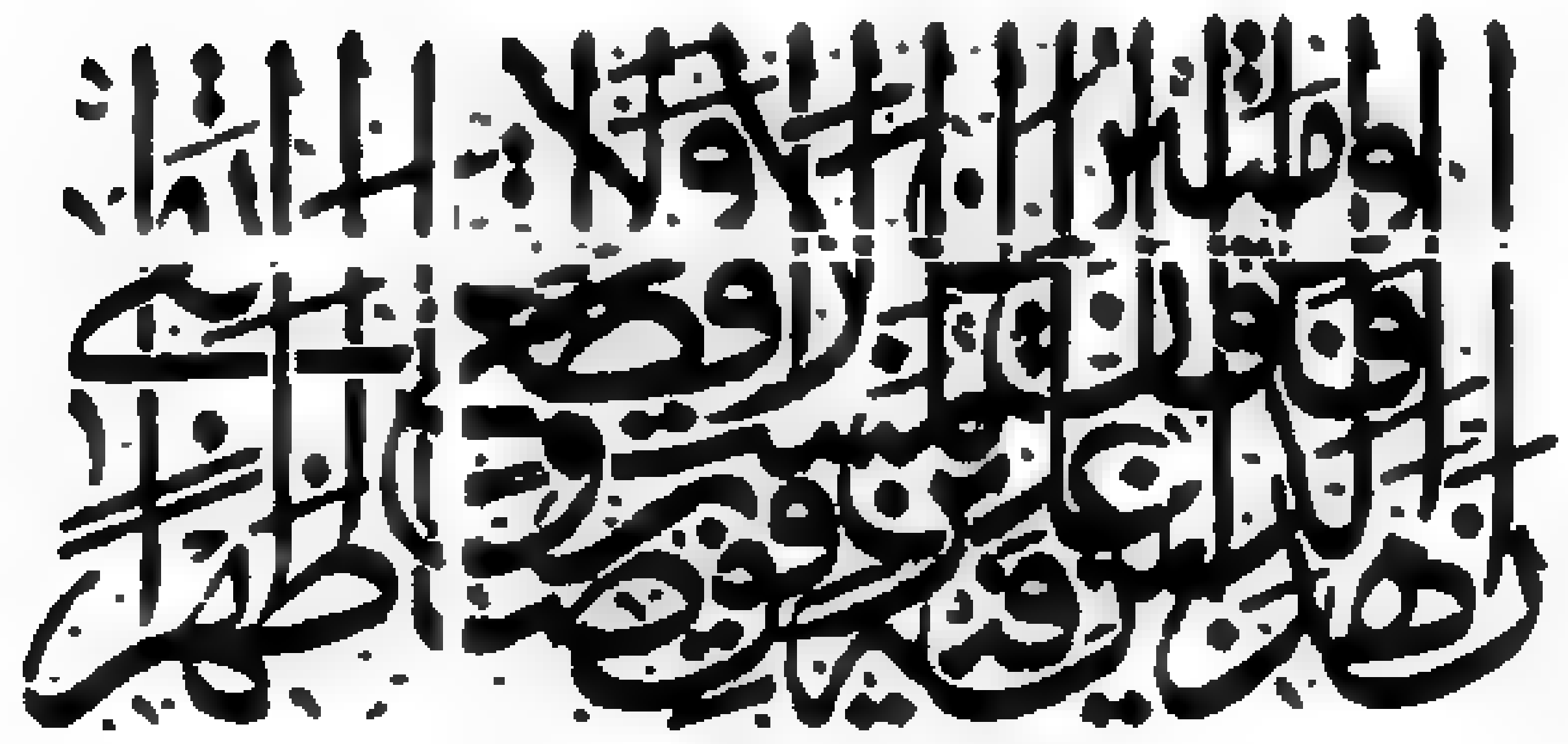

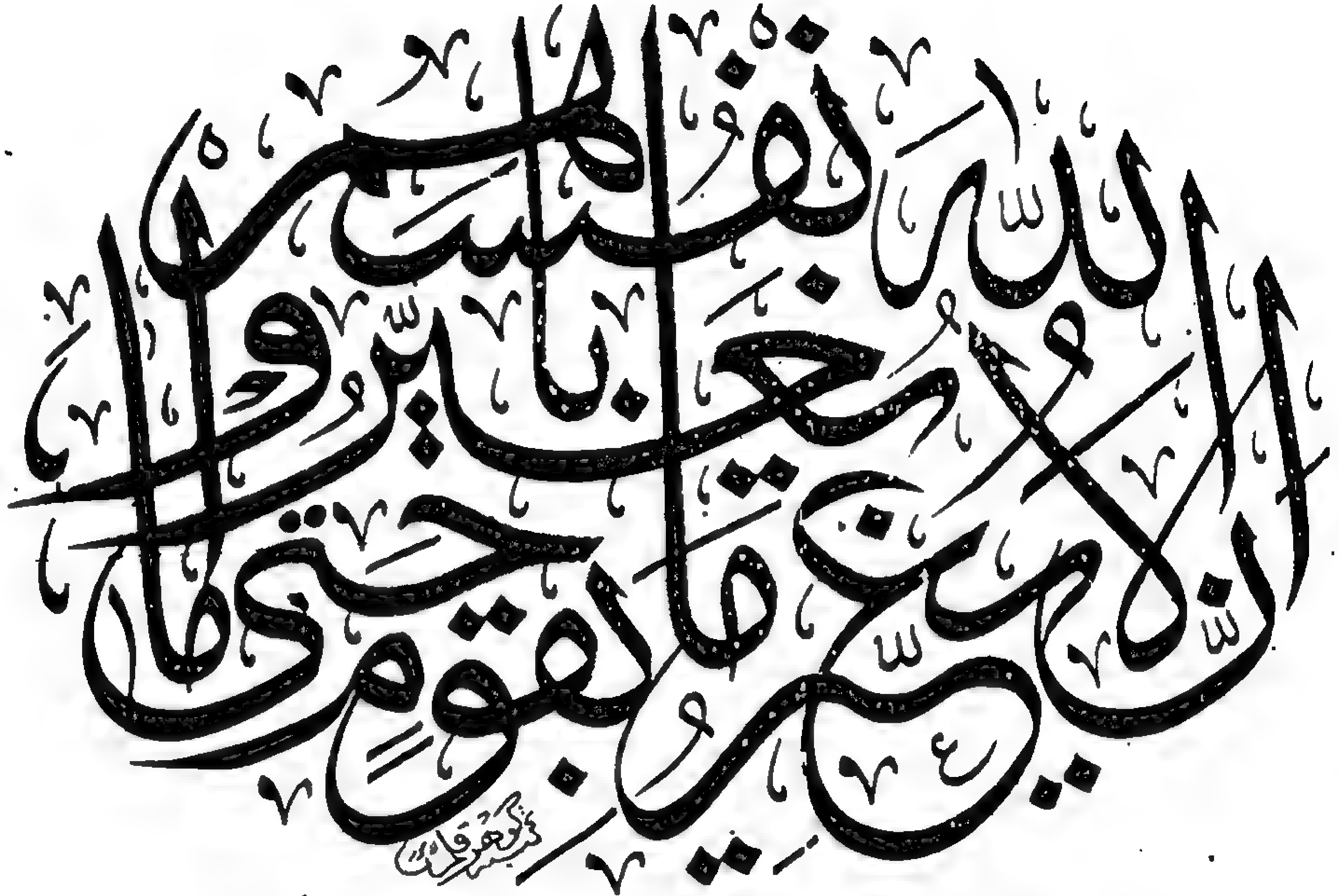

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (القرآن الحکیم) بخطِ ثلث بیضاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

امام ربانی کے تجدیدی کارنامے اور عصرِ حاضر

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
(سابق وائس چانسلر محی الدین اسلامی یونیورسٹی، آزاد کشمیر)

☆☆

اسلام دین کامل ہے کہ انسانی زندگی کے لامحدود تنوعات کے باوجود اسلامی تعلیمات کسی مرحلہ اور کسی لمحہ میں بھی اس کو بے توفیق نہیں چھوڑتیں۔ مہد سے لحد تک سفر حیات ہو یا فرد و معاشرہ تک انسانی رویوں کی بوقلمونی، اسلام کا پیغام رحمت ہر حالت میں راہنمائی مہیا کرتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی ہمہ گیری اور صاحب قرآن ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی ہم جہتی ہر قدم انسان کی مُونس و معاون ہے۔ انسان جب اس پناہ عافیت کی برکات شمار کرنے لگتا ہے تو اُس کا ایقان پکار اُٹھتا ہے کہ وہ کسی صورت بے سہارا اور کسی حالت محروم نہیں مگر کتاب الٰہی کا اجمال، زندگی کی ساری تفصیل کو حصارِ وحی میں لیے ہوئے ہے تو رحمت عالمین ﷺ کی بظاہر تریسٹھ سالہ حیاتِ ظاہر، اعمال کے بے شمار تنوع کو اُسوۂ رحمت سے سرفراز کیے ہوئے ہے۔ یہ خالق کائنات کا کرم ہے کہ اسلام کو اپنے مراحلِ حیات کا راہنما بنانے والا نہ کبھی نظریاتی خلفشار کا شکار ہوتا ہے اور نہ اعمال کے انتشار کا، ہاں یہ ضرور ہوا اور ہوتا رہا کہ کبھی مادہ پرستی کا عفریت بے راہ کرتا رہا تو کبھی روحانی اقدار کی حریصانہ تعبیر گمراہی کے دلدل میں دھکیلتی رہی، قرن اول میں نور یقین اس قدر ضیاء بار تھا کہ ایسا کم ہوا مگر جب یونانی نظریات، علمی عظمت کا معیار بن کر سامنے آئے تو دلوں میں اضطراب جنم لینے لگا اور جب ہندی فلسفہ ویدانت اور ملفوفیت کی جلترنگ کے ساتھ نمودار ہوا تو بصارتوں میں کہر آنے لگا، باطنی تحریک، اعتزال کی روش اور قرامطی بدلحاظی نے ملت اسلامیہ پر چوپائی حملہ کردیا۔ ایک یلغار تھی جو ہر معاند قوت کے اشتراک سے تعلیمات اسلامیہ پر پل پڑی تھی۔ یہ تو علماء حق اور صوفیہ روشن ضمیر کا کارنامہ ہے کہ علم و عمل کی

ہر مخالف قوت کا جرأت مندانہ مقابلہ کیا گیا اور اسلام کے چشمۂ صافی کو بے غبار رکھا، یہ بھی ایک معاشرتی حقیقت ہے کہ ہر خطہ زمین، ہر ملک، ہر معاشرے اور ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، ان تقاضوں کی کوکھ سے نظریاتی ہی نہیں معاشرتی اور سماجی مسائل بھی جنم لیتے ہیں۔ اسلام چونکہ ہر دور اور ہر ملک وقوم کے لیے پیغام ہدایت تھا اس لیے اس کو نت نئے مسائل سے دوچار بھی ہونا پڑا اور مذہب وعقیدہ سے بڑھ کر مسائل زندگی کو سلجھانا بھی پڑا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ مقابلہ کیسا بھی تھا، دشمن کس رنگ کا تھا اور مسائل کا گھمبیر پن کس قدر منہ زور بھی تھا مگر اس الہامی اور آفاقی دین نے ہمیشہ اپنی برتری کو منوایا اور ہر دفعہ

سحر اس خون کے دریا سے نکلی سرخرو ہو کر

برصغیر پاک وہند میں بھی اسلامی تعلیمات کو متنوع معاملات کا سامنا تھا۔ یہ بجا کہ محمد بن قاسم کے غیرت مندانہ حملے سے برصغیر کا مصنوعی پوتر پن بے نقاب ہو گیا تھا مگر سیاسی کامرانیاں بگولوں کی طرح گریز پا ہوتی ہیں، یہ تو علماء حق کی استقامت کا نتیجہ تھا کہ ماداریت کے آسیبوں میں جکڑا ہوا برصغیر کا باسی شعوری کروٹ لینے لگا، منگول حملوں نے عالم اسلام کی ٹھہری ہوئی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی، اس افراتفری کے عذاب میں برصغیر خوش قسمت نکلا کہ دولتِ ایقان کے کئی علمبردار برصغیر میں تشریف لے آئے، سیاسی برتری اور علمی وعملی تفوق نے برصغیر میں انقلاب برپا کر دیا، برصغیر کی ایک لائق توجہ آبادی دامن اسلام میں آ گئی، حکمران خوش تھے کہ اُن کی سطوت ہمہ گیر ہے۔ عوام مطمئن تھے کہ معاشرہ خوشحال تھا، آسودگی کی یہ لہر جذبوں میں برودت پیدا کرنے لگی تو اشاعت اسلام کی تحریک کمزور ہونے لگی، مقامی آبادی نے اس مداہنتی ماحول سے فائدہ اٹھایا، وہ اپنے اندر مبارزت کی قوت نہ پاتے تھے اس لیے دسیسہ کاریوں کا سہارا لینے لگے، مسلم معاشرہ اپنی برتری کے زعم میں گرفتار تھا، حکمرانوں کو سلطنت کی وسعت واستحکام کے سوا اور کیا چاہیے تھا، مدافعت کی دیوار کمزور ہوئی تو نقب لگانے کا موقع دستیاب ہوا، ہندوانہ خیالات، فراریت کی ترغیبات، اور ملفوف نظریات نے سارے نظام کو بے توفیق بنا دیا، پستی کا یہ عالم ہوا کہ حکمران ہوتے ہوئے بھی ہندوانہ رسومات، شرائع اسلام پر قابض ہونے لگیں، بھگتی تحریک ایک ایسی ملفوف سازش تھی جو جسد اسلام میں ہندی تہذیب کا زہر اُتار رہی تھی، اس نام نہاد صلح کلی تحریک کے اثرات پورے معاشرے پر شب خون مار رہے تھے کہ اکبر کی جہالت، جاہ پسندی اور ہندو گھرانے سے اختلاط نے پوری امت کو رنجیدہ کر دیا، اس پر طرہ یہ کہ نام نہاد علماء، بے توفیق صوفیہ اور جاہ پرست صاحبان اقتدار نے جہالت کو خودنمائی کی راہ دکھائی اور

بے علمی کی پستی کو اُمّی ہونے کا وقار عطا کرنے کی سازش کی، دین الٰہی کا فتنہ، ابوالفضل اور ایسے ہی بعض دیگر برخود غلط لوگوں کا شاخسانہ تھا، اس سے کس قدر نقصان ہوا، اس کا اندازہ اس روش سے لگایئے جو ہر دور میں ''دین الٰہی'' کی طرح کے فتنوں کا سبب بنا، یہ تھی فضا اور یہ تھا انحطاط جب مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے اصلاحی مشن کا آغاز کیا۔

حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ جب مروّجہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور مسند علم وارشاد پر متمکن ہوئے تو برصغیر کا ماحول غبار آلود تھا، غیر مسلم کو دعوت ارشاد تو آپ کا بنیادی منصب تھا، اس منصب کی مشکلات اور نزاکتوں کا آپ کو احساس تھا، آپ جانتے تھے کہ کسی عاقل و بالغ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دے گا، دشوار کام ہے مگر یہ تو ہر صاحب علم اور ہر مسند تصوف کے صوفی کا کام ہے جسے بہر طور انجام دینا ہے مگر امام ربانی علیہ الرحمۃ کے سامنے تبلیغ کے مرحلہ سے مشکل مرحلہ تقدیم عقائد اور تحسین اعمال کا تھا، اس راہ کی مشکلات کا بھی آپ کو احساس تھا اور ان مشکلات کی مختلف جہات سے بھی آپ بخوبی آگاہ تھے، یہ مشاکل و موانع متعدد تھے صرف اساسی اہمیت کے حامل مراحل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دعوت وارشاد کے مراحل کو اسلامی تعلیمات کے سایوں میں عبور کرنا تا کہ دعوت الی الحق اپنے اصل روپ میں سامنے آئے۔

☆......علماء کو علم کی صیانت کا قائل کرنا تا کہ کج روی اور غیر مستقیم روش کا سدّ باب ہو۔
☆......صوفیہ کو اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف راغب کرنا تا کہ غیر محمود نظریات اور میلانات جنم نہ لیں۔
☆......عقائد کی پختگی پر زور دینا اور عقائد اسلام کو عجمی تصورات سے محفوظ رکھنے کی سعی کرنا۔
☆......اسلامی تعلیمات کو قرآن وسنت کی روشنی میں تسلیم کرنے کا ذوق پیدا کرنا۔

ان کے علاوہ بھی کئی رکاوٹیں تھیں جو آپ نے مجددانہ جرأت اور فاروقی حوصلہ سے دور کیں۔

حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ برصغیر میں اشاعت اسلام اور دعوت الی اللہ کے پورے تاریخی پس منظر سے آگاہ تھے، آپ نے اس مشن کو پوری قوت سے جاری رکھا مگر آپ کا امتیازی رویہ یہ تھا کہ مقامی آبادی کو دعوت دیتے وقت جو مصلحت آمیز روش بعض حلقوں میں پیدا ہوگئی تھی آپ نے شدت سے اس کا رد کیا، مقصود تعداد نہیں معیار تھا اور اگر اسلام کی اساسی تعلیمات سے انحراف ہو جائے تو اشاعت کا مقصود کیا ہے، رام ورحیم کی لاطائل بحث پر آپ نے ضرب کاری لگائی تا کہ دین کا امتیاز قائم رہے، ''کفری'' تخلص پر بے

پناہ ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ اگرچہ صرف تخلص ہے مگر ایک مستقل نسبت کفر ایک مسلمان کے لیے کیونکر گوارا ہے؟ آپ نے شریعت اسلام پر قائم رہنے پر اس قدر اصرار کیا کہ بعض لوگوں نے آپ پر صوفی کے بجائے مولوی ہونے کا طعنہ دیا مگر آپ کے نزدیک شریعت ہی معیار نجات تھی، فرماتے ہیں:

> ''بزرگی سنت کی تابعداری پر وابستہ اور (نزات کی) زیادتی شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے مثلاً دوپہر کا سونا جو اس تابعداری کے باعث واقع ہو، کروڑ کروڑ شب بیداریوں سے جو اس تابعداری کے موافق نہ ہو اولی وافضل ہے اور ایسے ہی عید الفطر کے دن کا کھانا جس کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ خلاف شریعت دائمی روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ شارع علیہ السلام کے حکم پر چیتل کا دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے بزرگ تر ہے۔''[1]

حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کا دوسرا ہدف وہ علماء تھے جو تبلیغ دین سے زیادہ جاہ پرستی کے مرتکب تھے، بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر ایسی ایسی تاویلات کا سہارا لیتے تھے کہ دین کے تمام تقاضے پس پشت ڈال دیئے گئے تھے، دین الٰہی ان مفاد پرست علماء کے حریصانہ ذہن کی پیداوار تھا۔ سجدۂ تعظیمی کے جواز پر فتوے جاری ہوئے حتیٰ کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو بھی اس کی ترغیب دی گئی مگر آپ کا پُرعزیمت کردار شمع حق کو روشن رکھنے کا ذریعہ بنا، ایسے علماء کے بارے میں ایک دردمندانہ تبصرہ سنیئے، فرماتے ہیں:۔

> ایسے دیندار علماء بہت تھوڑے ہیں جو حُبِ جاہ و ریاست سے خالی ہوں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تائید کے سوا اور کچھ مطلب نہ رکھتے ہوں، حُب جاہ کی صورت میں ہر ایک اپنی طرف کھینچے گا اور اپنی بزرگی کو ظاہر کرنا چاہے گا اور اختلافی باتیں درمیان میں لا کر بادشاہ کے قُرب کا وسیلہ بنائے گا تو ناچار معاملہ بگڑ جائے گا، گزشتہ زمانہ میں ایسے علماء کے اختلاف نے جہان کو بلا میں ڈالا ہے اور اب بھی وہی صورت درپیش ہے، ترویج کیا ہوگی بلکہ یہ تو خرابی کا باعث ہوگا، اللہ تعالیٰ بُرے علماء کے فتنہ سے بچائے۔[2]

حضرت امام ربّانی علیہ الرحمۃ کو سب سے مشکل مرحلہ صوفیہ کے حوالے سے درپیش تھا، ہندو ہمسائیگی نے تصوف کے چشمۂ فیض میں اس قدر گدلاہٹ پیدا کردی تھی کہ نام نہاد صوفیہ دین اسلام کی اساسیات سے ہی برگشتہ ہوگئے تھے، اپنی روحانی سربلندیوں کے دعوؤں نے ان خود پرست مدعیان تصوف کو اس قدر بے باک کردیا تھا کہ وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بلند منزلت کے دعوے کرنے لگے تھے، بعض تو اس قدر منہ زور ہوگئے تھے کہ اپنے قیام کو قیام نبوت سے برتر گردانتے تھے، قرب الٰہی کا دعوٰی اُنہیں بڑی مستیاں عطا کررہا تھا۔ غرضیکہ ایک ہنگامہ برپا تھا، مجدد علیہ الرحمۃ تصوف کے نمائندہ تھے اس لیے اُن کے لیے یہ بڑا مشکل کام تھا کہ تصوف کے دعویداروں پر ضرب لگائیں مگر دین حق کی سطوت کے امین مجدد نے وہ مجددانہ کردار انجام دیا کہ بدعقیدگی اور بدعملی کا سارا تعفن دور ہوگیا، مکتوبات کا ورق ورق اس دست فاروقی کی کارفرمائی کا گواہ ہے۔ طریقت وحقیقت کے حوالے سے واضح کردیا گیا کہ

> ''پس طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل کے لیے شریعت کے خادم ہیں۔ [۳]

یہ بھی فرمایا

> ''شریعت کے تین جزو ہیں علم وعمل واخلاص، جب تک یہ تینوں متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہوگی تو گویا اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوگئی'' [۴]

شریعت کی متابعت پر تنبیہ کرتے ہوئے صوفیہ کو نصیحت کی:۔

> ''جو بات کل قیامت کے دن کام آئے گی وہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے'' [۵]

ذکر اور ریاضت کے بہانے اسلامی احکام سے روگردانی عام چلن تھا اس پر تنبہ فرمایا،

> ''صوفیہ کرام ذکر وفکر ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجالانے میں سستی کرتے ہیں اور چلّہ اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ وجماعت کو ترک کردیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے'' [٦]

صوفیہ کا خرقہ پہن کر اپنی برتری کا اس قدر خمار آ گیا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بلند مرتبت کا دعوی ہونے لگا تھا اس پر مجددانہ کردار کی جھلک دیکھیے کہ کس قوت کے ساتھ یہ دعوی رد کیا گیا ہے۔ فرمایا:

> ''خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے
> چونکہ خیر البشر ﷺ کی صحبت میں حاضر نہیں ہوئے ادنیٰ صحابی کے
> مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے''۷

وحدۃ الوجود جو خالص وارداتی کیفیت کا اظہار تھا۔ اس کی آڑ میں وحدت ادیان کا تصور بھی خام خیالوں کے ہاں ابھرا اور اس سے قیام نبوت کی نفی بھی ہوئی، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اس سیر سلوک سے آشنا تھے اس لیے آپ نے اس کی اصلاح کے لیے وحدۃ الشہود کا محفوظ نظریہ پیش کیا اور قیام نبوت کی اہمیت و ضرورت پر ''اثبات النبوت'' رسالہ بھی تحریر فرمایا اور مکتوبات میں ایک جامع نصیحت بھی فرمائی:۔

> ''پس آپ کو بھی لازم ہے کہ علم و عمل، حال و وجد کی رو سے حضرت سید
> المرسلین اور حبیب ربّ العالمین علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ
> المقربین واہل طاعۃ اجمعین کی متابعت بجالائیں تاکہ اُس وراثت کے
> حامل ہونے کا ذریعہ ہو جو نہایت اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے۔ ۸

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ دین جو غبار میں اٹا جا رہا تھا نکھر کر سامنے آیا، معاشرے میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوا کہ عوام سے بادشاہ تک کا رویہ بدلا، مغلیہ حکومت کے تاجدار تعلیمات مجدد کے سامنے سرانداز ہوئے اور آخر اورنگزیب جیسا درویش بادشاہ مغلیہ سلطنت کا سربراہ بنا جسے حضرت اقبال علیہ الرحمۃ نے ''چوں براہیم اندریں ے خانہ ای'' کہہ کر خراج محبت پیش کیا، حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کا مجددانہ کردار صرف کسی ایک شعبہ تک محدود نہ تھا بلکہ علم سے عمل تک، علماء سے صوفیہ تک، عوام سے شہنشاہوں تک اور ریاضت سے مجاہدوں تک سب کو راہ مستقیم دکھا گیا اور یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ایک مرد حق پرست بہت سالوں کا غبار ہٹا سکتا ہے اور قلب و نظر کی ہر جہت کو استقامت کا درس دے سکتا ہے۔ یہی وہ انقلاب آفریں اقدام تھا جس پر علماء عصر نے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' کا لقب دیا اور مرور زمانہ نے اس لقب کی صداقت کو مزید مستحکم کر دیا۔

عصرِ حاضر جس میں اسلامی قوتیں اضمحلال کا شکار ہیں، غیرت دینی کو للکارا جاتا ہے علم کے دعویدار اسلامی تعلیمات کو اُسوۂ رسول ﷺ کے سایۂ رحمت سے نکالنے کے درپے ہیں تاکہ من پسند مفاہیم پیدا کر لیے جائیں۔ یوں اعلانات ہو رہے ہیں جیسے "تعلیمات قرآن" کو چودہ صدیوں میں انہی نابالغوں کا انتظار تھا، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے تعامل کو شخصی حصار میں بند کیا جارہا ہے اس پر بس نہیں تعلیمات نبوی کو بھی عصری توجیہات پر محمول کر کے استخراج کی نئی راہیں نکالی جارہی ہیں۔ فیضی اور ابوالفضل کے مقلد آج پھر دین الٰہی کی طرح کوئی نیا فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں اور نام نہاد صوفیہ مریدوں کے سجدوں پر مست ہیں کہ اُن کی روحانیت کا بول بالا ہو رہا ہے۔ تصوف کے نام پر ہندوانہ تمدن عام کیا جارہا ہے اور صلح کلی کے دعوے دار دین کو اپنی تاویلات کا ملغوبہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، قرآن کے مفاہم کو اُسوہ رسول سے الگ کر کے اپنی تشریحات کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ روحانی ارتقاء کے دعوے ہر طرف ہیں اور شریعت کی پیروی سے صرف نظر ہی نہیں سخت بے اعتنائی ہو رہی ہے۔ غرضیکہ ایک بے راہ روی کا منظر ہے، ایسا ہی منظر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے سامنے تھا مگر وہ دور خوش قسمت تھا کہ شریعت غراء پر حکیمانہ نگاہ رکھنے والا مجدد موجود تھا، اب کیا کریں دور حاضر کا ایک مرد قلندر اقبال جو حکیم فرزانہ بھی تھا اور وسیع النظر بھی، اُسی نے کہہ دیا تھا۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے مے خانے بند

کاش اب بھی کوئی ایسا وجود اس ملت درماندہ کو مل جائے جو مجددانہ کردار سے آگاہ بھی ہو اور اس پر عمل کرنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہو، آج علمی مغالطوں کو امام ربانی علیہ الرحمۃ کی صداقت فکر چاہیے، آج صوفیانہ کج روی کو راہ راست دکھانے والا، فقر فاروق کا علمبردار چاہیئے، الجھن وہی ہے، سلجھن کا طریقہ بھی وہی ہے کہ یہ انداز تربیت و اصلاح آزمودہ بھی ہے اور نتیجہ خیز بھی، ضرورت یہ ہے کہ تعلیمات مجدد علیہ الرحمۃ کو عام کیا جائے، مکتوبات کے مطالعہ کو نصاب تربیت بنایا جائے، بدقسمتی یہ ہے کہ تصوف کے حوالے تو بہت ہیں، خانقاہوں کی بھی کثرت ہے، گدی نشینوں کے جھگڑے بھی عام ہیں، مزارات کا ظاہری حُسن بھی نظر کو خیرہ کرتا ہے، مگر کیا لوگ پتھر دیکھنے آتے ہیں؟ وہ تو اُن اصحاب نظر کے شیدائی ہیں جو زیر زمیں ہو کر بھی فیوض برکات تقسیم کر رہے ہیں۔ کشف المحجوب ہو، عوارف المعارف ہو یا مکتوبات امام ربانی، یہ وہ سرمایۂ تصوف ہیں جن پر توجہ کی ضرورت ہے، میں تو یہ بھی عرض کروں گا کہ آج سب سے بڑھ کر مکتوبات کا

مطالعہ درکار ہے" کہ آج ماحول کی سنگینی اُسی نہج پر ہے جیسے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے دور میں تھی، مرض وہی ہے اس لیے اُسی معالج کی ضرورت ہے اور اُسی نسخہ کیمیا کی طلب ہے۔ اللہ کرے ہم مستقبل کے بارے میں درست سوچ کے حامل ٹھہریں اور نظریاتی فساد کے اس آشوب سے بخیر گزر جائیں آمین

مولایٰ صلِّ وسلِّم دائماً ابداً. علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّھم

☆☆☆

حواشی

۱......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۱۴
۲......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۵۳
۳......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۴۰
۴......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۳۶
۵......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۸۴
۶......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۲۶۰
۷......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۲۰۷
۸......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۳

☆......☆......☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مرشد کریم کے نام مکتوبات شریف میں

نجی زندگی کی چند جھلکیاں

صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد

☆☆

مرشد کریم حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ ۱۰۰۸ھ/ ۱۶۰۰ء میں افغانستان سے ہندوستان تشریف لائے۔ دہلی کی جامع مسجد فیروز شاہ تغلق میں قیام فرمایا اور رشد و ہدایت کا دریا بہایا۔ یہ وہی مسجد ہے جہاں فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں اُچھ شریف (پنجاب، پاکستان) سے حضرت جلال الدین بخاری تشریف لائے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ ۱۰۰۸ھ۔ ۱۰۱۲ھ تک صرف چار سال قیام فرمایا اور ۱۰۱۲ھ ہی میں وصال فرمایا۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ آپ کے قیام کا حاصل ہیں۔ آپ انہیں ایام میں (۱۰۰۸ـ۱۲ھ) سرہند شریف سے دہلی حاضر ہوئے۔ اُس وقت آپ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ (م ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ء) کی خانقاہ کے مسند نشیں تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی درخواست پر کچھ عرصہ دہلی میں اُن کی صحبت میں رہ کر وہ فیض پایا جو پہلے کبھی نہ پایا تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تقریباً ہم عمر تھے۔ ان دونوں کے درمیان مؤدت و محبت اپنی مثال آپ تھی۔ مرشدِ کریم حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی تعظیم و تکریم فرماتے تھے کہ ایسی محبت و مؤدت کسی خانقاہ میں نہیں دیکھی گئی۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے مرشد کریم حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کو مکتوبات ارسال فرمائے اور مکتوب نگاری کا ایسا سلسلہ شروع کیا جو آپ کی اولاد و احفاد اور خلفاء میں جاری رہا۔ مجددی سلسلہ کے مکتوبات فارسی ادب عالیہ کا بہترین نمونہ ہیں اور دورِ جدید کی خانقاہ نشینوں کے لیے ایک

درس عظیم، سلسلہ مجددیہ کی یہ مکتوب نگاری کا سلسلہ معاصرین ومتاخرین میں کسی خانقاہ میں نظر نہیں آتا بلکہ متقدمین میں بھی خال خال ہی نظر آتا ہے۔

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کی پہلی جلد میں (جس کو آپ کے تلمیذ رشید اور خلیفہ اجل حضرت یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمۃ نے مرتب کیا ہے) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے نام ۱۲۰ ایسے مکتوبات شامل ہیں جو تصوف کے اسرار و معارف کا گنجینہ ہیں اور ہمارے فہم وادراک سے بہت بلند۔ ایسے معارف سے معمور مکتوبات معاصرین ومتاخرین میں کہیں نہیں دیکھے گئے۔ ان مکتوبات میں غیب کے خزانے کھلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ عارفانہ مضامین کے علاوہ ان مکتوبات میں چند نجی باتیں بھی ہیں جن کی روشنی میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے بعض گوشوں پر نظر پڑتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم وفاضل اور عارفِ کامل تھے۔ مرشدِ کریم کبھی کبھی کسی موضوع پر رسالہ قلم بند کرنے کا حکم فرماتے۔ چنانچہ ایک مکتوب شریف میں فرماتے ہیں:

> ''وہ رسالہ جس کے لکھنے کے لیے اس خاکسار کو حکم ہوا تھا اس کو پورا کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہو رہی ہے اور مسودے اسی طرح پڑے ہوئے ہیں'' (مکتوبات امام ربانی، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۴، ص۔۴۲، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

کبھی کبھی مرشدِ کریم اپنی تحریر میں بعض معارف کی تشریح وتوضیح کا حکم فرماتے اور آپ حکم کی تعمیل فرماتے۔ چنانچہ ایک مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''حقیر ترین خادم کی گذارش ہے کہ مولانا علاؤالدین نے حضور والا کا نوازش نامہ اس خادم کو پہنچایا۔ آپ کے نوازش نامے میں ذکر کیے ہوئے ہر اک مقدمہ کی وضاحت میں وقت کی گنجائش کے مطابق مسودہ کیا گیا۔ ان تحریر فرمائے ہوئے علوم کی بعض متممات ومکملات بھی دل میں گذرے تھے لیکن ان کے لکھنے کی فرصت نہیں ملی کہ حامل ھذا روانہ ہو گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد خدمت گرامی میں ارسال کیا جائے گا''۔ (مکتوبات امام ربانی، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۱۶، ص

٧٦، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ١٩٨٨)

کبھی کبھی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تحریر کیے ہوئے رسالے بھی مطالعہ کے لیے ارسال فرماتے۔ چنانچہ ایک مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک رسالہ حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کے طریقہ کے بیان میں لکھ کر ارسال خدمت کیا ہے۔ حضور کے ملاحظہ سے گذرہ ہوگا۔ ابھی مسودہ ہے۔ کیونکہ خواجہ برھان جلد ہی روانہ ہو گئے اس لیے اس کو صاف نقل کرنے کا وقت نہیں ملا۔ خیال ہے کہ بعض دوسرے علوم بھی اس کے ساتھ ملائے جائیں''

(مکتوبات امام ربانی، ج۔١، مکتوب نمبر۔٥، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ١٩٨٨)

ایک نایاب و نادر رسالہ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر گرامی میں مقبول و محبوب تھا مرشد کریم کی خدمت میں ارسال کیا اور ساتھ ہی یہ تحریر فرمایا:

> ''اس وقت ایک اور رسالہ نقل کیا ہوا تھا ارسال خدمت ہے اور یہ رسالہ بعض دوستوں کے التماس پر لکھا گیا ہے ان دوستوں نے خواہش کی تھی کہ ایسی نصیحتیں لکھی جائیں جو طریقت میں نفع دینے والی ہوں اور ان کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ رسالہ بے نظیر اور بہت برکتوں والا ہے، اس رسالہ کو لکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ خاتم الانبیاء رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے مشائخ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور اسی رسالہ کو اپنے دست مبارک میں لیے ہوئے ہیں اور نہایت مہربانی سے اس کو چومتے ہیں اور مشائخ کرام کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ اس قسم کے عقائد ہونے چاہئیں اور وہ جماعت ان علوم سے سعادت مند تھی جو اپنی نورانیت سے ممتاز اور عزیز الوجود ہے اور وہ آنسرور علیہ الصلواۃ والسلام والتحیہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس

واقعہ کی کیفیت کا بیان بہت طویل ہے اور اس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو شائع کرنے کا حکم فرمایا'' (مکتوبات امام ربانی، ج۔۱، مکتوب نمبر۱۶، ص۔۷۷، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے حضرت مجدد الف ثانی کو نوازا تھا جس کا ذکر آپ نے اپنے مرشدِ کریم کو اس مکتوب شریف میں کیا ہے:

''جو علوم بقا باللہ اور فنا فی اللہ سے تعلق رکھتے ہیں حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے ظاہر فرما دیے ہیں اور اسی طرح اس خادم نے معلوم کر لیا ہے کہ ہر چیز کی وجہ خاص کیا ہے اور سیر فی اللہ کے کیا معنی ہیں؟ اور تجلی ذاتی برقی کیا ہوتی ہے؟ اور محمدی المشرب کون ہے؟ اور اس قسم کی دوسری چیزیں'' (مکتوبات امام ربانی، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۱۲، ص۔۶۷، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

''روح کے نفس سے آزاد ہونے اور نفس کے مطمئن ہونے پر انوار کے غلبہ ہونے کے باوجود اُس (یعنی حضرت مجدد قدس سرّہ) کی روح کو روح و نفس کی دونوں جہتوں کا جامع بنایا ہے اور اُس کو ان دونوں جہتوں کی برزخیت کے ساتھ مشرف فرمایا گیا''

اور اسی مکتوب شریف میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''اور اس برزخیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے فوق سے فائدہ حاصل کرنا اور تحت کو فائدہ پہنچانا یہ دونوں اُمور یکساں عطا فرمائے ہیں۔ فائدہ حاصل کرنے کی حالت میں فائدہ پہنچانے والا بھی ہے اور فائدہ پہنچاتے وقت فائدہ حاصل کرنے والا بھی ہے'' (مکتوبات امام ربانی، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۱۵، ص۔۷۴، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

اسی مقام کے حاصل ہونے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مرتبہ بھی حاصل ہوا

کہ جس مریض پر توجہ فرماتے، اُس کا مرض زائل ہو جاتا اور قبر میں جس گنہ گار کے عذاب کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتے تو عذاب دور ہو جاتا۔ چنانچہ ایک مکتوب میں مرشد کریم کو لکھتے ہیں:

> ''کئی مرتبہ بعض امراض کو دور کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کا اثر بھی ظاہر ہوا اور اسی طرح بعض مُردوں کے حالات جو عالمِ برزخ سے ظاہر ہوتے تھے اُن کے رنجوں اور تکالیف کے دور کرنے کے لیے بھی توجہ کی گئی''۔
>
> (مکتوبات امام ربانی، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۱۱، ص۔۶۴، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

سلب امراض کا یہ طریقہ حضرات نقشبندیہ کا مخصوص طریقہ ہے جس کی ایجاد کا سہرا ایک مغربی اسکالر نے اپنے سر رکھا ہے لیکن پروفیسر ڈاکٹر عبد الغنی نقشبندی مجددی نے کولمبو یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ مغربی اسکالر کا دعویٰ غلط ہے اور یہ طریقہ سب سے پہلے حضرات نقشبندیہ نے روشناس کرایا۔۔۔۔ ان کے مقالہ کا عنوان ہے:

"Usui Riky's and Islamic System of Spritulity"

اسی طرح ایک اور مکتوب میں ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی سفارش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''کم ترین خادم کی عرض ہے کہ حبیب اللہ سرہندی کی والدہ اور اُس کی بیوی اور دوسرے بزرگوں کے وظائف کے بارے میں جو مکرر عریضے اس ضمن میں لکھے ہوئے ہیں حضور کی بلند بارگاہ کے خادموں کو تکلیف دیتا ہے مگر مذکورہ بالا اشخاص کے وظائف کی رقم دہلی میں لے آئے ہوں تو حضور والا مولانا علی کو حکم فرمادیں کے ان مذکورہ اشخاص کی تسلی کر دیں'' (مکتوبات امام ربانی، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۲۰، ص۔۸۸، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

جب اللہ تعالیٰ کسی کو نوازتا ہے تو کچھ مخالفین و معاندین بھی پیدا ہو جاتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ جب وہ حقیقت روشن اور قائم ہو جاتی ہے تو معاندین کا عناد اور حاسدین کا حسد بے اثر ہو جاتا ہے اور حقیقت پسند

تائب ہو کر سر نیاز خم کر دیتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ عطا فرمایا وہ معاصرین کی نظر میں کھٹکنے لگا، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک مکتوب شریف میں اپنے مرشد کریم کو تحریر فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی غیرت سے ڈرنا چاہیے حق تعالیٰ جس امر کو کامل کرنا چاہتا ہے اس کا نقص نکالنے اور عیب لگانے میں گفتگو کرنا بہت ہی نامناسب ہے۔ اصل میں یہ حق تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ اور جھگڑا کرنا ہے'' (مکتوبات امام ربانی، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۱۶، ص۔۷۸، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت شریفہ تھی کہ مرکوز مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔ جس سے فکر میں ارتکاز پیدا ہوتا ہے اور منتشر مطالعہ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ جس سے فکر میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ آپ وہی کتاب مطالعہ فرماتے جو فکر و سیرت کی تعمیر میں معاون ہو۔ چنانچہ مرشد کریم کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک اور عرض یہ ہے کہ ہر کتاب کا مطالعہ کرنا بالکل اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ جس کتاب میں ان بزرگوں کے کمالات اور بلند مراتب کا ذکر درج ہے جو کہ مقامات میں واقع ہوئے ہیں اس کتاب کا مطالعہ اچھا معلوم ہوتا ہے تاکہ اس قسم کی کوئی چیز دیکھی جائے اور متقدمین مشائخ کے حالات بہت پسند آتے ہیں'' (مکتوبات امام ربانی، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۱۱، ص۔۶۳، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

لیکن مطالعہ کی خاطر ارشاد و تبلیغ کے اہم کام کو ترک کرنا کبھی مناسب نہ جانا۔ ڈاکٹر اقبال نے لکھا ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ حرکی (Dynamic) ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبعاً حرکت پسند تھے اور گوشہ نشینی سے گُریزاں۔۔۔ ایک زمانہ وہ تھا جب آپ نے علم حاصل کیا اور ایک زمانہ وہ تھا جب آپ درس و تدریس میں مشغول رہے اور ایک زمانہ وہ آیا کہ آپ ارشاد و تبلیغ کی طرف متوجہ ہوئے اور سراپا عمل بن گئے۔ آپ کی حیات مقدسہ عمل و اخلاص سے عبارت ہے۔ مرشد کریم کے نام ایک مکتوب میں تحریر

فرماتے ہیں:

> ''ایک اور عرض یہ ہے کے اس عمل (یعنی ارشاد و تبلیغ) میں مشغول ہونے کو ترک کرنا پسندیدہ نہیں آتا اور کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے کہ جب کہ حالت یہ ہے کہ دنیا برائی کے بھنور میں غرق ہو ہی ہے اور جو شخص اپنے اندر اس بھنور سے اُن کو نکالنے کی طاقت پاتا ہے وہ اپنے آپ کو کس طرح معاف و معذور سمجھ سکتا ہے اگر چہ اس کو دوسرے کام بھی درپیش ہوں پھر بھی اس کام میں مشغول ہونا ضروری اور پسندیدہ ہے '' (مکتوبات امام ربانی ، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۱۱، ص۔۶۲، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت اپنی تجدیدی مہم کا آغاز فرمایا وہ اکبر بادشاہ کا آخری دور تھا (۹۹۹ھ، ۱۵۸۲ء ۱۰۱۴ھ، ۱۶۰۵ء) جب کہ ارشاد و تبلیغ کا کام کرنا مصائب و آلام کو دعوت دینا تھا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی اس ارشاد و تبلیغ اسلام کی وجہ سے حکومت کی نظروں میں آ گئے اور آپ کو، اور آپ کے محبین و مخلصین کو بے حد تکلیفیں پہنچائیں گئیں۔ حتیٰ کہ جلا وطن کیا گیا۔ چنانچہ اپنے مرشد کریم کو ایک مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

> '' بعض تکلیفیں لوگوں کی طرف سے اس فقیر پر گذریں اور انہوں نے بہت ظلم و ستم کئے اور فقیر سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں کو خاص طور پر ان لوگوں نے برباد و جلا وطن کر دیا۔ اس فقیر کے دل پر (اُن کے حق میں) کسی قسم کا غبار و رنج بالکل نہیں آیا اور ان کے ساتھ برائی کرنے کا خیال دل میں گذرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا'' (مکتوبات امام ربانی ، ج۔۱، مکتوب نمبر۔۱۱، ص۔۶۴، اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۸)

شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی کوششوں کی پاداش میں آپ کے متعلقین و محبین کو جلا وطنی کے ساتھ ساتھ شہید بھی کیا گیا۔ آپ کے خُسر شیخ سلطان کو جو اکبری دربار کے اُمراء میں تھے۔ شریعت کی پابندگی کی پاداش

میں شہید کیا گیا اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت کدے کو غم کدہ بنا دیا گیا۔ مگر آپ کی شان وصبر واستقامت کہ دشمنوں کے خلاف انتقام کا خیال تک نہ آیا اور ایسے عفو درگزر سے کام لیا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت اور عزیمت کی نشانی ہے۔

المختصر مرشدِ کریم حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات شریف سے بہت سے ذاتی ومعاشرتی حقائق اور آپ کے بہت سے فضائل وکمالات کا علم ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف اپنے دور کا بلکہ ہزارۂ دوم کا برگزیدہ اور منتخب محبوب و مطلوب بنایا۔۔۔۔۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں وجود و عدم، اور امکان

فضل احمد حبیبی
ڈائریکٹر نور علیٰ نور فاؤنڈیشن، گجرات (پاکستان)

☆☆

۱) عدم کا آغاز کب ہوا

اور جس طرح وجوب وجود مخترعات کے قبیل سے ہے اسی طرح امتناع عدم بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مخترعات سے ہے جہاں خالص تعالیٰ کی ذات ہے وہاں جس طرح وجوب وجود کی نسبت نہیں ہے اسی طرح امتناع عدم کی نسبت بھی نہیں ہے۔

اور جب وجوب وجود کی نسبت پیدا ہوئی تو امتناع عدم بھی جو کہ اس کے بالمقابل ظاہر ہوا اور استحقاق عبادت کی نسبت جو کہ نسبت وجوب وجود پر متفرع ہے وہ بھی ظہور میں آ گئی۔ اللہ تعالیٰ تھا اور اسکے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اگرچہ وہ نسبتیں اور اعتبارات ہی کیوں نہ ہوں پھر جب نسبتیں ظاہر ہو گئیں تو تقابل بھی ظاہر ہوا والسلام اولاً و آخراً

(مکتوب ۱۴، دفتر سوم، ص ۳۸ اَ ۱۲۹۰)

۲) عدم...... وجود اور امکان کے درمیان ہے۔

جن کے بارے میں امام ربانی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

سوال:۔ امکان کے آثار احکام کا بقا مقام قاب قوسین میں ظاہر ہے کہ قوس امکان وقوس وجوب اس جگہ پر ہے لیکن مقام اوادنیٰ جو کہ اصل میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے امکان کے احکام کا بقا کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب:۔ وجوب اور امکان میں ما بہ الامتیاز چیز عدم ہے جو کہ امکان کی ایک طرف ہے کیونکہ امکان کی دوسری طرف وجود ہے جو قدر مشترک ہے درمیان وجوب وامکان کے اور مقام ادنیٰ میں اس عدم کے احکام زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔ اور قوسین کا امتیاز رفع ہو جاتا ہے نہ کہ امکان بالکل مرتفع ہو جاتا ہے اور وجوب سے بدل جاتا ہے کہ وہ محال ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا البتہ اس قدر ضرور ہے کہ مقام قاب قوسین ظلماتی حجابات سے باہر نہیں آتا ہے کہ وہ عدم کے آثار ہیں اور مقام اوادنیٰ میں اگر حجاب ہیں تو نورانی ہیں اور وہ وجود امکانی کی راہ سے آتے ہیں اور اسی توجیہہ پر اس بزرگ کے بیت کے معنی کو محمول کیا جا سکتا ہے جو کہ اوپر گزرا اور یوں ہے

چون ممکن گرد امکان برفشاند
بجز واجب درو چیزے نہ ماند

(جب ممکن کی گرد جھاڑ دیتا ہے تو واجب کے سوا کوئی چیز اس میں باقی نہیں رہتی)

(مکتوب ۱۲۲، دفتر سوم، ۱۵۸/۱۶۱۸)

۳) عدم وجود کے بائیں طرف ہے۔

امام ربانیؒ اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں

جاننا چاہیے کہ معاملہ میں اوادنیٰ کہ جس کا کچھ تذکرہ ہو چکا ہے عارف اپنے بائیں جانب کو لکھنے والے کو نہیں پاتا اس کا راز یہ ہے کہ اس

وقت اس کی بائیں جانب، دائیں جانب کا حکم حاصل کرلیتی ہے کیونکہ شمال (بائیں عدم کے تقاضوں میں سے ہے پھر جب عدم کے احکام زائل ہوگئے اور خالص وجود باقی رہ گیا تو اس جگہ بائیں جانب ہے یہی نہیں ''بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں'' اس کو سمجھ اور بے دینی میں مبتلا نہ ہو۔

۴) عدم دو درجات پر ہے۔ عدم سابق اور عدم لاحق

امام ربانی رضی اللہ عنہ قدیم اور حادث کی بحث کے ضمن میں عدم کے دو درجات بیان فرماتے ہیں۔

۱) وہ بیوقوف ہے بلکہ قرآنی نص کا منکر جو ماسوا میں سے بعض چیزوں کے قدیمی ہونے کے متعلق لب کشائی کرے اور افلاک وکواکب کے قدیمی ہونے کا حکم لگائے اور بسیط عناصر کو قدیم جاننے اور عقول و نفوس کو ازلی وقدیم تصور کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے حادث ہونے پر تمام اہلسنت کا اجماع ہو چکا ہے اور سب نے عدم سابق کے بعد ماسوائے وجود میں آنے کا حکم لگایا ہے چنانچہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے اپنے رسالہ ''المنقذ من الضلال'' میں اس معنی کی تصریح کی ہے اور اس جماعت کو جو اجزائے عالم میں سے بعض اجزاء کے قدیم ہونے کے قائل ہے اس وجہ سے ان کی تکفیر کی ہے رضی اللہ عنہ پس ممکن اشیاء میں سے بعض کے قدیم ہونے کا حکم لگانا دین اسلام سے نکلنا ہے اور فلسفہ میں داخل ہونا ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کے لیے عدم سابق ثابت ہے عدم لاحق بھی اس کا دامن گیر ہے۔

اسی مکتوب میں اگلے صفحات پر یوں رقمطراز ہیں۔

۲) ممکنات میں عدم لاحق (کو) عدم سابق کے اثبات کی طرح تسلیم کرنا دین کی ضروریات سے ہے، اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور جو علماء نے کہا کہ سات چیزیں فنا نہ ہوں گی۔ (۱) عرش، (۲) کرسی، (۳) لوح، (۴) قلم، (۵) بہشت، (۶) دوزخ، (۷) روح یہ باقی رہیں گی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ چیزیں فنا قبول نہیں کرتیں اور زوال کی قابلیت نہیں رکھتیں حاشا وکلا (ایسا ہرگز نہیں) بلکہ قادر مختار جل شانہ جس کو چاہے اپنی حکمت و مصلحت کی بناء پر وجود کے بعد فنا کردے اور جس کو چاہے باقی رکھے

۳) اسی مکتوب کے آخر میں امام ربانی یوں لکھتے ہیں۔

> اشیاء اپنے عدم پر راضی اور خوش ہیں اور ہرگز وجود کی رغبت نہ کریں گی اس سے کہ ان کے وجود کو سفسطی کی بنائی ہوئی چیز کو طرف منسوب کیا جائے اور قادر مختار جل سلطانہ کی قدرت کی طرف ان کو منسوب ہونے کی سعادت سے محروم کر دیا جائے

(مکتوب ۵۷، دفتر سوم، ص ۱۴۱۱/۱۵۹ تا ۱۴۱۳/۱۶۱)

۵) کیا عدم وجود کا محدّد اور وجود عدم و محدّد ہے؟

عدم اور وجود کے ایک دوسرے محدود ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں امام ربانی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

> ”تم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ تشبیہہ اس کے نزدیک خارج میں مفقود ہے اور خارج میں موجود یہی خالص تنزیہ ہے پس ان میں سے ایک دوسرے کے لیے محدود مقید نہ ہوگا جیسا کہ وجود خارجی اور عدم خارجی کہ نہ تو عدم وجود کا محدّد ہے اور نہ وجود عدم کا محدّد ہے بلکہ وجود عدم سمیت اپنے اطلاق پر ہے اور عدم وجود سمیت بھی اپنے اطلاق پر ہے اور ان میں سے ایک دوسرے سے مقید نہیں ہے اگر عدم وجود کا محدّد ہوتا تو اس لائق ہوتا کہ حکم کیا جاتا کہ وجود اور عدم کے جمع کرنے میں یہی کمال ہے اور ان میں سے ایک دوسرے کا عین ہوتا اور اس کا بطلان ظاہر ہے۔ (مکتوب ۴۷، دفتر سوم، ص ۲۰۲/۱۴۵۴)

۶) عدم، جو تعین و تمیز وجود کا باعث ہے۔

اس کے بارے میں امام ربانی رضی اللہ عنہ یوں لکھتے ہیں۔

> جاننا چاہیے کہ جس جگہ بھی تعین ہے اس میں امکان کی بو ہے اور عدم کی آمیزش اس کے ہمراہ ہے جو تعین وجود کا باعث ہوا۔

وبضدها تتبین الاشیاء

(چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں)

> اللہ تعالیٰ کی صفات جنہوں نے تعین وتمیز پیدا کیا ہے وہ باوجود قدیمی ہونے کے واجب لذاتہا نہیں ہیں بلکہ واجب لذات الواجب ہیں کہ اس کا حاصل وجوب بالغیر ہے جو کہ امکان کے اقسام سے ہے۔ اگر چہ صفات قدیمہ میں امکان کے لفظ سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس حدووت کا وہم ہوتا ہے اور اس جگہ مناسب وجوب کا اطلاق ہے جو کہ ذات واجب سے آیا ہے لیکن حقیقت میں اس جگہ مکان کی گنجائش ہے کیونکہ ان کا وجوب ذاتی نہیں ہے اور غیر کی طرف سے آیا ہے اگر چہ اس کو غیر یہ کہیں گے اور اصطلاحی غیر کہیں گے لیکن دو (اثنینیت) غیریت کا تقاضہ کرتی ہے۔ یہ ارباب معقول کا مسلمہ قاعدہ ہے (مکتوب ۷۶، دفتر سوم، ص ۱۶)

۷) عدم کے مقابل وجود کی حیثیت:۔

عدم کے مقابل وجود کی حیثیت جب واضح ہوتی ہے عدم کی حیثیت ازخود واضح ہو جاتی ہے۔ امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

> عدم کا نقیض ایسا وجود نہیں ہے جو عین واجب تعالیٰ ہو یا اس کی خاص ذاتی صفات میں سے ہو بلکہ عدم کا نقیض اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور اس کے عکوس میں سے ایک عکس ہے۔ مختصر یہ کہ ہر وجود جس کے مقابل عدم ہے امکان کے مظان سے ہے اور رفع عدم جو کہ اس کا نقیض ہے کہ احتیاج رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اگر چہ امکان کے دائرہ سے خارج ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے احتیاج رکھتی ہیں اور ہر ایک کے مقابل اعدام ثابت ہیں تو وہ امکان کی آمیزش سے باہر نہیں ہیں اور ان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی احتیاج دامن گیر ہے اگر چہ وہ قدیم ہیں اور ذات واجب تعالیٰ سے جدا نہیں ہیں کیونکہ نفس احتیاج امکان کی دلیل ہے اگر غیر کی احتیاج

> ہے تو نقص اور امکان کامل ہے اور امکان کے دائرہ میں داخل ہے اور اگر غیر کی احتیاج نہیں تو پھر بھی امکان کی بو رکھتی ہے اگر چہ وہ امکان کے دائرہ میں داخل نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کہ انکا کمال اللہ تعالیٰ کی ذات سے کمال سے کمتر ہے۔

٨) اسی مکتوب میں قاب قوسین اور او ادنیٰ کے اسرار و معارف بیان کرتے ہوئے عدم اور وجود کے بارے میں امام ربانی یوں لکھتے ہیں۔

> اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ممکن سے بر تقدیر فنا زوال عدم کے بعد وجود کے سوا کوئی اور چیز اس میں باقی نہیں رہتی اور سوائے ثبوت اور تحقیق کے کوئی چیز اس کے نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی ذات اور صفت سے عدم منتفی ہو چکا ہے لیکن یہ وہ وجوب وثبوت ہے جو کہ ممکن کے لیے وہم اور حس کے مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور آثار کو اس پر مرتب کیا ہے اور زوال عدم کے بعد اللہ تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بنا ہے جیسا کہ عدم زائل ممکن کی حقیقت ہوا ہے اور یہ ثبوت صفات سے زوال عدم سے پہلے عدم تھا۔ کہ جس کو مرتبہ وہم وحس میں ثابت کیا اور اب وہی ثبوت زوال عدم کے بعد اس کا قائم مقام ہوا اور ممکن کی ذات بنا اور صفات کو اپنی طرف منسوب کیا اور عدم کا کارخانہ اس پر برپا ہوا اور یہ کارخانہ جو عدم کی نیابت کے ساتھ تھا اس حد تک ثابت ہے کہ اس کا ثبوت نقیض اپنی جگہ پر قائم ہے اور امکان کو بقاء ہے۔ اور (جب) ثبوت کے نقیض سے معاملہ اوپر چلا جاتا ہے تو وجود کا کوئی مقابل نہیں رہتا بلکہ عدم کو بھی اس کے مقابلہ کی مجال نہیں رہتی اور امکان کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس وقت دوسرا کاروبار دوسرا ہے اور دوسرے ہی دمساز وغمگسار او ادنیٰ (یا اس سے بھی زیادہ قریب) کا راز اس جگہ

تلاش کرنا چاہیے اور ہر وہ جگہ جہاں امکان کی آمیزش اور عدم کی مجال ہے اگر چہ نقیض کی صورت میں ہو وہ ''قاب قوسین'' (دو کمان کا اندازہ) میں داخل ہے۔ اور جب امکان اور عدم پوری طرح اپنا سامان باندھ لیتے ہیں اور کوچ کا نقارہ بجاتے ہیں تو او ادنیٰ کے کمالات سامنے آتے ہیں۔ نہ اس طرح کہ اس وقت ممکن واجب تعالیٰ کی ذات ہو جاتا ہے بلکہ اس کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثابت ہو جاتا ہے اور وہ پہلے قیام جو (پہلے) اللہ کے ظلال میں سے کسی ظل کے ساتھ تھا زائل ہو جاتا ہے۔

کسے کو درخدا گم شد خدا نیست

ترجمہ:۔ جو آدمی خدا میں گم ہو گیا وہ خدا نہیں ہے۔

اس عارف (امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ذات واجب سے قیام اللہ تعالیٰ کی صفات کے قیام کی طرح ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہیں بلکہ اس کا قیام اس مرتبہ میں ہے کہ اس کی جگہ صفات کچھ بھی ملحوظ نہیں ہیں۔ اگر چہ صفات کو ذات خداوندی سے علیحدگی نہیں ہے لیکن صفات کا قیام ازلی اور ابدی ہے اور وہ قدیمی ہیں اور اس (عارف) کا قیام ازلی نہیں ہے اور حدوث کے داغ سے داغدار ہے لیکن صفات کے نقیض موجود ہیں جو عدم ہیں مثلاً عدم علم، عدم قدرت اور اس عارف کا معاملہ اعلام کی نقاضت سے اوپر چلا گیا ہے جیسا کہ تحقیق ہو چکا۔ (مکتوب ۱۷۷/۱۴۲۹۔۱۷۵/۱۴۲۷)

۹) اسی عبادت کو آگے یوں لکھا ہے

جاننا چاہیے کہ عارف سے اَنَا (میں) کی بقاء عدم کی بقا تک ہے۔

جو کہ اس کی حقیقت ہے اور جب عدم زائل ہوا تو اَنَا کا کوئی مورد نہ رہا جس پر اس کا اطلاق کیا جاسکے۔ زوال عدم کے بعد ثبوت کے

معاملات اگرچہ بڑا دراز دامن رکھتے ہیں اور اگرچہ ثبوت ممکن کی ذات ہو چکا لیکن کلمہ ''انا'' (میں) کا اس جگہ مورد نہیں ہے گویا لفظ ''انا'' حقیقت عدمیہ کے لیے وضع ہوا ہے جو کہ حقیقت ثبوتیہ سے نفرت رکھتا ہے۔

(مکتوب ۶۴، دفتر سوم، ص ۱۴۲۹)

۱۰) عدم کے نقائص اور خوبیاں اور ہنر جو اس میں پوشیدہ ہیں ان کے بارے میں امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں لکھا ہے۔

جس طرح وجود ہر خیر وکمال کا مبداء اور ہر حسن وکمال کا منشا ہے تو عدم جو اس کے مقابل ہے وہ لازمی طور پر ہر شر ونقص کا مبداء ہوگا اور ہر قبیح اور فساد کا منشاء اگر وبال ہے تو اس سے پیدا ہوا ہے اور اگر گمراہی ہے تو بھی سی سے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ ہنر بھی ودیعت کیے گئے ہیں اور کچھ خوبیاں اس میں پوشیدہ ہیں۔

ا) وجود کے مقابلہ میں اپنے آپ کو نیست مطلق بنانا اور محض لاشے سمجھنا اس خوبیوں میں سے ہے۔

ب) اپنے آپ کو وجود کی پناہ بنانا۔

ت) شرور اور نقائص کو اپنی طرف منسوب کر لینا بھی اس کے اچھے ہنروں میں سے ہے۔

ث) اور پھر وجود کا آئینہ ہونا اور اس کے کمالات کا اظہار کرنا

ج) اسی طرح ان کمالات کو علم کے خانہ سے باہر ایک دوسرے سے الگ کرنا

خ) اجمال سے تفصیل میں لانا اس کی اچھی صفات میں سے ہے۔

مختصر یہ کہ وجود کی خدمت گزاری اس سے قائم ہے اور وجود کا کمال و جمال اور حسن اس کے قبح وشرارت اور نقص سے ظاہر ہوتا ہے۔ وجود کا استغنا اس کی محتاجی سے ہے۔ اور وجود کی عزت اس یک ذلت

سے ہے۔ اور وجود کی کبریائی اور عظمت اس کی کمینگی اور خساست کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور وجود کی شرافت اس کی دغاءت سے ظاہر ہے اور وجود کی سرداری اس کی غلامی سے ظاہر ہوتی ہے۔

منم کاستاد را استاد کردم
غلامم خواجہ را آزاد کردم

ترجمہ:۔ میں ہوں جس نے استاد کو استاد بنایا۔ میں غلام ہوں لیکن خواجہ کو میں نے آزاد کیا

(مکتوب ۹۸ دفتر دوم ص ۱۴۱/۱۲۳۶)

۱۱) عدم محض کی نشاندہی

امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مکتوب میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

''لطافت انسانی کے درمیان عنصر خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات کا بہت سا حصہ حاصل ہے۔ باقی تمام اجزائے انسانی خواہ عالم امر سے ہوں خواہ عالم خلق سے سب اس مقام پر اس عنصر پاک کے تابع ہیں۔ اور اسی کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو حاصل ہوا ہے اور کسی کو وہ میسر نہیں ہوا۔ اور دنیٰ کے بعد تدلیٰ کی حقیقت اسی مقام پر ظاہر ہوتی ہے اور قاب قوسین اور ادنیٰ کا سِرّ (بھید) اسی جگہ منکشف ہوتا ہے اور اسی سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی ولایت صغریٰ کبریٰ و علیا کے کمالات سب، مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لیے شبح و مثال کی طرح ہیں۔ اور روشن ہوتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطہ طے کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کے طے کرنے سے زیادہ ہے

پھر قیاس کرنا چاہیے کہ ان سب کمالات کو تمام گزشتہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ دریائے محیط کو بھی نظر کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہے لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مقصود ہے ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں مقام نبوت کو مقام ولایت سے وہ نسبت ہے جو غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے۔

سبحان اللہ! اس سر (بھید) سے جاہل کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور دوسرا معاملہ سے ناواقف ہونے کے باعث اس کی توجیہہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت نبوت سے افضل ہے (چھوٹا منہ بڑی بات)

جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب اور اس کے حبیب ﷺ کے صدقہ سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا تو مشہود ہوا کہ اگر ایک قدم اور سفر میں زیادہ کرے تو ''عدم محض'' میں جا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں

اے فرزند! اس ماجرا سے تو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا اور سیمرغ جال میں پھنس گیا

عنقا شکار کس نشود دام بازچیں
کاینجا ہمیشہ بادبدست ست دام را

ترجمہ:۔ عنقا کسی شکار میں نہیں آ سکتا۔ لہٰذا جال سمیٹ لے کیونکہ یہاں ہمیشہ جال کے حصہ میں ہوا آتی ہے۔

(مکتوب ۲۶۰ دفتر اول ص ۱۱۵/۲۶۵)

الحمد للہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اکبر

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد اول...... باب دوم

☆

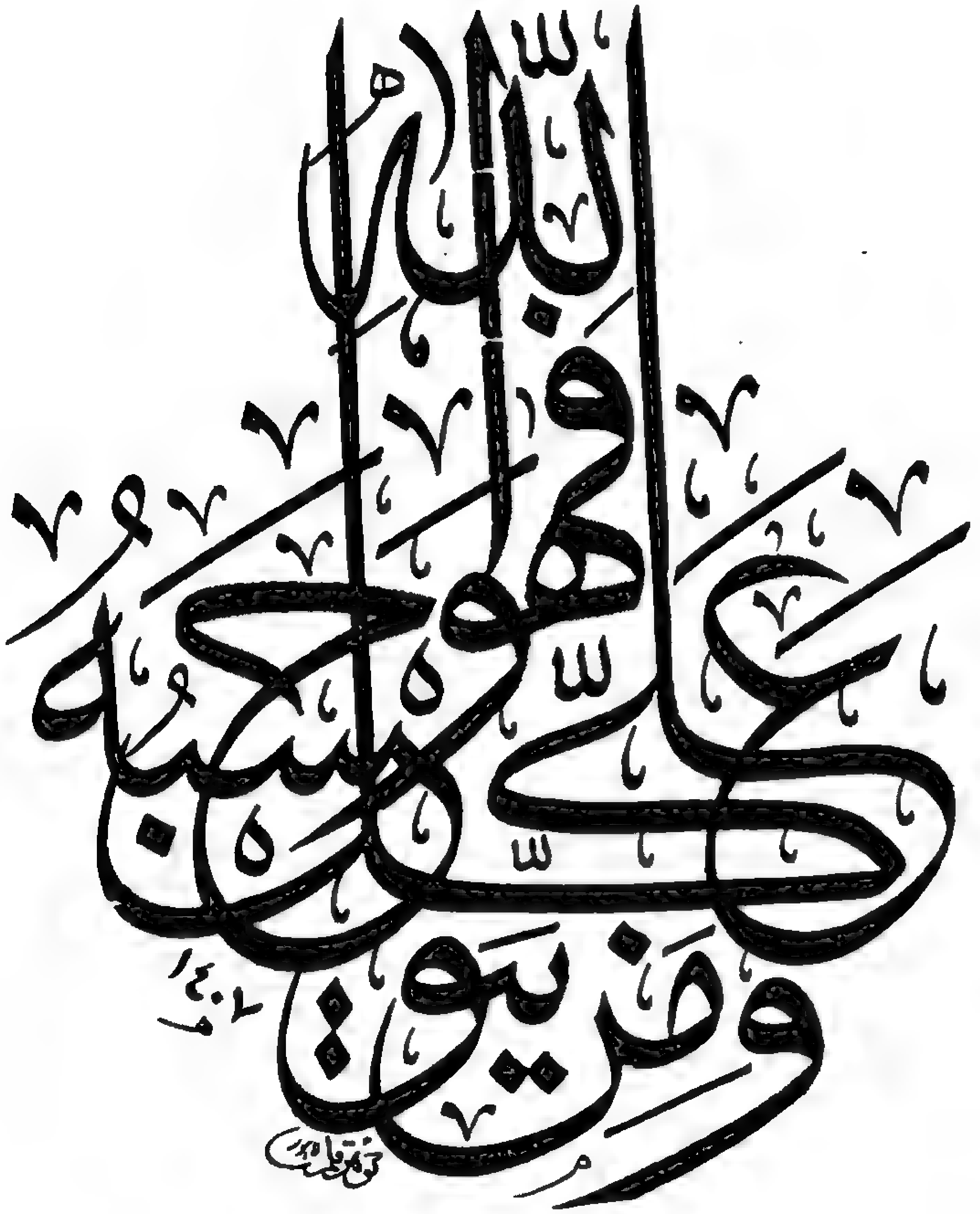
ومن يتوكل على الله فهو حسبه
١٤٠٧

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تفرداتِ مجددِ الف ثانی

پروفیسر سید محمد ضیاء الدین ابو الکمال احمد کاظمی شمسی طہرانی مجددی مظہر اللّٰہی
سابق استاذ شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
سابق پروفیسر و چیئر مین ڈاکٹر امبیڈکر چیئر سینٹر برائے تقابلی مطالعۂ مذاہب عالم،
ڈاکٹر امبیڈکر نیشنل انسٹی ٹیوٹ، مہو، ضلع اندور (مدھیہ پردیش) بھارت

☆☆

استاد مرحوم پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اعتراف کیا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے قبل نقشبندی بزرگ ہندوستان میں آچکے تھے[1] پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے لکھا ہے کہ خواجہ بہاء الدین نقشبند (م ۷۹۱ھ) کے خلفاء بخارا اور سمرقند سے نکل کر ہرات، خراسان اور برِ صغیر ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں پہنچ کر عوام کی روحانی تربیت کرنے لگے[2] لیکن یہ معاملہ تشنۂ تحقیق ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے وہ کون بزرگ ہیں جو خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے قبل ہندوستان کے مختلف شہروں میں تشریف لائے۔ یہ امر مسلم ہے کہ خواجہ بہاء الدین نقشبندی علیہ الرحمۃ (م ۷۹۱ھ) سے تیمور کو والہانہ عقیدت تھی۔ اس کی موت پر خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا ”مُرد و ایمان بُرد“[3] خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کے بعد خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمۃ نے اس سلسلہ کا دائرۂ اثر و نفوذ وسیع کیا اور اس زمانے کے اکثر ترک اور مغل فرمانروا جن میں بابر کا باپ عمر شیخ مرزا بھی شامل تھا، ان سے بیکراں عقیدت رکھتے تھے۔ مُلّا عبد الرحمٰن جامی علیہ الرحمۃ انہی کے حلقۂ تربیت سے وابستہ رہے۔ بہر حال حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ اس سلسلے کی مزید نشر و اشاعت کے لیے اپنے مرشد خواجہ امکنگی علیہ الرحمۃ کے ارشاد اور اشارۂ غیبی (بصورتِ استخارہ) کی بنیاد پر ہندوستان تشریف لائے۔[4] یہ اشارۂ غیبی خصوصی طور پر حضرت

مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے متعلق تھا۔ حضرت محمد غوثی شطاری علیہ الرحمۃ جو سلسلہء شطاریہ کے چشم و چراغ ہیں لکھتے ہیں کہ جب آپ سرہند شریف کی حدود میں پہنچے تو آفتاب کی سی روشنی گرداگرد پھیلی ہوئی تھی۔ رجال الغیب میں سے ایک نے آواز دی کہ جس شخص کے لیے آپ کو اشارۂ غیبی ہوا ہے اس کا مولد و مسکن یہی ہے اور وہ فرمانِ ازلی سے دہلی میں حاضر ہو کر آپ کا شرفِ صحبت حاصل کرے گا۔ (گلزارِ ابرا، ص:۴۷۹)

برِّ صغیر ہندوستان کی عظمت اور سلسلہء عالیہ نقشبندیہ کی اہمیت اور تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنی امتیازی خصوصیت کا ذکر مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے مکتوب نمبر ۲۶۰ میں اس طرح کیا ہے۔

> ”یہ ہے بیان اس طریق کا بدایت سے نہایت تک جس کے ساتھ حق سبحانہٗ نے اس فقیر کو ممتاز کیا ہے۔ اس طریق کی بنیاد نقشبندیہ ہے جو متضمنِ اندراجِ نہایت در بدایت ہے۔ اس بنیاد پر عمارتیں اور محل بنائے گئے ہیں۔ اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ بڑھتا۔ بخارا اور سمرقند سے بیج زمینِ ہند میں جس کا مایہ خاکِ طیبہ و بطحا سے بویا گیا ہے اور اس کو سالوں آبِ فضل سے سیراب رکھا گیا اور تربیتِ احسان سے پرورش کیا گیا۔ جب وہ کھیتی کمال کو پہنچی تو یہ علوم و معارف پھل کی صورت میں نمودار ہوئے۔“۵

علامہ اقبال امام ربانی کو عرفان و سلوک کا مجتہدِ اعظم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ”انھوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس سے عرفان و سلوک کا ایک نیا طریقہ وضع ہوا۔ ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج تھے وہ یا تو وسط ایشیا یا سرزمینِ عرب سے آئے تھے مگر یہ صرف ان ہی کا طریقہ ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جواب بھی پنجاب، صوبہء سرحد، سندھ، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے۔“۶

علامہ اقبال نے جن مقامات کے نام لیے ہیں ان کے علاوہ بھی یہ طریقہء مجددیہ روم (ترکی) شام (مصر) مغرب (مراکش) خلیجی ممالک چین اور ماوراء النہر تک پہنچا ہے۔ (تاریخ الاولیاء فارسی، ص: ۱۰۷)

استاد مرحوم پروفیسر نظامی نے تقدیمِ زمانی کے نقطۂ نظر سے سلسلہء خواجگان کو اہمیت دی۔ سلسلہء خواجگانِ نقشبندیہ ان کے نزدیک سب سے پہلے معرضِ تشکیل میں آیا۔ بعدازاں قادریہ سلسلہ، چشتیہ سلسلہ، کبرویہ سلسلہ اور فردوسیہ سلسلہ۔[۷]

سلسلہء خواجگانِ نقشبندیہ کو تقدم زمانی حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نسبت حضرت صدیقِ اکبر خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی پر منتہی ہوتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ نقشبندی سلسلہ کو تقدم زمانی کی وجہ سے جو امتیازات حاصل تھے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی شمولیت کے بعد اس کی تجلیل و تطہیر کس طرح ہوئی جس کے باعث چار دانگِ عالم میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی دھوم مچ گئی اور آج بھی مچ رہی ہے۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی بلندی کو اوجِ ثریا تک پہنچانے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے جو عظیم کردار ادا کیا وہ ان کے خصوصی تفردات پر مشتمل ہے جو اس وقت ہمارا موضوعِ فکر ہے حضرت مجدد الف ثانی علیہ لرحمۃ کے تفردات کی نوعیت دو طرح سے منظرِ عام پر آئی۔ ایک تو (الف) تصوف کے نقطۂ نظر سے (ب) دوسرے شریعت مطہرہ کے لحاظ سے۔

شریعت مطہرہ سے متعلق آپ کے فقہی تفردات پر کچھ اربابِ قلم نے اظہارِ خیال کیا ہے لیکن تصوف سے متعلق تفردات کے ضمن میں اظہارِ خیال کم ہی کیا گیا ہے۔ راقم الحروف سب سے پہلے تصوف سے متعلق تفردات کا ذکر کر رہا ہے۔

(الف) تصوف میں تفردات

تفرد نمبر ۱۔ وحدت الشہود بنام وحدت الوجود

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بعض خواجگان پر نظریۂ وحدت الوجود کا بڑا غلبہ تھا جس کا جیتا جاگتا نمونہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمۃ ہیں۔ وہ کلی طور پر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ کے نظریۂ وحدت الوجود کے ترجمان ہیں۔ چونکہ وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمۃ کے تربیت یافتہ

ہیں اس لیے ان پر بھی ضرور نظریۂ وحدت الوجود کا کسی نہ کسی حد تک اثر ہوگا۔ اور خواجگانِ نقشبندیہ پر ہی کیا موقوف ہے خواجگان چشت شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمۃ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ آسمان کے فرشتہ کا نہیں سرزمین دہلی کے فرشتہ کا "تاریخ فرشتہ" میں بیان ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کے زیر مطالعہ رہنے والی کتابوں کی فہرست میں فصوص الحکم بھی شامل تھی[8] اگرچہ کسی معاصر ملفوظ یا تذکرہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

بہر حال محبوب الٰہی کے وصال کے کچھ دن بعد شیخ اکبر کی تصانیف کا ہندوستان میں غلغلہ ہوگیا۔ فیروز شاہ کے مدرسہ میں "فصوص الحکم" بھی شاملِ نصاب تھی اس دور کا شاعر مطہر کہتا ہے۔

ز عرفان عوارف ز وجداں فصوص
ز وعظ و نصائح کتاب سری[9]

سید محمد جعفر مکی خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی، مسعود بک، سید علی ہمدانی، شیخ علی مہائمی، شیخ عماد الدین عارف (علیہم الرحمۃ) وغیرہم نے فصوص اور فتوحات پر شروح وحواشی لکھے۔ چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں میں سب سے زیادہ دلچسپی حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی نے لی۔ ان کو ابن عربی ثانی کہا جاتا ہے ان کے رسالہ "تسویہ" کو عوام کے لیے مضر سمجھ کر اورنگ زیب علیہ الرحمۃ نے نذرِ آتش کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

(ملاحظہ ہو گلزار ابرار از غوثی شطاری)

آخری مشائخ چشت میں حضرت عبد القدوس گنگوہی، شیخ امان اللہ پانی پتی بھی شیخ اکبر سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں۔ سترھویں صدی میں شیخ اکبر کی تصانیف، چشتی خانقاہوں میں باقاعدہ داخلِ درس ہوگئیں۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی نے میاں محمد جان سے فصوص اور فتوحات کا درس لیا حافظ محمد جمال ملتانی خلیفہ شاہ نور محمد مہاروی شیخ اکبر کے نظریات کے عظیم ترجمان تھے۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی جو ہندوستان میں معقولات کے امام مانے جاتے تھے حافظ محمد علی خیر آبادی سے فصوص الحکم کا درس لینے حاضر ہوئے۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ باقاعدہ اپنی خانقاہ میں فصوص کا درس دیتے تھے۔

حد یہ ہے کہ شیخ عبدلوہاب متقی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیاری کرتے نظر آتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ سید محمد گیسو دراز حسینی خلیفہ

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی علیہ الرحمۃ فصوص الحکم کی تردید میں ایک رسالہ لکھنا چاہتے تھے لیکن حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نے انھیں اس ارادہ سے باز رکھا تھا۔[۱۰]

چشتی حلقوں میں سید محمد گیسو دراز کی تنقیدی آراء کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں شیخ اکبر کی باتوں کو "سخنے مزخرف وبذاتہ منحرف" لکھا ہے[۱۱] حضرت گیسو دراز نہایت سخت الفاظ میں حضرت شیخ اکبر کی تردید کر رہے ہیں۔ استاد مرحوم نظامی صاحب نے بھی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو وحدت الوجود کی تردید کرنے والا ظاہر کیا ہے۔ علاء الدولہ سمنانی رکن الدین ابوالمکارم کو وحدت الشہود کا علم بردار ظاہر کیا ہے۔ اور شیخ اکبر نیز ان کے ہمنوا صوفیانِ وجودی پر طعن و انکار کرنے والا بتایا ہے[۱۲] بلاشبہ حضرت ابوالمکارم رکن الدین علاء الدولہ سمنانی (م۷۳۶ھ ۱۳۳۶ء) نے اپنی کتاب "العروہ لاھل الخلوہ"[۱۳] میں شیخ اکبر کی تردید کرتے ہوئے وحدت الشہود کو صحیح نظریہ ثابت کیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے پیش رو صوفیہ شیخ اکبر اور علاء الدولہ سمنانی وغیرہما کا ذکر کس احترام سے کیا ہے اور وجودی اور شہودی توحید کے احوال و کیفیات کا کتنی ژرف نگاہی سے نہ صرف مطالعہ کیا ہے بلکہ مشاہدہ کیا ہے مولانا عبدالحی کو شہودی اور وجودی توحید کے مراتب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "ان پر توحید وجودی کا جمال ظاہر ہوتا ہے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہے جس نے محبوب کے سوا سب کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا ہے جب کہ وہ محبوب کے سوا کچھ نہیں دیکھتے تو کسی کو موجود بھی نہیں سمجھتے۔"
>
> ایسی توحید والے، اصحاب احوال ہیں اور ان کی توحید علت تخیل اور شائبہ توہم سے پاک وصاف ہے۔ ایسی توحید والے ارباب قلوب اگر اسی مقام سے عالم کو مراجعت کریں گے تو عالم کے ہر ذرہ میں اپنے محبوب کو دیکھیں گے اور ان کی نظر میں عالم کا ہر ذرہ جمالِ محبوب کا آئینہ ہے جب تک وہ مقام قلب میں رہیں گے ان کی یہی حالت رہے گی اور جب اللہ تعالیٰ ان کو اس مقام سے بالاتر لے جاتا ہے تو

> یہ احوال اور کیفیات رو بہ زوال ہو جاتی ہیں۔ جتنا بڑھتا جائے گا ان احوال سے مناسبت کمتر ہوتی جائے گی۔ بلکہ بعض افراد کی عدم مناسبت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ ان احوال و کیفیات پر طعن و انکار کرنے لگتے ہیں جیسے کہ رکن الدین ابوالمکارم علاء الدولہ سمنانی اور بعض افراد نہ انکار کرتے ہیں اور نہ اثبات‘‘[۱۴]

جیسا کہ شروع میں عرض کیا تھا کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی پر شیخ اکبر کے افکار کا بڑا غلبہ رہا ہے اور اکابر خواجگان نقشبندیہ (ماقبل حضرت مجدد الف ثانی) بھی ان کے گرویدہ رہے ہیں۔ مولانا جامی نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ محمد پارسا (خلیفۂ اعظم حضرت شاہ نقشبند) فرمایا کرتے تھے کہ جناب شیخ اکبر کی کتاب ’’فصوص الحکم‘‘ جان ہے اور ’’فتوحات مکیہ‘‘ دل[۱۵]

مولانا جامی، امام یافعی اور ابن عماد حنبلی نے شیخ شہاب الدین سہروردی سے شیخ اکبر کا آمنا سامنا ہونا بیان کیا ہے اور حضرت سہروردی کا شیخ اکبر کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ ’’ھو بحر الحقائق‘‘ (وہ حقائق کا سمندر ہیں)[۱۶]

صرف علامہ ابن تیمیہ نے شیخ اکبر کو ’’اس امت کا شیطان‘‘ کہا ہے حالانکہ ان کے خاص پیرو علامہ قاضی محمد علی شوکانی یمنی نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں مرید ہونے کے بعد شیخ اکبر کے بارے میں اپنے خیالات سے رجوع کیا۔ اس سے متعلق ان کا مطبوعہ رسالہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اسی طرح نواب سید صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی نے بھی شیخ اکبر کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

شیخ اکبر کا معاملہ عجیب ہے کہ ہر سلسلۂ صوفیہ اور ہر مسلکِ علماء میں لوگ ان کے کثرت سے مداح بھی ہیں اور خال خال قدّاح بھی۔ حضرت مجدد الف ثانی کا معاملہ ان سب سے جدا ہے آپ شیخ اکبر کے علمی و روحانی کمالات کے معترف بھی ہیں اور علمی و کشفی طور پر ان کے مسلک کے معروضی نقاد بھی۔ اصل میں حضرت مجدد الف ثانی نے آج کی تحقیق کی زبان میں حضرت شیخ اکبر کے افکار و نظریات کا معروضی مطالعہ (Objective Study) کیا ہے پھر کشفی طور پر مخصوص بلندیاں حاصل کر کے نہایت مؤدبانہ طریقہ سے شیخ اکبر پر تنقید کی ہے۔ دیکھیے حضرت علاء الدولہ سمنانی سے حضرت مجدد الف ثانی کو تقویت مل رہی ہے مگر وہ ان پر بھی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خلاف شیخ علاء الدولہ در مسئلہ وحدتِ وجود بہ طورِ علماء مفہوم می شود بہ قبح آں ناظر است ہر چند بہ راہ کشف در آمدہ است چہ صاحب کشف آں را قبیح نہ داند''[17]

(ترجمہ) ''مسئلہ وحدت وجود میں شیخ علاء الدولہ کا اختلاف علماء کے طریقہ پر مفہوم ہوتا ہے کیونکہ ان کی نگاہ اس کے قبح کی طرف ہے حالانکہ راہِ کشف میں یہ مسئلہ ان کو پیش آچکا ہے اور صاحب کشف اس کو قبیح نہیں سمجھتا۔''

حضرت مجدد شیخ اکبر کے مرتبہ شناس تھے۔ ان کے متعلق وہی شخص صحیح رائے قائم کر سکتا ہے جو کہ دونوں سمندروں (وجودی اور شہودی توحید) کا شناور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شانِ تفرد حضرت مجدد کو عطا کی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مجدد کی اس تفرد آمیز کوشش کا مشائخ پر کیا اثر ہوا؟...... چشتیہ سلسلے کے آخری اہم بزرگ حضرت کلیم اللہ جہان آبادی فرماتے تھے۔

''مسئلہ وحدت الوجود را پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہید بر زبان آورد''

یعنی مسئلہ وحدت الوجود کو ہر جاننے والے اور نہ جاننے والے کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے۔[18]

حضرت شاہ نور محمد مہاروی خلیفہ حضرت مولانا محب النبی فخر الدین دہلوی چشتی نظامی کہنے لگے:

''برامم ماضیہ کہ حوادث واقع می شدند برائے اظہارِ وحدتِ وجود''

یعنی پہلی امتوں پر جو حوادث نازل ہوئے وہ صرف وحدت الوجود کے اظہار کے سبب تھے۔[19]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ انھیں مسئلہ وحدت الوجود کے بیان پر کمال قدرت حاصل تھا۔ اس کے باوجود وہ لکھتے ہیں:۔

''از تصریح بہ وحدت الوجود احتراز می نمودند کہ غالب اہلِ زمان آن را فہم نمی توانند کرد و در ورطۂ الحاد و زندقہ می افتند''

یعنی وحدت الوجود کی تشریح سے اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ بہت سے لوگ اس کو سمجھ نہ سکیں گے اور اس طرح الحاد و زندقہ کے بھنور میں پھنس جائیں گے۔[20]

یہی حضرت مجدد کی عظیم کامیابی ہے کہ آپ کے بعد آنے والے مشائخ وحدت الوجود کے مسئلہ پر گفتگو کرنے سے احتراز کرنے لگے۔

○

تفرد نمبر ۲۔ تصوف کو تشیع سے پاک کرنے کی کوشش

اگر تشیع سے اہلِ بیتِ اطہارِ نبوی ﷺ سے والہانہ عقیدت مراد ہے تو اس سے اہلِ سنت میں کسی کو بھی انکار نہیں۔ اہلِ سنت ان سے تمسک وتولّا کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے "تحفۂ اثناعشریہ" میں اپنے آپ کو (یعنی اہلِ سنت کو) "مائیم شیعانِ اولیٰ یعنی ہم شیعانِ اولیٰ ہیں تحریر کیا ہے۔ اور امام شافعی کا مشہور شعر درج کیا ہے جسے مجدد الف ثانی نے بھی اپنے مکتوب میں نقل کیا ہے۔

ان کان رفضاً حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافضً

حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم اصفہانی نے بھی یہ شعر درج کیا ہے۔ [۱۱] لیکن اس والہانہ محبت کے یہ معنی نہیں کہ اہلِ بیتِ اطہار کی بزرگی کا اظہار رسول مدنی ﷺ کے صحابۂ کرام کی تنقیص وتوہین کا سبب بن جائے۔ جیسا کہ شیعوں کے فرقۂ اثناء عشریہ کا شعار ہے۔

خواجگانِ نقشبندیہ نے عموماً اور حضرت مجدد الف ثانی نے خصوصاً اہلِ بیتِ اطہار کے فضائل وجلائل بڑی فراخ دلی سے بیان کیے ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ شیخ سلیمان حسینی بلخی قندوزی حنفی نقشبندی (م ۱۲۹۴ھ) مفتیِ اعظم قسطنطنیہ کی کتاب "ینابیع المودۃ" مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۰۱ھ ہے، جس میں اکابر علماء اہلِ سنت کے علاوہ خواجہ محمد پارسا خلیفۂ اعظم شاہ نقشبندیہ کی کتاب "فصل الخطاب" سے وسیع پیمانہ پر استفادہ کیا گیا اور اہلِ بیتِ اطہار کے فضائل بے پناہ انداز سے بیان کیے گئے ہیں جس کو دیکھ کر علماءِ فرقہ اثنا عشریہ مبہوت ہو جاتے ہیں۔

انتہا یہ ہے کہ مناقب ومصائب اہلِ بیتِ اطہار پر جو کتاب ایران کے شیعوں کے بچے بچے کی زبان زد ہے وہ "روضۃ الشہداء" ہے۔ اس کتاب کے نام کی مناسبت سے شیعانِ ایران نے روضہ خوانی کی اصطلاح وضع کی ہے اور روضہ خواں اس مقرر کو کہتے ہیں جو اہلِ بیتِ اطہار کے مناقب ومصائب پر تقریر

کرے۔ یہ کتاب ملا حسین واعظ کاشفی کی ہے جو مولانا عبدالرحمٰن جامی کے سگے بہنوئی ہیں اور جن کے لیے ان کے ہمعصر میر علی شیر نوائی اپنے تذکرۂ شعراء میں لکھتے ہیں کہ ''مولینا اگر چہ سبزواریست لیکن از رفض عاریست ''یعنی مولانا اگر چہ سبزواری ہیں لیکن رِفض سے عاری ہیں۔ واضح رہے کہ اس زمانہ میں سبزوار شیعوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی کی کتاب ''شواہد النبوۃ'' میں انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کے ساتھ ساتھ سیرتِ ائمہ اہلِ بیت بیان کی ہے۔ جامی نے اپنی مثنوی 'سلسلۃ الذھب' میں ائمہ اہلِ بیتِ اطہار کی والہانہ انداز میں مدح سرائی کی ہے مگر وہ ایک مقام پر سخت اور خطرناک لغزش کا شکار ہو گئے اور صحابیٔ رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاءِ منکر کا مرتکب قرار دیا۔ شعر یہ ہیں۔

آن خلافے کہ داشت با حیدر
در خلافت صحابی دیگر
حق در آنجابہ دستِ حیدر بود
جنگ با اُو خطاءِ منکر بود

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں مولانا جامی کی گرفت کی اور حضرت امیر معاویہ کی خطا کو خطاءِ اجتہادی سے تعبیر کیا۔ حالانکہ عہد جامی سے عہدِ مجدد تک کسی نے جامی کی اس لغزش کی نشاندہی نہیں کی۔ یہ بھی حضرت مجدد کا تفرد ہے کہ انھوں نے سلسلۂ نقشبندیہ کے اس عظیم ترجمان شاعر کی اصلاح کی۔ اسی طرح یزید کے بارے میں بہت سے اکابر علمائے اہلِ سنت (مثلاً ابنِ حجر مکی صاحب ''صواعق المحرقہ'' اور علامہ تفتازانی صاحب ''شرح عقایدِ نسفی'') اس کے کفرِ صریح کے قائل ہیں اور اس پر لعنت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مگر حضرت مجدد نے اس موقع پر بھی نہایت محتاط رویہ اختیار کیا ہے۔

بحر العلوم علامہ عبدالعلی لکھنوی ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' میں لکھتے ہیں

''ویزیدا حبهٔ مع انه کان من اخبث الفسّاق و کان بعیداً بمراحل من الامامة بل الشک فی ایمانه خذله الله تعالیٰ والصنیعات الّتی صنعها معروفة من انواع الخبائث'' [۲۲]

> یعنی ''اور ان کا (حضرت امیر معاویہ کا) بیٹا یزید اگرچہ فاسقوں میں نہایت اخبث تھا اور منصب خلافت سے بمراحل (کوسوں) دور تھا بلکہ اس کے تو ایمان میں بھی شک ہے، اللہ تعالیٰ اس کا بھلا نہ کرے اور جو طرح طرح کی خبیث حرکتیں اس نے کی ہیں سب مشہور و معروف ہیں''

اب ذرا حضرت مجدد کا محتاط رویہ دیکھیے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''یزید بدنصیب فاسقوں کے گروہ میں شامل ہے۔ اس پر لعنت کرنے سے توقف اہل سنّت کے اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ کسی شخص معین پر اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت تجویز نہیں کرتے اِلّا یہ کہ بالیقین معلوم ہو جائے کہ اس شخص کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے۔ جیسا کہ ابولہب جہنمی اور اس کی بیوی تھی، یزید پر لعنت کرنے سے توقف کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مستحقِ لعنت نہیں، ارشاد باری ہے کہ بے شک جو لوگ اللہ و رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا میں بھی لعنت کی اور آخرت میں بھی''[۲۳]

یہ ہے حضرت کا تفرد کہ عقائد اہل سنت کا بنیادی مسئلہ بیان فرما دیا اور اس کے مستحقِ لعنت ہونے کا امکان بھی بتا دیا۔ اسی مکتوب میں سائل کے اس جواب میں کہ 'اگر او مستحقِ لعنت است الخ'' ارشاد فرماتے ہیں ''اگر ایں سخن در باب یزیدی گفت گنجائش داشت'' یعنی اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی جائے تو اس کی گنجائش تھی۔

حضرت مجدد الف ثانی نے شیعوں کے خلاف ''ردّ روافض'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس لیے شیعہ صاحبان اور ان کے علماء و دانشور مجدد صاحب سے بے پناہ عناد رکھتے ہیں۔ میرے طالب علمی کے دوران پروفیسر اطہر عباس رضوی سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ملاقات ہوئی۔ یہ وہی پروفیسر ہیں جو اپنے ڈی لٹ کے تحقیقی مقالے میں حضرت مجدد پر جارحانہ حملے کر چکے ہیں اور جس کا جواب سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے ماہنامہ ''معارف'' (اعظم گڑھ) شمارہ مارچ ۱۹۶۶ء میں دیا ہے۔ دورانِ گفتگو کہنے لگے کہ صوفیہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ کیونکہ صوفیہ کے جملہ سلاسل سوائے نقشبندیہ کی ایک شاخ کے حضرت علیؓ پر منتہی ہوتے ہیں۔ یہ ایک شاخ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر

منتہی ہوتی ہے اور حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ اس شاخ نقشبندیہ سے متعلق ہیں اس لیے انھیں حضرت علی سے کوئی خاص لگاؤ نہیں۔ میں اس وقت ایم اے۔ کا طالب علم تھا اور شعبۂ تاریخ میں بھی مجھے ایک پرچہ کی تیاری کے لیے اساتذہ سے پڑھنا ہوتا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ کا خیال صحیح نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی پر عظمتِ مرتضوی جس طرح آشکار ہوئی ہے چودہ سو برس کے سلاسلِ صوفیہ کے کسی فرد پر نہیں ہوئی۔ کہنے لگے کہ ثبوت دیجئے؟ میں نے مکتوبات دفتر سوم حصہ دوم کا مکتوب نمبر ۱۲۳ پڑھ کر سنایا جو فارسی میں تھا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

> ''اور ایک وہ راہ جو صرف ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب و اوتاد اور بدلاء اور نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہوئے ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اسی راہ میں توسط اور حیلولت ثابت ہے اور اسی راہ کے واصلین کے پیشوا اور ان کے سردار اور ان کے بزرگوں کے منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ ہیں کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم۔ اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی راہ میں گویا رسول اللہ ﷺ کے دونوں قدم مبارک حضرت علی کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی، ان کے ذریعہ سے پہنچی کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرات امیر کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کو سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اور ان بزرگواروں کے زمانے میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض اور ہدایت پہنچا ہے ان بزرگواروں

> کے ذریعہ اور حیلولۃ سے پہنچا ہے اگرچہ اقطاب ونجباءِ وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجا و ماؤی یہی بزرگ ہیں۔ کیوں کہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ [۲۴]

اس مکتوب کو سن کر پروفیسر رضوی دم بخود ہو گئے۔ میں نے کہا کہ صوفیہ نے جناب امیر کو جو کچھ مانا دنیا میں آنے کے بعد مانا۔ اسی طرح فرقۂ اثناء عشریہ ان کے کمالات امامت کو دنیا میں آنے کے بعد مانتا ہے مگر ہمارے مجدد الف ثانی کا یہ روحانی اور مکاشفاتی تفرد ہے کہ وہ جناب امیر کو جسدی پیدائش سے پہلے بھی عطائے فیض وہدایت کے مقام کا ملجا اور ماؤی بتا رہے ہیں۔ یعنی امم سابقہ میں جو بھی ہدایت یافتہ اور فیض پروردہ اولیاء گزرے ہیں ان سب کا ملجا و ماؤی جناب امیر تھے۔ علماء صوفیہ اور اولیاء کی تصانیف میں یہ عظمتِ مرتضوی راقم الحروف کی نظر سے اب تک نہیں گزری۔ اس لیے میں اسے حضرت مجدد کے تفردات میں شمار کرتا ہوں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی خلیفہ حضرت مرزا جانِ جاناں شہید نقشبندی مجددی نے حضرت مجدد کے اس مکتوب کی تشریح اپنی کتاب ''السیف المسلول'' میں کی ہے۔

تفرد نمبر ۳ قادریہ سلسلہ کے صوفیہ کو افراطِ عقیدت سے باز رہنے کی تاکید

> حضرت مجدد نے لکھا ہے کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ ''حضرت عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے اور آپ کے اس قول کا تعلق آپ کے زمانے کے اولیاء سے ہے لیکن آپ کے متبعین اور مریدین آپ کے حق میں بہت غلو کرتے ہیں۔ وہ حضرت شیخ کے قدم کو تمام اولیاء کی گردن پر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حضرات صحابہ، اللہ کے اولیاء ہیں اور وہ سب بالیقین حضرت شیخ سے افضل ہیں۔ حضرت مہدی کا ظہور آپ کے بعد ہے۔ ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے اور ان کو خلیفۃ اللہ فرمایا ہے اور یہی کیفیت اصحاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے'' (آپ کے نزول کے بعد جو لوگ آپ کا ساتھ دیں گے) [۲۵]

راقم الحروف کے نزدیک حضرت مجدد نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے قول کا صحیح محمل بتا کر اپنے معاصر اولیاء میں آپ کے مقام و مرتبہ کا تعیین کیا ہے اور اپنے قول کی تائید میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے معاصر اولیاء کرام کے اقوال پیش کیے ہیں۔ یہ بھی آپ کا تصوف کے میدان میں تفرد ہے۔ حضرت مجدد سے بڑھ کر حضرت عبدالقادر جیلانی کا مرتبہ شناس کون ہوگا۔ حضرت مجدد کو حضرت محبوب سبحانی نے اپنا نائب بنایا ہے اس لیے آپ کو حق ہے کہ حضرت محبوب سبحانی کے حقیقی مقام و مرتبہ کی نشاندہی کریں آپ کو سلسلۂ قادریہ سے بھی خلافت حاصل ہوئی۔

○

تفرد نمبر۴ حدیثِ صلہ کے مصداق ہونے کی نشاندہی

نویں صدی کے مجدد حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''جمع الجوامع'' میں ایک حدیث درج کی ہے ''یکون فی امتی رجلٌ یقال له صلة ید خُلُ الجنة بشفا عته کذاو کذا'' یعنی میری امت میں ایک شخص ہوگا اور اس کو صلہ کہا جائے گا اس کی شفاعت سے اتنے اتنے جنت میں داخل ہوں گے[۲۶]

حضرت مجدد پر جو کشف ہوا اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے حضرت مجدد پر یہ اللہ تعالیٰ کا کرم بیکراں ہے کہ انہیں اس حدیث کا مصداق ہونے سے متعلق بشارت ہوئی حضرت مجدد نے دوسرے دفتر چھٹے مکتوب میں لکھا ہے:

> ''آنچہ مقصود از آفرینشِ خودمی دانستم معلوم شد بہ حصول پیوست و مسئول ہزار سالہ بہ اجابت قرین گشت الحمد لله الذی جعلنی صلةً بین البحرین و مصلحاً بین الفئتین ''یعنی'' میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھا ہوں وہ پورا ہوگیا ہے اور ایک ہزار سال کی طلب مقرون بہ اجابت ہوئی۔ حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ اس نے مجھ کو دو سمندروں کو جوڑنے والا اور دو جماعتوں میں اصلاح کرنے والا بنایا۔''[۲۷]

حضرت خواجہ ہاشم کشمی نے لکھا ہے کہ اس بشارت عظمیٰ کے بعد حضرت مجدد نے تحدیثِ نعمت کے طور پر کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا۔ حدیثِ صلہ کی بشارت منجانب اللہ اور اس کا اظہار آپ کی طرف سے آپ کے تفردات میں شامل ہے۔ سوا چودہ برس میں کوئی بھی مجدد حدیثِ صلہ کا مصداق نہیں ہوا۔

* * *

تفرد نمبر ۵ منصبِ قیومیت

استاد مرحوم پروفیسر خلیق احمد نظامی سے جو خالصتاً سنی حنفی تھے مجھے شکایت ہے کہ انھوں نے منصبِ قیومیت کو نہیں سمجھا اور 'تاریخِ مشائخِ چشت' میں لکھ دیا:

> ''اسی طرح آخری زمانے میں نقشبندی مجددی سلسلہ میں ''قیوم'' کا تصور سماجی اور دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا لیکن یہ تصور وہ افادیت حاصل نہ کر سکا جو دورِ اول میں تصورِ ولایت نے حاصل کر لیا تھا۔''[۲۸]

افسوس ہے کہ استاد مرحوم مقام ''قیومیت'' کو نہ سمجھ سکے اگر وہ اپنے ماموں مولوی نسیم احمد فریدی سے (جنھوں نے مکتوباتِ امام ربانی پر کام کیا ہے) معلوم کر لیتے تو اس خطائے فاحش سے محفوظ ہو جاتے۔ قیومیت کا تصور وضع کیا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ وہ مقام ہے جو خصوصی طور پر امام ربانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے، جسے سمجھنے کے لیے کافی علم و دانش اور روحانی طلعت و تابش کی ضرورت ہے اس لیے وہ علماء جو روحانی طلعت و تابش سے محروم تھے، وہ بھی اس کو نہ سمجھ سکے۔ زبدۃ المقامات میں حضرت خواجہ ہاشم کشمی نے اس مقام قیومیت کی تشریح بہ حوالۂ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کی ہے جسے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوب شریف نمبر ۸۰ (دفتر سوم) کا خلاصہ سمجھنا چاہیے جس کے آگے بعد میں آنے والے سبھی علماء، صوفیہ اور اولیاء نے اپنا سرِ نیاز خم کیا ہے۔ علامہ بحر العلوم عبد العلی لکھنوی نے اپنے رسالہ 'وحدت الوجود' میں جو شیخ اکبر کے مسلک کی تشریح میں ہے انسانِ کامل سے متعلق بحث کی ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے۔ [۲۹]

شیخ اکبر نے انسانِ کامل اور قطب الاقطاب کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہی سب کچھ حضرت مجدد نے کہا ہے۔ اس ضمن میں آپ کا مکتوب نمبر ۱۱ (دفتر دوم) بھی لائقِ توجہ ہے۔ حضرت شیخ اکبر جس فردِ اکمل کو قطب

الاقطاب کہتے ہیں حضرت مجدد اسی کو قیوم کہتے ہیں۔ اس بات پر دونوں متفق ہیں کہ وہ فردِ اکمل اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ چونکہ قیوم بھی اللہ کی ایک صفت ہے اور وہ فردِ اکمل اس صفت کا بھی مظہر ہے لہٰذا وہی صفت اس کے اس کے منصب کا نام ہونا چاہیے۔

"القیوم مدبر السموٰت و الارض و کل شیءٍ قائم بامرہ"

یعنی "قیوم آسمان وزمین کا مدبر اور ہر شے کا قیام اس کے امر سے ہے۔"

جس طرح سننے والے کو سمیع، دیکھنے والے کو بصیر، علم والے کو علیم اور حکمت والے کو حکیم کہتے ہیں اسی طرح قیوم اسے کہتے ہیں جو ہر شے کے قیام کا سبب ہوتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں اس نام کی کوئی تخصیص نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے مولوی اسماعیل دہلوی جنھیں ہمارے سنی علماء ہندوستان کا امام الوہابیہ کہتے ہیں وہ بھی تصورِ قیومیت کے قائل ہیں۔ مولوی اسماعیل کا قول ہے۔

"اتفق اهل الکشف والوجدان و ارباب الشهودو العرفان مویدین بالبراهین العقلیه و الا شارات النقلیه علی ان القیوم لکثرات الکونیة واحدٌ شخصی"[۳۰]

یعنی اصحاب کشف ووجدان اور خداوندِ شہود عرفان جو کہ عقلی دلائل اور نقلی اشارات سے موید ہیں۔ اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کی کثرت کا قیوم، قایم اور باقی رکھنے کا ذریعہ ایک شخص ہے۔"

انسانِ کامل (اور قیوم) میں بھی مدارج ومراتب کا فرق ہے جیسا کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام میں ہے۔ ارشادِ قرآنی ہے۔ "**تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض**" (پارہ ۳، آیت نمبر ۱) یعنی یہ سب رسول، بڑائی دی ہم نے ان میں سے ایک کو ایک سے" اور حضرت مجدد کے بعد سے تا قیامِ قیامت جس فرد کو بھی یہ منصب عطا ہوگا اس پر حضرت مجدد کا ظلِ ہمایونی ہوگا۔

○

تفرد نمبر ۶ ہندوستان میں انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی نشاندہی

یوں تو قرآن حکیم کا ارشاد ہے "**ولکل قوم هاد**" لیکن اس تعلق سے کسی بزرگ نے ہندوستان کے بارے میں گفتگو نہیں کی یہ صرف حضرت مجدد ہیں جو فرماتے ہیں۔

> ''پہلی امتوں میں جو فقیر ملاحظہ کرتا ہے تو ایسی جگہ کم پاتا ہے کہ جہاں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ہند میں پیغمبر مبعوث ہوئے جنھوں نے خدا جلّ شانہٗ کی دعوت دی ہے اور ہند کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انوار شرک کی تاریکیوں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں۔ فقیر اگر چاہے تو ہند کے ان شہروں کا پتا بتا سکتا ہے۔''[۳۱]

ہر چند کہ قرآنِ حکیم میں ایک اصول ارشاد کیا گیا ہے۔

آیت نمبر۱۔ ''وان من امة الا خلا فیها نذیر' سورۂ فاطر ۲۴/۳۵

یعنی ہر امت میں کوئی نہ کوئی خوفِ خدا دلانے والا ہوا ہے۔

آیت نمبر۲۔ ''ولکل امةٍ رسول'' سورۂ یونس ۴۷/۱۰

یعنی ہر امت میں ایک رسول ہوا ہے۔

اس کے علاوہ قرآنِ حکیم نے یہ بھی بتادیا ہے:

''**منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقصص علیک**'' سورۂ المومن ۷۸/۴۰

یعنی (سابقہ رسولوں میں سے) کسی کے حالات تم سے بیان کیے اور کسی کے حالات بیان نہیں کیے''

لیکن یہ حضرت مجدد کا تفرد ہے کہ انھیں ہندوستان کے ان شہروں کا پتا معلوم ہوگیا جہاں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں نے حضرت مجدد کے فیضِ روحانی سے بعض انبیاء کے نام بھی بتائے ہیں اور پاکستان کے ایک فاضل نے بھی اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔

○

تفرد نمبر ۷ حضرت امام مہدی موعود کا نسبت مجددیہ سے متصف ہونا

نسبت خاصہ مجددیہ کی فوقیت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مجدد فرماتے ہیں

''میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت مہدی موعود جن کے لیے اکملیت ولایت کا عہد کیا گیا وہ بھی اس نسبت پر ہوں گے اور اسی سلسلۂ عالیہ

کی تتمیم و تکمیل کریں گے۔ کیونکہ ساری ولایتوں کی نسبت اس نسبت علیہ سے کم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ باقی ولایتوں کو مرتبۂ نبوت کے کمالات کا کم حصہ ملا ہے اور یہ ولایت حضرتِ صدیق اکبر کی طرف منسوب ہونے کے سبب سے ان کمالات سے حظِ وافر رکھتی ہے جیسا کہ ابھی گزرا بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا''۳۲

سلاسل صوفیہ کے جملہ مشائخ میں حضرت مجدد کا یہ تفرد ہے کہ انھوں نے حضرت مہدی موعود کی نسبت ولایت کی سلسلہ عالیہ مجددیہ کے تناظر میں وضاحت کی ہے۔ رسالہ مبدا و معاد میں بھی حضرت مجدد نے لکھا ہے ''واین نسبت باین خصوصیت فرد ادر حضرت مہدی ظہور خواہد یافت۔'' یعنی ''یہ نسبت (نقشبندیہ) اس خصوصیت (نسبت مجددیہ) کے ساتھ کل حضرت مہدی کے وجودِ گرامی سے ظہور پذیر ہوگی''

○

تفرد نمبر ۱۸ اپنے مجدد الف ثانی ہونے کا عرفان و اظہار

مجدد اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں پرانے کو نیا کرنے والا۔ جمعہ کے دن ربیع الاول کی دسویں تاریخ ۱۰۱۰ھ کو آپ ہزار سالہ مجدد کی خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اس سلسلے میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا نام لیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے حضرت کو مجدد الف ثانی لکھا۔ میری گزارش ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے اعتراف کیا تب لکھا اور یہ اعتراف حضرت مجدد کے کمالات کو دیکھ کر کیا جس طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے حضرت علامہ عبدالعلی لکھنوی کے علمی کمالات دیکھ کر انھیں بحرالعلوم کہا۔ لیکن ان دونوں باتوں میں فرق ہے۔ منصب تجدید کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے ہے، وہ جسے چاہے یہ منصب جلیل عطا کرے۔ حدیث شریف میں مجدد کا بیان اس طرح آیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ان اللّٰہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا'

یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کے واسطے ہر صدی کے شروع میں کسی کو بھیجے گا تا کہ وہ امت کے واسطے ان کے دین کی تجدید کرے''۳۳

جماعت اسلامی کے بانی اور امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ''تجدید واحیاءِ دین'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں انھوں نے اپنے پسندیدہ چند مجددین کا ذکر کیا ہے۔ اوراس کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر بھی اپنے مخصوص رنگ وآہنگ میں کیا ہے۔ یہ کتاب چودہ سو سال کے جملہ مجددین کے حالات پر مشتمل نہیں ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے کہا ہے کہ امتِ مسلمہ کسی عالم کے تجدیدی کارنامے دیکھ کر اسے مجدد کہتی ہے، خود مجدد کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ وہ مجدد ہے۔ حقیقتِ نفس الامری بھی یہی ہے کہ چودہ سو سال کے کسی مجدد نے اپنے مجدد ہونے کا اعلان نہیں کیا مگر یہ حضرت مجدد الف ثانی کا تفرد ہے کہ انھیں اپنے ہزار سالہ مجدد ہونے کا عرفان ہوا۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوا۔ جیسا کہ ۵ اپنے مکتوبات میں خواجہ حافظ شیرازی کا یہ شعر لکھ کر اپنے بارے میں اظہار کرتے ہیں۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ساتھ دے تو جو کچھ مسیحا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے کیا ہے وہ دوسرے بھی کر کے دکھا سکتے ہیں۔

آپ نے اپنے مجدد ہزار سالہ ہونے کا اظہار اشاروں میں کیا ہے۔ مثلاً میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کو ایک تفصیلی مکتوب لکھا ہے جس کو میں اختصار کے ساتھ درج کر رہا ہوں۔

> ''اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور الف (ہزار) کا مجدد اور۔ سو اور ہزار میں جتنا فرق ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ان دو مجددوں میں بھی فرق ہے۔ مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں جو فیض امتیوں کو پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب واوتاد اور بدلاء ونجبا ہوں اسی کی وساطت سے پہنچتے ہیں ''خاص کند بندہ مصلحتِ عام را'' یعنی خدا مصلحت عامہ کے لیے کسی بندہ کو مخصوص کر دیتا ہے۔[۳۴]

اسی طرح کی باتیں اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کے نام مکتوب میں لکھی ہیں۔[۳۵] میر محمد نعمان کو لکھے گئے ایک مکتوب میں مزید ان باتوں کا اعادہ کیا گیا ہے۔[۳۶]

غرض کہ چشمِ بصیرت سے اگر ان مکتوبات کے بین السطور میں دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ حضرت کو اپنے مجدد ہزار سالہ ہونے کا مکمل طور سے احساس تھا۔ اور حضرت کا اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار اور اس طریقت کے طالبوں کی صحیح رہنمائی کرنا تھا۔ مشکوٰۃ شریف میں مذکورہ بالا حدیث کے بعد یہ حدیث لکھی ہے۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

> ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس علم کو (جو قرآن وحدیث کا علم ہے) عادل (اور ثقہ افراد) اپنے اسلاف سے حاصل کر کے غلو کرنے والوں کی تحریفات باطل پرستوں کے غلط وعادی اور جاہلوں کی تاویلات کو ملیا میٹ کریں گے“

الحمدللہ! یہ تینوں کام حضرت مجدد الف ثانی کی ذاتِ گرامی نے پورے کر کے دکھلائے۔ اکبر کے پیدا کیے ہوئے دینِ الٰہی کو جس کا بنیادی عنصر بگڑا ہوا تصوف تھا اور ملحد صوفیوں کا تفلسف اسے بیخ وبُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ بلاشبہ خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین حسن اجمیری علیہ الرحمۃ جس طرح سرزمینِ ہند میں اسلام کی عطا کے ضامن ہوئے اسی طرح خواجہ باقی باللہ کا یہ روحانی نورِ نظر (حضرت مجدد الف ثانی) برصغیر میں شانِ بقائی کے فیضان سے اسلام کی بقا کا ضامن ہوا، اکبری الحاد کا استیصال ہو کر رہا۔ فتنۂ تاتار کے بعد کئی صوفیہ نے مل کر اسلام کی ترویج میں حصہ لیا اور اس کے نتیجہ میں بقول علامہ اقبال ”کعبہ کو صنم خانہ سے پاسبان مل گئے“ مگر دورِ اکبری میں حضرت مجدد نے بہ تنِ تنہا فتنۂ الحاد کا قلع قمع کر ڈالا اور اس طرح کہ اکبر کا لختِ جگر جہانگیر اور اس کا نورِ نظر شاہجہاں اور اس کا چشم وچراغ اورنگ زیب شریعتِ اسلامی کی ترویج میں بیش از بیش حصہ لینے لگے۔ اکبر جیسے ہادمِ شریعت کی اولاد خادمِ شریعت بن گئی۔ یہی آپ کے مجدد ہزار سالہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

* * *

تفرد نمبر۹ کثرت وقلتِ خوارق

حضرت مجدد کا یہ تفرد بھی قابلِ صد ہزار تحسین ہے کہ آپ نے ایسی حقیقت کا انکشاف کیا جس کا اظہار اس طریقہ سے کوئی نہ کر سکا تھا۔ عوام وخواص میں حضرت سیدنا غوث اعظم عبد القادر جیلانی کی کثرتِ کرامات کا بڑا شہرہ تھا حالاں کہ آپ نے اللہ کی مخلوق کو اللہ کی طرف متوجہ کیا تھا مگر وہ کرامات کی

طرف متوجہ ہو گئے۔ عوام اور صوفیہ خام اقبال کی زبان میں "سوز مشتاقی" سے محروم ہو کر "فسانہ ہائے کرامات" کے باقی رکھنے کی طرف مائل تھے اور وہ ایسے اوراد و وظائف پڑھ رہے تھے جن سے کشف مغیبات ہو اور وہ وسائل و اسباب سے بے نیاز ہو جائیں۔ حالانکہ تصوف و عرفان کا مقصودِ حقیقی بقول حضرت مجدد یہ ہے کہ ساحتِ سینہ تمام مرادات سے خالی ہونا چاہیے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی طلب اور اس کی رضا پر نظر رہنا چاہیے۔ حضرت مجدد نے یہ بھی فرمایا کہ ولایت کا تعلق تقرب الی اللہ اور عروج سے ہے جتنا عروج زیادہ ہوگا اللہ سے تقرب بیشتر ہوگا۔ کرامات کا ذوق وشوق جس کا تعلق نزول سے ہے، اتنا بڑھ گیا تھا اور آج بھی بڑھا ہوا ہے کہ دل دادگانِ تصوف رہبانیت، یوگیت اور سنیاسیت کی طرف مائل ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اصل کارِ تصوف رسوخ ذکر اللہ ہے اس نوعیت کے ساتھ کہ ذکر الٰہی سے غفلت کو لانے کی بھی کوشش کی جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی نہ لائی جا سکے۔

اقبال کے درج ذیل دو شعر حضرت مجدد کے نقش خیالات کا عکس معلوم ہوتے ہیں:۔

رہا نہ صوفی و ملا میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

◆

تفرد نمبر۱۰ طریقت وحقیقتِ خادمانِ شریعت ہیں

حضرت مجدد پر انکشاف ہوا کہ صوفیۂ خام طریقت و حقیقت کو شریعت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ طریقت وحقیقت کے نام پر گمراہی و بے دینی اور اباحت والحاد کو جنم دے رہے ہیں اور فرقۂ باطنیہ کے مسلک کی ترویج کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

> "مخدوما! منازل سلوک طے کرنے اور مقاماتِ جذب قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حاصل اور مقصود تمام سیر وسلوک کا یہ ہے کہ مقام اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ تمام آفاقی اور انفسی معبودوں کی فنا پر

منحصر ہے۔ شریعت کے تین اجزا ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص۔ طریقت اور حقیقت اخلاص کے خادم ہیں۔ میں نے جو بات کہی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے لیکن ہر شخص کی عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے اور وہ خواب وخیال میں گرفتار ہے۔ وہ اخروٹ اور کشمش جیسی معمولی اشیاء پر اکتفا کیے ہوئے ہے۔ نہ وہ شریعت کے کمالات کو سمجھا ہے اور نہ طریقت وحقیقت کی تہ تک پہنچا ہے۔ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ شریعت چھلکا ہے اور حقیقت گودا۔ اس کو اصلِ کار کی خبر نہیں۔ وہ صوفیہ کی لایعنی باتوں پر فریفتہ اور احوال ومقامات پر مفتوں ہو گیا ہے۔ (مکتوب نمبر ۴۰ دفتر اول)

یہی بات مکتوب نمبر ۳۹ دفتر اول میں کہی گئی ہے نیز مکتوب نمبر ۸۴ دفتر اول میں بھی بہ الفاظِ دیگر دہرائی گئی ہے۔ حضرت مجدد نے اخلاصِ عمل کو تصوف کی بنیاد قرار دیا ہے۔ بقول علامہ اقبال

اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
"شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را"

یہ فارسی مصرعہ ہلالی چغتائی کا ہے۔ یہ شیعہ مسلک کا شاعر ہے۔ اس کا ایک اور شعر حضرت مجدد کو بیحد پسند ہے جو مکتوبات میں ملتا ہے۔

محمدِ عربی کابروئے ہر دوسرا ست
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سراو

یہاں بطور جملہ ہائے معترضہ اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تصوف کا جو بنیادی مقصد حضرت مجدد نے ظاہر کیا ہے اس سے کسی بڑے سے بڑے سلفی عالم کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ سلفی علماء جنھیں محمد ابنِ عبدالوہاب نجدی کے زمانے سے وہابی کہا جاتا ہے وہ مسلکِ اہل سنت وجماعت سے بہت سے مسائل میں اختلاف کے باوجود تصوف کو برحق سمجھتے ہیں بشرطیکہ اس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہو۔ سلفی علماء کے سرخیل ابنِ تیمیہ سمجھے جاتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ حضرت عبدالقادر جیلانی کے مداح ہیں۔ حضرت جیلانی نے حضرت ابوعمر بن قدامہ (م ۶۰۷ھ/ ۱۲۱۰ء) اور ان کے بھائی موفق الدین بن قدامہ (م ۶۲۰ھ/ ۱۲۲۳ء) دونوں کو خرقۂ خلافت عطا کیا۔[۳۷]

اول الذکر کے بیٹے اور آخر الذکر کے بھتیجے ابنِ عربی عمر بن قدامہ (متوفی ۶۸۲ھ) کو اپنے باپ اور چچا دونوں سے براہِ راست خرقہ ملا۔ ۳۸ اور یہی ابن قدامہ ہیں جن سے ابنِ تیمیہ کو خرقۂ خلافت ملا۔ یہ شجرۂ روحانی ابنِ تیمیہ کے واسطے سے ان کے شاگردِ رشید علامہ ابنِ قیم جوزی (متوفی ۷۵۱ھ/ ۱۳۵۰ء) مصنف "مدارج السالکین" تک پہنچتا ہے۔ ۳۹

"مدارج السالکین"، حنبلی مسلک کے صوفی خواجہ عبداللہ الانصاری ہروی کی کتاب "منازل السائرین" کی شرح ہے جو صوفیہ متقدمین کی مدح وثنا سے مملو ہے۔ واضح رہے کہ خواجہ عبداللہ انصاری ہروی حضرت ابوالحسن خرقانی کے خلیفہ تھے اور ابنِ قیم جوزی ان کے سامنے سرِ نیاز خم کیے ہوئے ہے۔ ابنِ قیم کے بعد یہ سلسلۂ بیعت ابنِ رجب حنبلی (۷۹۵ھ/ ۱۳۹۳ء) تک پہنچتا ہے۔ اس شجرۂ تصوف کی ساتوں کڑیوں میں جو نام آئے ہیں وہ سب حنبلی مکتبِ فقہ کے لوگ ہیں۔ یہ شجرہ ایک حنبلی عالم یوسف بن عبدالحادی کی تصنیف میں محفوظ ہے، جس کا عنوان ہے "بداء العلقہ بلبس الخرقہ" اس کا مخطوطہ پرنسٹن یونیورسٹی کی فائراسٹون لائبریری میں موجود ہے۔ ابنِ تیمیہ کے اس شجرۂ تصوف کی تائید ایک اور مخطوطہ سے ہوتی ہے جو چسٹر بیٹی لائبریری ڈبلن میں موجود ہے۔ مخطوطہ کا نام ہے "ترغیب المتحابین فی لبس خرقۃ المتمین" مصنف ہیں علامہ جمال الدین الطیلیانی۔ اس مخطوطہ میں ابنِ تیمیہ کے اپنے فقرے کا حوالہ ہے۔

> "مجھے سید عبدالقادر جیلانی کا بابرکت خرقہ نصیب ہوا اور میرے اور ان کے مابین دو مرشدوں کا فاصلہ ہے۔"

مزید تائید علامہ ناصر الدین کی کتاب "اطفاء الحرکات الحوبۃ بالباس خرقۃ التوبۃ" سے ہوتی ہے۔ مگر یہ کتاب ناپید ہے البتہ اس کے بعض حصے یوسف بن عبدالہادی کی مذکورہ بالا کتاب "بداء العلقۃ" میں محفوظ ہیں۔ اس میں ابنِ تیمیہ نے اقرار کیا ہے کہ انھیں ایک سے زیادہ سلاسلِ تصوف میں نسبتیں حاصل ہوئی ہیں اور قادریہ سلسلہ کے سب سلاسل پر فوقیت کا اعتراف کیا ہے۔ ابنِ تیمیہ نے حضرت عبدالقادر جیلانی کی معروف کتاب "فتوح الغیب" کی بھی شرح لکھی ہے۔ وہ حضرت جیلانی کے طریقۂ تصوف اور ان کے غیر حنبلی مرشد حضرت حماد الدباس کے مدح خواں ہیں۔ جبکہ وہ اپنے حنبلی المذہب ساتھی اور عظیم صوفی حضرت عبداللہ انصاری پر تنقید کرتے ہیں اور یہاں وہ اپنے شاگرد ابنِ قیم سے ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ابنِ تیمیہ کی شرح پرنسٹن کی یونیورسٹی لائبریری کے غیر مدون مخطوطات میں موجود ہے۔ انھوں نے

صوفیہ متقدمین کی مدح وثنا کی ہے۔ ان کو مشائخ، اہل الاستقامہ، المستقیمون من السالکین اور اہل الاستقامہ من اہل العبادۃ، کے القاب سے یاد کیا ہے۔ ابنِ تیمیہ کے ممدوحین میں فضیل ابنِ عیاض، ابراہیم بن ادہم، ابوسلیمان الدرانی، معروف کرخی، سرّی سقطی اور جنید بغدادی شامل ہیں۔ وہ ان کو متقدمین صوفیہ کاملین میں شمار کرتے ہیں۔

ابنِ تیمیہ کے فتاویٰ جلد ۱۱-۲۱ تمام تر سلوک اور تصوف کے بارے میں ہیں۔ ان کے شاگردِ رشید ابنِ قیم جوزی نے ابنِ تیمیہ کے بارے میں یہ شہادت بھی دی ہے کہ وہ اپنے بعض افکار و آراء سے تائب ہو گئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جامعہ اسلامیہ ریاض نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تصانیف ۱۲ جلدوں میں شائع کی ہیں۔ راقم الحروف نے دورانِ حج سالِ گزشتہ ان مجلدات کا مطالعہ کیا۔ مسلک اہلِ سنت و جماعت سے شدید اختلاف کے باوجود شیخ نجدی نے تصوف اور صوفیہ پر طعن و انکار کے تیر نہیں چلائے مگر اُسی تصوف سے وہ متاثر نظر آتے ہیں جو ان کے نظریہ شریعتِ مطہرہ کے عین موافق ہو۔ بہر حال یہاں یہ دکھلانا مقصود ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے تصوف کو جس طرح شریعت سے ہم آہنگ کیا ہے وہ ان کا وقیع ترین کارنامہ ہے جس کی مثال اس شدومد اور کرّ وفر کے ساتھ دوسرے صوفیہ کے یہاں نہیں ملتی۔ حضرت مجدد کے تصورِ تصوف سے متشدد سلفی علماء بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اس موضوع پر راقم الحروف نے الگ سے تفصیلی مقالہ لکھا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تصوف سے متعلق حضرت مجدد کی تحریرات کے ایسے بے شمار گوشے ہیں جو تفردات کی تعریف میں آتے ہیں۔ لیکن ان کی تشریح اس وقت مقالے کو مزید طویل بنا دے گی۔ ان شاء اللہ کتابی شکل میں اس موضوع پر تفصیلی تبصرہ پیش کروں گا۔

(ب) فقہی تفردات

فی الحال ان تفردات پر راقم الحروف مختصر سا تبصرہ کرے گا۔ تفصیلی تبصرہ اپنی موعودہ کتاب میں پیش کرے گا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مجدد کے تفردات سلوک و تصوف کے معاملات میں بہت زیادہ ہیں لیکن ان پر توجہ ان کے بہ قدر نہیں کی گئی۔ جہاں تک فقہی تفردات ہیں جو شریعتِ اسلامیہ سے متعلق ہیں ان پر کچھ حضرات نے توجہ کی ہے۔ حقیقتِ نفس الامری یہ ہے کہ آپ کے طریقت وحقیقت

کے تفردات جو سلوک و تصوف سے متعلق ہیں وہ بھی شریعتِ مطہرہ سے الگ نہیں ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک طریقت و حقیقت خادمانِ شریعت ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شریعتِ اسلامی مسلکِ امام اعظم سے متعلق (جس پر آپ نہایت تشدد اور تصلب سے تاحیاتِ ظاہر قایم رہے اور اس پر قائم رہنے کی لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔) آپ کے کچھ تفردات ہیں جنھیں ہم فقہی تفردات کہہ سکتے ہیں۔ ان فقہی تفردات کی تشریح کے لیے ایک الگ مقالہ درکار ہے، بلکہ ایک مستقل کتاب درکار ہے جسے میں ان شاء اللہ جلد مکمل کرلوں گا۔ سرِ دست مشتے نمونہ از خروارے اور بطورِ گلے از گلزارے چند فقہی تفردات اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اختصار اس لیے پیشِ نظر ہے کہ زیرِ نظر مقالہ خاصا طویل ہوگیا۔ بقول میر۔

ہم نے سوچا تھا کہ اک حرف لکھے گا تو میر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

حقیقت یہ ہے کہ میں اس مقالہ کی تحریر کے لیے اپنے کو اہل نہیں سمجھتا۔ اگر قارئینِ کرام کو کچھ اہلیت نظر آئے تو خدارا اسے مجھ ناچیز کی علمی صلاحیت سے منسوب نہ کریں بلکہ اسے میرے آقا نعمتِ اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام شاہ محمد مظہر اللہ مفتیٔ اعظم ہند نقشبندی مجددی مسعودی علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیضان نظر کی ادنیٰ کرامت سمجھیں۔

میں کیا ہوں جو لکھوں ترے مکتوب کا جواب
کوئی لکھا رہا ہے لکھے جا رہا ہوں میں

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضرت مجدد کی فقہی خدمات اور فقہی تفردات میں فرق ہے۔ ان کی فقہی خدمات وہی ہیں جو علماءِ جمہور کی ہیں۔ چونکہ حضرت مجدد مسلکِ حنفی اور حنفی فقہا کے دلدادہ تھے اس لیے ان کے آراء اور فقہائے احناف کے آراء میں کچھ فرق نہیں۔ البتہ بعض معاملات میں ان کے آراء الگ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن وہ الگ ہونا بھی اتباعِ سنت کے شدید ترین جذبات کے تحت ہے جو ان کے قلبِ مبارک میں موجزن تھے اور ان آراء کو ہی تفردات کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔

تفرد نمبرا بدعت کی تعریف اور تقسیم

جس طرح عہدِ اکبری کی الحاد پرور فضا میں علماءِ سُوء اور صوفیہ خام ہر بدعتِ سیئہ پر بدعتِ حسنہ کی چادر ڈال کر اس کے جواز کی راہیں تلاش کر رہے تھے۔ اسی طرح دورِ حاضر میں محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی اسماعیل دہلوی صاحبِ کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے متبعین سنت کی آڑ لے کر اور حضرت مجدد جیسے متبعِ سنت کا نام لے کر بہت سی نیکی اور خیر کے کاموں کو جو سوادِ اعظم میں صدیوں سے رائج ہیں مٹانا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں حضرت مجدد کے خیالات جو بدعت سے متعلق ہیں ان کا پیش کرنا ضروری ہے۔ بنیادی طور پر حضرت مجدد ان بدعات کے مخالف ہیں۔ جو یا تو رافعِ سنت ہوں یا سنت میں کمی بیشی کر کے نکالی گئی ہوں وہ لفظِ ''بدعت'' ہی سے بیزار ہیں۔ سوادِ اعظم کے فقہاء جسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں حضرت مجدد اسے سنت کہتے ہیں۔ ایسی بدعت حسنہ نما سنت کے جواز میں انھوں نے یہ حدیث شریف نقل فرمائی ہے۔

"من سن سنة حسنة فلهٗ اجر ها و اجر من عمل بها" (مسلم شریف)

اس سلسلے میں حضرت مجدد کے مکتوب ملاحظہ ہوں۔ مکتوب شریف جلد ا، مکتوب نمبر ۹۲، ج ۲ مکتوب نمبر ۵۷، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۳۲

علامہ مراد مکی، شیخ محمد مظہر دہلوی، سعید احمد نقشبندی اور میرے مخدوم اور مخدوم زادہ حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت مخدومی پروفیسر مسعود احمد چونکہ ماشاء اللہ پروفیسر ہیں اور پروفیسر کا دنیائے علم میں بڑا مقام ہوتا ہے۔ کیونکہ معروضی تحقیق کے تقاضا کی بنا پر وہ ہر شخص کو اس کے گرد وپیش کے حالات کے تناظر میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ اس لیے میں حضرت مخدومی کے اس قول سے صدفی صد متفق ہوں کہ حضرت مجدد نے جس طرح سنت کی اتباع پر شدت سے زور دیا ہے اسی طرح بدعت سے پرہیز پر بھی زور دیا ہے۔ بدعت کے بارے میں آپ کا موقف نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ ہے۔ اس موقف کو سمجھنے کے لیے تاریخی پس منظر کو ضرور سامنے رکھنا چاہیے جبکہ اکبر بادشاہ نے حکماً اسلامی شعائر پر پابندی لگادی تھی، کفار و مشرکین اور عقلیت پرستوں کا غلبہ ہوگیا تھا۔ ایسے ماحول میں حضرت مجدد الف ثانی

علیہ الرحمۃ نے احیائے سنت کی تحریک چلائی اور مردہ سنتوں کو زندہ کیا۔ بیشک ایک سنت ہزار مستحبات و مباحات پر بھاری ہے[۴۰]

حضرت مخدومی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''بدعت سے پرہیز کی ہدایت بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہ ایک حاذق طبیب مباح چیزوں کو بھی مریض کے لیے منع کر دیتا۔''

حضرت مخدومی کی اس تحریر پرتنویر پُر راقم الحروف اتنا اضافہ ضرور کرے گا کہ عہدِ اکبری میں اسلام کو مٹانے کے لیے اکبر بادشاہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا اور اس کے خوشامدی صوفیہ اور علماء اس کے حلقہ بگوش بنے ہوئے تھے۔ حضرت مخدومی نے ''حکیمانہ اور مدبّرانہ'' دو لفظوں میں حضرت مجدد کے پورے مطمحِ نظر کو واضح کر دیا۔ حضرت مجدد نے بدعات کا جس حکیمانہ انداز سے استیصال کیا اسے دیکھ کر اور احیائے سنت کی تحریک کا عروج سمجھ کر شاعر کی زبان میں لکھنا پڑتا ہے۔

اندازۂ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خطِ پیمانہ

خود حضور انور ﷺ نے آشوب چشم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شہد کے استعمال سے منع کیا اگرچہ نصِ قطعی سے اس کی افادیت ثابت ہے اگر بدعت حسنہ کے جواز پر حضرت مجدد کی نظر نہ ہوتی تو وہ ان امورِ خیر کو جو ملتِ اسلامیہ میں صدیوں سے رواج پائے ہوئے ہیں کیسے جائز سمجھتے جن کو آج کل کے بعض فرقے حضرت مجدد کا نام لے کر آمادۂ فساد ہیں مثلاً میلاد شریف اور اعراسِ اولیاء کی مبارک محفلیں۔

میلاد شریف کی محفل کے جواز پر حضرت مجدد ارشاد فرماتے ہیں ''مجلس میلاد شریف میں اگر اچھی آواز کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کی جائے اور حضور ﷺ کی نعت شریف اور منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے'' (مکتوب امام ربانی ج ۳ مکتوب نمبر ۷۲)

اپنے مرشد کریم حضرت خواجہ باقی باللہ کے عرس مبارک میں خود بہ نفسِ نفیس شریک ہوتے تھے۔ ایک مکتوب میں شیخ فرید بخاری کو لکھا ہے:

> ''حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے عرس کے زمانے میں دہلی پہنچ کر یہ خیال تھا کہ آپ کی عالی خدمت میں بھی حاضر ہوں کہ اس اثناء میں روانگی

کی خبر پھیل گئی، مجبوراً توقف کر کے چند نامربوط کلموں سے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں (جلد ا مکتوب نمبر ۲۳۳ ص ۱۴۱)

حضرت مجدد کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ جو اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کے مرشدِ کریم تھے اپنے والدِ ماجد (حضرت مجددؒ) کا عرس کیا کرتے تھے خواجہ معصوم نے ایک مکتوب میں لکھا ہے۔

> ''چند روز سے اس مسکین کے درد میں آرام ہے، چنانچہ ڈولی میں بیٹھ کر چند گھڑیوں کے لیے اپنے پیر دستگیر (حضرت مجدد) قدس سرہٗ کی مجلس عرس میں حاضر ہوا''[۴۱]

اسی طرح چادر پوشی کے بھی آپ قائل ہیں اور مزاراتِ اولیاء کی چادر پاشی اور چادر پوشی کا احترام کرتے ہیں جسے آج کل کے بدعقیدہ لوگ بدترین بدعت قرار دیتے ہیں۔ حضرت مجدد نے بادشاہ جہانگیر کے ہمراہ اجمیر شریف جا کر مزار خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کے مزار پار حاضری دی اور وہاں مراقبہ کیا۔ دورانِ مراقبہ وہاں چادر بدلی گئی جب مراقبے سے فارغ ہوئے تو یہ چادر خادموں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دی آپ نے سرد آہ کھینچی اور فرمایا:

> ''لباسے ازین نزدیک بہ حضرت خواجہ نہ بود لاجرم آن را ہما لطف نمودند۔ برائے تکفین مانگاہ دارد رشتہ باش'' یعنی ''اس لباس سے قریب حضرات خواجہ کے قریب کوئی لباس نہ تھا، لامحالہ وہی عطا فرما دیا، ہماری تکفین (کفن) کے لیے یہ محفوظ رکھا جائے''[۴۲]

اگر حضرت مجدد کے نزدیک چادر چڑھانا جائز نہ ہوتا تو اس چادر کو ہرگز قبول نہ فرماتے۔ اسی طرح حضرت مجدد مزاراتِ اولیاء پر گنبد بنانے کے بھی قائل ہیں دیکھیے ''مقامات خیر از مولانا ابوالحسن زید فاروقی''

یہاں میں ان لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہوں جو حضرت مجدد کے تصور بدعت کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میلاد شریف، عرس شریف، چادر شریف اور گنبد شریف یہ سب امور وہ ہیں جو خیر القرون میں جس طرح آج ہیں نہیں تھے اور اسی لیے بہت سے لوگ انہیں بدعت سمجھتے ہیں اور پوری دنیائے اسلام میں فتنہ برپا کرتے ہیں۔ ندوۃ العلماء کے سربراہ مولوی ابوالحسن علی ندوی جن کے والد مولوی عبدالحی احب نزھۃ

الخواطر حضرت مولانا فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی کے مرید تھے، تذکرۂ مولانا فضلِ رحمٰن میں لکھتے ہیں کہ مولانا علیہ الرحمۃ عرس وغیرہ کے قائل نہ تھے۔ انھوں نے اپنا عرس کرنے سے بھی اپنے صاحبزادے حضرت احمد میاں کو منع کیا تھا[۴۳] (واللہ اعلم بالصواب)

اسی واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لوگ حضرت مولانا فضلِ رحمٰن نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ کی آڑ لے کر کس طرح مسلکِ جمہور علماء اہلِ سنت پر حملے کر رہے ہیں۔ حضرت مخدومی پروفیسر مسعود احمد نے حضرت مجدد کے تصورِ بدعت پر جو کچھ لکھا ہے وہ حرف بہ حرف صحیح ہے

* * *

تفرد نمبر۲ سجدۂ تعظیمی

بعض فقہا نے سجدۂ تعظیمی کو بادشاہوں کے لیے جنھیں وہ ظل اللہ سمجھتے تھے جائز رکھا تھا حضرت مجدد کے سامنے رخصت کا راستہ کھلا تھا مگر آپ نے رخصت کے بجائے عزیمت کو ترجیح دی اور سجدۂ تعظیمی کا جہانگیر کے بھرے دربار میں انکار کر دیا اور اس کی پاداش میں قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں۔ [۴۴]

یہ تفرد بھی آپ ہی کا حصہ تھا کہ کچھ فقہا کے برعکس آپ نے اپنا صحیح موقف پیش کیا

* * *

تفرد نمبر۳ نماز میں رفع سبابہ کی نفی

حضرت مجدد کے ایک مکتوب (دفتر اول مکتوب نمبر ۳۱۲) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولِ حدیث اور اصول فقہ پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی اور انھوں نے اپنے نزدیک قوی دلائل سے رفع سبابہ کا انکار کیا ہے۔ فقہائے احناف نے اس مسئلے میں تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ احناف کا موقف رفعِ سبابہ کی سنیت ہے۔ مجددی حضرات اور خود حضرت مجدد کی اولاد امجاد میں یہ مسئلہ علمی اختلاف کا موضوع رہا ہے آپ کے سلسلۂ عالیہ مجددیہ کے نامور بزرگ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے انھوں نے حضرت مجدد کے تفرد کو اتباع سنت کا مظہر قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی فقہاء احناف کے دلائل اور احادیثِ صحیح کی عظمت کو برقرار رکھا ہے۔ حضرت مرزا مظہر نے اس

مسئلے کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

> "حضرت مجدد جو آنحضرت ﷺ کے نائب کامل ہیں اپنے طریقے کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھتے ہیں۔۔۔۔ حضرت مجدد کا رفع سبابہ ترک کرنا اجتہاد کی بنا پر ہے اور وہ سنت جو منسوخ نہ ہوئی ہو مجتہد کے اجتہاد سے زیادہ مقدم ہے سنت سے انگلی اٹھائے جانے کا ثبوت مل جانے کے بعد بھی اس وجہ سے ترک کرنا کہ حضرت مجدد نے ترک کیا تھا، معقول بات نہیں۔ خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترک سنت میں بہت زیادہ احتیاط رکھتے تھے اور وہ حنفی مذہب پر سختی سے عامل تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ "جب حدیث ثابت ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کی موجودگی میں میرا قول چھوڑ دو" اس لیے امید ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اس امر اجتہادی کو ترک کرنے اور صحیح احادیث کے اخذ کرنے پر ناراض نہیں ہوں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مجدد کو اپنے وسیع علم کے باوجود یہ معلوم نہیں کہ رفعِ سبابہ کا ثبوت ملتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے زمانہ تک ہندوستان میں وہ کتابیں اور رسائل مشہور نہیں ہوئے تھے اس لیے آپ کی نظرِ مبارک سے نہیں گزرے۔۔۔۔ یہ جزوی اختلاف حضرت مجدد کے قاعدہ کلی یعنی اتباع سنت کی ترغیب میں ہے اور عمدہ نتائج کا حامل ہوگا"[۴۵]

* * *

تفرد نمبر ۴ نماز کے لیے زبان سے نیت خلاف سنت

بہت سے علماء اہل سنت نے دل سے نیت کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی مستحسن کہا ہے۔ لیکن مجدد صاحب کا حد درجہ سنت سے لگاؤ ہونے کی بناء پر وہ اپنے تفرد کا ثبوت دیتے ہوئے زبان سے نیت کرنے کو خلاف سنت قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "علماء نے جو نیت کے بارے میں کہا ہے کہ دل سے نیت

کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی مستحسن ہے، حالانکہ زبان سے نیت کرنا حضور ﷺ سے نہ صحیح روایت سے ثابت ہے نہ ضعیف روایت سے۔۔۔اور علماء نے اس بدعت کو بھی بدعت حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت سنت تو کجا فرض کے خاتمے کا بھی باعث ہے کیوں کہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان سے نیت پر اکتفا کرلیں گے اور دل کی غفلت کی کوئی پروانہ کریں گے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض نیت قلبی چھوٹ جاتی ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے”[۴۶]

فقہی تفردات اور بھی ہیں لیکن فی الحال اس مقالے کو یہاں ختم کرتا ہوں عرفیؔ شیرازی کے اس احساس کے ساتھ

زباں زنکتہ فروماند و راز من باقیست
بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقیست

☆......☆......☆

حواشی اور حوالے

۱......تاریخ مشائخِ چشت ص:۱۸۵ پروفیسر خلیق احمد نظامی، مطبوعہ ادارہ ادبیات دہلی ۱۹۸۰ء
۲......مقدمہ شواھد النبوۃ ملا عبدالرحمٰن جامی از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ص:۱۰، مطبوعہ قادری بک ڈپو بریلی ۱۹۸۷ء
۳......مکتوبات امام ربانی، ج:۲، ص:۱۶۲، مطبوعہ نولکشور ۱۸۷۷ء
۴......تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ، محمد صادق قصوری، ص:۶۰۸، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ھ
۵......گلزار ابرار، محمد غوثی شطاری، فارسی قلمی نسخہ ذاتی، اردو ترجمہ مفید عام مطبع آگرہ ۱۳۲۶ھ
۶......تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ، ص:۲۰
۷......تاریخ مشائخ چشت، ص:۱۷۱
۸......تاریخ فرشتہ، ابولقاسم ہندو شاہ فرشتہ، ج:۲ ص ۱ تا ۳، مطبوع نولکشور ۱۲۸۱ھ
۹......اورینٹل کالج میگزین، اگست ۱۹۳۵ء، ص:۱۹۹
۱۰......مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادی، قلمی نسخہ ذاتی
۱۱......تاریخ مشائخ چشت، ص:۴۳۱ بحوالہ مکتوبات سید گیسو دراز ص ۲۲، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۴ھ

۱۲......تاریخ مشائخِ چشت، ص ۱۴۲ زیر حاشیہ

۱۳......العروہ لاھل الخلوہ، قلمی نسخہ بانکی پور نمبر ۹۰۵

۱۴......مکتوبات امام ربانی (فارسی) مکتوب ۴۲ دفتر اول، طبع کردہ مولوی نور احمد پسروری ثم امرتسری

۱۵......نفحات الانس، مولانا عبدالرحمٰن جامی فارسی و اردو

۱۶......(۱) مرآۃ الجنان امام یافعی، جلد ۴ ص ۱۰۱، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۷ھ

(۲) شذرات الذھب، جلد ۵، ص ۱۹۳ تا ۱۹۴، از علامہ عبدالحی ابن العماد حنبلی، مطبوعہ تجاریہ کبریٰ بیروت

۱۷......مکتوبات امام ربانی (فارسی)، مکتوب ۴۲، دفتر دوم

۱۸......مکتوبات کلیمی، شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مرتبہ مولوی محمد قاسم کلیمی، ص ۴۷، مطبع یوسفی دہلی ۱۳۰۱ھ

۱۹......مناقب المحبوبین از حاجی نجم الدین فتحوری شیخاوائی، ص ۹۷، مطبع محمد حسن رام پور ۱۲۷۹ھ

۲۰......انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ ص ۸۲، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء

۲۱......حلیۃ الاولیاء از ابونعیم الاصفہانی جلد ۹، ص ۱۵۳ مطبوعہ قاہرہ

۲۲......فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، جلد ۲، ص: ۲۲۳، طبع مصر ۱۳۲۴ھ

۲۳......مکتوبات امام ربانی (فارسی)، مکتوب ۲۵۱، حصہ چہارم ص ۶۰، مطبع مجددی امرتسر ۱۳۲۹ھ

۲۴......مکتوبات امام ربانی اردو ترجمہ از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، دفتر سوم، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۱۲۳، ص ۱۶۵ تا ۱۶۶ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی

۲۵......مکتوبات امام ربانی (فارسی)، مکتوبات ۲۹۳، دفتر اول، طبع کردہ مولوی نور احمد امرتسری

۲۶......طبقاتِ کبریٰ ز علامہ محمد بن سعد، ج ۷، ص ۱۳۴، طبع بیروت، ابونعیم اصفہانی کی کتاب حلیۃ الاولیاء سے علامہ ابنِ حجر عسقلانی (شارحِ بخاری) نے الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، طبع کردہ کلکتہ، جلد ۳، ص: ۵۲۵ اور علامہ علی متقی نے کنز العمال ج ۷، ص ۱۳۱، میں اس حدیث کو درج کیا ہے۔

۲۷......زبدۃ المقامات از حضرت خواجہ ہاشم کشمی، ص: ۲۸۴۔۲۸۵

۲۸......تاریخِ مشائخِ چشت، ص ۱۶۰

۲۹......رسالہ وحدت الوجود، از علامہ بحر العلوم لکھنوی، ترجمہ اردو مولانا ابوالحسن زید فاروقی، ص: ۱۱۵ تا ۱۱۷، طبع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی

۳۰......عبقات مولوی اسماعیل دہلوی، ص ۳۹، مطبوعہ علمی مجلس، کراچی ۱۳۸۰ھ

۳۱......مکتوبات امام ربانی، مکتوب ۲۵۹ دفتر اول

۳۲......مکتوبات امام ربانی، مکتوب ۲۵۱ دفتر اول

۳۳......مشکوٰۃ المصابیح، مطبوعہ ہند، کتاب العلم فصل دوم

۳۴......مکتوبات امام ربانی، مکتوب ۴ دفتر دوم

۳۵......مکتوبات امام ربانی، مکتوب ۲۶۰ دفتر اول

۳۶......مکتوبات امام ربانی، مکتوب ۲۶۱ دفتر اول

۳۷......ابو عمر بن قدامہ کے لیے دیکھیے علامہ ابنِ رجب کا سوانحی نوٹ ذیل اعلیٰ طبقات الحنابلۃ جلد ۲، ص ۵۲ تا ۶۱، تحقیق حامد الفقی (قاہرہ مطبوعہ پریس السنۃ المحمدیہ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء) موفق الدین ابن قدامہ کے لیے دیکھیے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام انگریزی مقالہ ''ابنِ قدامہ المقدسی از جارج مقدسی

۳۸......دیکھیے تاریخِ ادب عربی: بروکلمان جلد ۱، ص ۳۹۹، تکملہ اول ص ۶۹۱، نیز ابنِ رجب حنبلی کی مذکورہ بالا کتاب، جلد دوم، ص ۳۰۴ تا ۳۱۱

۳۹......ابن قیم جوزی کے لیے دیکھیے تاریخِ ادب عربی: بروکلمان کی مذکورہ بالا کتاب جلد ۲، ص ۲۰۵، نیز تکملہ دوم، ص ۱۲۶ بعد مدارج السالکین کے لیے دیکھیے بروکلمان تکملۂ اول ص ۷۷۴، نوٹ ۶

۴۰......مجدد ہزارۂ دوم از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص ۱۸۸ ادارۂ معارف مجدد الف ثانی کراچی ۱۹۹۷ء

۴۱......مکتوبات معصومیہ، جلد سوم، مکتوب نمبر ۶۸، ص ۱۰۸، مطبوعہ امرتسر

۴۲......زبدۃ المقامات، خواجہ محمد ہاشم کشمی، ص ۲۸۴، مطبوعہ لکھنو

۴۳......تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی مرتبہ مولوی ابوالحسن علی ندوی، ص ۵۴، شعبۂ طبع و اشاعت ندوۃ العلماء لکھنو

۴۴......مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر ۹۳، جلد دوم

۴۵......مقامات مظہری، مکتوب نمبر ۱۵ ص ۲۶۰ تا ۲۶۲، تالیف حضرت شاہ غلام علی دہلوی، اردو ترجمہ از محمد اقبال مجددی طبع حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی، دہلی ۲۰۰۵ء

۴۶......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۸۶

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

جواہرِ مکتوباتِ مقدسہ

(تلخیصاتِ منتخباتِ مکتوبات امام ربانی)

حصہ دوم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

(ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی)

☆☆

کیا ان کے مکاتیب مقدس کا ہے مرتبہ
ہر لفظ کمالات و معارف کا ہے شہ کار
(تاؔج)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

تقدیم

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی فارسی زبان میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء) کا تصوف وادب میں ایک عظیم شہ کار ہے جو سبق آموز بھی ہے اور زندگی ساز بھی...... اس وقت انسان سازی کی اہم ضرورت ہے......

یہ مکتوبات شریف تین جلدوں پر مشتمل ہیں...... ان کا عربی اور بعض منتخبات کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اور مزید ڈاکٹر آرتھر بیولر وکٹوریہ یونیورسٹی، نیوزی لینڈ میں کر رہے ہیں......

پیش نظر مقالہ ''جواہر مکتوبات مقدسہ'' میں انہی مکتوبات شریف سے منتخبات کی تلخیصات پیش کی جا رہی ہیں جو کہ مجدد عصر، مسعود ملت، ھادی اہل سنت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کی جوہر شناس شخصیت کا فیضان ہے۔ اس مقالہ کی ترتیب وتدوین کی تقریب یہ ہوئی کہ حاجی مقصود احمد خاں مظہری کے اصرار پر ۱۹۹۳ء میں ان ہی کے دولت کدے (کراچی) پر حضرت مسعود ملت نے درس مکتوبات شریف کا آغاز فرمایا، جس میں پہلے نماز عشاء باجماعت ہوتی، پھر مراقبہ، اس کے بعد درود شریف کا ورد، پھر تلاوت کلام پاک اور نعت شریف پھر درس مکتوب شریف...... درس کے لیے حسب کتاب کوئی ترتیب نہیں رکھی گئی بلکہ جس مکتوب کو یا کتاب کے حصے کو عوام کے لیے اس وقت مفید پایا اس کا خلاصہ ضروری تشریح کے ساتھ ماہ بہ ماہ پیش کیا جاتا رہا...... گویا معرفت کی کان جواہر سے ہر ماہ ایک جوہر کا انتخاب کر کے اسے خلاصہ کی شکل تراش کر معرفت کی زیب وزینت کے مشتاقان کی انگشتری حیات میں جڑا جاتا رہا اور کبھی خلاصہ کی شکل تراشنے کے بعد تشریح کی لڑی میں پرو کر سالکان معرفت کے گلے کی زینت بنایا جاتا رہا...... درس کے آخر میں فارسی کا اصل مکتوب شریف پڑھ کر اس کا ترجمہ بھی بیان کر دیا جاتا...... یہ تلخیصات برسوں سے لکھی

جارہی تھیں تو خیال آیا کہ کیوں نہ ان جواہر کی مالا بنا کر قارئین جہان امام ربانی کو مزید ایک روحانی وعرفانی تحفہ پیش کیا جائے چنانچہ مکتوبات شریف کی ان تلخیصات کو مرتب کر کے ''جواہر مکتوبات مقدسہ'' کے عنوان سے ۲۰۰۶ء میں جہان امام ربانی کی اقلیم ہشتم میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی تھی.....

اب جبکہ جہان امام ربانی مجدد الف ثانی کی بارہ جلدیں شائع ہو چکیں اور مزید تین جلدوں میں ''باقیات جہان امام ربانی'' شائع کرنے کی نوبت آئی تو باقی رہ جانے والے دروس اور مزید نئے دروس میں پیش کی گئی تلخیصات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے......ان شاءاللہ جواہر پاروں کو الگ سے کتابی صورت میں بھی پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی......

پیش کردہ مکتوبات شریف کے انتخاب میں انفرادی اور اجتماعی افادیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے وہ افادیت دینی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، سیاسی، عمرانیاتی، روحانی کچھ بھی ہوسکتی ہیں۔

۱۵ر رمضان المبارک
۲۸ر ستمبر ۲۰۰۷ء

احقر
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
کراچی

☆......☆......☆

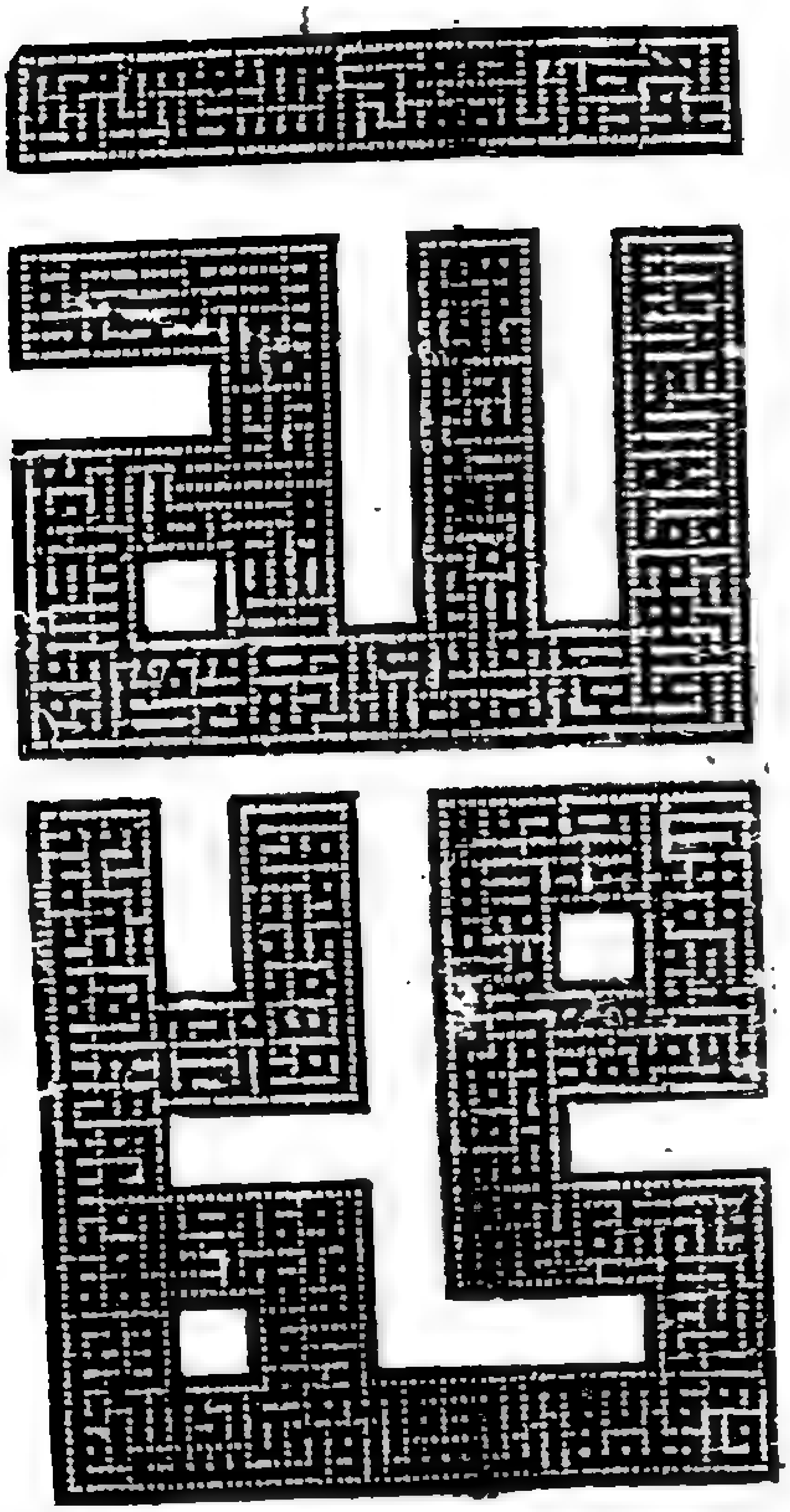

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جواہر مکتوباتِ مقدسہ

☆☆

(جلد اول)

جواہر مکتوب نمبر ۵۰

☆......اس مکتوب شریف میں دنیا کی حقیقت کا ذکر فرمایا ہے۔ دنیا کا اطلاق اس مال و اسباب پر ہے جو نیک کاموں میں خرچ نہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا:

جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگیا وہ ہر فکر سے آزاد ہوگیا، اس کی یاد سکون و طمانیت سے کی جاتی ہے جس نے اس کریم سے منہ پھیر لیا وہ ہر مصیبت میں گرفتار ہوگیا۔

☆......اس کا مقبول ذلیل و خوار اور اس کا عاشق دیوانہ۔ یہ اس زہر کی طرح ہے جس پر شکر لپٹی ہوئی ہو اور اس نجاست کی طرح ہے جس پر سونا لپٹا ہوا ہو۔

☆......دنیا ظاہر میں میٹھی اور صورت میں تر و تازہ معلوم ہوتی ہے، حقیقت میں زہر قاتل اور متاع باطل ہے اور بے فائدہ گرفتاری ہے۔

☆......عقلمند وہ نہیں جو اس پر فریفتہ ہے، عقلمند وہ ہے جو اس سے بیزار ہو۔ علماء نے فرمایا اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال اس کو دینا جو دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند ہو تو وہ مال زاہد کو دینا کہ وہ دنیا کی رغبت نہیں رکھتا۔ یہ بے رغبتی اس کی عقلمندی کی دلیل ہے۔

☆......زندگی میں دو ہی صورتیں ہیں، گرفتاری یا آزادی۔ ہر عقلمند انسان آزادی ہی کو پسند کرے گا تو حقیقی آزادی دنیا سے بیزاری میں ہے بیزاری یہ نہیں کہ دنیا کو حاصل ہی نہ کیا جائے، بیزاری یہ ہے کہ دنیا سے محبت نہ کی جائے اور اس کو اپنی ناموس و عزت کا سرمایہ نہ سمجھا جائے۔

☆......اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اپنے ماسوا کی غلامی سے آزادی مرحمت فرما کر پوری طرح اپنی ذات کا گرفتار بنادے۔ (درس مکتوب: ۲۱ شوال المکرم ۱۴۲۶ھ ۲۴ نومبر ۲۰۰۵ء)

جواہر مکتوب نمبر ۶۳

☆......انبیاء علیہم السلام کا وجود سراپا رحمت ہے جن کے وسیلے سے انسان نے خدا کو جانا اور اوامر و نواہی کا علم ہوا (یعنی پسندیدہ اور ناپسندیدہ اشیاء و اعمال کا)

☆......تمام انبیاء علیہم السلام دین کے اصول میں متفق ہیں، اختلاف فروع میں ہے جس میں اہل زمانہ کی ضرورتوں کی رعایت رکھی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر منحصر ہے۔ انسانی عقل کام نہیں کرسکتی۔

☆......انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے، کسی کو شریک نہ کرنے اور کسی کو اپنا رب نہ بنانے پر متفق ہیں۔

☆......منکرین نبوت اگر خدا کو ایک مانتے ہیں مگر استحقاق عبادت میں ایک نہیں مانتے جب کہ مسلمان واجب الوجود بھی مانتے ہیں اور مستحق عبادت بھی۔ انبیاء علیہم السلام عبادت کے لائق اللہ ہی کو جانتے ہیں اور خود کو اس کا بندہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو حلول سے پاک بتاتے ہیں۔

☆......نبوت سے انکار کرنے والے ایسے نہیں، ان کے سردار خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں، حق تعالیٰ کو اپنے اندر حلول کیا ہوا ثابت کرتے ہیں اور اپنی عبادت کرانے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔ معبود ہونے کے نام کو اپنے اوپر اطلاق کرنے سے بھی اجتناب نہیں کرتے۔ بندگی سے پاؤں باہر نکال کر برے کاموں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کو مباح سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ گمراہ ہیں اور دردناک عذاب کے مستحق۔

☆......انبیاء علیہم السلام فرشتوں کے نازل ہونے کے قائل ہیں، ان کو معصوم جانتے ہیں پس جو کچھ وہ کہتے ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں۔ مدعیوں کے سردار جو کچھ کہتے ہیں اپنی طرف سے کہتے ہیں اور اپنے اللہ ہونے کے گمان کے باعث اس کو درست جانتے ہیں۔

اللہ اکبر! انصاف سے کام لینا چاہیے جو بے عقلی سے خود کو مستحق عبادت جانے اس کی باتوں کا کیا اعتبار اور اس کی پیروی پر کس طرح بھروسہ کیا جائے؟۔

(درس مکتوب: ۲۴/محرم الحرام ۱۴۲۷ھ ۲۴/فروری ۲۰۰۶ء)

جواہر مکتوب نمبر ۳۷

☆......چوں کہ مکتوب الیہ کا ماحول امیرانہ اور شاہانہ تھا جس میں بگڑنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اس لیے اس مکتوب شریف میں دنیا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے دنیا سے بے رغبتی اور اوامر و نواہی کی بجا آوری پر زیادہ زور دیا ہے اور آخر میں اصلاح حال کے لیے اہل اللہ کی محبت اور صحبت کو ضروری قرار دیا ہے۔

☆......دنیا ظاہر میں خوبصورت ہے مگر حقیقت میں بدصورت۔ اس کا گرفتار دیوانہ اور فریب خوردہ ہے۔ دنیا وہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے خواہ اس کی اولاد اور عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔ دنیاوی علوم جو اللہ سے غافل کردیں وہ بھی دنیا ہیں مثلاً فلسفہ و منطق، حساب وغیرہ مگر دین میں مددگار ہوں تو دنیا نہیں۔ اہم کام یہ ہے کہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے اور بقدر ضرورت مباحات پر قناعت کی جائے اور وہ بھی اس لیے تاکہ عبادات کے معمولات ادا کرنے میں جمعیت حاصل ہو۔

☆......حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں اور رخصت سے پرہیز کرتے ہیں۔ بقدر ضرورت پر اکتفا بھی عزیمت ہے یہ میسر نہ ہو تو مباحات کے دائرے سے قدم باہر نہ رکھنا چاہیے۔ کوئی راحت اس کے برابر نہیں کہ مولیٰ تعالیٰ راضی ہوجائے اور کوئی مصیبت اس سے بڑی نہیں کہ مولیٰ تعالیٰ ناراض ہوجائے۔ انسان اللہ کا بندہ اور محکوم ہے۔ بندگی کے معمولات کا ادا کرنا مقصود بندگی ہے۔ اس لیے عقل سے کام لینا چاہیے خصوصاً جب کہ راحت و آسائش کے تمام اسباب موجود ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ غنی مطلق اور بے نیاز ہے۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اپنے بندوں کے فائدے کے لیے اس نے اوامر و نواہی سے سرفراز فرمایا اس لیے احسان مندی کے ساتھ اوامر و نواہی پر عمل کرنا چاہیے۔

اللہ کے احکام بجالانا دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ شریعت کی باتوں کو معاذ اللہ جھوٹ جانتا ہے اس لیے یقین نہیں رکھتا یا اللہ کے احکام کی وقعت اس کی نظر میں دنیا سے کم ہے۔ (معاذ اللہ)

☆......صرف ظاہری احکام پر عمل نجات کے لیے کافی نہیں بلکہ یقین ہونا چاہیے اور حال یہ ہے کہ گمان و وہم بھی نہیں اس لیے لوگوں سے برے اعمال سرزد ہوتے ہیں حالانکہ ادنیٰ سا برا عمل بھی کسی کی موجودگی میں نہیں کیا جاسکتا۔ اس غفلت کی وجہ سے تجدید ایمان ضروری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمہ

لا الہ الا اللہ سے ایمان کو تازہ کر لیا کرو تو تجدید ایمان کر کے اوامر ونواہی کی بجا آوری میں لگ جانا چاہیے مثلاً پنجگانہ نماز ادا کرنا، قیام لیل اور تہجد میسر آجائے تو سبحان اللہ!۔ زکوٰۃ ادا کرنا، زکوٰۃ کی رقم سال پورا ہونے کے بعد رکھ دینی چاہیے پھر اسے فقراء پر تقسیم کرتے رہنا چاہیے۔ بچ جائے تو الگ رکھ دی جائے اور فقیروں پر تقسیم کرتے رہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں دیر نہ کرنی چاہیے۔

جو بیمار اپنی بیماری کا علم رکھتا ہو اور دوا کا بھی علم رکھتا ہو تو جب تک دوا استعمال نہیں کرے گا صحت یاب نہ ہوگا اس لیے اوامر ونواہی کا صرف علم کافی نہیں نجات کے لیے عمل ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس نے اپنے علم سے کچھ نفع حاصل نہ کیا۔ مولیٰ تعالیٰ توبہ وانابت کی برکت سے اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ کی محبت کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اللہ تعالیٰ اہل اللہ کی محبت کے وسیلے سے اپنی محبت سے مشرف فرمائے اور پوری طرح اپنی طرف کھینچ لے۔ آمین (درس مکتوب: ۸/ ذی القعدہ ۱۴۲۷ھ/ ۳۰/ نومبر ۲۰۰۶ء)

جواہر مکتوب نمبر ۷۹

☆ ...... حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے جامع ہیں اور ان سب کے بطور اعتدال مظہر ہیں۔ جو کتاب آپ پر نازل ہوئی وہ ان تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ اور خلاصہ ہے جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں اور جو شریعت آپ کو عطا ہوئی وہ بھی تمام گذشتہ شریعتوں کا خلاصہ ہے اور وہ اعمال جو اس شریعت حقہ کے موافق ہیں، سب سابق شریعتوں کے اعمال سے منتخب ہیں بلکہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے اعمال میں سے بھی منتخب ہیں کیوں کہ بعض فرشتوں کو رکوع کا حکم دیا گیا ہے، بعض کو سجدہ کا، بعض کو قیام کا ، اسی طرح گذشتہ امتوں سے بعض کو صبح کی نماز کا حکم دیا گیا اور دوسری امتوں کو دوسرے اوقات کی نمازوں کا......

☆ ...... پس اس شریعت میں گذشتہ امتوں اور مقرب فرشتوں کے اعمال کا خلاصہ اور ان کا عمدہ حصہ انتخاب کر کے ان کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اس شریعت کی تصدیق کرنا اور اس کے مطابق اعمال کا بجالانا حقیقت میں تمام شریعتوں کی تصدیق کرنا اور ان تمام شریعتوں کے اعمال بجالانا ہے۔

☆ ...... اس میں شک نہیں کہ اس شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہوے اور اس

شریعت کو جھٹلانا اور اس کے موافق عمل نہ کرنا سابقہ شریعتوں کو جھٹلانا اور ان کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا تمام اسمائی وصفاتی کمالات کا انکار کرنا ہے پس ثابت ہوا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر اور اس شریعت کو جھٹلانے والے تمام امتوں میں بدتر ہیں۔

☆......خدا کا شکر ہے کہ اس شریعت اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کا حسن اعتقاد اور اکمل یقین اچھی طرح مشاہدہ ہو چکا ہے اور نامناسب حرکات وافعال پر ہمیشہ آپ کو ندامت لاحق ہوئی ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس میں اضافہ فرمائے۔ آمین

☆......اکبری دورِ الحاد میں بعض لوگ نبوت ورسالت اور شریعت سے منکر ہو گئے تھے جس کا اثر دربار شاہی تک پہنچ چکا تھا حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس ملحدانہ فکر کے خلاف پوری قوت وحکمت سے جہاد فرمایا، اس مکتوب شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

(درس مکتوب شریف: ۲۸ر ذی القعدہ ۱۴۲۶ھ ۲۹ر دسمبر ۲۰۰۵ء)

جواہر مکتوب نمبر ۱۶۲

☆...... قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات ذاتی وصفاتی کا جامع ہے۔

☆...... ماہ رمضان المبارک تمام خیرات وبرکات کا جامع ہے اور یہ خیرات وبرکات ان کمالات ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جن کی جامع شان کلام ربانی ہے اور قرآن کریم اس شان جامع کی تمام حقیقت کا حاصل ہے۔

☆......اس ماہ مبارک کو قرآن کریم کے ساتھ کامل نسبت ہے اور یہی مناسبت اس ماہ مبارک میں نزول قرآن کریم کا باعث ہوئی۔

☆......شب قدر اس ماہ مبارک کا خلاصہ ہے اور لب لباب۔ جو شخص اس مہینے کو جامعیت کے ساتھ گزارے گا یعنی تمام فرائض وآداب اچھی طرح ادا کرے گا وہ اس کی خیر وبرکت سے مالا مال ہوگا اور تمام سال اطمینان سے رہے گا۔

☆......حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب کوئی افطار کرے تو کھجور سے کرے کیوں کہ اس میں برکت ہے۔“ اور برکت اس لیے کہ کھجور کا درخت حضرت آدم علیہ السلام کی بقیہ مٹی سے بنایا گیا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنی پھوپی درخت خرما کی تعظیم کرو کیوں کہ وہ آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔''

☆......کھجور سے افطار کرنا، افطار کرنے والے کا جز بن جاتا ہے اور کھجور کے درخت کی حقیقت جامعہ اس جزئیت کے اعتبار سے اس کھانے والے کی حقیقت کا جز بن جاتی ہے اور اس کا کھانے والا اس اعتبار سے بے شمار کمالات کا جامع ہو جاتا ہے، جو اس کھجور کی حقیقت جامعہ میں مندرج ہیں۔

☆......حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مومن کی بہترین سحری کھجور ہے''

گویا اس کا کھانا تمام مأکولات کے کے کھانے کا فائدہ دیتا ہے اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطار کرتے وقت تک رہتی ہے۔ اس فائدے کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے جب اس کا کھانے والا صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچا ہو، تا کہ غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کو اور غذا کا باطن اس کے باطن کو مکمل کر دے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اس مکتوب شریف میں بہت سے رازوں سے پردہ اٹھایا ہے جو اہل باطن اور اہل ظاہر دونوں کے لیے قابل توجہ ہیں۔

(درس مکتوب: ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء)

جواہر مکتوب نمبر ۱۶۵

☆......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری میراث عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے اور باطنی میراث عالم امر سے جہاں ایمان و معرفت اور رشد و ہدایت ہے۔

☆......ظاہری میراث کی نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ باطنی میراث مزین ہو جائے اور وہ اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ممکن نہیں۔

☆......کمال اطاعت فرع ہے، کمال محبت رسول کی اور کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے کمال بغض رکھا جائے اور شریعت کے مخالفین سے عداوت کا اظہار کیا جائے......محبت میں سستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ عاشق تو محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے کسی وجہ سے بھی گستاخان رسول سے دوستی کا دم نہیں بھرتا۔

☆...... دومتضاد محبتیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں، ضدوں کے جمع ہونے کو محال کہا گیا ہے ایک کی محبت دوسرے کی عداوت کے لیے لازم ہے۔ خوب غور فرمائیں ابھی رسی ہاتھ سے نہیں چھوٹی، جو کچھ ماضی میں ہوا اس کا تدارک ہونا چاہیے۔ کل جب بات ہاتھ سے نکل جائے گی تو شرمساری کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

☆...... دنیا کی پونجی غرور ہی غرور ہے اور آخرت کا معاملہ اس پر مرتب ہے۔ اگر دنیا کی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گزر جائے تو نجات کی امید ہے ورنہ کچھ نہیں۔

☆...... متابعت کی دولت عظمیٰ کا حصول دنیا کے چھوڑنے میں نہیں کہ یہ بہت مشکل ہے۔ اگر زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو یہ بھی گویا دنیا کو چھوڑنا ہی ہے کہ مال مزکیٰ نقصان سے پاک ہوگیا۔ دنیاوی مال کے نقصان سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

☆...... پس ضروری ہے کہ ساری توجہ شریعت کے نفاذ میں صرف ہو۔ علماء وصلحاء کی تعظیم وتوقیر کرنی چاہیے اور شریعت کے رائج کرنے میں کوشش کرنی چاہیے اور بدعتیوں کو ذلیل وخوار کرنا چاہیے۔ کفار جو اللہ ورسول کے دشمن ہیں ان کو دشمن سمجھنا چاہیے۔ ان کی ذلت وخواری میں کوشش کرنی چاہیے اور کسی وجہ سے ان کو عزت نہ دینی چاہیے اور ان بدنصیبوں کو اپنی محفل میں نہیں بلانا چاہیے اور ان سے محبت نہ کرنی چاہیے حتی الوسع کسی بھی کام کے لیے ان سے رجوع نہ کرنا چاہیے اور ضرورت پڑ جائے تو قضائے حاجت کی طرح تنفر کے ساتھ ان سے رجوع کرنا چاہیے۔

☆...... جو راستہ آپ کے جد بزرگوار تک پہنچتا ہے اگر اس پر نہ چلا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا مشکل ہے۔ (درس مکتوب: ۲۸/ربیع الاول ۱۴۲۷ھ/۲۷/اپریل ۲۰۰۶ء)

جواہر مکتوب نمبر ۱۷۶

☆...... اوقات بے کار باتوں میں ضائع نہ کریں یعنی وقت کی قدر وقیمت کا ادراک رکھیں۔ (اللہ تعالیٰ وقت، توانائی، دولت اور کسی بھی قسم کے ضیاع کو پسند نہیں فرماتا اس لیے اسراف وتبذیر کی ممانعت ہے۔ اسراف کا اطلاق زندگی کے ہر شعبے پر ہوتا ہے۔ جس نے وقت کی قدر کی، وقت نے اس کی قدر کی)۔

☆...... طریقہ نقشبندیہ میں دوستوں کا جمع ہونا طمانیت قلب کے لیے ہے نہ کہ پراگندگی کے لیے، اس لیے ایسی محفل ہونی چاہیے جس سے طمانیت وسکون حاصل ہو۔ (بالعموم شعر وشاعری، شادی بیاہ اور خوشی کی ایسی

محفلیں قائم کی جاتی ہیں جس سے پراگندگی اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا)

☆......محفل کو گوشہ نشینی پر ترجیح ہے۔ سکون قلب کو محفل میں تلاش کیا جائے۔ (سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں گوشہ نشینی اور اللہ کی مخلوق سے بیزاری ناپسندیدہ ہے۔ گوشہ نشینی میں تو خودبخود یک سوئی حاصل ہوگی کمال یہ ہے کہ جلوت میں خلوت کا سا سکون حاصل کیا جائے) اس لیے جماعت سے نماز ادا کرنا تنہا نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔ جو اجتماع پراگندگی کا باعث ہو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ایسے اجتماعات میں شرکت سے زندگی پراگندہ ہو جاتی ہے۔

☆......زندگی ایسی گزارنی چاہیے کہ پاس بیٹھنے والا سکون محسوس کرے۔ (یہ جب ہی ممکن ہے جب ہم ایسی باتوں سے پرہیز کریں جو زندگی کو پریشان کرتی ہیں)

☆......اپنی زندگی کے اوراق کو بار بار ملاحظہ کرنا چاہیے یہ خاموشی کا وقت ہے شعر و شاعری اور باتیں بنانے کا وقت نہیں۔ (زندگی کی گزری ہوئی گھڑیاں سامنے رہیں اور انسان کسی لمحے غافل نہ ہو۔ غفلت دور کرنے اور بیدار رہنے کا یہ بہترین طریقہ ہے ایسا کرنے سے اصلاح کی طرف قدم بڑھتا رہے گا اور زندگی مستحکم ہوتی چلی جائیگی)۔

ہو اگر خودگر و خودنگر و خودگیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

(درس مکتوب: ۲۵ راگست ۲۰۰۵ء)

جواہر مکتوب نمبر ۲۲۷

☆......اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو منصب عطا فرمایا ہے اس نعمت عظمیٰ کا پوری طرح شکر ادا کریں اور کوئی کام ایسا نہ کریں جو ملامت خلق کا باعث ہو کیوں کہ ملامت خلق ملامتیہ جماعت کے حال کے مناسب ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ سے تعلق نہیں رکھتے۔ شیخ طریقت کے لیے ملامت کی آرزو کرنا بہت بڑا ظلم ہے اس کو ملامت خلق سے محفوظ رہنا چاہیے۔

☆......مریدوں کی نظروں میں اپنے آپ کو متجلی و آراستہ رکھیں اور مریدوں کے ساتھ بہت زیادہ شیر و شکر نہ ہوں کیونکہ یہ استفادہ اور افادہ کے منافی ہے یعنی نہ مرید آپ سے کچھ حاصل کر سکتا ہے نہ آپ مرید کو کچھ

پہنچا سکتے ہیں۔

☆......حدود شرعیہ کی حفاظت میں بہت زیادہ احتیاط رکھیں جہاں تک ممکن ہو رخصت پر عمل نہ کریں کہ یہ بھی طریقۂ عالیہ کے منافی ہے اور روشن سنت کے دعوے کے منافی۔ (آج کل ہم رخصت پر عمل کے عادی ہو گئے اس سے احتراز لازمی ہے)

☆......ایک بزرگ نے فرمایا کہ:

''عارفوں کی ریا طالبوں کے اخلاص سے بہتر ہے''

یعنی وہ ریا جو اپنے نفس کے لیے نہ ہو بلکہ طالبین کی ہدایت و نصیحت کے لیے ہو وہ اس اخلاص سے بہتر ہے جو مریدین کی اپنی ذات کے لیے ہو۔ (آج کل بعض مشائخ کرام بہت بنتے سنورتے ہیں، بے شک یہ بننے سنورنے کا زمانہ ہے مگر نہ اتنا کہ وہ شیخ طریقت کے بجائے دولھا، شہزادہ یا بادشاہ معلوم ہونے لگیں...... ہر عمل میں اعتدال عمل کو حسین اور پُرکشش بنا دیتا ہے، بے اعتدالی سے عمل میں تاثیر نہیں رہتی)

☆......کوئی یہ گمان نہ کرے کہ عارفوں کا عمل طالبوں کی تقلید کے لیے ہوتا ہے ان کو عمل کی ضرورت نہیں...... معاذ اللہ! ایسا خیال الحاد و زندقہ ہے...... عارفین عمل میں طالبین کے ساتھ مستثنیٰ نہیں یعنی جس طرح طالبین کو عمل کی ضرورت ہے اسی طرح عارفین کو بھی عمل کی ضرورت ہے۔ (کیونکہ حسن عمل کے بغیر نجات نہیں)

(درس مکتوب: جمادی الاول ۱۴۲۸ھ/۳۱ مئی ۲۰۰۷ء)

جواہر مکتوب نمبر ۲۳۷

☆......مشائخ نقشبندیہ مجددیہ نے سنت کو لازم قرار دیا ہے اور عزیمت کو اختیار کیا ہے رخصت سے فائدہ نہ اٹھایا۔

☆......وہ اتباع سنت کے ساتھ احوال و مواجید کو پسند کرتے ہیں اور احوال و مواجید پر سنت کو فوقیت دیتے ہیں۔

☆......ہندوستان کے برہمن و جوگی اور یونان کے فلاسفہ بھی مکاشفات اور علوم توحیدی رکھتے ہیں مگر سنت سے محروم ہیں اس لیے ان کے مکاشفات وعلوم کا کوئی اعتبار نہیں۔

☆......جب آپ نے اکابر نقشبندیہ مجددیہ کی ارادت میں اپنے آپ کو داخل کر لیا تو اب ان کی پیروی کریں، سر مو مخالفت نہ کریں۔

☆......سب سے پہلے اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں۔ پھر فقہ کے مطالعہ سے فرض وواجب، سنت ومستحب، حرام وحلال اور جائز وناجائز کا علم حاصل کریں اس کے بعد علوم صوفیہ کی طرف متوجہ ہوں تاکہ ان دونوں بازوؤں سے پرواز کرسکیں۔ عقائد کی درستگی اور حلال وحرام، جائز وناجائز کے علم کے بغیر پرواز ممکن نہیں اگر ہو تو قابل قبول نہیں اور ایسی پرواز خرابی کی نشانی ہے اس سے توبہ کرنی چاہیے۔

☆......شیخ داؤد کی صحبت کو غنیمت جانیں اور ان کے نصائح پر عمل کریں کیوں کہ انھوں نے اکابر کے مریدین کی صحبت اٹھائی ہے اور ان کی راہ وروش کا ان کو علم ہے۔ ان کے حلقے میں بیٹھیں بلکہ گھل مل جائیں تاکہ معاملہ ترقی پذیر ہو۔

☆......مکتوبات کا مطالعہ اپنے اوپر لازم جانیں۔

☆......حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس مکتوب شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ عزیمت کو اختیار کرنا چاہیے اور بہر صورت سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر احوال ومکاشفات بغیر اتباع سنت حاصل ہوں تو ان کو رد کردینا چاہیے کیوں کہ وہ قابل اعتبار نہیں۔

☆......جب اکابر نقشبندیہ سے ارادت ہو تو ان کی اطاعت ضروری ہے کہ ارادت کے بغیر اطاعت کوئی معنی نہیں رکھتی ان کی روش کے خلاف بدعات اختیار نہ کرنی چاہییں۔

☆......سب سے پہلے عقائد کی درستی ضروری ہے احکام کا علم کہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کیا ہے اس کے بعد علم تصوف۔ بعض لوگ تصوف سے لگاؤ کے باوجود عقائد سے بے خبر احکام اوامر ونواہی سے غافل ہوتے ہیں ایسے صوفیہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

☆......صادقین کی صحبت خصوصاً وہ جو کاملین کی صحبت اٹھا چکے ہیں ضروری ہے کیوں کہ یہ صحبت عقائد واعمال کی حفاظت میں اہمیت رکھتی ہے۔

☆......مکتوبات پڑھنے کی تاکید فرمائی کیوں کہ مکتوبات شریف علوم ومعارف کا خزانہ ہیں اور ہدایت کا سرچشمہ۔ جس نے مکتوبات شریف کے مطالعہ کو اپنا معمول بنایا وہ گمراہ نہیں ہوسکتا اس میں حاکموں کے لیے بھی نصیحتیں ہیں اور محکوموں کے لیے بھی۔ حقیقت میں یہ ایک دستور حیات ہے۔

(درس مکتوب: ۹؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ/ ۲۹؍مارچ ۲۰۰۷ء)

جواہر مکتوب ۲۴۳

☆...... ہر مسلمان کے لیے جو بات ضروری ہے وہ اس کا مکلف ہونا ہے یعنی شرعی امور کو بجالانا اور نواہی سے پرہیز کرنا تاکہ اس کی زندگی دائرۂ شریعت سے باہر نہ ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا کہ:

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں عطا فرمائیں لے لو، جس سے روکیں، رک جاؤ“ (۷/حشر/۵۹)

☆...... طالب کو اخلاص کا حکم دیا گیا ہے یعنی جو کام کرے اللہ کے لیے کرے اس میں ذاتی غرض نہ ہو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

”خالص دین اللہ کے لیے ہے“ (۳/زمر/۳۹)

اور اخلاص بغیر فنا اور محبت ذاتیہ کے حاصل نہیں ہوتا اس لیے طریقہ صوفیہ کے سلوک میں فنا اور محبت ذاتیہ ضرری ہوئے تاکہ اخلاص حاصل ہو۔ صوفیہ کے مختلف طریقے ہیں اس لیے ان طریقوں میں جو طریقہ سنت کی پیروی کو لازم جانے اور احکام شرعیہ کی بجا آوری کے مطابق ہو اس کو اختیار کرنا۔ مناسب اور بہتر ہے اور وہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے۔

☆...... اس طریقہ کے مشائخ نے سنت کو لازم قرار دیا ہے اور بدعت سے پرہیز فرمایا ہے (دور حاضر میں بالعموم ساری رونق بدعات حسنہ، مباحات و مستحبات کی ہوتی ہے اور اب تو محرمات بھی شامل ہونے لگی ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے۔ آمین) حضرات نقشبندیہ جہاں تک ممکن ہو رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں نافع پائیں اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ بظاہر باطن میں مضر پائیں۔

☆...... ان حضرات نے احوال و مواجید کو شریعت کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم جانتے ہیں۔ احکام شرعیہ کے نفیس جواہرات کو بچوں کی طرح اخروٹ اور منقی یعنی وجد و حال کے بدلے نہیں دیتے (بعض لوگ رقص کرنے والوں، وجد کرنے والوں، نئے نئے کرتب دکھانے والوں کو پہنچا ہوا سمجھتے ہیں اور ولی کامل جانتے ہیں) صوفیہ کی بعض بے کار باتوں پر احادیث کو چھوڑ کر تصوف کے معارف کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

☆......ان حضرات کے باطن سے ماسوا کے نقوش اس طرح محو اور زائل ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ ماسوا کو حاضر کرنے کے لیے ہزار برس تک کوشش کریں تب بھی میسر نہ ہو۔ وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لیے بجلی کوندنے کی مانند ہے ان بزرگوں کے لیے دائمی ہے۔ وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو (یعنی عارضی یاد جو بھول چوک کا شکار ہو) ان عزیزوں کے نزدیک پایہء اعتبار سے ساقط ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو کوئی مصروفیت اللہ سے غافل نہیں کر سکتی جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

> ''یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے
> غافل نہیں کرتی'' (۳۷/نور/۲۴)

☆......ان حضرات کا طریقہ سب طریقوں سے قریب ہے جو یقیناً منزل تک پہنچانے والا ہے۔ دوسروں کی انتہا ان بزرگوں کی ابتداء ہے۔ ان کی نسبت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہے جو مشائخ کی تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ کرام پر فضیلت کے سب قائل ہیں لیکن جب سلسلہء عالیہ نقشبندیہ کی نسبت بات ہوتی ہے تو بعض لوگ قائل نہیں ہوتے بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے نسبت رکھنے والے سلاسل طریقت کو فضیلت اور فوقیت دیتے ہیں، یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے) ہر شخص ان اکابر کے ذوق تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور ممکن ہے کہ اس طریقہ عالیہ کے بعض قاصرین بعض کمالات کا انکار کریں۔

☆......خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس طریقہ عالیہ کے خواجگان مکار اور رقاص کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے۔ ان کا کارخانہ بہت بلند ہے اگر ان کے خصائص و کمالات بیان کیے جائیں تب بھی دریائے بے کراں کے مقابلے میں ایک قطرے کی مانند ہوں گے۔

(درس مکتوب: ۱۲ر جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ/ ۲۸ر جون ۲۰۰۷ء)

☆......☆......☆

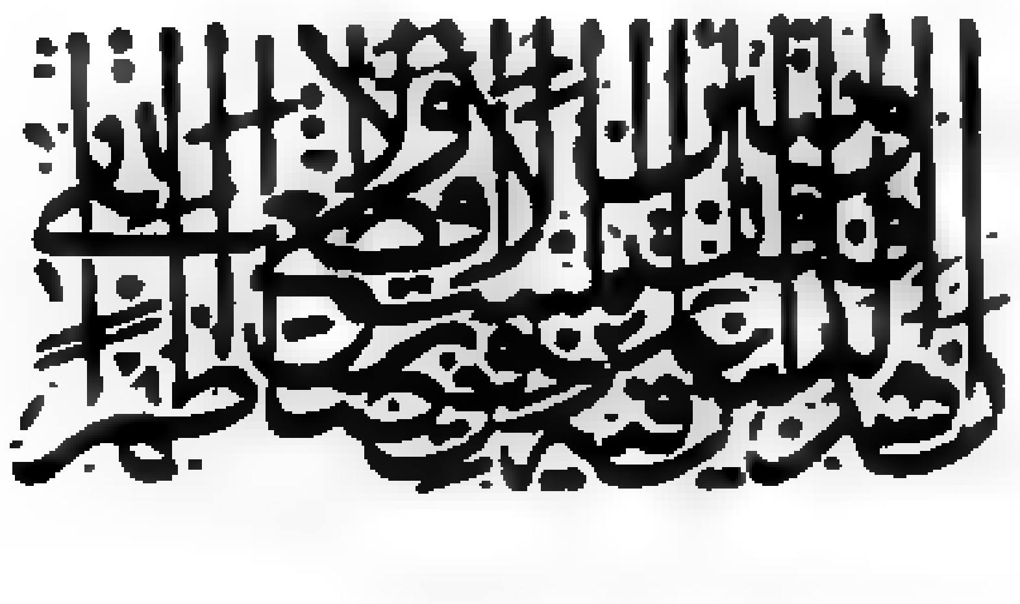

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جواہرِ مکتوباتِ مقدسہ

جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جواہر مکتوباتِ مقدسہ

(جلد دوم)

☆☆

جواہر مکتوب ۹

☆......آپ کو چاہیے کہ جھوٹے خداؤں کی نفی کر کے سچے معبود کا اثبات کریں اور جس شے پر ”کیسا ہے اور کتنا ہے“ کا اطلاق ہو اس کو ’لا‘ کے تحت داخل کر کے خدائے بے مثل پر ایمان حاصل کریں۔ غیر اللہ کی نفی اور اللہ کے اثبات کے لیے کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ“ کامل ترین عبارت ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الہ الا اللہ کو سب سے افضل ذکر فرمایا ہے۔

☆......حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرے علاوہ ساتوں آسمانوں اور ان آسمانوں میں آباد فرشتے اور ساتوں زمینیں (ترازو کے) ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسرے پلڑے میں کلمہ لا الہ الا اللہ رکھا جائے تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا (اپنی عظمت کے وزن) سے جھک جائے گا۔ اس حدیث قدسی سے ہم کو الفاظ و حروف کی دنیا اور ان کی عظمت و تاثیر کا بھی علم ہوتا ہے۔

☆......حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

> ”کیا تم ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جس کو خود تراشتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو“ (صفت: ۹۵-۹۶)

ہمارا تراشا ہوا خواہ ہمارے ہاتھ سے تراشیدہ ہو یا ہماری عقل و وہم سے سب اللہ کی مخلوق ہیں اور ہرگز عبادت کے لائق نہیں بلکہ عبادت کے لائق وہ خدائے بے مثل ہے جس کے دامن ادراک تک رسائی ہماری عقل و فہم کے ہاتھ عاجز و کوتاہ ہے اور کشف و شہود کی آنکھ اس کے مشاہدہ خیرہ و درماندہ ہے۔ پس ایسے بے مثل خدا پر ایمان، غیب کے طریقے ہی سے آسکتا ہے اور یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص

ہے۔ جس کو چاہتے ہیں ان حضرات کی متابعت اور وراثت کے سبب اس دولت سے مشرف کرتے ہیں۔ یہاں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا اپنی طرف اشارہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس بے بہا دولت سے نوازا ہے۔

☆...... جو ایمان بالغیب عوام کو حاصل ہے وہ وہم کے احاطے سے خارج نہیں۔ کیونکہ وراء الوراء عوام کے نزدیک بُعد و دوری کی جانب سے ہے جو کہ وہم کی جولان گاہ ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے نزدیک وراء الوراء قرب کی جانب سے ہے جہاں وہم کی مطلق گنجائش نہیں۔ بندۂ مومن کو دنیوی زندگی میں غیب پر ایمان لانے کے سوا چارہ نہیں۔ مقام قرب کی جانب سے جیسے خود اپنا چہرہ نہیں دیکھ پاتا۔ حالانکہ اتنا قریب ہے "**وھو معکم اینما کنتم**" "**نحن اقرب الیہ من حبل الورید**"۔ جب عالم آخرت کی زندگی پرتو انداز ہوگی تو وہم وخیال کی صورت مٹ جائے گی اور ایمان شہودی حاصل ہو جائے گا۔

☆...... حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خاص امتیاز ہے کہ آپ اس دنیا میں اللہ کی دید سے مشرف ہوئے لہٰذا آپ کے حق میں ایمان شہودی اس دنیا میں ثابت کیا جائے تو بہتر ہے کیوں کہ جس کا دوسروں کے لیے آخرت میں وعدہ ہے آپ کو اس دنیا میں حاصل ہے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔

☆...... حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں اللہ کی دید سے مشرف ہوئے تو آپ نے کلمہ طیبہ کے جزء اثبات الا اللہ کے کمالات سے بھی اس دنیا میں بہت بڑا حصہ پالیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ کلمہ اثبات اس دنیا کے اندازے کے مطابق آپ کی بعثت سے مکمل ہو گیا اور اسی وجہ سے تجلی ذات کو آپ کے حق میں اس دنیا میں ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے آخرت کے وعدے پر موقوف کرتے ہیں۔

(درس مکتوب: رجب المرجب ۱۴۲۸ھ/ ۲۶ر جولائی ۲۰۰۷ء)

جواہر مکتوب نمبر ۲۳

☆...... اس مکتوب شریف میں سنت کی پیروی، ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز، طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی دوسرے سلاسل طریقت پر فضیلت اور اس کا سبب، طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف وغیرہ کا بیان ہے۔ اس مجلس میں صرف سنت کی پیروی اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

☆...... سب سے بہتر نصیحت سنت کی پیروی اور بدعت ناپسندیدہ سے اجتناب ہے۔ اسلام بے یار و مددگار

ہو گیا ہے، مسلمان بھی بے یارومددگار ہوتے جا رہے ہیں، زمانہ گزرتا جائے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی۔ اور اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ سعادت مند وہ ہے جو ترک شدہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ بدعات میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ہزار سال گزر چکے، قیامت کی علامتیں رفتہ رفتہ ظاہر ہو رہی ہیں، کذب و جھوٹ عام ہونے کی وجہ سے بدعتیں عام ہو رہی ہیں۔

☆...... بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو ڈھانے کا باعث ہے "من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام"

لہٰذا کامل توجہ سے کوشش کرنی چاہیے کہ کوئی مردہ سنت زندہ ہو اور کوئی بدعت ختم ہو۔ احکام اسلام کا قایم کرنا سنت کے رواج سے وابستہ ہے۔ فقیر بدعت میں سوائے ظلمت کے کچھ نہیں پاتا۔ اسلام کی اس غربت کے زمانے میں بدعت کو پھاوڑا سمجھتا ہے اور سنت کو ہدایت کا ستارہ۔ علمائے کرام کو خدا توفیق دے کہ کسی بدعت کے جواز کا فتویٰ نہ دیں۔

☆...... سنت کے ماسوا کے رواج دینے میں شیطان کے مکروفریب کو بڑا دخل ہے۔ پہلے اسلام قوی تھا، بدعتوں کی ظلمات کو برداشت کر سکتا تھا، اس وقت متقدمین و متاخرین کا فتویٰ جاری نہ کرنا چاہیے کیونکہ ہر وقت کے احکام الگ الگ ہیں (جس طرح مریض و صحت مند کے لیے غذا الگ الگ ہے) اس وقت پورا عالم ظہور بدعت کی کثرت کی وجہ سے بحر ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور اس تاریکی میں جگنوں کی طرح محسوس ہو رہا ہے، سنت پر عمل کر کے ہی اس تاریکی کو دور کیا جا سکتا ہے۔

اب جس کا دل چاہے بدعتوں کی ظلمات کو بڑھائے اور جس کا دل چاہے سنتوں کے نور کو زیادہ کرے۔

اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ، ۲۲)
اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (مجادلہ، ۱۹)

☆...... بدعت کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا مؤقف یہ ہے کہ اگر وہ سنت میں کمی بیشی کر کے ایجاد کی ہے تو مستحسن نہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پسندیدہ بدعت، سنت حسنہ ہے اور ناپسندیدہ

بدعت، سنت سیئہ۔

لیکن اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی کمزوری کے زمانے میں سنت پر عمل کیا جائے، کسی بدعت پر نہیں۔ بدعت کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا مؤقف فقیہانہ سے زیادہ عارفانہ، حکیمانہ، مدبرانہ اور مربیانہ ہے۔ وہ یہ آرزو کرتے ہیں کہ علمائے اسلام کسی بھی بدعت کے جواز کا فتویٰ نہ دیں، فتویٰ دینے میں فقاہت کے ساتھ ساتھ تدبر کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اکابر اہل سنت و جماعت نے ایسے فتوے دیے ہیں جس میں ملت اسلامیہ کے بگاڑ سے بچاؤ کی رعایت رکھی ہے۔ بوقت ضرورت بعض بدعات حسنہ روکنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی حکیم ڈاکٹر کا جائز مباح چیزوں سے مریض کو روکنا۔ یہ روکنا اس کی صحت کے لیے ہے جو نہایت معقول و پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(درس مکتوب شریف: ۳۰/ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ/ ۲۷/ جولائی ۲۰۰۶ء)

جواہر مکتوب نمبر ۳۶

☆...... اہل سنت و جماعت کی خاص علامات یہ ہیں:

☆...... حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا اقرار

☆...... حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی محبت والفت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم قائل تھے۔ اکابر شیعہ میں عبد الرزاق اسی وجہ سے فضیلت کا قائل تھا۔

☆...... جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے محبت نہ کرے خارجی ہے اور جو آپ سے محبت میں غلو کرنے اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخیاں کرے وہ رافضی ہے اور جو محبت میں افراط و تفریط سے بچے اہل سنت و جماعت میں ہے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جو میرے معاملے میں حد سے گزر گیا ہلاک ہوا...... وہ بڑا جاہل ہے جو اہل سنت کو محبان علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) میں نہیں سمجھتا اور محبت کو رافضیوں کے لیے مخصوص کرتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت رفض نہیں، خلفائے ثلاثہ سے بیزاری اور ان کو برا بھلا کہنا رفض ہے...... اور صحابہ سے بیزاری قابل ملامت ہے۔

شیعہ لوگ صحابہ ءکرام پر ملامت نہ کریں اور ان کے آپس کے معاملات کو نیک نیتی پر محمول کریں تو وہ خوارج و روافض سے باہر ہو جائیں گے۔

☆......خوارج اور روافض کی بنیاد اصحاب کرام سے بغض اور محبت پر ہے۔ کوئی عقلمند بغض صحابہ کو ان کی محبت پر ترجیح نہ دے گا اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے تو دوست کے دوست سے بھی محبت ہونی چاہیے۔ اہل سنت کے نزدیک محبت اہل بیت جزو ایمان ہے اور حسن خاتمہ کی بنیاد ہے۔ اہل بیت کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے۔ اہل سنت نے خوارج کی سرکوبی کی اور اہل بیت کے دشمنوں کی بیخ کنی کی مگر یہ لوگ اہل بیت سے محبت کی بنا پر اہل سنت کو روافض میں شامل کرتے ہیں۔ عجب معاملہ ہے کبھی اہل سنت کو صحابہ کرام سے محبت کی بنا پر خوارج میں شمار کیا جاتا ہے، کبھی اہل بیت سے محبت کی بنا پر روافض میں۔ روافض کی اہل بیت سے یہ کیسی محبت ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں سے بیزاری اور لعن طعن شرط ہے۔ اہل سنت کا گناہ یہ ہے کہ اہل بیت کی محبت کے ساتھ ساتھ صحابہ ءکرام سے بھی محبت کرتے ہیں۔ روافض جب خوش ہوں گے جب صحابہ ءکرام سے بیزاری کا اظہار کیا جائے اور خوارج جب خوش ہوں گے جب اہل بیت سے بیزاری کا اظہار کیا جائے۔

☆......اہل سنت و جماعت حضرت علی کرم اللہ وجہ لکریم کو حق پر سمجھتے ہیں مگر ان کے مخالفین صحابہ کے لیے زبان نہیں کھولتے کیوں کہ ان کی خطا اجتہادی ہے اور ان کے فضائل میں آیات شریفہ اور احادیث کریمہ موجود ہیں۔ اکابر اور محسنین پر طعن کرنا دیانت داری کے خلاف ہے جو روافض نے اختیار کیا۔

☆......روافض بارہ فرقے ہیں جو سب کے سب صحابہ ءکرام کی تکفیر کرتے ہیں اور خلفائے ثلاثہ کو گالی دینا عبادت سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کا نہ یہ خیال تھا نہ یہ عمل...... وہ خلفائے ثلاثہ اور صحابہ ءکرام کی تکریم کرتے تھے مگر روافض کا یہ خیال آپ پر تہمت ہے کہ معاذ اللہ آپ کی تعظیم و تکریم منافقانہ تھی دل سے نہ تھی...... کاش روافض دشمنان اہل بیت پر لعن طعن کرتے!

☆......اہل سنت و جماعت اور مخالفین میں بڑا فرق ہے۔

☆......اہل سنت چاروں خلفاء کو برحق مانتے ہیں اور مخالفین انکار کرتے ہیں۔

☆......اہل سنت صحابہ ءکرام کے اختلاف کو نیک نیتی پر محمول کرتے ہیں مخالفین اہل سنت ان کی تکفیر کرتے

ہیں۔

☆......اہل سنت وجماعت تکفیر میں تعجیل نہیں کرتے اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد قابل توجہ ہے:

> ''یہ اہل سنت کی خوبی ہے کہ شخص معین کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو اسلام اور توبہ کے احتمال کی وجہ سے دوزخی نہیں کہتے اور لعنت کا اطلاق اس پر تجویز نہیں کرتے[1] اور عام کافروں پر لعنت کرنا جائز سمجھتے ہیں لیکن کسی کافر معین پر اس وقت تک لعنت کرنا تجویز نہیں کرتے جب تک کہ اس کا سوءِ خاتمہ دلیل قطعی سے معلوم نہ ہو جائے''

لیکن روافض بے تحاشا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر لعن طعن کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے مکتوب شریف کے آخر میں ان حضرات عالیہ کے فضائل احادیث شریفہ سے بیان کیے ہیں جن پر روافض لعن طعن کرتے ہیں مثلاً حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوطلحہ، حضرت عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور پھر اہل بیت کے فضائل پر مکتوب شریف ختم کر دیا۔

(۱......حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل مجاہدہ کی یہ نشانی بتائی ہے کہ ''اہل قبلہ میں سے کسی کے کفر ونفاق پر قطعی شہادت نہ دے''......غنیۃ الطالبین، اردو کراچی ۱۹۷۳ء، ص ۶۴۹)

(درس مکتوب: ۵/محرم الحرام ۱۴۲۸ھ/ ۲۵/جنوری ۲۰۰۷ء)

جواہر مکتوب نمبر ۵۰

☆......جس نے شریعت کی صورت مکمل کر لی اس کو ولایت عامہ حاصل ہو گئی کہ ولایت خاصہ میں قدم رکھ سکے......(ولایت خاصہ کی منازل طے کرنا بھی شریعت سے وابستہ ہے۔ شریعت کے بغیر چارہ نہیں، خواہ صورت ہو یا حقیقت)......سالک مستعد وہ ہے کہ طریقت میں قدم رکھنے کے بعد ولایت خاصہ کی طرف متوجہ رہے نفس کو سرکشی سے اطاعت واطمینان کی طرف لائے۔

☆......ولایت کے کمالات صورت شریعت کے نتائج ہیں اور نبوت کے کمالات حقیقت شریعت کے ثمرات

ہیں۔

☆......ولایت کا مقدمہ طریقت ہے جہاں ماسوا اللہ سے انقطاع ہے، جب یہ حاصل ہوگیا تو معاملہ انجام کو پہنچ گیا اور سیر الی اللہ مکمل ہوگئی۔ یہ "مقام فنا" ہے اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے جو "مقام بقا" ہے۔ یہ مقام حقیقت میں ولایت کا اعلیٰ مقصد ہے۔ یہاں نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے، مولیٰ تعالیٰ سے اس راضی اور وہ مولیٰ تعالیٰ سے راضی ہوجاتا ہے۔

☆......بعض مشائخ کرام نے لکھا ہے کہ اس مقام پر پہنچ کر بھی نفس شرارت سے باز نہیں آتا۔ لیکن فقیر کے نزدیک اس کا سبب انسانی جسم کے عناصر ہیں، نفس نہیں کیونکہ وہ تو راضی ہوچکا پھر کیسے شرارت کرسکتا ہے؟

☆......جب نفس مطمئن ہوگیا اور رضائے الٰہی حاصل ہوگئی تو اب حقیقی اسلام میسر آگیا۔ اب نماز ادا ہوگی تو حقیقت نماز ادا ہوگی علیٰ ھذ القیاس دوسرے احکام شرعیہ۔

☆......طریقت و حقیقت، صورت شریعت اور صورت حقیقت کے درمیان واقع ہیں...... جب حقیقی اسلام میسر آگیا تو وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ وراثت و تبعیۃ کے طور پر کمالات نبوت سے بہرہ ور ہو لیکن یہ محض اللہ کے فضل پر منحصر ہے۔ کوشش و سعی کو اس میں دخل نہیں۔

☆......معارف آگاہی مولانا عبدالحیٔ اپنے وطن جارہے تھے اس لیے یہ چند سطریں لکھ دیں۔ اہل اللہ کا وجود جہاں بھی ہو غنیمت ہے۔ اس مقام کے باشندوں کے لیے خوش خبری ہے، جہاں شیخ نور محمد بھی مقیم ہیں (اور آپ بھی)۔ اس مقام پر رشک آتا ہے جہاں دو اہل اللہ جمع ہوگئے۔ گویا قرون السعدین ہوگیا دو نیک ستارے جمع ہوگئے...... (یعنی ایک میرزا شمس الدین اور دوسرے شیخ نور محمد علیہما الرحمۃ)

(درس مکتوب شریف: ۳ر رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ/ ۲۸ر ستمبر ۲۰۰۶ء)

جواہر مکتوب نمبر ۶۶

☆......گناہ سے توبہ کرنا ہر شخص پر واجب اور فرض عین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود معصومیت کے دن میں ستر بار استغفار فرماتے تھے۔

☆......اللہ کے حقوق جیسے زنا کرنا، شراب پینا، سرود و ملاہی سننا، غیر محرم کو دیکھنا، بغیر وضو قرآن کریم کو ہاتھ لگانا، بدعت (سیئہ) پر اعتقاد رکھنا وغیرہ ان امور کی توبہ بارگاہ الٰہی میں عذر خواہی سے ہے۔ کوئی فرض ترک

ہو گیا ہو تو اس کے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ توبہ بھی ضروری ہے۔

☆......اگر گناہ کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے تو حق ادا کرے، معافی مانگے، اچھا سلوک کرے، ان کے حق میں دعا کرے۔ اگر وہ فوت ہو گیا ہو تو اس کے لیے دعا کرے اور اس کی طرف سے صدقہ کرے۔ حقدار فوت ہو گیا ہو تو وارث کو دے وہ بھی نہ ہو تو اس کی نیت سے صدقہ کرے۔

☆......حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس بندے نے گناہ کیا فوراً وضو کرے، نماز پڑھے اور اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو وہ ضرور معاف فرمائے گا“ یہ بھی فرمایا کہ ”جس نے گناہ کیا پھر نادم ہوا تو یہ ندامت ہی توبہ ہے“

☆......اگر گناہ کیا اور توبہ کی، پھر گناہ کیا پھر تیسری مرتبہ گناہ کیا اور معذرت کی پھر چوتھی بار گناہ کیا تو گناہ کبیرہ لکھا جاتا ہے (اس لیے گناہ پر اصرار سے بچنا چاہیے) توبہ میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کرے۔ حرام کا لیا ہوا ایک پیسہ واپس کرنا، سو روپیہ صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ بعض علماء نے یہ فرمایا ایک رتی چاندی واپس کرنا سو مقبول حج سے بہتر ہے۔

☆......حدیث شریف میں ہے ”فرض ادا کر سب سے زیادہ عابد بن جائے گا، جن باتوں سے منع کیا ہے باز رہ سب سے زیادہ متقی بن جائے گا، جو رزق ملا ہے اس پر قناعت کر سب سے زیادہ غنی بن جائے گا۔ یہ بھی فرمایا ”پرہیزگار بن سب سے زیادہ عابد بن جائے گا“۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا ”ذرہ برابر تقویٰ ہزار مثقال والے نماز روزوں سے بہتر ہے“۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین پرہیزگار اور زاہد ہوں گے“۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ وحی بھیجی:

”تقرب الی اللہ کے لیے جس قدر تقویٰ ضروری ہے کوئی چیز نہیں“

☆......علماء حق نے فرمایا کہ تقویٰ ان دس چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔

۱......غیبت نہ کرنا
۲......بدگمانی سے بچنا
۳......مسخرہ پن سے پرہیز کرنا
۴......ہر حال میں اللہ کا احسان ماننا
۵......سچ بولنا
۶......اپنے لیے بڑائی نہ چاہنا
۷......نمازوں کی حفاظت کرنا
۸......راہ حق میں خرچ کرنا، بے کار باتوں میں خرچ نہ کرنا

۹......حرام چیزوں سے آنکھ بند رکھنا ۱۰......اہل سنت وجماعت کے عقائد پر استقامت اختیار کرنا

☆......مکتوب شریف میں خان خاناں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں نصیحت وہدایت کے بعد آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''میرے مخدوم ومکرم! اے شفقت ومکرمت کی نشانیوں والے اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہو جائے اور تمام محرمات ومشتبہات چیزوں سے ورع وتقویٰ حاصل ہو جائے تو یہ ایک بڑی نعمت اور اعلیٰ درجہ کی دولت ہے ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کے انوار وبرکات بعض دوسروں میں اثر کر جائیں اور تمام گناہوں سے توبہ اور ورع کی توفیق نصیب ہو جائے''

(درس مکتوب: ۶ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ/ ۳۱ راگست ۲۰۰۶ء)

جواہر مکتوب نمبر ۶۹

☆......باطن میں ذکر الٰہی سے معمور ہونا اور ظاہر میں احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

☆......تعدیل ارکان کے ساتھ نماز کا اہتمام کرنا چاہیے کیوں کہ ارکان نماز میں کوتاہی کرنے والے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بڑا چور ہے۔ اس کی موت اسلام پر نہ ہوگی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں نہیں اٹھایا جائے گا۔

☆......بندہ جب نماز اچھی طرح ادا کرتا ہے تو نماز اس کے لیے دعا کرتی ہے ''الٰہی جس طرح تو نے میری حفاظت کی تو بھی اس کی حفاظت کر'' اور جب نماز اچھی طرح نہ پڑھی جائے تو نماز اس کے لیے بددعا کرتی ہے۔ ''الٰہی جس طرح اس نے مجھے ضائع کیا تو بھی اسے ضائع فرما''

☆......نماز باجماعت ادا کرتے وقت صفوں کو درست کرنا بھی اقامت صلوٰۃ ہی سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک صفیں درست نہ فرمالیتے تکبیر تحریمہ نہ فرماتے۔

☆......کافروں سے جہاد کے وقت نیت کا درست ہونا ضروری ہے غنیمت کے خیال سے نیت کو باطل نہ کرنا چاہیے۔ جہاد کا مقصود کلمہ اسلام کی بلندی اور دشمنان دین کی بربادی ہونی چاہیے۔

☆......آپ کے حال پر رشک آتا ہے کہ باطن میں حق جل وعلا کے ذکر میں مشغول ہیں، ظاہر میں کثیر جماعت کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہیں اور دار الحرب میں کفار سے جہاد کی دولت سے مشرف ہیں۔

☆......نماز تہجد پابندی سے ادا کریں اٹھنے میں تکلف ہو تو کسی کو اٹھانے کے لیے مقرر کر دیں تا کہ اس دولت پر بے تکلف مداومت نصیب ہو۔

☆......لقمہ میں بہت احتیاط رکھیں یہ مناسب نہیں کہ جہاں سے کھانے کو ملے کھا لیا جائے۔ انسان خود مختار نہیں، اس کا آقا و مولیٰ ہے جس نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اپنی پسند اور ناپسند کو ظاہر فرما دیا ہے۔ اس لیے وہی کھانا چاہیے جو اس کی پسند ہو۔ ہم مجازی آقا کا خیال رکھتے ہیں اور حقیقی آقا سے منہ موڑ لیتے ہیں کیسی شرم اور بدنصیبی کی بات ہے۔

☆......ابھی کچھ بگڑا نہیں، کوتاہیوں پر توبہ کی جا سکتی ہے۔ توبہ کرنے کے بعد انسان ایسا ہو جاتا ہے جیسے گناہ کیا ہی نہ ہو اس کے باوجود گناہ پر اصرار کیا جائے تو وہ انسان بدنصیب ہے۔

☆......خوفناک موقعوں پر دن رات میں گیارہ گیارہ بار سورۂ قریش پڑھ لیا کریں۔ امن و عافیت کے لیے مجرب ہے۔ کسی جگہ پر پڑاؤ ڈالیں یا کسی نئی جگہ پہنچیں تو یہ دعا پڑھ لیا کریں۔ کوچ کے کرتے وقت تک محفوظ رہیں گے کوئی چیز ضرور نہ دے گی۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

(میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات کے وسیلے سے ہر اس
چیز کے شر سے جو اس نے پیدا فرمائی)

(درس مکتوب: ۶/ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ/ ۲۸/ دسمبر ۲۰۰۶ء)

☆......☆......☆

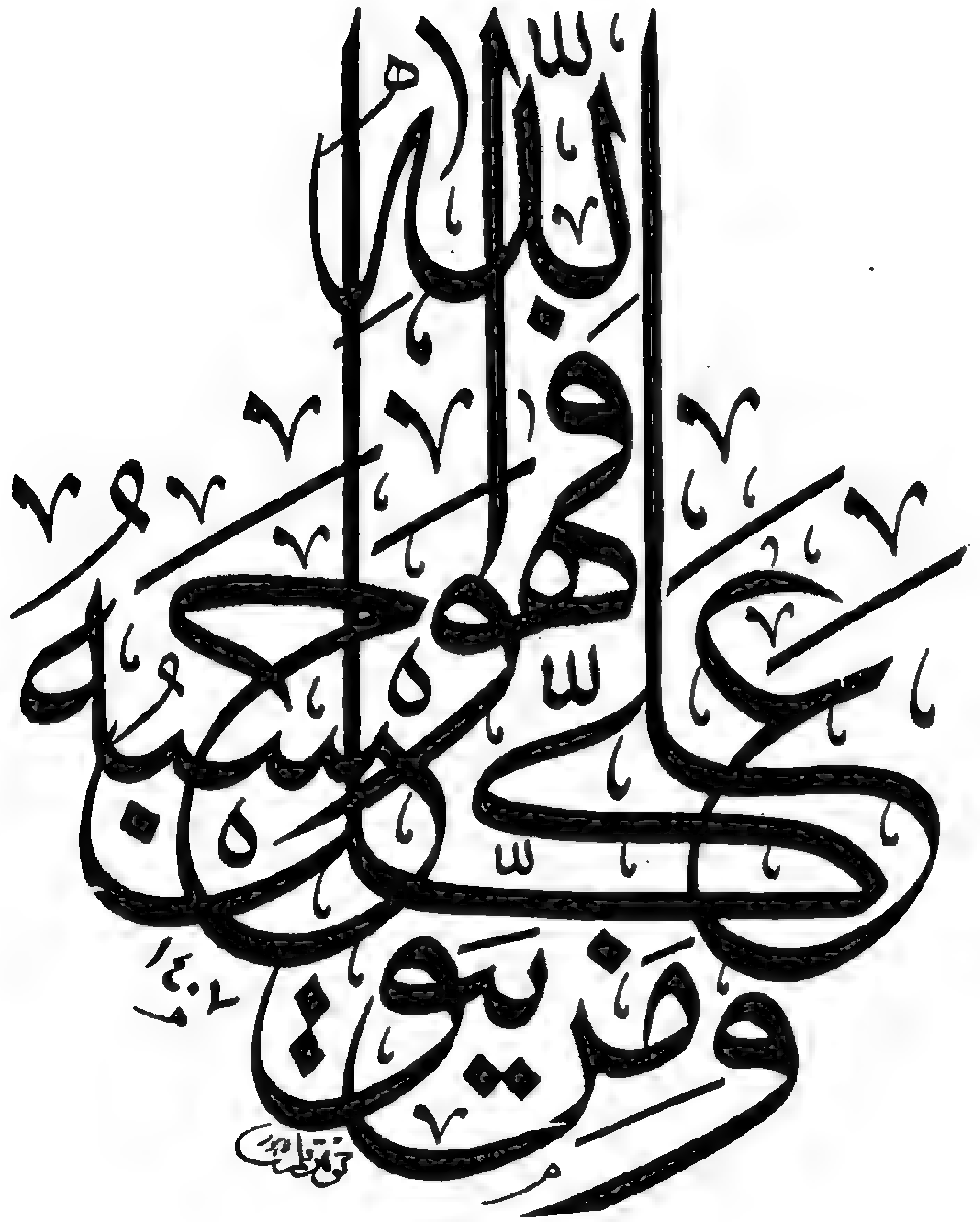
ومن يتوكل على الله فهو حسبه
١٤٠٢

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

جواہرِ مکتوباتِ مقدسہ

جلد سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جواہر مکتوباتِ مقدسہ

(جلد سوم)

☆☆

تعارف مکتوب الیہ مکتوب نمبر ۵۶

خواجہ عبد اللہ علیہ الرحمۃ ، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مرشد کریم خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمۃ (م۔ ؁۱۰۱۲ھ) کے چھوٹے فرزند ہیں جن کی ولادت ؁۱۰۱۰ھ میں ہوئی اور مرشد کریم کی خواہش پر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے ایام شیر خوارگی میں (تقریباً ؁۱۰۱۱ھ) میں اپنی توجہ خاص سے نوازا۔ خواجہ جمال الدین حسین، خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے مرید وخلیفہ خواجہ حسام الدین علیہ الرحمۃ کے فرزند عزیز تھے۔ خواجہ حسام الدین علیہ الرحمۃ اکبر بادشاہ کے خاص امراء میں تھے لیکن دربار شاہی چھوڑ کر خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے دامن سے منسلک ہوگئے اور خانقاہ شریف کی ساری ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اکبر بادشاہ کے اصرار کے باوجود دربارِ شاہی کا رخ نہ کیا۔

دوعالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے یہ مکتوب شریف خود تحریر فرمایا اور دہلی جانے والے ایک مرید مولانا محمد مراد کے ہاتھ ارسال فرمایا۔ اس وقت خواجہ عبد اللہ علیہ الرحمۃ کی عمر شریف ۲۰/۲۱ سال کی ہوگی۔ خواجہ عبد اللہ علیہ الرحمۃ کے نام حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے سات مکتوبات شریف ہیں (ج ۱/۲۶۶، ج ۲/۲۳، ۳۵، ۵۹، ج ۳/۶۰، ۷۱) مکتوب نمبر ۲۶۶ جلد اول نہایت طویل ہے جو ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے اور عقائد میں فوائد کثیرہ رکھتا ہے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ عبد اللہ علیہ الرحمۃ چھوٹی عمر

میں کس بلندی پر فائز تھے۔

یہ مکتوب شریف ۱۰۳۰ھ اور ۱۰۳۴ھ کے درمیان تحریر فرمایا جس زمانے میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ جہاں گیر بادشاہ کے ساتھ اس کے لشکر میں مقیم تھے، خط کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ رخصت پر کبھی کبھی سرہند شریف بھی جایا کرتے تھے اور فرزندان گرامی خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد سعید علیہما الرحمۃ بھی آتے جاتے تھے۔

بالعموم دیکھا گیا کہ جب کوئی بادشاہ یا حکمران کے قریب ہوتا ہے تو سب ایسی مقرب ہستی کا قرب تلاش کرتے ہیں اور جب بادشاہ یا حکمراں اس سے ناراض ہو جاتا ہے تو قرب تلاش کرنے والے دور دور رہنے لگتے ہیں، اس خط کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا قرب تلاش کرنے والے، اسارت کے دوران کچھ دور دور رہنے لگے۔ اس مکتوب شریف میں دوستوں کی اس بیوفائی اور بے رخی کا بھی اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو جہانگیر بادشاہ نے سخت قہر کے عالم میں قید کیا تو جو لوگ قریب تھے وہ اس قہر کو دیکھ کر دور رہنے لگے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں غلام بنایا گیا، قیدی بنایا گیا پھر اللہ کے فضل وکرم سے سارے مصری آپ کے قیدی بن گئے اس طرح حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو قید کیا گیا لیکن پھر رہائی کے بعد جہاں گیر بادشاہ بھی معتقد ہوا، شاہجہاں بادشاہ اور اورنگ زیب بادشاہ تو پہلے ہی معتقد تھے۔ کایا پلٹ گئی پوری سلطنت آپ کی غلام بن گئی۔

جواہر مکتوب نمبر ۵٦:

☆...... آپ دونوں نے عجیب تغافل اور نامہربانی اختیار کر رکھی ہے کہ قرب وجوار میں رہنے کے باوجود سرہند نہیں آتے۔ نہ اس غریب کا حال دریافت کیا نہ دوستی کے حقوق بجالائے۔

☆...... خواجہ محمد افضل کا کیا گلہ کروں وہ تو تم دونوں سے زیادہ دوستی کے معاملے میں بہت دور ہیں بلکہ ہماری دوستی سے ہراساں ہیں۔ اور میر منصور بیگ کے متعلق کیا کہوں وہ ہمیشہ ملاقات کی آرزو کرتے رہتے ہیں لیکن وہ آرزو قوت سے فعل میں نہیں آتی۔

☆...... لشکر گاہ اگرچہ ظلمات کا ایک دریا ہے لیکن آب حیات اس کے اندر ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں اللہ جل شانہ کی عنایت سے اگرچہ بطریق قلت ہی سہی مگر وہ گوہر حاصل ہوتا ہے جو دوسری جگہ اس میں سے

تھوڑا سا بھی میسر ہو جائے تو غنیمت ہے۔

☆......جس کسی سپاہی نے بادشاہ کے نزدیک قدر و قیمت حاصل کی ہے وہ دشمنوں کے غلبے کے وقت میں کی ہے۔

☆......اگرچہ سلامتی گوشۂ تنہائی میں ہے لیکن جہاد اور شہادت کی اعلیٰ دولت میدان جنگ ہی میں ہے اور طاقت ور مردوں کا کام جنگ کرنا معرکۂ کبریٰ ہے۔

☆......چھٹی کی مدت ختم ہو جانے کے بعد جب لشکر گاہ کی طرف متوجہ ہوا تو فرزندی محمد سعید کی ضرورت کی وجہ سے گھر پر چھوڑ آیا اور جب فرزند کی مفارقت کے بعد فیوض و برکات اور علوم و معارف ظہور میں آئے تو ان کی جدائی سے پشیماں ہوا اور فرصت کو غنیمت جان کر اپنے پاس (لشکر میں) بلا لیا۔ لیکن چھوٹے بڑے سب اس امید پر آ گئے کہ وہ بھی ان برکات سے مستفیض ہوں۔ یہ تمام دولتیں ان واقعات کی برکات سے ہیں اگر یہ واقعات نہ ہوتے تو یہ برکات بھی نہ ہوتیں۔

☆......اس مکتوب شریف کے مطالعہ سے یہ خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں:

☆......غم والم اور مصیبت و پریشانی میں دوستوں کی دلداری ضروری ہے۔

☆......مصائب و آلام برداشت کر کے ہی اللہ تعالیٰ کے حضور انسان کا وقار بلند ہوتا ہے۔

☆......جہانگیر بادشاہ کی لشکر گاہ اگرچہ چاہِ ظلمات ہے لیکن آب حیات یہیں ہے۔

☆......عین ابتلاء میں فیوض و برکات سے نوازا جاتا ہے۔ انشراح صدر ہوتا ہے اور علوم جدیدہ القا کیے جاتے ہیں۔

☆......جہاد اور شہادت کی اعلیٰ دولت میدان جنگ ہی میں میسر ہوتی ہے۔ طاقت ور مردوں کا کام جنگ کرنا ہے۔

(درس مکتوب: ۴رصفر المظفر ۱۴۲۸ھ/ ۲۲رفروری ۲۰۰۷ء)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

مجدد الف ثانی، سرمایۂ ملت کی نگہبانی

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

☆☆

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا اکبر کے الحاد اور جبر و استبداد کے مقابلے میں آنا اور ڈٹ جانا اس کے اسباب کیا تھے؟ ایسا کیوں ہوا؟ اسے سمجھنے کے لیے کسی عمیق فکر و نظر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حق اور باطل کی معرکہ آرائی ازل سے ہے، نور اور ظلمت کا مقابلہ ہمیشہ سے رہا ہے۔ موسویت اور فرعونیت کی محاذ آرائی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ حسینیت اور یزیدیت کی ٹکر شروع سے ہے۔

جب آفاق برصغیر پر اندھیروں نے روشنیوں کو شکست دینے کے لیے تابڑ توڑ حملے کیے، جب جھوٹ نے سچ کو مرعوب کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ لی، جب الحاد و تشکیک کی فوجیں، ایمان و یقین کی سلطنت پر ٹوٹ پڑیں، جب علماء سوء چند ٹکوں کے عوض اپنے دین و ایمان کا سودا کر رہے تھے، جب طبیب بھی مریض ہو چکے تھے، جب رہبر رہزن بن گئے تھے، جب الوہیت و رسالت سے غداری اور حکمرانوں سے وفا شعاری کا دستور رواج پا رہا تھا، جب اسلامی شعائر کی توہین و تضحیک کا دھندا عام ہو گیا تھا اور رام و رحیم کا فرق ختم کرنے کی باتیں ہو رہی تھیں ایسے میں سرزمین سرہند سے ایک مرد حق پرست مصلی سے اٹھا اور یوں چلا کہ

آ گئے تھے برق کی زد میں تمام اہل جہاں
ہم نے اپنے آشیانے کا مقابل کر دیا

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ایسے عالم میں خاموش کیسے رہ سکتے تھے جبکہ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود تھا:

"جو مسلمانوں کے امور کا اہتمام نہ کرے وہ ہمارا نہیں"

(مستدرک للحاکم: ۴/ ۳۱۷)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ جو ایک بہت بڑے صوفی، بہت بڑے صاحب حال وقال تھے جن کی نگاہ جمال خداوندی کی طرف راغب اور دل ودماغ سیر فی اللہ کی لذت سے آباد تھے انھوں نے ملت کے اجتماعی مسائل کو پیش نظر رکھا۔ حکومت کی خرمستیوں، ہندوؤں کی چیرہ دستیوں اور افراد ملت کی سستیوں کا گہری نظر سے مشاہدہ کیا اور مرض کی تشخیص کے بعد ماہر طبیب کی طرح علاج کیا۔

سرمایہء ملت کیا ہے؟

ایمان اور عقیدہ کی دولت سب سے بڑی دولت ہے۔ اس کے بعد عمل صالح مومن کے لیے متاع گراں مایہ ہے۔ نفس کی خواہشات اور شہوات کو کچلنا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ غلبہء اسلام کی خاطر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف جہاد مومن کی بہت بڑی پونجی ہے۔ خود نیک بننے کے ساتھ اوروں تک نیکی کا پیغام حکیمانہ طریق سے پہنچانا انسان کا قیمتی اثاثہ ہے۔ فرزندان ملت کی اس پونجی کی نگہبانی بہت بڑا کام ہے۔ عملی اور اعتقادی فسق سے معاشرے کو محفوظ کرنے کے لیے عملی اور فکری محاذ پر پہرہ دینا ملت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ ابنائے ملت کے آپس کے تعلق اور اپنے خالق ومالک کے ساتھ تعلق کو کجی سے بچانا ملت کی بہت بڑی حفاظت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ان تمام حدود پر بھرپور پہرہ دے کر ملت کی نگہبانی کی ہے۔ ایمان وعقیدہ پر پہرہ دیتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے جو ہدایات ارشاد فرمائیں ان کی ایک جھلک اس عبارت میں دیکھی جا سکتی ہے۔

> ”بالجمله طریق النجات متابعت اهل السنة والجماعة
> کثرهم الله سبحانه فی الاقوال والافعال وفی الاصول
> والفروع فانهم الفرقة الناجیة واماسواهم من الفرق
> فهم فی معرض الزوال وشرف الهلاک علمه الیوم
> احد اولم یعلم اما فی الغد فیعلمه کل احد ولا ینفع
> اللهم نبهنا قبل الا ینبهنا الموت“

(مکتوبات شریف: جلد اول، حصہ دوم، ص ۵۰)

’’خلاصہ یہ ہے کہ نجات کا طریقہ اہل سنت و جماعت (اللہ سبحانہ اس کو زیادہ کرے) کی متابعت ہے۔ اقوال و افعال اور اصول و فروع میں کیونکہ اہل سنت نجات پانے والی جماعت ہے ان کے سوا جتنے بھی فرقے ہیں وہ مقام زوال پر ہیں۔ ہلاکت کے کنارے پر ہیں آج کوئی اس بات کو جانے یا نہ جانے کل ہر ایک جان لے گا لیکن کل قیامت کا جانا ہوا اسے فائدہ نہ دے گا۔ اے اللہ ہمیں خبردار کر دے قبل اس کے کہ موت ہمیں خبردار کرے‘‘

اگر اسلام کی زبوں حالی پر شیخ مجدد کے جذبات ملاحظہ کرنے ہوں تو دیکھیے لالہ بیگ کے نام مکتوب میں فرماتے ہیں:

’’غربت اسلام نزدیک بیک قرن ست برنجے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجراء احکام کفریہ برملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند میخواہ کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند و دائرہ واثرے از مسلماناں و مسلمانی پیدا نشود و کار را تا بآں سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانی از شعائر اسلام اظہار نماید بقتل میرسد ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است کفار بجزیہ دادن شاید راضی شوند اما بذبح بقرہ راضی نخواہند شد‘‘

(مکتوبات شریف: جلد اول، حصہ دوم، مکتوب ۸)

’’تقریباً ایک صدی سے اسلام اتنا پردیسی ہو گیا ہے کہ کفار بلاد اسلام میں برملا احکام کفر کے جاری کرنے سے بھی راضی نہیں ہو رہے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ احکام اسلامیہ کو مکمل ختم کر دیں اور مسلمانوں اور مسلمانی کا کوئی نشان باقی نہ رہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائر اسلام کا اظہار کرے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں گائے کا ذبح کرنا اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے کفار

جزیہ دینا تو شاید قبول کرلیں مگر گائے کے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے“

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے صرف ایک مکتوب میں جو آپ نے محمد مراد بدخشی کے نام لکھا (مکتوب ۶۹، حصہ ہفتم) آپ ملت کے ہمہ جہت سرمایہ پر نگہبانی کا ضابطہ ملتا ہے۔ کیونکہ نماز میں صفیں درست کرنے کا حکم ہے تو کہیں میدان جہاد میں صف بندی کا تذکرہ ہے، کہیں نماز کی تعدیل کا ذکر ہے تو کہیں کفر کی تعطیل کا ذکر ہے۔ جہاد بالنفس بھی ہے، جہاد بالسیف بھی ہے، آہ سحر گاہی بھی ہے اور انداز جہانبانی و شہنشاہی بھی ہے ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

”چہ نعمتے است کہ باطن بذکر الٰہی جل شانہ معمور باشد و ظاہر باحکام شرعی متحلّی شود“

”کتنی بڑی نعمت ہے کہ آپ کا باطن ذکر الٰہی جل شانہ سے معمور ہو اور ظاہر احکام شریعت سے آراستہ ہو“

میدان جہاد کی ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اول تصحیح نیت نمایند تا نتیجہ برآں مرتب شود باید کہ مقصود ازیں جنگ و جدال اعلاء کلمہ اسلام باشد و توہین و تخریب اعدائے دیں“

”پہلے نیت صحیح کر لیجیے تاکہ اس پر نتیجہ مرتب ہو اس جنگ و جدال سے مقصود صرف اور صرف کلمہ اسلام کی سربلندی اور دشمنان دین کی توہین اور ہلاکت ہونی چاہیے“

ساتھ ہی مجاہدین کو حکم فرماتے ہیں:

”نصیحت دیگر کہ بیاراں نمودہ می آید التزام نماز تہجد است کہ از ضروریات طریق است“

”دوسری نصیحت جو کہ دوستوں کو کرنی چاہیے وہ تہجد کی پابندی ہے کہ راہ حق کا ضروری توشہ ہے“

آپ زور بازو کے ساتھ وظائف کا استعمال بھی ضروری سمجھتے تھے ملاحظہ ہو:

''در مواضع مخوف در محال استیلاء اعداء از برائے امن و رفاہیت قرائۂ سورۃ الایلاف مجرب است لااقل ھر روز وھر شب یازدہ یازدہ بخوانند''

''خوف کی جگہ اور دشمنوں کے غلبہ کے مقامات پر امن و آرام وعافیت کے لیے سورہ ایلاف کا پڑھنا مجرب ہے ہر دن رات میں کم ازکم گیارہ گیارہ بار ضرور پڑھیں''

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی کمال عاجزی اور دوسروں کی حوصلہ افزائی سے نگہبانی کا انداز دیکھیے اسی مکتوب میں جو محمد مراد بدخشی کے نام ہے فرماتے ہیں:

''بحال شما غبطہ می آید کہ در باطن بحق مشغولید جل وعلا و در ظاہر نماز بجماعت کثیرہ ادا مینمایند مع ذلک بدولت جہاد کفار دار الحرب مشرف گشتہ اید ہر کہ سلامت میماند غازی است ومجاہد و آنکہ ہلاک میشود شہید پاک است''

''تمہارے حال پر رشک آرہا ہے کہ باطنی طور پر تم اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو اور ظاہر میں بہت بڑی جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھتے ہو اور دار الحرب کے کفار کے خلاف جہاد کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو جو سلامت رہتا ہے غازی اور مجاہد ہوتا ہے اور جو قتل ہو جائے شہید پاک ہے''

چنانچہ میں تو کہتا ہوں:

محاذِ دین پر پہرہ دیا شیخِ مجدد نے
رہِ مسنون کا چرچا کیا شیخِ مجدد نے
ہوا جب دور دورہ ہند میں ملت فروشوں کا
فضائے بدر کو تازہ کیا شیخِ مجدد نے

بڑھیں جب بجلیاں ملت کے خرمن کو جلانے کو
مقابل میں نشیمن کردیا شیخِ مجدد نے
پڑھی آذانِ حریت ، دیا اندازِ شہبازی
مزاج ہند کو صیقل کیا شیخِ مجدد نے
ہلاکے رکھ دیا جس کے فقر نے قصر شاہی کو
زمانے کو وہ سجّادہ دیا شیخِ مجدد نے
قلم کی نوک سے الحاد اکبر کی جڑیں کاٹیں
علم کے رعب سے حملہ کیا شیخ مجدد نے
ہوائیں گرچہ تند و تیز تھیں ، طوفاں بلا کا تھا
جلائے رکھا پھر بھی اِک دیا شیخِ مجدد نے
رگوں میں خونِ فاروقی سے ایسا ولولہ پایا
کہ ہر فتنے کا بُرج الٹا کیا شیخِ مجدد نے
ہو جس کو بھی تردد وہ پڑھے مکتوب کا دفتر
شرع و عرفاں کو یکجا کیا شیخِ مجدد نے
مجھے آصف یہ بتلایا ہے مرشد کی عنایت نے
کیا پھر سے تصوف کو نیا شیخِ مجدد نے

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

مجدد الف ثانی کا نظامِ تبلیغ

علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی الازہری

(استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

☆☆

تبلیغ کا معنی کسی چیز کو دوسرے شخص یا جماعت تک پہنچانا ہے۔ چاہے وہ مادی چیز ہو یا علم، خبر ہو یا پیغام۔ لیکن اصطلاحاً اس کا معنی اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کا پیغام پہنچانا ہے۔ چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

الذین یبلغون رسلٰت اللہ ویخشونہ"

(سورۂ احزاب: ۳۹)

''اور وہ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فان تولیتم فاعلموا انما علٰی رسولنا البلاغ المبین"

(سورۂ مائدہ: ۹۲)

''اور اگر تم پھر جاؤ تو جان لو بے شک ہمارے رسول (ﷺ) پر واضح پہنچانا ہے''

اس لیے تمام انبیاء کرام اور مرسلین عظام دین اسلام کے مبلغ ہیں اور جب بعثت انبیاء کا سلسلہ ختم ہوگیا اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم نبوت کے تاج سے سرفراز کیا گیا تو علماء و مشائخ کو تبلیغ دین کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔

جب یہ بات واضح ہے کہ تبلیغ کا فریضہ بنیادی طور پر انبیاء کرام و رسل عظام کو سونپا گیا تو یقیناً

انھوں نے اسی بات کی تبلیغ فرمائی جو ان کے رب نے ان کو ہدایت انسانی کے لیے عطا فرمائی اور جب علماء کرام اور مشائخ عظام نیابت رسالت میں یہ فریضہ انجام دیتے ہیں تو وہ رسالات خداوندی کی تبلیغ کے پابند ہیں۔

بنابریں مبلغ دین کی ذمہ داری نہایت اہم اور اس کا مقام و مرتبہ بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ کیونکہ وہ وراثت انبیاء کرام کا امین ہے اور جب اس وراثت کے بیان میں علم کا تذکرہ کیا گیا اور فرمایا ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ تبلیغ دین کے لیے حصول علم نہایت ضروری ہے کیونکہ انبیاء کرام کی وراثت جو مبلغ اسلام قوم کو منتقل کرتا ہے وہ مالی وراثت نہیں بلکہ علم کی میراث ہے۔

تبلیغ دین کے سلسلے میں تین باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

۱......نصاب تبلیغ
۲......انداز تبلیغ
۳......طریقہ تبلیغ جسے نظام تبلیغ یا اسلوب تبلیغ بھی کہا جاسکتا ہے۔

نصاب تبلیغ خود خالق کائنات نے متعین فرمادیا ارشاد فرمایا:

یبلغون رسلٰت اللّٰہ

''وہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات کی تبلیغ فرماتے ہیں''

اور ارشاد خداوندی ہے:

یآیھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

(سورہ مائدہ:۶۷)

''اے رسول (ﷺ) وہ چیز پہنچایئے جو آپ پر نازل کی گئی آپ کے رب کی طرف سے''

یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کا دین کائنات انسانیت تک پہنچانے کا نام تبلیغ ہے۔ وہ پیغام ربانی چاہے قرآن کی صورت میں ہو یا حدیث کی شکل میں یا غیر منصوص مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتہاد کی صورت میں پیش کیا جائے۔

انداز تبلیغ کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:

"ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن" (سورہ نحل: ۱۲۵)

"آپ اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیں اور ان کے ساتھ بحث و تمحیص نہایت اچھے طریقے سے کریں"

نظام تبلیغ یا اسلوب، تبلیغ انداز تبلیغ کی طرح نہایت اہم ہے اس کا تعین جزئیات کی صورت میں ممکن نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا بنیادی اور ضروری امر ہے۔ اس میں بنیادی بات مقتضائے حال کے مطابق گفتگو کرنا اور تبلیغ کو موثر بنانے کے لیے جن طریقوں کو اختیار کرنا ضروری ہے ان سے بے اعتنائی نہ برتنا بلکہ ان کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ کچھ مبلغین اسلام وہ ہوتے ہیں جن کو نہایت پیچیدہ اور کٹھن راستوں سے گزرنا پڑتا ہے اس لیے ان کا نظام تبلیغ دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔ ماضی قریب میں اس کی مثال امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، مجاہد تحریک آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، فاتح قادیانیت حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ اور قاطع نجدیت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہم اللہ ایسی اہم شخصیات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے سامنے اکبر کے خود ساختہ دین الٰہی کا فتنہ تھا۔ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ کو برصغیر پر غیر ملکی لٹیروں کے غاصبانہ قبضے کا سامنا تھا، حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ کا مقابلہ انگریز کے پروردہ فتنہ قادیانیت سے تھا اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کا ٹکراؤ ناموس رسالت کے منکرین سے تھا۔ اس لیے ان حضرات کی تبلیغ اور عام مبلغین وہ صوفیہ عظام ہوں یا علماء کرام کی تبلیغ میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔

عام مبلغ ظاہری و باطنی اخلاق کی اصلاح کرتا ہے اور شاہراہ اسلام سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو پھر سے شاہراہ پر گامزن کرنا چاہتا ہے۔ طریقت و شریعت کے خود ساختہ امتیاز کا قلع قمع کرتا ہے۔ قرآن وسنت پر مبنی دستور حیات کا احیاء کرتا ہے اور اخوت اسلامی کے رنگ میں رنگا ہوا معاشرہ قایم کرنے کی سعی بلیغ کرتا

ہے۔

لیکن مذکورہ شخصیات اور اس طرح کے دیگر اکابر کو چومکھی لڑائی لڑنا پڑتی ہے چنانچہ جہاں وہ اپنے معتقدین ومتوسلین اور عامۃ المسلمین کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتے ہیں وہاں وہ اپنے دور میں پیدا ہونے والے فتنوں کا قلع وقمع بھی کرتے ہیں جس کے لیے نہایت زیرکی اور دانائی سے کام لینا پڑتا ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا میدان تبلیغ کانٹوں سے بھرپور تھا اسی لیے فریضہ تبلیغ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ پر لازم تھا کہ آپ اپنے نظام تبلیغ کو مضبوط اور پرحکمت بنیادوں پر استوار کریں کیونکہ پُرخار وادی کا راہی اپنے دامن کو کانٹوں سے بچاتے ہوئے جانب منزل رواں دواں ہوتا ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تبلیغی مساعی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نظام تبلیغ عمومیت، اثر آفرینی اور مقتضائے حال کی مطابقت ایسے جواہر سے مزین ومحلی تھا۔ یہ بات واضح ہے کہ ہمارے اسلاف بشمول حضرت مجدد علیہ الرحمۃ محافل ذکر کو محض ذکر تک محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ عامۃ المسلمین کی اصلاح کے لیے ایسی محافل ذکر ووعظ کا اہتمام ہوتا تھا جن میں قرآن وسنت کی تبلیغ کو لازم سمجھتے تھے۔

علاوہ ازیں اسلاف کے ہاں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ اپنے حلقہء ارادت میں شامل لوگوں کے پاس خود تشریف لے جاتے اور مختلف علاقوں میں قریب قریب کے لوگ چاہے وہ اس بزرگ کے مریدین کی صف میں شامل نہ بھی ہوں کو جمع کر کے وعظ ونصیحت کی جاتی اس طرح دین کا پیغام ان کے گھر تک پہنچ جاتا تھا۔ یقیناً حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے ہاں بھی یہ دونوں صورتیں موجود تھیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے نظام تبلیغ میں تیسرا طریقہ یہ اپنایا کہ اپنے خطوط کے ذریعے دور دراز کے لوگوں کو دین حق کی تبلیغ فرمائی چنانچہ آپ کے مکتوبات شریفہ کی ایک ایک سطر اس بات پر شاہد عدل ہے۔

اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ یہ خطوط نامور شخصیات کے نام لکھے جاتے تھے جن کے ذریعے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا یہ دینی پیغام ان حضرات کے حلقۂ اثر تک پہنچنے کی وجہ سے اس کی تبلیغ عام ہو جاتی تھی۔ آپ کے مکتوبات شریفہ میں امور دینیہ کی تبلیغ نمایاں ہے ایک ایسا مکتوب اس وقت ہدیہ قارئین ہے جس میں آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کی جامعیت کو اجاگر فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

”اس بیان میں کہ یہ روشن شریعت تمام سابقہ شریعتوں کی جامع ہے

اور اس شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنا تمام شریعتوں کے تقاضوں کو بجالانا ہے''

پھر فرماتے ہیں:

''چونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کے جامع ہیں اور اعتدال کے طریقے پر (اللہ تعالیٰ کے) ان کمالات کے مظہر ہیں اس لیے جو کتاب آپ پر نازل ہوئی وہ تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ ہے جو تمام انبیاء کرام پر نازل ہوئیں علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ نیز جو شریعت آپ کو عطا ہوئی وہ گزشتہ تمام شریعتوں کا خلاصہ ہے اور جو اعمال اس شریعت کے تقاضوں کے مطابق کیے جائیں وہ پہلی شریعتوں کے اعمال کا انتخاب ہیں۔ بلکہ ملائکہ صلوات اللہ وسلامہ علیٰ نبینا وعلیہم کے اعمال سے بھی (اعلیٰ ہیں) کیونکہ بعض فرشتوں کو صرف رکوع کا بعض کو صرف سجدے کا اور بعض کو صرف قیام کا حکم ہے اسی طرح پہلی امتوں میں سے بعض کو صرف صبح کی نماز کا اور بعض کو دوسری نمازوں کا حکم تھا۔ لیکن اس شریعت میں پہلی امتوں اور مقربین فرشتوں کے اعمال کا خلاصہ انتخاب کیا۔ لہٰذا اس شریعت کی اتباع اور اس کے مطابق اعمال کی بجا آوری درحقیقت تمام شریعتوں کی تصدیق اور ان شریعتوں کے مطابق اعمال کو بجالانا ہے بنا بریں اس شریعت کی تصدیق کرنے والے یقیناً تمام امتوں سے بہتر ہوئے اسی طرح اس شریعت کو جھٹلانا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا گزشتہ شریعتوں کو جھٹلانا اور ان کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار تمام اسمائی وصفاتی کمالات کا انکار ہے اور آپ کی تصدیق ان

سب کی تصدیق ہے لہٰذا سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر اور آپ کی شریعت کو جھٹلانے والا تمام امتوں کا بدترین انسان ہے اسی لیے ارشاد خداوندی ہے:

الاعراب اشد کفرا ونفاقا (سورۃ توبہ: ۹۷)

گنوار (جنگل میں رہنے والے) کفر ونفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں۔

محمد عربی کہ آبروئ ہر دوسرا ست
کسی کہ خاکِ درش نیست خاک برسرِ او

(مکتوب: ۷۹، ص ۱۷۴ تا ۱۷۵)

اس مکتوب گرامی میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے جس منطقی انداز میں رسالت محمدیہ قرآن مجید اور شریعت محمدیہ کی عظمت کو اجاگر کیا ہے اس سے اس فکر کا رد بلیغ ہوتا ہے جس کے مطابق اسلامی نظام میں کسی دوسرے مذہب کی پیوندکاری کو ضروری خیال کیا گیا اور یوں شعوری طور پر اسلام کی جامعیت کا انکار کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نظام تبلیغ میں ایک اور بات بھی شامل تھی کہ آپ اپنے اہل علم خلفاء و مریدین کو مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لیے بھیجتے تھے۔ ۱۰۱۵ھ میں جب دور دراز ممالک کے متعدد علماء و مشائخ آپ کے حلقہء ارادت میں شامل ہوتے تو آپ نے شیخ احمد برکی علیہ الرحمۃ کو خلافت سے سرفراز فرما کر تبلیغ دین متین کی خاطر ان کو وطن بھیج دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں خراسان، بدخشاں اور توران کے ہزاروں افراد آپ کے حلقہء ارادت میں شامل ہو گئے۔ آپ نے مولانا صالح کولابی علیہ الرحمۃ کو خلافت دے کر طالقان میں تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا اور مولانا قاسم علی رحمہ اللہ کو خلافت سے نواز کر ماوراء النہر بھیجا۔

۱۰۱۷ھ میں آپ نے حضرت خواجہ پیر محمد نعمان کو خلافت سے نواز کر علاقہ دکن کی تبلیغ پر مامور فرمایا۔ ۱۰۲۲ھ میں سرتاج العلماء اور صاحب تصانیف کثیرہ علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے

حلقہء ارادت میں شامل ہوئے یقیناً ان کا آپ کے حلقہء ارادت میں شامل ہونا آپ کے نظام تبلیغ میں مزید وسعت کا باعث بنا۔ اسی سال اکبر آباد کے ایک بزرگ شیخ حمید کو اجازت وخلافت سے نواز کر بنگال میں تبلیغ دین پر مامور فرمایا۔

۱۰۲۶ھ میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے غیر ممالک میں مختلف تبلیغی وفود بھیجے۔ چنانچہ آپ نے مولانا محمد قاسم علیہ الرحمۃ کی سرکردگی میں ستر آدمی ترکستان بھیجے۔ مولانا فرخ حسین کی ماتحتی میں چالیس حضرات کو عرب، یمن، شام اور روم بھیجا گیا۔ مولانا محمد صادق کابلی کی نگرانی میں دس آدمی کاشغر بھیجے اور شیخ احمد برکی کے ساتھ اپنے تیس خلفاء کو توران، بدخشاں اور خراسان میں تبلیغ کی غرض سے بھیجا۔ آپ نے صرف عوام الناس کو تبلیغ کرنے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ شاہی لشکر کی ذہن سازی اور اصلاح کی طرف بھی توجہ فرمائی چنانچہ آپ نے ۱۰۲۷ھ میں اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین کو شاہی لشکر میں تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ (تجلیات امام ربانی: ص ۹۸۔۱۰۰)

جب جمادی الآخر ۱۰۲۸ھ/مئی ۱۶۱۹ء میں آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کیا گیا تو آپ نے وہاں بھی اپنا سلسلہ تبلیغ جاری رکھا اور قلعہ میں بند سیکڑوں ہندو آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ ایک ذہین اور فکر رسا کا مالک مبلغ اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کہ تبلیغ دین کو مؤثر بنانے کے لیے دلوں کی زمین کو ہموار کر کے اس میں تبلیغ کا بیج بونا ضروری ہے۔ اس لیے آپ نے حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے ایک ایسا نظام تبلیغ اپنایا جس کے نتیجے میں بپا ہونے والے انقلاب نے ترویج دین کا کام آسان کر دیا۔

جب آپ گوالیار کے قلعہ میں قید تھے تو اس دوران مہابت خاں نے جہانگیر کو گرفتار کیا آپ نے مہابت خان کو سختی سے ہدایت کی کہ فتنہ وفساد ختم کر کے بادشاہ کی اطاعت کرو۔ چنانچہ مہابت خان نے بادشاہ کو رہا کر دیا اور گستاخی کی معافی بھی مانگ لی۔ (شیخ سرہند: ص ۳۵)

یہ آپ کا پرحکمت نظام تبلیغ تھا جس نے جہانگیر کے لوہے کی طرح سخت دل کو موم کی طرح نرم کر دیا اور جب اس نے آپ کو اپنے ہاں دعوت دی تو آپ نے ترویج دین کے سلسلے میں اپنے وہ تمام مطالبات جن کا شعائر اسلام سے تعلق تھا منوا لیے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جس قدر ممکن ہوا بادشاہ کو بالواسطہ اس کار خیر کی طرف متوجہ کرتے رہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت شیخ فرید سے فرمایا:

> ''جناب کی بزرگ ذات سے توقع کی جاتی ہے کہ آپ کو کلمہ حق کہنے کی استطاعت ہے اور آپ کو بادشاہ کا قرب بھی حاصل ہے۔ لہٰذا خلوت و جلوت میں شریعت محمدیہ کی ترویج کے لیے سعی فرمائیں''
>
> (تجلیات امام ربانی، ص ۳۶۹)

مزید فرمایا:

> ''مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہ کو کفر کی برائی سے آگاہ کریں شاید بادشاہ کو برائی کو علم نہ ہو اس سلسلے میں کسی کو تکلیف پہنچے تو کتنی بڑی سعادت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' وما اوذی نبی مثل ما اوذیت'' کسی نبی کو وہ اذیت نہیں دی گئی جیسی اذیت مجھے دی گئی'' (ایضاً، ص ۳۷۶)

جب حکمران کا عقیدہ درست ہو تو ملت اسلامیہ کے لیے موقع غنیمت ہوتا ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ حضرت مولانا محمد اشرف علیہ الرحمۃ کو لکھا:

> ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ سلطان وقت اپنے آپ کو حنفی المذہب قرار دیتا ہے اور اہل سنت و جماعت میں گردانتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں کے لیے بڑی دشواری ہوتی اس نعمت عظمیٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے'' (ایضاً، ص ۳۷۷)

آپ نے شیخ بخاری علیہ الرحمۃ کے نام مکتوب گرامی یہ بھی لکھا:

> ''یہ بات سننے میں آئی ہے کہ سلطان اسلام نے اپنی دینی فطرت کے حسن و خوبی کے باعث جو ان کے اندر موجود ہے آپ کو حکم دیا ہے کہ چار دین دار علماء مہیا کریں جو ہر وقت شاہی دربار میں حاضر رہیں کہ

شرعی احکام بتاتے رہیں تا کہ کوئی خلاف شرع امر واقع نہ ہو جائے۔ الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذٰلک مسلمانوں کے لیے اس سے عمدہ بشارت کیا ہو سکتی ہے" (ایضاً، ص ۳۷۸)

کہاں وہ وقت کہ حکمرانوں کے ہاتھوں شعائر اسلام کو مٹایا جا رہا تھا اور کہاں یہ صورت حال کہ بادشاہ کے خیالات یکسر بدل گئے۔ یقیناً یہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نظام تبلیغ کے حسن کا کرشمہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نہایت پُر حکمت اور دانائی پر مبنی نظام تبلیغ تھا جس کی بدولت اکبر کے دین الٰہی کا خاتمہ ہوا اور دو قومی نظریہ کے خلاف سازش اپنی موت آپ مر گئی۔ آج جب کہ اسلامی تشخص کو ختم کرنے کی سازش کی جا رہی ہے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نظام تبلیغ کو اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔

☆......☆......☆

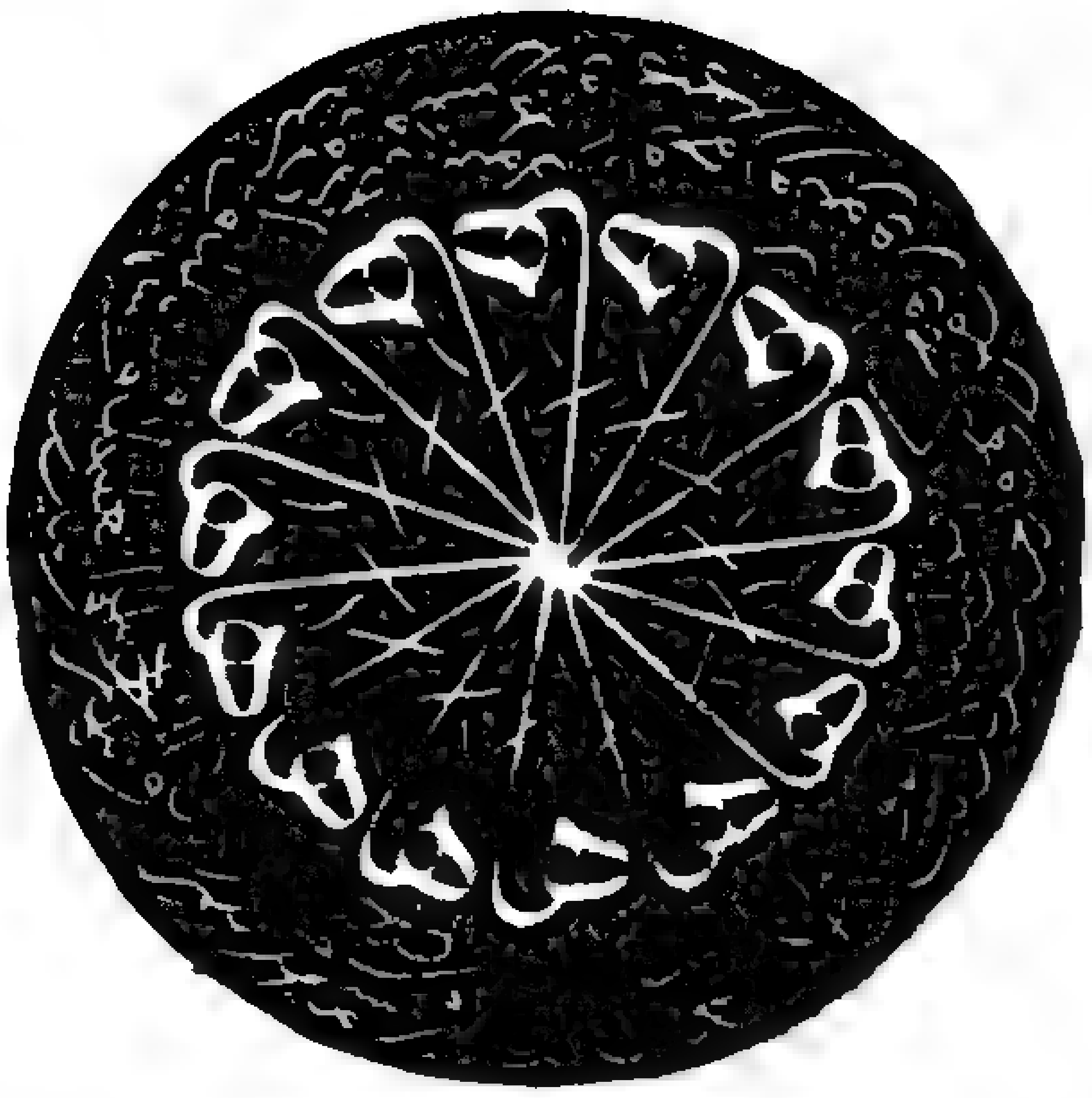

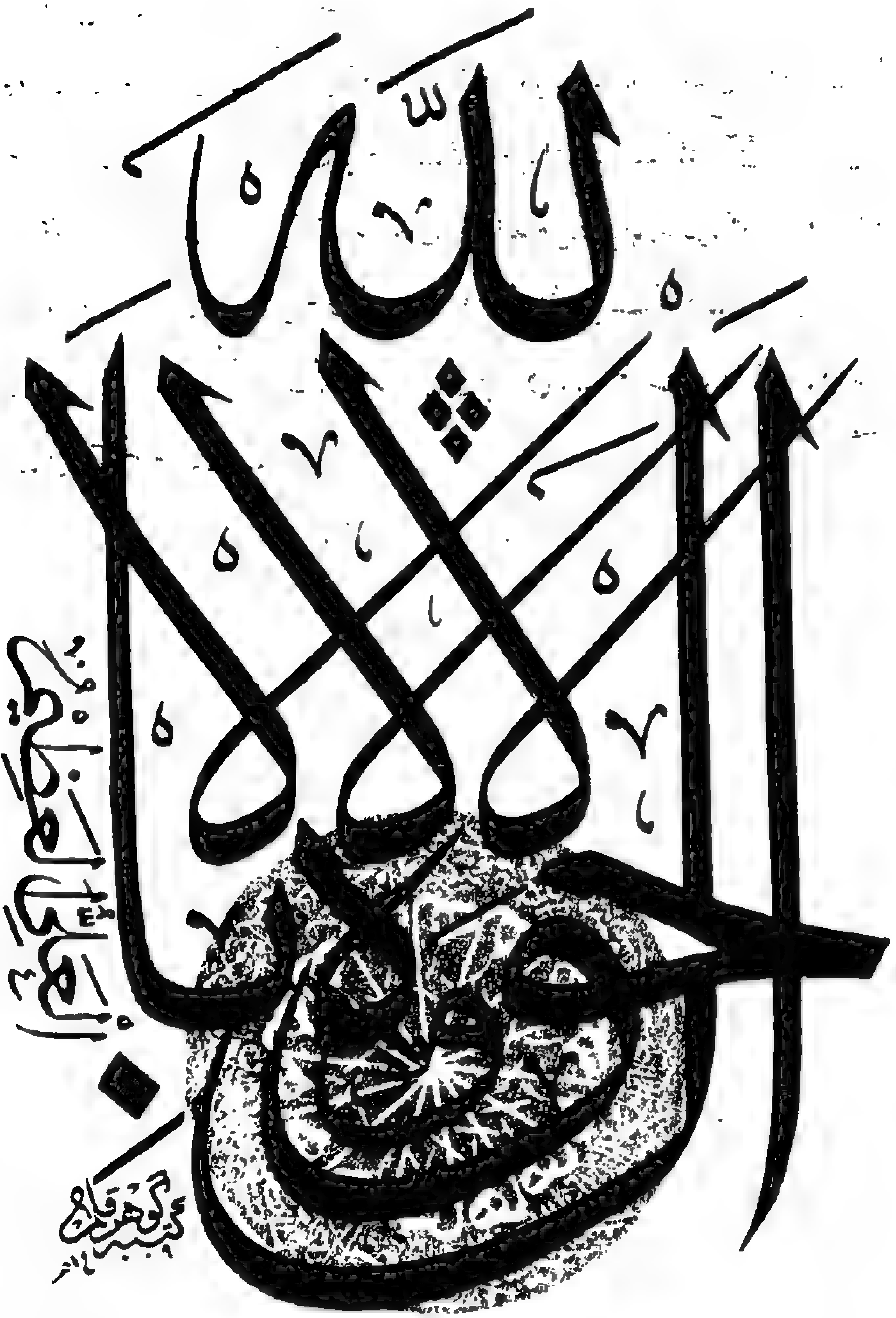
العلي العظيم
كتبه گوهر قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مجدد الف ثانی، نشان وحدت ملت اسلامیہ

علامہ ھادی بخش نقشبندی مجددی

(حب، بلوچستان)

☆☆

ملت اسلامیہ کی تعریف:

جاننا چاہیے کہ ملت اسلامیہ خلاصۂ نام ہے ایمان وتقوٰی کا۔ کچھ تفصیل کے ساتھ یوں کہیں گے کہ ملت اسلامیہ چار چیزوں کا نام ہے۔

☆......عقائد اسلام ☆......اعمال شرعیہ وعبادات بدنیہ

☆......اخلاق حسنہ وصفات قلبیہ ☆......احوال باطن بحیثیت مکاشفہ ومشاہدہ وغیرہ

جاننا چاہیے کہ اللہ عزوجل نے انسانوں کی ایمان وتقوٰی کی تعلیم کے لیے انبیاء کرام علیہم التسلیمات بھیجے اور لوگوں کو انبیاء کرام علیہم التسلیمات کی اطاعت واتباع کا حکم فرمایا اور شدید تاکید وترغیب فرمائی، پس جن لوگوں نے ان کی کمال اطاعت وپیروی کی وہ محبوب خدا ہوئے، جتنا اطاعت وپیروی زیادہ کی اتنا مقام محبوبیت بلند حاصل کیا۔ قولہ تعالیٰ "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" دلیل واضح وثبوت بین ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اللہ عزوجل کے ان نیک ترین بندوں سے تھے جو اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم واتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ کمال فائز تھے۔ آپ نے اپنے مکتوب نمبر ۵۴ دفتر دوم میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سات درجے ہیں

تمام درجات کی بالترتیب تشریح لکھنے کے بعد فرمایا:

> ''تابع کامل کسے است کہ باین ہفت درجہ متابعت متحلی شود، وآنکہ بعضے از درجات متابعت دارد وبعضے ندارد، تابع فی الجملہ است علیٰ تفاوت الدرجات''
>
> ''کامل تابع رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو۔ اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں وہ درجوں کے اختلاف کی قدر کسی نہ کسی درجہ کا تابع کہلائے گا، نہ کہ کامل تابع''

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع کامل اور ملت اسلامیہ کا نشان وحدت بنایا تھا۔ بنابریں راقم الحروف فقیر کمترین ذیل میں آپ علیہ الرحمۃ کا تذکرہ ملت اسلامیہ کے چاروں اقسام (عقیدہ، شریعت، صفات حسنہ اور احوال باطن) کے عنوان پر کرے گا اور ہر ایک عنوان کے ذیل میں آپ علیہ الرحمۃ کے مکتوبات کی عبارات وتشریحات پیش کرے گا۔ اللہ عزوجل فقیر کو آپ قدس سرہ کے صحیح مقام، کمال اتباع شریعت وکماحقہٗ خدمت اسلام کے تذکرہ کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

نشان وحدتِ ملت اسلامیہ در عقائد:

جاننا چاہیے کہ امام ربانی علیہ الرحمۃ نے ہر مرحلہ میں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور موافقت شریعت کو لازم قرار دیا۔ کسی بھی معاملہ میں مخالفت شرع کو اگرچہ بال کی چوٹی کے برابر ہو پسند نہ فرمایا۔ آپ نے اصول دین میں متابعت جمیع اصحاب کرام علیہم الرضوان کو لازم ٹھہرایا۔ باقی بعد کے علماء کرام علیہم الرحمۃ کے جس قول کو اپنی رائے میں شریعت کے خلاف سمجھا اس قول کو قبول نہ فرمایا بلکہ اس وقت اپنی ذاتی تحقیق و نیز مکاشفہ سے جس عقیدہ کو بعینہٖ شرع کے موافق سمجھا اس کو اختیار فرمایا۔

جاننا چاہیے کہ آپ نے عقائد میں مشائخ متاخرین کے ان تمام اقوال وخیالات کی تردید فرمائی جو اکابر علماء اہل سنت والجماعت کی آراء واقوال کے منافی ومخالف تھے۔ آپ نے اس بارے میں اپنے قلبی مشاہدات والہامات سے بھی خیالات اکابر اہل سنت والجماعت کی تائید فرمائی۔

خلاصہ یہ کہ آپ علیہ الرحمۃ نے عقائد اسلام میں مطابقت شریعت مطہرہ، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم

وموافقتِ جمیع صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اتنا انتظام فرمایا کہ کسی بھی جگہ ایک ذرہ برابر بھی شریعت میں مخالفت کا موقع نہ دیا اور تمام مسلمین ومومنین کا اسی ایک ہی راہ پر جمع ہو کر اتفاق سے گامزن ہونے کی سخت تاکید وترغیب فرمائی، گویا آپ ارشاد ربانی (ترجمہ) اللہ تعالیٰ کا رسول تمہیں جو دے پکڑو، اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو کے آئینہ دار تھے۔ فقیر ذیل میں آپ علیہ الرحمۃ کے عقائد کے متعلق چند عبارات مکتوبات شریف پیش خدمت کرتا ہے۔

(۱) آپ علیہ الرحمۃ اپنے شیخ مکرم قدس سرہم کی جانب اپنا احوال نامہ پیش کر رہے ہیں، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

> "اب ایک اور رسالہ۔۔۔ بعض یادروں کی التماس سے لکھا ہے۔۔۔ واقعی رسالہ بے نظیر اور بڑی برکتوں والا ہے۔ اس رسالہ کے لکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بہت سے مشائخ کے ساتھ سامنے تشریف فرما ہیں اور اسی رسالہ کو اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں اور اپنے کمال کرم سے اس کو چومتے ہیں اور مشائخ کو دکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے اعتقادات حاصل کرنے چاہییں" (دفتر اول: مکتوب ۱۶)

(۲) آپ علیہ الرحمۃ نے اپنے مکتوبات شریف میں (مکتوب نمبر ۲۶۶، دفتر اول) ایک ایسا مکتوب تحریر فرمایا ہے جو عقائد اہل سنت والجماعت میں سب سے زیادہ جامع مکتوب ہے، تقریباً تمام ضروری عقائد پر مشتمل ہے۔ آپ نے اس مکتوب مبارک میں ہر عقیدہ کو بعینہٖ شرع مطہرہ کے صحیح ترازو سے تول کر پیش مخاطبین کیا ہے، اس مکتوب میں ۵۱ عقائد کو جو اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف ہیں مثلاً روافض، خوارج، معتزلہ وغیرہ ان سب کی تردید فرمائی ہے۔ نیز اہل سنت والجماعت کے ان مشائخ کے عقائد کی بھی تردید فرمائی ہے جو ان سے بنا بر سکر وارد ہوتے ہیں اور حقیقۃً اصل شریعت کے منافی نظر آتے ہیں۔

> (۳) "بگوییم کہ متابعت جمیع اصحاب در اصول دین لازم است، وہرگز در اصول اختلافے ندارند، اگر اختلاف است در فروع است"

''ہم کہتے ہیں کہ اصولِ دین میں تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کی پیروی لازم ہے، صحابہ کرام کا اصول میں ہرگز اختلاف نہ تھا، اگر کچھ اختلاف تھا تو وہ فروع میں تھا، نہ کہ اصول میں''

(دفتر اول، مکتوب ۸۰)

(۴) آپ نے ایمان کی تین اقسام بتائی ہیں:

تقلیدی، یہ عوام کا ایمان ہے۔ استدلالی، یہ علماء کا ایمان ہے۔ کشفی، یہ اولیاء اللہ کا ایمان ہے۔

آپ نے اس مضمون کو مکتوبات کے کئی مقامات پر اجمالاً یا تفصیلاً ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب نمبر ۱۳، ۲۵۱، ۷۸، ۴۳۔

(۵) آپ علیہ الرحمۃ نے تقدیر کی تین اقسام معین کیں۔ جبکہ دوسرے محققین ومشائخ کرام نے دو اقسام بیان کیں۔ (۱) معلق (۲) مُبرم (۳) معلق شبیہ بالمبرم۔ تقدیر کی آخری قسم آپ کے مشاہدہ والہام کا نومولود ہے۔ ملاحظہ ہو مکتوب ۲۱۷، دفتر اول۔

(۶) آپ علیہ الرحمۃ نے قرب خداوند تعالیٰ کی بہترین مثال بیان فرمائی، چنانچہ تحریر فرمایا:

''جاننا چاہیے کہ تحقیق سابق سے واضح ہوا ہے کہ شئی کی صورت جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہے اس کا ثبوت صرف خیال ہی میں ہے۔ آئینہ اس صورت کے حاصل ہونے سے اپنے محض وصرف تجرد پر ہے۔ ہاں کہہ سکتے ہیں کہ آئینہ اس صورت کے قریب ہے۔ یا اس کو محیط ہے، یا اس کے ساتھ ہے، یہ قرب واحاطہ ومعیت اس قسم کا نہیں جیسے جسم کو جسم کے ساتھ یا جوہر کو عرض کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلکہ یہ قرب واحاطہ اس قسم کا ہے جس کے تصور وادراک سے عقل وفہم عاجز وکوتاہ ہیں، پس اس صورت میں قرب ومعیت واحاطہ ثابت ہے۔ لیکن کیفیت معلوم نہیں۔ وللہ المثل الاعلیٰ (اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) اسی طرح وہ قرب واحاطہ ومعیت جو حق تعالیٰ عزوجل کا عالم کے ساتھ ہے وہ حق وثابت ہے مگر اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ عزوجل عالَم کے قریب، محیط اور ساتھ ہے۔ لیکن اس کے قرب، یا احاطہ اور معیت کی حقیقت نہیں جانتے۔" (دفتر دوم، مکتوب ۴۶)

(۷) آپ علیہ الرحمۃ نے اللہ تعالیٰ عزوجل کی اقربیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"میرے مخدوم! اگرچہ حق تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ہم سے زیادہ اقرب ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ لیکن کیا کہا جائے کہ حق تعالیٰ ہماری عقلوں اور فہموں اور ہمارے علوم اور ادراکات سے وراء الوراء ہے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ماوراء ہونا قرب میں ہے نہ جانب بُعد میں، کیونکہ وہ حق تعالیٰ ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے حتیٰ کہ اس کی ذات احدیت کو ان صفات کی نسبت کہ جن کے آثار و افعال ہم ہیں زیادہ نزدیک پائے جاتے ہیں۔ یہ معرفت نظر عقل سے ماوراء ہے، کیونکہ عقل اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصور نہیں کر سکتی۔ ایسی مثال جو اس مبحث کی تشریح و توضیح کر سکے، ہرچند تلاش کی گئی مگر نہ ملی۔ اس معرفت کی دلیل و سند نص قطعی اور کشف صحیح ہے۔"

(مکتوب ۲۵۸، دفتر اول)

(۸) آپ علیہ الرحمۃ نے ذات حق عزوجل کے بارے میں فرمایا:

"فہو سبحانہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء۔ ہنوز ایوان استغنا بلند است مرا فکر رسیدن ناپسند است۔" (مکتوب ۲۶۰، دفتر اول)

مکتوبات امام ربانی فارسی میں درج بالا عبارت کے حاشیہ میں ہے۔ کہ ایک بار حضرت مرزا جانجاناں شہید علیہ الرحمۃ نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کی خدمت عالیہ میں حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کی درج بالا عبارت حمد خداوندی سبحانہٗ پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ربانی علیہ الرحمۃ کی اس عبارت کو بہت پسند فرمایا اور خوشی کا اظہار کیا۔ (ماخوذ از ملفوظات

میرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ)

(۹) آپ علیہ الرحمۃ نے شان نبوت میں ارشاد فرمایا:

> ''کمالات نبوت کے درجہ کی کمالات ولایت کے درجہ سے نسبت دینا ناممکن ہے، سمندر بے پایاں کی ایک قطرہ سے کچھ نہ کچھ نسبت کی جاسکتی ہے، یہاں اتنی نسبت بھی نہیں ہوسکتی، ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کی نسبت مقام ولایت سے اس طرح ہے جیسے غیر متناہی کی نسبت متناہی سے'' (مکتوب ۲۶۰، دفتر اول)

(۱۰) آپ علیہ الرحمۃ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معراج کی رات رویت باری تعالیٰ سبحانہٗ کا قول صادر فرمایا۔ (مکتوب ۲۶۱، دفتر اول)

(۱۱) آپ علیہ الرحمۃ نے خلفائے راشدین علیہم الرحمۃ کے فضائل بیان کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں فرمایا:

> ''ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہوں گی، توجہ تام کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں اس کا داخل ہونا ان دو بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا، گویا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بہشت کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نور سے بھرا ہوا ہے'' (مکتوب ۲۵۱، دفتر اول)

(۱۲) خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

> ''حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے مراتب

کے اختلاف کے موافق نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مناسبت اور جانب ولایت کے غلبہ کے باعث ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں، اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ برزخیت کے اعتبار سے دونوں طرف کے بوجھ اٹھانے والے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی آپ کو ذوالنورین کہتے ہوں'' (مکتوب ۲۵۱، دفتر اول)

(۱۳) حضرت علی، بی بی فاطمہ اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں فرمایا:

''اے بھائی! چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بوجھ اٹھانے والے ہیں اس لیے اقطاب و ابدال و اوتاد جو اولیاء میں سے ہیں اور کمالات ولایت کی جانب ان میں غالب ہے کے مقام کی تربیت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امداد و اعانت کے سپرد ہے۔ قطب الاقطاب یعنی قطب مدار کا سر آپ (حضرت علی) رضی اللہ عنہ کے قدم کے نیچے ہے۔ قطب مدار انہی کی حمایت و رعایت سے اپنے ضروری امور کو سرانجام کرتا اور مداریت سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اس مقام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہیں'' (مکتوب ۲۵۱، دفتر اول)

(۱۴) آپ علیہ الرحمۃ نے کرامات اولیاء کے بارے میں فرمایا:

''اور وہ اولیاء جو صاحب علم و کشف ہیں ان کے لیے جائز ہے کہ اپنے بعض خوارق پر ان کو اطلاع دے دیں، بلکہ ان کی مثالی صورتوں کو متعدد مکانوں میں ظاہر کریں اور دور دراز جگہوں میں ان صورتوں سے ایسے عجیب و غریب کام ظہور میں لائیں جن کی ان صورتوں والے

[illegible] کو ہرگز اطلاع نہ ہو۔

از [illegible] ما [illegible] و [illegible] شما [illegible] بہانہ [illegible] ساختہ اند

یعنی کام وہ خود کرتے ہیں، ہمیں اور آپ کو ایک بہانہ بنا دیا ہے۔

حضرت مخدوم خواجہ باقی باللہ قدس سرہم فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کا کہنا تھا کہ عجیب کاروبار ہے کہ لوگ اطراف و جوانب سے آتے ہیں، بعض کہتے ہیں ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا اور موسم حج میں حاضر پایا ہے اور ہم نے آپ سے مل کر حج کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے تو آپ کو بغداد میں دیکھا ہے اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں، اور میں اپنے گھر سے ہرگز باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے'' (دفتر اول، مکتوب ۲۱۶)

(۱۵) اے میرے مخدوم ارواح کا ایسے کام سرانجام دینا جو جسم کے کاموں کے مناسب ہے یہ کام کرنے والے بدن کے واسطہ سے ہے (جیسے بدن کا کام کرنا روح کے واسطہ سے ہوتا ہے، یعنی روح سے بدن کو قوت ملتی ہے، اسی طرح بدن سے روح کو قوت ملتی ہے) اسی قبیلے سے ہے اکابر اولیاء کی ارواح سے ایسے امدادی کاموں کا ظہور جو اجسام کے کاموں کے مناسب ہے، مثلاً دشمنوں کا ہلاک کرنا اور دوستوں کا مدد کرنا مختلف طریقوں اور عجیب و غریب اندازوں''
(دفتر اول، مکتوب ۲۳۹)

(نوٹ: مزید اس موضوع پر ملاحظہ ہو مکتوب ۲۸، دفتر دوم، نیز مکتوب ۵۸، دفتر دوم)

(۱۶) آپ علیہ الرحمۃ نے وجوب ایمان کے لیے دعوت انبیاء کو لازم قرار دیا، بغیر دعوت و تبلیغ و تائید نبی کے عقل کو ادراک حق سے قاصر و ناقص ٹھہرایا۔ بنا بریں آپ نے اس شخص پر جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر بغیر کسی دعوت پہنچنے کے مر جائے وجوب ایمان کا قول نہ فرمایا اور ایسے شخص کو نہ جنتی فرمایا نہ دوزخی، بلکہ فرمایا کہ بروز قیامت اس سے حساب لے کر اس کو معدوم و بے نشان کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں نے اپنی

رائے کو انبیاء کرام علیہم التسلیمات میں پیش کیا تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اس رائے کو بہت پسند فرمایا۔

آپ علیہ الرحمۃ کے اس قول کی تشریح مکتوب ۲۵۹، دفتر اول میں ملاحظہ کریں۔

نشان وحدت ملت اسلامیہ در اعمال بدنیہ

حضرت امام ربانی قدس سرہم العزیز نے جیسے عقائد میں بعینہ شریعت کی موافقت کی، اور ایک بال کی چوٹی کے برابر بھی خلاف شریعت کو پسند نہ کیا، اسی طرح آپ علیہ الرحمۃ نے اعمال بدنیہ میں بھی خوب شریعت کی موافقت کی، اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحت تاکید کی یہاں تک کہ بعض وہ کام جن کو دیگر علماء کرام علیہم الرحمۃ نے بدعت حسنہ سے تعبیر کیا آپ نے ان کو بھی حسنہ کہنے سے گریز کیا، جیسے آپ نے کامل تابع کی تعریف میں فرمایا کہ وہ ایسا شخص ہے جو اتباع کے ساتوں درجات کو کما حقہ' سمیٹ لے، آپ علیہ الرحمۃ نے ایسا ہی کیا، یہ حال آپ کا کمال اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلائے گا جو آپ کی فضیلت و عظمت کے لیے روشن دلیل و برہان بین ہے جزاهم الله تعالىٰ خير الجزاء كثيرا وزادهم منزلة وحرمة وعظمة ومقاما۔

بندہ اس موضوع پر ذیل میں آپ کی کمال موافقت شریعت کے احوال و عبارات مکتوبات شریفہ پیش خدمت کرے گا۔ وعلى الله تعالىٰ التكلان۔

> (۴) "میں کہتا ہوں کہ شریعت ہی اس کام کا اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے، درخت جس قدر بلند اور سرفراز ہوتا جائے اور دیوار جس قدر بلند ہوتی جائے اور اس پر بلند مکان بنتے جائیں اصل و بنیاد سے مستغنی نہیں ہوتے اور ذاتی احتیاج ان سے زائل نہیں ہوتی، مثلاً خانہ بلند خواہ کس قدر اونچا ہو جائے اور پستی سے بہت دور تک بلند ہو جائے نیچے کے گھر کے سوا اس کا چارہ نہیں اور نیچے کے گھر کے سوا اس کی احتیاج دور نہیں ہوتی، اگر بالفرض نچلے گھر میں کسی قسم کا خلل پڑ جائے تو اوپر کے خانہ میں بھی وہ خلل اثر کرے گا اور نچلے گھر کا زوال اوپر کے گھر کو زائل کر دے گا۔ پس شریعت ہر وقت اور ہر حال

میں درکار ہے، اور ہر شخص اس کے احکام بجالانے کا محتاج ہے''
(مکتوب ۵۰، دفتر دوم)

(۲) ''کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہ پوچھیں گے جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے حکم بجالانے پر منحصر ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو تمام مخلوقات میں سے بہتر ہیں شرائع کی طرف دعوت کی ہے اور اپنی تمام زندگی میں اسی پر رہے ہیں اور ان بزرگواروں کی پیدائش سے مقصود ہی احکام شریعت کا لوگوں تک پہنچانا ہے۔ پس سب سے بڑی بھاری نیکی یہی ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اس سے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کی جائے خاص کر ایسے زمانے میں جبکہ اسلام کے نشان بالکل مٹ گئے ہوں۔ کروڑ ہا روپیہ خدا کے رستے میں خرچ کرنا اس کے برابر نہیں کہ شرعی مسائل میں سے ایک مسئلے کو رواج دیا جائے کیونکہ اس فعل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء ہے۔ جو بزرگ ترین مخلوقات ہیں۔ اور اس فعل میں ان بزرگواروں کے ساتھ شریک ہونا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ سب سے بڑھ کر نیکیاں انہی لوگوں کو عطا ہوئی ہیں اور کروڑ ہا روپیہ تو ان بزرگواروں کے سوا اوروں کو بھی میسر ہے اور نیز شریعت کو بجالانے میں نفس کی کمال مخالفت ہے کیونکہ شریعت نفس کے برخلاف وارد ہوئی ہے اور مالوں کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس بھی موافقت کر لیتا ہے۔ ہاں ان مالوں کے خرچ کرنے میں جو شریعت کی تائید اور مذہب کی ترویج کے لیے ہوں بہت درجہ ہے اور اس نیت پر ایک جیتل کا خرچ کرنا کسی دوسری نیت سے کئی لاکھ خرچ کرنے سے بہتر ہے'' (دفتر اول، مکتوب ۴۸)

(۳) ''بزرگی سنت کی تابعداری پر وابستہ اور زیادتی شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے۔ مثلاً دوپہر کا سونا، جو اس تابعداری کے باعث واقع ہو۔ کروڑ ہا کروڑ شب بیداریوں سے جو اس تابعداری کے موافق نہ ہو اولیٰ و افضل ہے اور ایسے ہی عید فطر کے دن کا کھانا، جس کا شریعت نے حکم کیا ہے، خلاف شریعت دائمی روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ شارع علیہ السلام کے حکم جیتل کا دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے بزرگ تر ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن صبح کی نماز باجماعت ادا کر کے یاروں میں نگاہ کی، ان میں ایک آدمی کو موجود نہ پایا۔ اس کا سبب پوچھا، یاروں نے عرض کی کہ وہ شخص تمام رات جاگتا رہتا ہے شاید اس وقت سو گیا ہوگا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ اگر وہ تمام رات سویا رہتا اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتا تو اس کے لیے بہتر تھا۔

گمراہ لوگوں یعنی ہنود نے بہت ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں لیکن جب شریعت کے موافق نہیں ہیں سب بے اعتبار اور خوار ہیں۔ اور اگر ان سخت اعمال پر کچھ اجر ثابت ہو بھی جائے تو کسی دنیاوی نفع پر ہی منحصر ہے اور تمام دنیا کیا ہے تاکہ اس کے نفع کا اعتبار کیا جائے۔ ان کی مثال خاکروبوں کی طرح ہے کہ کام سب سے زیادہ اور مزدوری سب سے کم ہے اور شریعت کے تابعداروں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو قیمتی جواہر میں عمدہ عمدہ الماس جڑتے ہیں کہ ان کا کام بہت تھوڑا اور مزدوری بہت زیادہ ہے۔ ایک گھڑی کام کی مزدوری لاکھ سال کے برابر ہو سکتی ہے۔ اس میں بھید یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق کیا جائے وہ خدائے تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کے برخلاف

نا پسند۔ پس ناپسندیدہ فعل میں ثواب کی کیا امید ہے بلکہ وہاں تو عذاب کی توقع ہے۔ یہ بات عالم مجاز میں بخوبی واضح ہے تھوڑی سی التفات سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

(ترجمہ)

علتی جو کچھ کرے علت ہی ہے،
کفر گر کامل کرے ملت ہی ہے"

(دفتر اول، مکتوب ۱۱۴)

(۴) "سچے اور جھوٹے کے درمیان شریعت کی استقامت اور عدم استقامت سے فرق ظاہر ہو سکتا ہے یعنی جو سچا ہے وہ باوجود سکر و مستی کے اور بدتمیزی کے بال بھر بھی شریعت کے برخلاف نہیں کرتا۔ منصور باوجود قول "انا الحق" کے قید خانہ میں زنجیروں کے ساتھ جکڑا ہوا ہر رات پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا اور وہ کھانا جو اس کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ وجہ حلال سے ہوتا تھا نہ کھاتا تھا۔ اور جو شخص جھوٹا ہے اس پر احکام شریعہ کا بجالانا کوہ قاف کی طرح بھاری ہوتا ہے۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَاتَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ (مشرکوں پر وہ امر بہت بھاری ہے جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں)"

(دفتر دوم، مکتوب ۹۵)

(۵) "تمام کشفی علوم ظاہر شریعت کے موافق ہوئے۔ ظاہر شریعت سے سر مو مخالفت نہ دیکھی، اور یہ جو بعض صوفیہ کشفوں کو ظاہر شریعت کے مخالف بیان کرتے ہیں یا سہو سے ہے یا سکر کی وجہ سے، باطن ظاہر کے کچھ مخالف نہیں ہے۔ اثنائے راہ میں سالک کو مخالفت نظر آتی ہے

اور توجیہ وجمع کی طرف محتاج ہوتا ہے۔ لیکن منتہی حقیقی باطن کو ظاہر شریعت کے موافق معلوم کرتا ہے"

(دفتر اول، مکتوب ۱۳)

(۶) "علوم لدنی کے درست اور صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرع کے صریح مطابق ہوں اگر بال بھر بھی تجاوز ہو تو وہ سکر سے ہے۔ اور حق وہی ہے جو علماء اہل سنت و جماعت نے تحقیق کیا ہے۔ اس کے سوا زندقہ یا الحاد و سکر وقت یا غلبہ ء حال ہے"

(دفتر اول، مکتوب ۳۰)

(۷) "انھوں نے (یعنی اکابر نقشبندیہ علیہم الرحمۃ نے) احوال و مواجید کو احکام شرعی کے تابع کہا ہے، اور ذوق و معارف علوم شرعیہ کے خادم سمجھتے ہیں" (دفتر اول، مکتوب ۱۳۱)

(۸) "صوفیہ کرام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجالانے میں سستی کرتے ہیں اور چلہ و ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے"

(فتر اول، مکتوب ۲۶۰)

(۹) "وہ احوال و مواجید جو غیر شرع اسباب پر مترتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں، کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال واذواق حاصل ہوتے ہیں" (دفتر اول، مکتوب ۲۶۶)

(۱۰) "باوجود شریعت کی مخالفت کے اگرچہ بال کی چوٹی کے برابر ہی ہو اگر بالفرض احوال و مواجید حاصل ہو جائیں وہ سب استدراج میں داخل ہیں" (دفتر اول، مکتوب ۷۸)

آپ علیہ الرحمۃ نے بدعت کے خلاف جو کلمات بیان فرمائے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱۱) ''عاجزی وزاری اور التجا ومحتاجی اور ذلت وخواری کے ساتھ پوشیدہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتا ہے کہ جو کچھ اس دین میں محدث اور مبتدع پیدا ہوا ہے جو خیر البشر اور خلفائے راشدین علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہ تھا اگر وہ روشنی میں صبح کی سفیدی کی مانند ہو۔ اس ضعیف کو ان لوگوں کے ساتھ جو اس بدعت سے منسوب ہیں اس محدث کے عمل میں گرفتار نہ کرے اور مبتدع کے حسن پر فریفتہ نہ کرے۔ بحرمت سید المختار وآلہ الابرار علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

علماء نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے حسنہ اور سیۂ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت اور خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ہوا اور وہ سنت کو رفع نہ کرے اور بدعت سیۂ وہ ہے جو سنت کو رافع ہو۔

یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت وکدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگرچہ آج مبتدع کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوت وتازگی میں دیکھتے ہیں لیکن کل جب بصیرت تیز ہوگی تو دیکھ لیں گے کہ اس کا نتیجہ خسارت وندامت کے سوا کچھ نہ تھا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور
بوقت صبح ہوجائے گا روشن روز کی مانند
کہ تو نے کس کے عشق میں گزاری رات ہے ساری

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد'' جس نے ہمارے امر

میں ایسی نئی چیز پیدا کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ بھلا جو چیز مردود ہو وہ حسن کہاں پیدا کر سکتی ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللّٰه وخیر الهدی هدی محمد وشر الامور محدثا تها وکل بدعة ضلالة'' اس کے بعد واضح ہوا کہ اچھی کتاب کلام اللہ ہے اور بہتر رستہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ہے اور تمام امور سے بدتر محدثات ہیں اور ہر ایک بدعت ضلالت ہے۔

اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''اوصیکم بتقوی الله والسمع والطاعة وان کان عبدا حبشیا فانه من یعش منکم بعدی فسیر ی اختلافا کثیرا منکم بسنتی ونت خلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها واجد ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة'' میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور اس کے حکموں کو مانو اور اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام ہو کیونکہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تمہیں لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کے ساتھ پنجہ مارو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو اور نئے پیدا ہوئے کاموں سے بچو۔ کیونکہ ہر نیا امر بدعت ہے اور بدعت گمراہی۔ پس جب ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی ہوئے۔ نیز جو کچھ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے وہ یہ کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں۔ پس ہر بدعت سیئہ ہے۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ’’**ما احدث قوم بدعة الارفع مثلها من السنة فتمسک بسنة خير من الحداث بدعة**‘‘ جب کوئی قوم بدعت کو پیدا کرتی ہے تو اس جیسی ایک سنت اٹھائی جاتی ہے۔ پس سنت سے پنجہ مارنا بدعت کے پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

اور حضرت حسان سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ **ما ابتدع قوم بدعة فی دينهم الا ترفع اللّٰه من سنتهم مثلها ثم لا يعيدها الی يوم القيمة**‘‘ کسی قوم نے دین میں بدعت کو جاری نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس جیسی ایک سنت کو ان میں سے اٹھالیا پھر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس سنت کو ان کی طرف نہیں پھیرتا۔

جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء ومشائخ نے سنت سمجھا ہے جب ان میں اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سنت کو رفع کرنے والی ہے۔ مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہی بدعت رافع سنت ہے کیونکہ عدد مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے۔ اور ایسے ہی مشائخ نے شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے حالانکہ سنت شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافع سنت ہے۔ اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود ارادہ دلی کے زبان سے بھی نیت کہنی چاہیے حالانکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی اصحاب کرام اور تابعین عظام سے کہ انھوں نے زبان سے نیت کی ہو۔ بلکہ جب اقامت کہتے تھے فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور

اس بدعت کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے اور فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت رفع سنت کے بجائے فرض کو بھی رفع کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی تجویز میں اکثر لوگ زبان ہی پر کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ نہیں کرتے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ تمام مبتدعات و محدثات کا یہی حال ہے کیونکہ وہ سنت پر زیادتی ہیں۔ خواہ کسی طرح کی ہوں زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع ہے۔

پس آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر کمر بستہ رہیں۔ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء پر کفایت کریں۔ کیونکہ وہ ستاروں کی مانند ہیں جن کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے، لیکن قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتے ہیں۔ کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے۔ پس داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ **والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات** اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا"

(دفتر اول: مکتوب ۱۸۶)

(۱۲) "نیز آپ نے پوچھا کہ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے حالانکہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور چیزوں سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہ تھیں مثل لباس، فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے۔

میرے مخدوم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے، ایک عبادت کے طریق پر اور دوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو

عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت مکروہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے اور اس کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر۔ کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ البتہ عادی سنت کو مدنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے''

(دفتر اول: مکتوب ۲۳۱)

(۱۳) ''**الحمد لله على عباده الذين اصطفى** اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو حافظ بہاء الدین کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ یہ کس قدر بڑی بھاری نعمت ہے کہ محبّ مخلص ہمہ تن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں کسی سنت کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں اور مکروہ اور نامرضیہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کے دور کرنے کے خواہاں ہوں۔ سنت و بدعت دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا وجود دوسرے کے نقض و نفی کو مستلزم ہے۔ پس ایک کا زندہ کرنا دوسرے کو مارنے کا مستلزم ہے۔ یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کے مارنے کا موجب ہے اور بالعکس۔

پس بدعت خواہ اس کو حسنہ کہیں یا سیئہ، رفع سنت کو مستلزم ہے۔ شاید حسن نسبی اضافی کا کیا اعتبار ہوگا کیونکہ حسن مطلق وہاں گنجائش نہیں رکھتا۔ کیونکہ تمام سنتیں حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں۔ اور ان کے اضداد یعنی بدعتیں شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج یہ بات

بدعت کے پھیل جانے کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہے لیکن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا یہ لوگ۔

منقول ہے کہ حضرت مہدی اپنی سلطنت کے زمانہ میں جب دین کو رواج دیں گے اور سنت کو زندہ فرمائیں گے تو مدینہ کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنے کو اپنی عادت بنائی ہو گی اور اسی کو حسن خیال کر کے دین کے ساتھ ملا لیا ہو گا، تعجب سے کہے گا کہ اس شخص نے ہمارے دین کو دور کر دیا ہے اور ہمارے مذہب و ملت کو مار دیا اور خراب کر دیا۔ حضرت مہدی اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے اور اس کے حسنہ کو سیئہ خیال فرمائیں گے۔ **ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم**۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

والسلام علیکم وعلی سائر من لدیکم اور آپ پر اور ان سب پر جو آپ کے پاس ہیں سلام ہو"

(دفتر اول: مکتوب ۲۵۵)

(۱۴) "بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگ ان تبدیلات کو اس طریقہ کی تکمیلات خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس کی تتمیم و تکمیل ہر بے سر انجام کا کام نہیں ہے اور الحاق و اختراع ہر بے سر و سامان کے لائق نہیں۔

ہزار نکتہء باریک تر زمو ایں جا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
بال سے باریک یاں لاکھوں ہیں راز
سر منڈانے سے نہیں بنتے قلندر

سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے نور کو بدعتوں کے

اندھیروں نے پوشیدہ کردیا ہے اور ملت مصطفویہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی رونق کو امور محدثہ کی کدورتوں نے ضائع کردیا ہے۔ پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات کو امور مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کو بجالانے میں ترغیبیں دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل اور نعمت تمام ہو چکا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' آج میں نے تمہارے دین کو کامل کردیا۔ اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کردیا اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔

پس ان محدثات سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیت کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسید
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است
غم دل اس لیے تھوڑا کہا ہے تجھ سے اے دلبر
کہ آزردہ نہ ہوجائے بہت سن سن کے دل تیرا

علمائے مجتہدین نے دین کو ظاہر کیا ہے اور از سر نو کسی ایسے امر کو ظاہر نہیں کیا جو دین میں سے نہیں ہے۔ پس احکام اجتہادیہ امور محدثہ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ اصول دین میں سے ہیں کیونکہ اصل چہارم یہی قیاس ہے'' (دفتر اول: مکتوب ۲۶۰)

(۱۵)''الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی

(اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے۔ وہ یہی ہے سنت سنیہ کی تابعداری کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے بچیں۔ اسلام دن بدن غربت پیدا کرتا جاتا ہے اور مسلمان غریب ہوتے جاتے ہیں اور جوں جوں مرتے جائیں گے، زیادہ تر غریب ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ **وتقوم القیامة علی شرار الناس** اور قیامت برے لوگوں پر قایم ہوگی۔ سعادت مند وہ شخص ہے جو اس غربت میں متروکہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مستعملہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو مارے اور اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پرتو ڈالا ہے۔ سنت عہد نبوت سے بُعد کے باعث پوشیدہ ہوگئی ہے اور بدعت جھوٹ کے ظاہر ہونے کے باعث جلوہ گر ہوگئی ہے۔ اب ایک ایسے بہادر جوان مرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا باعث ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے۔ **من وقر صاحب البدعة فقد اعان علیٰ هذه الاسلام** (جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد دی) آپ نے سنا ہوگا پورے ارادہ اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے۔ خصوصاً ان دنوں میں کہ اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کی رسمیں جبھی قایم رہ سکتی ہیں جبکہ سنت کو جاری کیا جائے اور بدعت کو دور کیا جائے۔ گزشتہ لوگوں نے

شاید بدعت میں کوئی حسن دیکھا ہوگا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافق نہیں ہے۔ اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا۔ بلکہ سوائے ظلمت اور کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کل بدعة ضلالة" ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔

اسلام اس کے ضعف وغربت کے زمانہ میں کہ سلامتی سنت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ ہر بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے، اور سنت کو چمکنے والے ستارے کی طرح دیکھتا ہے۔ جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے۔ حق تعالیٰ علماء وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں۔ اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں۔ خواہ وہ بدعت ان کی نظر میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے۔

گزشتہ زمانہ میں چونکہ اسلام قوی تھا، اس لیے بدعت کے ظلمات کو اٹھا سکتا تھا اور ہوسکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نور اسلام کی چمک میں نورانی معلوم ہوتے ہوں گے اور حسن کا حکم پالیتے ہوں گے۔ اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہ تھی مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے، بدعتوں کے ظلمات کو نہیں اٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین ومتاخرین کا فتویٰ جاری نہ کرنا چاہیے کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں۔ اس وقت تمام جہان بدعتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آرہا ہے اور سنت کا نور بسبب

غربت اور ندرت کے اس دریائے ظلمانی میں کرم شب افروز یعنی جگنو کی طرح محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کرتا جاتا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کو کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کے باعث ہے۔

اب اختیار ہے کہ کوئی خواہ بدعتوں کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنت کا نور بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کا گروہ۔ **الا ان حزب اللّٰہ هم المفلحون الا ان حزب الشیطن هم الخاسرون**۔ خبردار اللہ تعالیٰ کا گروہ خلاصی یافتہ ہے اور شیطان کا گروہ خسارہ پانے والا ہے۔

صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کی کثرت کا ملاحظہ کریں تو چاہیے کہ سنت کے ماسوا میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کا بہانہ کر کے امور مخترعہ پر عمل نہ کریں۔ اتباع سنت بے شک نجات دینے والی اور خیرات و برکات بخشنے والی ہے اور غیر سنت میں خطر در خطر ہیں۔ **وما علی الرسول الا البلاغ** قاصد پر حکم پہنچا دینا ہے۔

ہمارے پیروں کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے اپنے تابعداروں کو امور مبتدعہ کے بجالانے کی ہدایت نہ کی اور اپنی تقلید سے ہلاک کرنے والے اندھیروں میں نہ ڈالا اور سنت کی متابعت کے سوا کوئی راستہ نہ بتایا اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہ فرمائی۔ اس واسطے ان بزرگواروں کا کارخانہ بلند ہو گیا اور ان کے وصول کا ایوان سب سے اعلیٰ بن گیا''

(دفتر دوم: مکتوب ۲۳)

(۱۶)''سب سے اعلیٰ نصیحت جو دوستان سعادت مند کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے بچیں۔ جو شخص سنتوں میں سے کسی سنت کو جو متروک العمل ہو چکی ہو زندہ کرلے تو اس کے لیے سو شہید کا ثواب ہے تو پھر معلوم کرنا چاہیے کہ جب کوئی فرض یا واجب کو زندہ کرے گا تو اس کو کس قدر ثواب ملے گا۔ نماز میں ارکان کا تعدیل کرنا جو اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک فرض ہے بعض علماء حنفیہ کے نزدیک سنت۔ اکثر لوگوں نے اس امر کو ترک کیا ہوا ہے اس ایک عمل کا زندہ کرنا سو شہید فی سبیل اللہ کے ثواب سے زیادہ ہوگا۔ باقی احکام شرعیہ یعنی حلال وحرام ومکروہ کا بھی یہی حال ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص کے نیک عمل پیغمبر کے نیک عملوں کی طرح ہوں اور اس پر نیم دانگ جتنا کسی کا حق باقی رہا ہو تو اس شخص کو بہشت میں نہ لے جائیں گے جب تک اس نیم دانگ کو ادا نہیں کرے گا''

(دفتر دوم: مکتوب ۸۷)

(۱۷)''صرف کلاہ اور دامنی اور شجرہ جو معروف ہوگیا ہے پیری ومریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور رسم و عادت بیں داخل ہے وہاں اگر شیخ کامل مکمل سے کوئی کپڑا تبرک کے طور پر تجھے ہاتھ لگے اور اعتقاد واخلاص کے ساتھ تو اسے پہن کر زندگی بسر کرنی چاہیے تو اس صورت میں بے شمار فائدوں اور ثمروں کے حاصل ہونے کا قوی احتمال ہے''(دفتر اول: مکتوب ۱۹۰)

(۱۸)''ہاں اس طریقہ علیہ کے بعض متاخرین خلفاء نے اس طریق میں بھی نئی نئی باتیں نکالی ہیں اور ان بزرگواروں کے اصل راستہ کو

ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ ان کے بعض مریدوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ان نئی نئی باتوں نے اس طریقہ کو کامل کردیا ہے ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے۔ كبرت كلمة تخرج من افواههم۔ منہ چھوٹا اور بڑی بات ہے۔ بلکہ انھوں نے اس کے خراب اور ضائع کرنے میں کوشش کی ہے۔

افسوس ہزار افسوس کہ جن بدعتوں کا دوسرے سلسلوں میں نام ونشان تک پایا نہیں جاتا وہ اس طریقہ علیہ میں پیدا کردی ہیں۔ نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور گردونواح سے اس وقت لوگ تہجد کے واسطے جمع ہوجاتے ہیں اور بڑی جمعیت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمہ۔

بعض فقہاء نے جن کے نزدیک تداعی (ایک دوسرے کو بلانا) کراہت کی شرط ہے۔ اور نفل کی جماعت کو مسجد کے کونے میں جائز قرار دیا ہے۔ تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے۔

اور نیز نماز تہجد کو اس وجہ سے تیرہ رکعت جانتے ہیں جن میں سے بارہ رکعت کو کھڑے ہوکر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت کو بیٹھ کر تاکہ ایک رکعت کا حکم پیدا کرے اور ان سے مل کر تیرہ ہوجائیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ہمارے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کبھی تیرہ رکعت ادا کیے ہیں اور کبھی گیارہ رکعت اور کبھی نو اور کبھی سات۔ تو اس میں نماز تہجد کے ساتھ وتر نے مل کر فردیت کا حکم پیدا کیا ہے نہ یہ کہ بیٹھ کر دو رکعت ادا کرنے کو کھڑا ہوکر ایک رکعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس قسم کے علم وعمل کا باعث سنت سنیہ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عدم

اتباع ہے“ (دفتر اول: مکتوب ۱۳۱)

(۱۹) ”پس فنا و بقا، جذبہ اور سلوک کی عبارت محدث اور مشائخ کی مخترعات سے ہوگی، مولوی جامی علیہ الرحمۃ نفحات میں لکھتے ہیں کہ اول جس شخص نے فنا و بقا کا دم مارا ہے حضرت ابو سعید خراز قدس سرہ ہیں“ (دفتر اول: مکتوب ۳۱۳)

(۲۰) ”خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں لیکن اہل سنت کا شعار تو ضرور ہے۔ عمداً اور ہیکڑپن کے سوا اس شخص کے کہ جس کا دل مریض اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص اس کو ترک نہیں کرتا۔ ہم نے مانا کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا مگر من تشبہ بقوم فھو منھم (جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ وانہی میں سے ہے) کا کیا جواب دے گا، اور اتقوا مواضع التھم (تہمت کی جگہوں سے بچو) کے موافق تہمت کے ظن سے کس طرح خلاصی پائے گا۔ اگر شیخین کی تقدیم و تفضیل میں متوقف ہے تو طریق اہل سنت کے مخالف ہے اور اگر حضرت ختنین کی محبت میں متردد ہے تو بھی اہل حق سے خارج ہے۔ عجب نہیں کہ وہ بے حقیقت جو کشمیریہ کی طرف منسوب ہے۔ اس خبث کو کشمیر کے بدعتیوں یعنی رافضیوں سے لے کر آیا ہو۔ اس کو سمجھانا چاہیے کہ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو بزرگ اماموں کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے“ (دفتر دوم: مکتوب ۱۵)

نوٹ:

فقیر نے حضرت امام ربانی قدس سرہم العزیز کے مکتوبات کی وہ عبارتیں پیش کی ہیں جس میں آپ نے بدعت و رسم و رواج کے خلاف ارشادات فرمائے نیز وہ عبارتیں بھی درج کیں جن میں بعض چیزوں کو اگرچہ بدعت مانا ہے مگر آپ نے بذات خود بھی ان کو اختیار فرمایا ہے جیسے لفظ فنا و بقا و جذبہ و سلوک وغیرہ جو

اہل اللہ کے نئے ایجادات ہیں مگر بلا توقف مقبول ومختار ہیں۔ نیز آخری پیرایہ کی عبارت میں آپ نے خطبہ میں ذکر خلفاء راشدین کو نہ صرف جائز کہا بلکہ اس کی خوب تاکید فرمائی۔ تذکرہ نہ کرنے والے خطیب کو دل کا مریض وباطن پلید کی نسبت دی۔ اب ذیل میں بندہ امام ربانی علیہ الرحمۃ کے علماء ومشائخ سے بدعت کے بارے میں اختلاف رائے کی توجیہ وحقیقت حال پیش خدمت کرتا ہے۔

السوال:

حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ عموماً علماء ومحققین کی موافقت پر بہت زور دیتے ہیں، اور وہ الہام والقاء جو علماء کاملین کے اقوال کے خلاف ہوں ان کو رد کرتے ہیں، لیکن اس جگہ مسئلہ بدعت میں آپ علیہ الرحمۃ علماء وفقہاء کرام کی موافقت کیوں نہیں کرتے؟ ردالمحتار شامی، ج۱، ص۵۲۴ اور نووی شرح صحیح مسلم شریف، ج۱، ص۲۸۵ میں ہے کہ بدعت دو قسم ہے حسنہ اور سیئہ۔ آپ علیہ الرحمۃ نے مختلف مکتوبات مبارکہ میں واضح طور پر فرمایا کہ میں کسی بھی بدعت میں کچھ حسن نہیں پاتا۔ سو اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

الجواب بعون اللہ الوہاب:

جاننا چاہیے کہ آپ علیہ الرحمۃ کا یہ قول مبارک اپنے حال وکمال کی وجہ سے ہے۔ چونکہ آپ متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام درجات سے بدرجۂ کمال بہرہ ور ہیں، لہٰذا آپ نے اپنے اعلیٰ علم، عمل، اخلاص، استعداد وحقیقت بینی کی وجہ سے حسن وکمال صرف سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پائے ہیں۔ باقی دیگر علماء وفقہا نے اپنے زمانے میں حال کے موافق لوگوں کو اس قابل نہ سمجھا کہ وہ اصل طریق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چل کر انوار الٰہی وقرب مولیٰ تعالیٰ یا کم از کم دیگر ضروریات شرع پر عمل کر سکیں۔ لہٰذا انھوں نے لوگوں کے ضعف وکمزوری کو دیکھ کر حالات زمانہ کی وجہ سے لوگوں کے قلوب سیاہ وکثیف ہو چکے ہیں۔ ذکر خفی سے گویا ان کو جوں بھی نہیں رینگتی۔ جتنا ذکر خفی میں کوشش کریں ان کو کچھ فائدہ محسوس نہیں ہوتا۔ بنا بر مجبوری ان کے لیے ذکر جہر کو اختیار کرنا ناگزیر ہوگا تا کہ کچھ نہ کچھ

> فائدہ ہو، ایسی صورت میں ان کے لیے ذکر جہر کو بدعت حسنہ کہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فی نفسہ اس طرز میں کوئی حسن نہیں۔
>
> خلاصہ یہ کہ آپ علیہ الرحمۃ نے اپنے کمال کی وجہ سے حقیقت سے نظر دور نہ فرمائی اور اصلی حکم پر زور دیا۔ اور آپ کا الہام کالقمر التام آپ کا موید بالاستحکام ہوا۔ پس آپ کا اختلاف آپ کے کمال واعلیٰ مقام کی دلیل ہوئی۔ جو لوگ ملت اسلامیہ کے خدمتگار، یار وانصار بالخصوص نشان وحدت ہوتے ہیں ان کا شعار یہی کردار اور ایسا گفتار ہوتا ہے۔ **جزاهم الله عنا ربهم الغفار الستار۔ آمین**

درج بالا تحریرات وگزارشات سے بخوبی واضح ہوا کہ حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ قدس سرہم العزیز متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت زیادہ کامل، امت کو ملت اسلامیہ میں جمع ومتحد ہونے کے داعی تام، بذات خود یگانۂ روزگار اور حقیقۃً نشان وحدت ملت اسلامیہ تھے۔

نشان وحدت در صفات حسنہ:

جاننا چاہیے کہ صفات حسنہ کے اصول درج ذیل صفات ہیں۔ اخلاص واصلاح نیت، کمال تواضع، رفق وحیاء، صبر وتحمل، توکل ویقین، رضا بر قدر۔ یہ صفات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اور آپ نے ان صفات سے متصف ہونے کی خوب تعلیم وتربیت فرمائی ہے۔ گویا ملت اسلامیہ کے اس درجہ میں بھی آپ یگانۂ روزگار اور داعی امت تھے۔ آپ نے اس درجہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب متابعت کی حتیٰ کہ متابعت کا ایک دقیقہ تک نہ چھوڑا۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ ایک بزرگ کا فرزند فوت ہوا تو وہ تقدیر الٰہی پر راضی رہنے کی وجہ سے خوشی کا مظاہرہ کیا۔ اور ذرہ برابر دکھ کا مظاہرہ نہ کیا۔ آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ اس صورت میں کمال یہ ہے کہ آنکھوں سے آنسو آئیں، دل محزون ہو اور زبان سے خلاف شرع کوئی لفظ نہ نکلے جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت مبارک ایسی تھی۔

بندہ ذیل میں امام ربانی علیہ الرحمۃ کے اوصاف حسنہ کے متعلق مکتوبات شریفہ میں سے چند رشحات

پیش قلم کرتا ہے تا کہ اس عنوان میں بھی آپ کا کمال عیاں ونمایاں ہو۔

(۱) اخلاص:

> سلوک کی منزلیں طے کرنے اور جذبہ کے مقامات کو قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس سیر وسلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو آفاقی اور انفسی معبودوں کے فنا کرنے پر منحصر ہے اور یہ اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے کیونکہ شریعت کے تین جزو ہیں علم، عمل اور اخلاص۔ پس طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل کے لیے شریعت کے خادم ہیں۔
>
> (دفتر اول: مکتوب ۴۰)

نوٹ: درج ذیل مکتوبات میں بھی اخلاص کا ذکر ہے۔ دفتر اول، مکتوب ۳۵، ۳۶، ۵۹

(۲) تواضع:

> فقیر اپنے آپ کو اس بڑھیا کی طرح خیال کرتا ہے جو اپنا تھوڑا سا سوت لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں شامل ہوگئی تھی۔ (دفتر اول: مکتوب ۲۶۶)

نوٹ:

آپ علیہ الرحمۃ نے اپنے شیخ گرامی قدس سرہم کے صاحبزادوں کی طرف خط لکھتے ہوئے اپنی عاجزی درج ذیل کلمات سے پیش کی۔

> (۳) ''اگر در مدت عمر سر خود را پائمال اقدام خدمت عتبہ علیہ شما کردہ باشد ہیچ نہ کردہ باشد
>
> اگر تمام عمر کے لیے اپنے سر کو جناب کی بلند درگاہ کے خادموں کے پاؤں کے نیچے پائمال کرتا رہے تو بھی کچھ حق ادا نہیں کرسکے گا''
>
> (دفتر اول: مکتوب ۲۶۶)

(۴) ''معرفت خدائے عزوجل بر آنکس حرام است کہ خود از کافر فرنگ بہتر داند۔

اللہ تعالیٰ عزوجل کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو فرنگی کافر سے اچھا سمجھے'' (دفتر اول، مکتوب ۲۶۱)

''شغل اول کا حاصل اعمال صالحہ کے بجالانے سے عجب و تکبر کا حاصل ہونا ہے یہ ایسا زہر قاتل اور مرض مہلک ہے جو عمل صالحہ کو نیست و نابود کر دیتا ہے جیسے کہ آگ ایندھن کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے۔ عجب و تکبر کا باعث یہ ہے کہ اعمال صالحہ عامل کی نظر میں زیبا و پسندیدہ دکھائی دیتے ہیں۔ **فالمعالجة بالاضداد** (علاج ضد کے ساتھ ہوتا ہے) یعنی اپنی نیکیوں کو متہم یعنی تہمت زدہ معلوم کرے اور نیکیوں کی پوشیدہ قباحتوں کو نظر میں لائے تا کہ اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو کوتاہ جانے بلکہ لعنت اور رد ہونے کے لائق خیال کرے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **رب قال للقران و القران يلعنه وكم من صائم ليس له من صيامه الا الظلماء والجوع** بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے اور بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزہ سے سوائے بھوک پیاس کے ان کو کچھ حاصل نہیں۔

یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ آپ کی نیکیوں میں کوئی برائی نہیں۔ اگر آپ تھوڑی سی توجہ سے بھی کام لیں گے تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی عنایت معلوم ہو جائے گی کہ آپ کی تمام نیکیاں برائیاں ہی برائیاں ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کی حسن و خوبی نہیں۔ پھر عجب و استغنا کہاں بلکہ اپنے اعمال کو قاصر دیکھنا اس قدر غالب آئے گا کہ آپ نیکیوں کو بجالانے سے شرمندہ اور نادم ہوں گے نہ کہ متکبر و مغرور۔ جب اعمال میں دید قصور

پیدا ہو جائے اعمال کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور قبولیت کے لائق ہو جاتے ہیں۔ کوشش کریں کہ یہ دید پیدا ہو جائے تاکہ عُجب و تکبر دور ہو جائے۔ وبدونہ خرط القتاد الا ان یشاء ربی شیئا (ورنہ بے فائدہ رنج ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مشکل نہیں) بعض لوگ جن کو یہ دید قصور کامل طور پر حاصل ہو جاتی ہے ایسا خیال کرتے ہیں کہ دائیں ہاتھ یعنی نیکیوں کا لکھنے والا معطل اور بیکار ہے اور کوئی نیکی نہیں جو اس کے لکھنے کے لائق ہو اور بائیں ہاتھ یعنی برائیوں کا لکھنے والا ہمیشہ اپنے کام میں ہے کیونکہ جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے اس کی نظر میں برا ہی دکھائی دیتا ہے۔ جب عارف کا معاملہ یہاں پہنچ جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہے جو ہوتا ہے"

(دفتر دوم: مکتوب ۵۳)

نوٹ:

تواضع کا بیان درج ذیل مکتوبات شریفہ میں بھی ہے۔ دفتر اول، مکتوب ۲۲۲، دفتر دوم، مکتوب ۲۶، دفتر دوم، مکتوب ۶۱، دفتر اول مکتوب ۹۸

(۶) رفق وحیاء، غصہ پینا، تواضع، اخلاق حسنہ پر مشتمل جامع مکتوب ۹۸، دفتر اول ہے۔

(۷) صبر و تحمل: اس موضوع پر بہت زیادہ مکتوبات ہیں چند مکتوبات کے نمبر درج ذیل ہیں۔ ۲/۱۷، ۱/۶۴، ۳/۷، ۳/۲، ۳/۱۵

(۸) توکل: روز نو و روزینہ نو نقد وقت ماست۔ مکتوب ۶۵، دفتر دوم، توکل کا بیان مکتوب ۲۶۶، دفتر اول

(۹) یقین: مکتوب ۹۷، دفتر اول

(۱۰) رضا و صبر: لذت ایلام محبوب در نظر محب از انعام او زیادتر است۔ مکتوب ۱۵، دفتر سوم

نشان وحدت در احوال باطن:

اللہ تعالیٰ عزوجل نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو جیسے عقائد، اعمال بدنیہ، صفات قلبیہ میں کمال متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائی تھی اسی طرح احوال باطن مثلاً ذکر و ذوق،

جذب وتوجہ، مکاشفہء امور غیبیہ، مشاہدۂ جلوۂ صفات الٰہیہ، فنائیت و بقائیت اور علوم ومعارف میں بھی کمال متابعتِ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائی تھی، بنا بریں آپ اس درجہ میں بھی نشان وحدت ملت اسلامیہ ہوئے۔ بندہ ذیل میں اختصاراً آپ علیہ الرحمۃ کے اس درجہ کے چند کمالات بھی زیر قلم کرتا ہے۔

وعلی اللہ تعالیٰ التکلان وھو المستعان.

(۱) آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا:

> ''اگر فرضاً عمر طالب ہزار سال وفا کند غیر حق سبحانہ در دل او خطور نہ کند، بواسطہء نسیانیکہ اورا از ماسوی حاصل شدہ است، اگر بتکلف و تعمل ماسوا را بیاد او بدہند یاد نہ کند''
>
> اگر طالب بالفرض ہزار سال تک جیے حق تعالیٰ کا غیر اس نسیان کے باعث جو اس کے ماسوا سے حاصل ہو چکا ہے کبھی اس کے دل میں گزرنے نہ پائے، اگر تکلیف وتعمل سے بھی اس کو یاد دلائیں تو یاد نہ کرے۔ (دفتر دوم: مکتوب ۸۳)

(۲) چو غلام آفتابم ہم ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

> یہی وجہ ہے کہ مشائخ نقشبندیہ کے اکابر واقعات کا کچھ اعتبار نہیں کرتے اور سالکین کے واقعات کی تعبیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ بے سود ہے، معتبر وہی ہے جو افاقہ اور بیداری میں حاصل ہو لہٰذا وہ دوام مشہود کا اعتبار کرتے ہیں اور دوائمی حضوری کو اعلیٰ دولت سمجھتے ہیں'' (دفتر دوم: مکتوب ۵۸)

(۳) مکتوب ۲۹۰ دفتر اول میں حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ نے اپنا قلبی حال اول سے آخر تک بہت تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔ آپ کے احوال باطن وروحانی ترقی کے کچھ ایسے راز درج ذیل ہیں:

ذکر اسم ذات، غیبت، نگاہداشت، فنا، فناء فنا، بے شعوری، شہود حق تعالیٰ عزوجل در پردۂ نور، حضور نقشبندیہ، فنائے حقیقی، جمع الجمع،

فرق بعد الجمع، حیرت، معرفت۔ الخ

(۴) آپ علیہ الرحمۃ نے ذکر اسباق سلسلہ و لطائف نقشبندیہ کی تشریح مکتوب ۲۶۰ دفتر اول میں فرمائی ہے۔

> (۵) ''پس بعض صوفیہ جو مظاہر جمیلہ اور عمدہ عمدہ نغموں میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ حسن و جمال حضرت واجب الوجود تعالیٰ کے کمالات سے مستعار ہے جو ان مظاہر میں ظاہر ہوا ہے، اور اس گرفتاری و تعلق کو نیک اور بہتر سمجھتے ہیں بلکہ راہ وصول تصور کرتے ہیں، اس فقیر کے نزدیک اس کے خلاف ثابت اور واضح ہوا ہے''
> (دفتر اول، مکتوب ۲۳۴)
>
> (۶) ''کشف اور الہام کی درستگی کی علامت علماء اہل سنت کے علوم سے موافقت ہے، اگر بال کی چوٹی کے برابر مخالفت ہو تو دائرہ حق وصواب سے خارج ہے'' (دفتر اول: مکتوب ۱۱۲)

(۷) آپ نے حال وحدۃ الوجود کو کمال و اعلیٰ مقام نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ یہ حالت راہ سلوک میں پیدا ہوتی ہے اور کمال یہ ہے کہ اس حالت میں عبور و ترقی ہو اور حالت وحدۃ الشہود پیدا ہو جو بعینہ شریعت وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے۔ (دفتر دوم: مکتوب ۴۲)

نوٹ:

بندہ ذیل میں آپ علیہ الرحمۃ کے مکاشفات کو فہرست کی طرز پر پیش خدمت کرتا ہے، جس کا سمجھنا بہت زیادہ آسان ہوگا اور اس فہرست کا نام ''امام ربانی کے مکاشفات بحوالہ مکتوبات'' رکھتا ہوں۔

۱......	حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اپنا مکاشفہ بیان کیا کہ ایک دعوت طعام میں ظلمت نظر آئی، جب لوگوں نے طعام کی شکایت کی اور اس وجہ سے میزبان کو غم و شکستگی ہوئی اس وجہ سے ظلمت ختم ہو کر نورانیت پیدا ہوگئی۔ مدار کار شکستگی آمد۔	۶۴	۱

۲...... حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے الہامات و معارف کے نزول کے وقت فرشتوں کو دیکھا کہ وہ اس علاقہ سے شیاطین دفع کر رہے تھے۔	۲۳۴	۱
۳...... حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ہندوستان میں تشریف لاتے ہوئے بعض انبیاء کرام کا مشاہدہ فرمایا۔	۲۵۹	۱
۴...... آپ علیہ الرحمۃ نے ہندوستان کے بعض کفار کو دوزخ کے وسط میں مشاہدہ فرمایا۔	۲۵۹	۱
۵...... آپ علیہ الرحمۃ نے اپنی علمی رائے والہام کو انبیاء کرام علیہم التسلیمات کے حضور میں پیش فرمایا، انھوں نے قبول کیا اور تصدیق فرمائی۔	۲۵۹	۱
۶...... آپ نے ایک فوت شدہ خاتون کے لیے فاتحہ پڑھی، اور درمیان میں قبولیت کا اثر معلوم کیا۔	۳۰	۲
۷...... آپ نے اپنی توجہ سے اپنے صاحبزادے محمد صادق علیہ الرحمۃ کو ولایت موسوی سے ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تک پہنچایا۔	۲۳۶	۱
۸...... آپ نے اپنی توجہ سے میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کے باطنی ضعف وظلمت کو مثل بدر کامل روشن وقوی کر دیا۔	۲۴۶	۱
۹...... آپ نے اپنے شیخ مکرم حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے صاحبزادوں کی طرف شیخ کے حضور میں توجہ کی اور اس کا اثر ظاہر ہوا۔	۳۶۶	۱
۱۰...... آپ علیہ الرحمۃ نے مولانا احمد برکی علیہ الرحمۃ کو لکھا کہ میں ابھی ہندوستان سے تمہاری فنا وبقا کو دیکھ رہا ہوں۔	۱۴	۲
۱۱...... آپ نے شہر سرہند کو اکثر شہروں سے بلند ومرتفع دیکھا اور اس میں بیت اللہ کے نور جیسا نور دیکھا۔	۲۲	۲
۱۲...... آپ نے اپنے گھر کے کونے میں قبر والی جگہ پر ایک خاص قسم کا نور دیکھا اور تمنا کی کہ یہی جگہ میری قبر ہو۔	۲۲	۲

۱۳......	آپ نے حضرت خضر و حضرت الیاس علیٰ نبینا وعلیہما التسلیمات سے روحانی ملاقات کی اور حضرت خضر علیہ السلام سے ہمکلام ہوئے۔	۲۸۳	۱
۱۴......	آپ ایک بیمار شخص کی عیادت کے لیے گئے وہ قریب موت تھا، آپ اس کے حال کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کا باطن ظلمات سے بھرپور تھا، آپ نے بہت توجہ کی مگر فائدہ نہ ہوا، بعدہٗ الہام ہوا کہ یہ ظلمت کفریہ عمل کی ہے۔	۲۶۶	۱
۱۵......	آپ علیہ الرحمۃ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔	۲۶۶	۱
۱۶......	آپ نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو کر جنتیوں کی تجویز کرتے ہیں، اور فاروق اعظم ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں۔	۲۵۱	۱
۱۷......	آپ نے فرمایا میں ہندوستان کی ان جگہوں کا تعین کر سکتا ہوں جہاں انبیاء کرام تشریف فرما ہوئے۔	۲۵۹	۱
۱۸......	آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک نبی ایسا ہے کہ اس پر کوئی ایک آدمی بھی ایمان نہیں لایا، ایک دوسرے نبی کو دیکھ رہا ہوں کہ ان پر صرف ایک آدمی ایمان لایا، ایک دوسرے نبی پر صرف دو آدمی اور تیسرے نبی پر صرف تین آدمی ایمان لائے۔ اس کے علاوہ ہند میں کوئی ایسا نبی نظر نہیں آتا جس پر چار آدمیوں نے ایمان لایا ہو۔	۲۵۹	۱
۱۹......	آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ایک تصنیف کو بوسہ دیا۔	۱۶	۱
۲۰......	آپ نے امراض کے دفع کرنے کے لیے توجہ فرمائی، اس کا اثر ظاہر ہوا۔	۱۱	۱
۲۱......	آپ نے بعض مردوں کی تکالیف کے ازالہ کے لیے توجہ کی۔	۱۱	۱

۲۲...... آپ نے ایک دوست کی مصیبت کو دفع کرنے کے لیے دعا کی، معلوم ہوا کہ قضا لوح محفوظ میں مبرم ہے۔ پھر حضرت محبوب سبحانی کی بات یاد کر کے دوبارہ نہایت عجز سے دعا کی، آخر کار دعا قبول نظر آئی: پھر یہ الہام ہوا کہ تقدیر معلق دو قسم ہے، معلق حقیقی، معلق شبیہ بالمُبرم---	۲۱۷	۱
۲۳...... ایک بزرگ کے مزار سے امداد و تعاون ملنا فی حل مسئلہ روحانیہ۔	۲۲۰	۱
۲۴...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت حاضر ہوئی، اور غمگین دل کو تسلی دی۔	۲۲۰	۱
۲۵...... آپ نے میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کو لکھا کہ آپ اس سال عشرۂ ذوالحج میں اعتکاف بیٹھیں، میں غائبانہ توجہ و امداد کرتا رہوں گا۔ (فقیر نیز دراں عشرہ مدد شما خواہد نمود ان شاء اللہ تعالیٰ)	۲۲۸	۱
۲۶...... آپ نے فرمایا بعض اوقات لذیذ کھانوں کے ترک کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے بطریق الہام کھانا ترک کرنے سے منع فرمایا۔	۲۵۶	۱
۲۷...... آپ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں مولانا احمد برکی علیہ الرحمۃ کے علاقہ کے سب لوگ مولانا کی طرف استمداد و التجا کے لیے بھاگتے ہوئے آرہے ہیں۔	۲۷۵	۱
۲۸...... آپ نے فرمایا کہ مولانا احمد برکی علیہ الرحمۃ اپنے علاقہ کے وجود و صلاح کے مدار ہیں، یہ بات اہل کشف اولیاء سے کیوں مخفی رہی ہے۔	۲۷۴	۱
۲۹...... آپ نے فرمایا کہ مولانا احمد برکی کی بزرگی مجھے مثل آفتاب ظاہر: روشن نظر آرہی ہے۔	۲۷۴	۱

۳۰...... آپ نے فرمایا کہ ایک ایسا نور دیکھا جو تمام اشیاء کو محیط تھا اور اس کا رنگ سیاہ تھا، میں نے اس کو اللہ تعالیٰ جانا، جب یہ واقعہ اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے اس کی تصدیق فرمائی اور فرمایا کہ ''حق مشہود است جل سلطانہ امادر پردۂ نور'' یعنی تجھے اللہ تعالیٰ عز وجل کا مشاہدہ ہوا ہے لیکن نور کے واسطہ سے۔	۲۹۰	۱
۳۱...... آپ نے اپنے شیخ کی طرف خط میں تحریر فرمایا: اثنائے راہ سلوک میں حق تعالیٰ اسم ظاہر کی تجلی سے اس قدر جلوہ گر ہوا کہ تمام اشیاء میں خاص تجلی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ظاہر ہوا، خاص کر عورتوں کے لباس میں بلکہ ان کے اجزاء اور اعضا میں جدا جدا ظاہر ہوا۔	۱	۱
۳۲...... پہلی مرتبہ جو عروج ہوا اور سفر طے کرنے کے بعد جب عرش پر پہنچا عرش کے نیچے بہشت مشاہدہ میں آیا۔۔۔	۱	۱
۳۳...... دوسری مرتبہ پھر عروج واقع ہوا، بڑے بڑے مشائخ اور اماماں اہل بیت اور خلفائے راشدین کے مقامات اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام اور ایسے ہی درجہ بدرجہ تمام نبیوں اور رسولوں کے مقام اور مقربین فرشتوں کے مقامات عرش کے اوپر مشاہدہ میں آئے۔۔۔	۱	۱
۳۴...... جب چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے عروج واقع ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات بے ارادہ بھی واقع ہو جاتا ہے۔	۱	۱
۳۵...... آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ مکرم کی وفات کے بعد آپ کے مزار مبارک کی زیارت کی، اسی دوران آپ کی روحانیت سے ایسی توجہ ہوئی کہ آپ نے اپنی وہ نسبت خاصہ جو آپ کو خواجہ احرار سے ملی تھی مجھے عطا کی۔	۲۹۱	۱

۳۶......آپ نے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ۶ ۲
ولایت محمدی ولایت ابراہیمی سے منصبغ ہو۔

۳۷......آپ نے فرمایا کہ میں طعام کا ثواب پہلے پنج تن پاک کی ارواح کو ۳۶ ۲
ایصال کرتا تھا، ایک بار خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت
ہوئی میں نے سلام کیا آپ نے میری طرف متوجہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ
میں کھانا عائشہ کے گھر کھاتا ہوں، جو طعام بھیجنا چاہے اس کے گھر بھیجے،
میں سمجھ گیا کہ ایصال ثواب میں ان کا نام لینا بھی ضروری ہے۔

☆......☆......☆

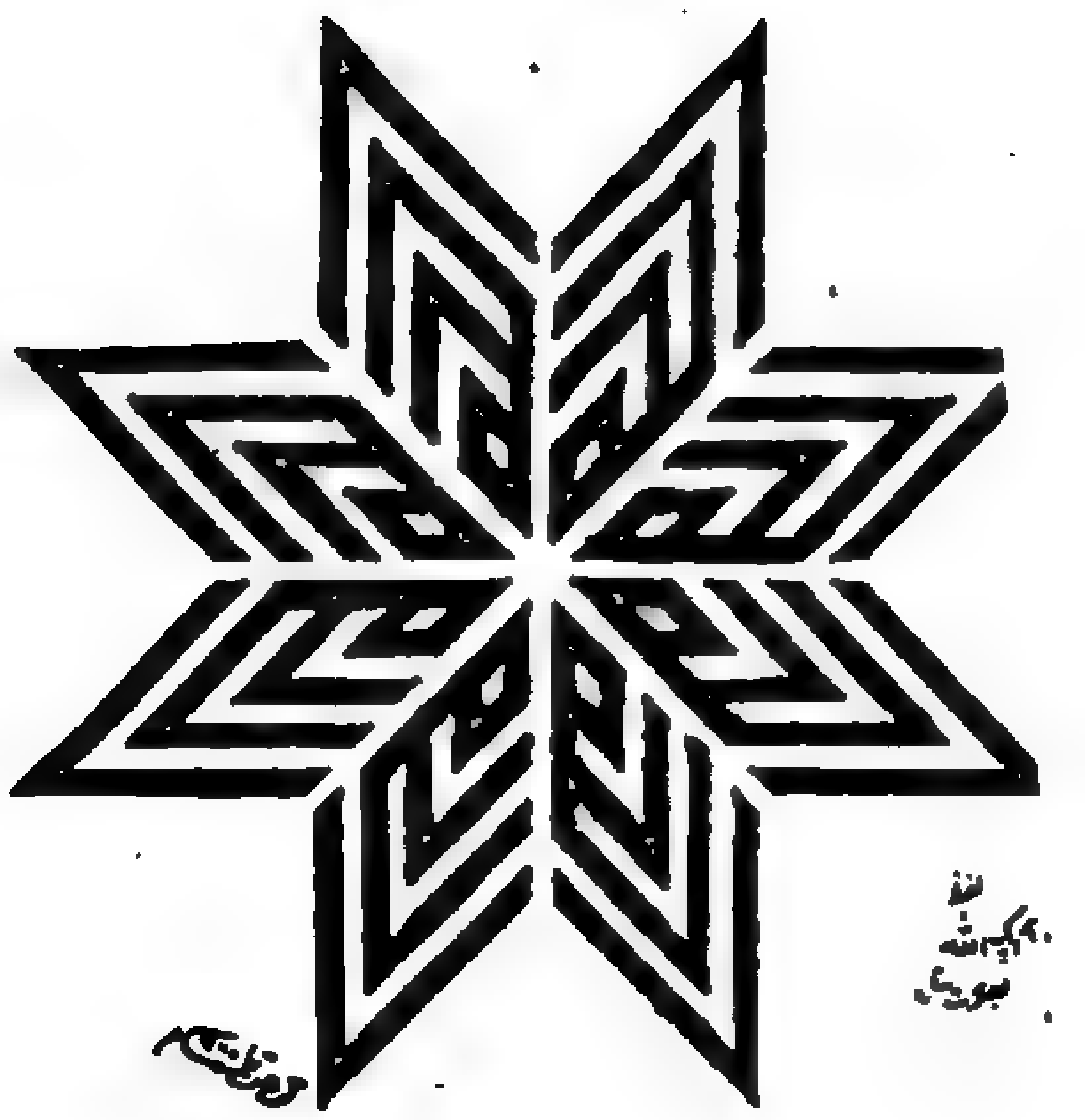

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت مسلکِ اہلِ سنت اور حضرت مجدد کی اولاد واحفاد

صاحبزادہ نویدالحسن مشہدی

☆☆

مسلک اہل سنت سے مراد اہل حق کی جماعت ہے جو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے مطابق اپنے عقائد اور اعمال کی بنیاد رکھتے ہیں۔ حدیث مبارک ہے کہ:

"علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین"[١]

اگر اس کی مزید وضاحت کرنا چاہیں تو یہ کہہ لیں کہ مسلمانوں کی وہ جماعت جن کے عقاید کی توضیح برصغیر پاک وہند میں امام ربانی مجدد الف ثانی اور محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہم اللہ نے فرمائی۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ تاریخ اسلامی میں وہ عظیم شخصیت ہیں جنہیں شریعت وطریقت کے دو دریاؤں کو اکٹھا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس کے بارے میں نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری بھی عنایت فرمائی۔ حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الحمد للہ الذی جعلنی صلة بین البحرین و مصلحا بین الفئتین"[٢]

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے
والا اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنایا''

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے ہاں سات[٣] صاحبزادے ہوئے جن میں سے تین ایام طفولیت میں رحلت فرما گئے جن کے بالترتیب اسماء گرامی یہ ہیں۔ صاحبزادہ محمد فرخ متوفی ١٠٢٥ھ، صاحبزادہ محمد عیسیٰ متوفی ١٠٢٥ھ اور صاحبزادہ محمد اشرف نے دو سال کی عمر میں وصال فرمایا اور چار صاحبزادوں نے

خانقاہ مجددیہ کی عظمت کو چار چاند لگادیے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ فرزند اکبر صاحبزادہ محمد صادق، خازن الرحمۃ خواجہ محمد سعید قدس سرہ، قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم قدس سرہ اور صاحبزادہ محمد یحییٰ علیہ الرحمۃ۔

اور ان چاروں صاحبزادوں کے ہاں اٹھارہ بیٹے ہوے جو کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے احفاد ہیں۔ حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ کی اولاد میں صرف ایک فرزند نرینہ تھے جس سے سلسلہ آگے چلا۔ حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ کے ہاں آٹھ بیٹے ہوے جن میں مولوی فرخ شاہ، شیخ عبدالاحد المعروف شاہ گل اور شیخ خلیل اللہ علیہم الرحمۃ نے شریعت وطریقت کے میدان میں ناموری حاصل کی۔ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو اللہ تعالیٰ نے چھے صاحبزادوں سے نوازا۔ شیخ محمد صبغت اللہ متوفی سنہ ۱۱۲۱ھ، حضرت قیوم ثالث خواجہ محمد نقشبند متوفی سنہ ۱۱۵۲ھ، خواجہ محمد عبید اللہ حضرت مروج الشریعہ متوفی سنہ ۱۱۲۱ھ، خواجہ محمد اشرف متوفی سنہ ۱۱۱۷ھ، شیخ محمد صدیق متوفی سنہ ۱۱۳۰ھ اور حضرت خواجہ محمد سیف الدین متوفی سنہ ۱۰۹۵ھ اور حضرت صاحبزادہ محمد یحییٰ کے ہاں تین بیٹے ہوے۔[۴]

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اپنی ساری زندگی دین اسلام کے احیاء اور اہل سنت کے دھندلے چہرے کو صاف اور شفاف کرنے میں صرف کردی۔ برصغیر پاک وہند میں ایک طرف اکبر اور جہانگیر کی لادین حکومتوں کا سامنا تھا، دوسری طرف جاہل صوفی تصوف کے اندر گمراہ کن نظریات کا فروغ کر رہے تھے۔ شیعہ رافضی مغلیہ حکومت کے ایوانوں میں اثر ورسوخ پیدا کر کے شیعیت کے جراثیم پھیلا رہے تھے۔ ساحل سمندر پر عیسائی مشنری مسلمان بچوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ چنانچہ ممتاز مؤرخ جناب صفدر حیات صفدر رقم طراز ہیں:

> ”اکبر نے جھگڑالو علماء کو مختلف مقامات پر بھیج دیا، میدان خالی دیکھ کر شیعہ، ہندو، جینی، عیسائی اور پارسی وغیرہ آدھمکے اور اکبر کو خوب اکسایا حتیٰ کہ بادشاہ کا ذہن ان الجھاؤں کو نہ سمجھ سکا اور اس نے ان تمام اعتقادات کا منصوبہ تیار کر دیا جسے دین الٰہی کا نام دیا گیا“[۵]

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ان تمام امور کو بنظر عمیق مطالعہ فرمایا پھر اصلاح کے لیے کوشاں ہوے۔ جناب مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

> ”چالیس سال کا زمانہ آپ علیہ الرحمۃ نے دور اکبری میں

> گزارا، حضرت علیہ الرحمۃ کی عمر کا یہ زیادہ تر حصہ علوم ظاہری و باطنی اور کمالات باطنی کے حصول میں صرف ہوا۔ جوانی کے ایام میں آپ اکبر آباد تشریف لے گئے جہاں دربار کے ان دونوں عالموں ابوالفضل اور فیضی سے آپ کی خوب خوب ملاقاتیں رہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس ارادہ کا ظہور بعد کو ہوا اس کا تخم ان ہی ملاقاتوں کے سلسلے میں پیدا ہوا۔ ابو الفضل اور فیضی آپ کی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت سے بہت متاثر تھے بلکہ مشہور تو یہاں تک ہے کہ ''سواطع الالہام'' جو فیضی کی مشہور بے نقط تفسیر ہے اس میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی امداد بھی شریک تھی فیضی کو حیرت ہوئی جب ایک صنعت میں جس کا وہ ملتزم تھا مضمون گرفت میں نہیں آرہا تھا اس نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے ذکر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ قلم برداشتہ آپ نے اسی صنعت بے نقط میں پوری عبارت لکھ دی۔ ان ہی دنوں کا ایک مشہور واقعہ یہ بھی ہے کہ عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا۔ شرعی ثبوت سے پہلے ہی اکبر نے عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیے اسی دن حضرت مجدد علیہ الرحمۃ ابوالفضل سے ملنے آئے پوچھنے پر ابوالفضل کو معلوم ہوا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ تو روزے سے ہیں اس نے وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا چاند کے متعلق اب تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوتی، ابو الفضل نے کہا بادشاہ نے تو حکم دے دیا ہے اب کیا عذر ہے بے ساختہ آپ کے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا ''بادشاہ بے دین است اعتبار ندارد''[۶]

مناظر احسن گیلانی کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اکبر اور جہانگیر کے دور کو نہایت قریب سے دیکھا اور اس بے دینی کا تخم بونے والوں ابوالفضل اور فیضی کی چالوں کا مشاہدہ بھی کیا۔ اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس لادینیت کے سیلاب کے خلاف بند باندھنے کی کوشش کی۔

اگر بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو اس کاوش کے تین بنیادی ستون نظر آتے ہیں۔

۱......خانقاہ مجددیہ سرہند شریف

۲......مکتوبات امام ربانی

۳......دربار مغلیہ کے مقربین کا سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ ہونا۔

خانقاہ مجددیہ سرہند شریف کے سرپرست اور حقیقی نگران حضرت مجدد علیہ الرحمۃ ہی تھے لیکن آپ کی حیات ظاہری میں ہی خانقاہ میں تعلیم و تربیت اور تزکیہ و طہارت کی ذمہ داری حضرت علیہ الرحمۃ کے صاحبزادگان کے پاس تھی جس کو صاحبزادگان حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد نبھاتے رہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کی اولاد و احفاد مسلک اہل سنت کی اشاعت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اس نورٌ علیٰ نور گھرانے کے افراد نے اسے اپنا مقصد حیات بنائے رکھا۔ جن خطوط پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے کام کیا انہیں کو تادم زیست رہنما اصول بنائے رکھا۔ خانوادہ مجددیہ کے اصحاب نے اشاعت مسلکِ اہل سنت کے لیے مختلف طریقوں سے کاوشیں کیں۔ ان کا جائزہ ہم ذیل کی سطور میں لیتے ہیں:

خانقاہ مجددیہ میں تعلیم و تربیت:

کسی بھی نظریہ کی تقویت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے حامل افراد معاشرہ میں پڑھے لکھے جانے جاتے ہوں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد و احفاد نے اس شعبہ پر خصوصی توجہ دی اگر برصغیر پاک و ہند کی تاریخ پڑھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ مجددیہ مغلیہ دور میں علم و حکمت کی سب سے بڑی دانش گاہ تھی جس سے عامۃ الناس علوم حاصل کر کے دنیائے اسلام بالخصوص افغانستان اور ماوراء النہر کے علاقوں کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس تدریسی عمل میں خانوادہ مجددیہ کے افراد بنفس نفیس شریک تھے جس کا اندازہ حضرات القدس کے مختلف اقتباسات کے سامنے رکھنے سے ہوتا ہے۔

شیخ بدر الدین سرہندی علیہ الرحمۃ حضرت خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کے فرزند اکبر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے احوال کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''حضرت مخدوم زادہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع تھے اور اکثر علوم حضرت مجدد علیہ الرحمۃ ہی سے حاصل کیے تھے کچھ عربی علوم مولانا طاہر لاہوری (خلیفہ مجاز حضرت مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۴۰ھ) سے

> اور کچھ علوم حکمت مولانا محمد معصوم قندھاری متوفی ۱۰۲۶ھ سے حاصل کیے تھے اور اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فارغ ہو چکے تھے بلکہ تمام علوم متداولہ بہت متانت اور گہرائی سے پڑھنے لگے تھے۔
>
> اس حقیر (جامع حضرات القدس) نے مطول مع حاشیہ میر، شرح عقائد مع حاشیہ خیالی تحریر اقلیدس اور شرح مطالع مع حاشیہ میر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور مخدوم زادہ کی خدمت میں پڑھیں اور حضرت مخدوم زادہ کے انتقال ۱۰۲۵ھ کے بعد شرح موقف تفسیر بیضاوی اور حاشیہ عقدی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے پڑھی ہیں وہ مخدوم زادہ تشریح میں بہت دور تک جاتے تھے اور مختلف مطالب بیان کرتے تھے اور اپنی سلیم اور نکتہ رس طبیعت سے بڑی باریکیاں پیدا کرتے تھے اور کبھی کبھی کتابوں پر حاشیہ بھی تحریر فرماتے تھے''۷

مزید برآں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے فرزند ثانی خواجہ محمد سعید سلمہ الجید بھی تعلیم و تعلم کے ساتھ مضبوط رشتہ رکھتے تھے۔ صاحب حضرات القدس بیان کرتے ہیں:

> ''جب آپ سن شعور کو پہنچے تو علوم ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور اکثر علوم حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاصل کیے اور کچھ مولانا محمد طاہر لاہوری سے اور کچھ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ سے پڑھے اور سترہ سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ مکمل کر لیے پھر کتب معلقہ جیسے شرح حکمۃ العین، عضوی اور بیضاوی کا درس دینے لگے''۸

خانوادۂ مجددیہ کے عظیم چشم و چراغ قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ بھی اتباع سنت میں معلم کے فرائض انجام دیتے رہے۔ شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

> ''فجر کی نماز کے بعد اور مقررہ وظائف سے فارغ ہو کر آپ

> حلقہ ذکر میں اصحاب کے ساتھ بیٹھتے اور مراقبہ کرتے اور ظہر کی نماز کے بعد حافظ صاحب سے کلام مجید سننے کے لیے بھی حلقہ فرماتے اکثر اوقات ظہر کے حلقے کے بعد کتب متداولہ مثلاً بیضاوی، عضوی، تلویح، مشکوٰۃ اور ہدایہ کا درس دیتے“[۹]

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے چوتھے فرزند صاحبزادہ محمد یحییٰ المعروف بہ شاہ جیو بھی درس نظامی کی بڑی بڑی کتب پڑھاتے رہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے احفاد میں سے حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ المجید کے تیسرے بیٹے مولوی فرخ شاہ نے اشاعت مسلک اہل سنت کے لیے تعلیم و تعلم کو اختیار فرمایا اور اقلیم تدریس کے تاجور ہونے کا افتخار حاصل کیا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے خاندان کے اکثر افراد آپ ہی کے شاگرد ہیں۔[۱۰]

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے تمام صاحبزادگان ہی علمی شغف رکھتے تھے لیکن درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ قیوم ثالث خواجہ محمد نقشبند اور خواجہ سیف الدین علیہما الرحمۃ نے اپنایا۔

تصانیف:

کسی عقیدہ اور فکر کی پختگی کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اس کے حوالے سے جامع کتب تحریر کی گئی ہوں۔ چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد و احفاد نے مسلک اہل سنت کی اشاعت کے لیے کتب بھی تصنیف فرمائیں اکثر کتب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مؤقف کی وضاحت کے لیے لکھی گئیں یا حضرت کی ذات ستودہ صفات پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات میں لکھی گئیں۔ حضرت خواجہ محمد سعید خازن علیہ الرحمۃ نے تو درس نظامی کی کتب کی شروحات بھی تصنیف فرمائیں۔ مشکوٰۃ المصابیح پر تعلیقات لکھیں جن میں مذہب حنفی کی تائید کی۔[۱۱] حاشیہ خیالی پر ایک حاشیہ متین لکھا اور اس میں اپنے دقائق خالصہ تحریر فرمائے ایک رسالہ رفع سبابہ کی ممانعت میں تحریر فرمایا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے پوتے مولوی فرخ شاہ نے حضرت مجدد پر کیے گئے اعتراضات کے جواب میں ”رسالہ کشف الغطا“ تحریر فرمایا۔[۱۲]

حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ المجید کے پانچویں فرزند شیخ عبدالاحد نے فن تحریر میں نام پیدا کیا اور اشاعت مسلک اہل سنت کے لیے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائے۔ شواہد التجدید، لطائف مدینہ[۱۳] آپ ہی کی

تصنیفات ہیں۔ آپ شاعری کا شغف بھی فرماتے تھے۔ آپ کا دیوان اور مثنوی چار چمن مشہور و معروف ہیں۔

حضرت مروج الشریعۃ خواجہ عبید اللہ نے یاقوت احمد کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس میں دراصل حضرت خواجہ محمد معصوم کے سفر حرمین کے حالات ہیں اس میں مسلک اہل سنت کی حقانیت کے بہت سارے دلائل موجود ہیں۔

مکتوبات:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے طریقے کے مطابق آپ کے صاحبزادگان اور احفاد بھی خطوط کے ذریعے مسلک اہل سنت کی اشاعت کے لیے کوشاں رہے۔ قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے مکتوبات تین ضخیم جلدوں میں طبع ہوئے۔[۱۴] یہ مکتوبات عالمگیری دور کے نامور اور پردہ نشین خواتین کو بھی لکھے گئے۔ ان میں سے کچھ مکتوبات ایسے بھی ہیں جو براہ راست اورنگ زیب عالمگیر کو لکھے گئے۔ یہ مکتوبات پند و نصائح اور وعظ و نصیحت کا حسین مجموعہ ہیں۔ قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کا ایک خط جو بنام اورنگ زیب عالمگیر ہے اس کیمطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معصوم علیہ الرحمۃ کے خطوط اپنے اندر جذبات کا ایک سمندر سموئے ہوئے ہیں۔ ایک حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ حاکم کے اعمال نامے میں ان اعمال حسنہ کے مثل لکھتے ہیں جو اس علاقہ میں لوگ امن کے ساتھ اس کی حمایت و حفاظت میں انجام دے رہے ہیں یہ فضل عظیم کس قدر عالی شان ہے۔ افسوس کہ یہ دور اس نعمت خوش گوار سے بہ حسب ظاہر محروم ہے اور بعض عوائق و موانع کی وجہ سے اس قسم کی فی سبیل اللہ ہی جدوجہد سے معمور ہے۔
>
> **یلیتنی کنت معکم فافوز فوزا عظیما**
>
> (کاش میں اس کے ساتھ ہوتا اور بڑی کامیابی پر فائز ہوتا)
>
> لیکن از روئے باطن اپنے ساتھ ہی جانا اور ذرا اور توجہ کی راہ سے

مدد و معاون تصور کرنا۔

ہم فقراء کا سرمایہ راس المال یہی توجہ اور دعا ہے اگر گوشہ نشین فقراء سالہا سال ریاضت کریں اور چلے کھینچیں اس عمل کو نہیں پہنچ سکتے (جو آپ کر رہے ہیں) وہ طاعات وعبادات جو قد و جسد دینی کے راستہ میں ہوتی ہیں طاعات وعزت پر ان کا درجہ کہیں زیادہ ہے‘‘ ۱۵

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قیوم ثانی مسلسل غلبہ اہل سنت اور نفاذ نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوشاں تھے جو اورنگ زیب کے حکمراں بنے سے ہی ممکن تھا۔ خواجہ محمد معصوم ایک دوسرے مکتوب میں اورنگ زیب کو لکھتے ہیں:

’’کم ترین دعا گویان نیاز مند۔ نعمت امن وامان رونق اسلام اور قوت شعائر اسلام کے ظہور پر شکر و ثنا کرتا ہوں نیز آپ کے لیے درازی عمر شکوت وظفر اور نصرت کی دعا اپنے زاویہ ء نامرادی اور گوشہ شکستگی میں درویشوں کے ساتھ کرتا رہتا تھا چونکہ یہ دعا خلوص سے ہے اور پس پشت ہے اس لیے امید ہے کہ قرین قبولیت ہوگی‘‘

حضرت خواجہ سیف الدین نے بھی تبلیغی مقاصد کے لیے امراء اور بادشاہ وقت کو خطوط لکھے جو مکتوبات سیفیہ کے نام سے طبع ہوئے۔ ایک مکتوب کا اقتباس آپ کے سامنے رکھتا ہوں تا کہ واضح ہو کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد و احفاد کس حد تک مسلک اہل سنت کی اشاعت کے لیے کوشاں تھے۔

’’ہر گاہ فرائض را ایں حال خواہد شد فما بال النوافل فاعتبروا یا اولی الابصار و بالجمله اعانة الظلمة والرفضة و اعزازهم واحترامهم اعانة لهم علی المعصية قال سبحانه تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان فالحذر ثم الحذر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم هلک المسوفون والسلام‘‘ ۱۶

(ترجمہ) جب فرائض کا یہ حال ہو تو نوافل کا کیا حال ہوگا پس

اہل عقل عبرت پکڑو ظالمین اور شیعہ رافضیوں کی عزت اور ان کو اعزاز و احترام گناہ پر تعاون ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون نہ کرو پس بچو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفلس ہلاک ہو گئے۔

حضرت خواجہ سیف الدین کے اس مکتوب گرامی سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اورنگ زیب عالگیر کے دور میں ہندوستان کو سنی سٹیٹ بنانا چاہتے تھے جو یقیناً خانوادۂ مجددیہ کی کوششوں سے بن گیا۔ اورنگ زیب عالم گیر نے بیس علماء کرام پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جو اسلامی قانون میں مدد کرے جو کہ آج فتاویٰ عالمگیری کے نام سے جانا جاتا ہے اور فقہ حنفی کو بطور پبلک لاء نافذ کر دی علاوہ ازیں اس نے امور مملکت کو جس طرح چلایا اس کا خاکہ شیخ محمد اکرام نے اپنی تصنیف میں یوں کھینچا:

> ”تخت نشین ہونے کے بعد اس نے۔۔۔۔، شراب نوشی ممنوع قرار دی، جوا بند کر دیا، بدکاری کے خلاف پوری کوشش کی، بازاری عورتوں کو حکم دیا کہ یا تو وہ شادی کر لیں یا ملک چھوڑ دیں۔ ان احکام کی تعمیل کرانے کے لیے محتسب مقرر کیے۔ ۱۶۶۴ء میں اس نے ستی کی ممانعت کی اور بچوں کو بطور غلام یا خواجہ سرا بننے کے خلاف احکام جاری کیے۔ اس کے علاوہ اس نے خود اپنی پرہیزگاری اور سادگی سے اپنی رعایا کے لیے نیک مثال قایم کی۔ بادشاہ کے درشن کو موقوف کیا اگرچہ وہ خود موسیقی کا ماہر تھا لیکن اس نے گانے والوں اور گانے والیوں کو دربار سے ہٹا دیا اس کی سالگرہ پر جو اسراف ہوتا تھا اسے ترک کر دیا اور شاہجہان کی ضیافتوں اور فضول خرچیوں کی وجہ سے رعیت پر جو ٹیکسوں کا بوجھ پڑا ہوا تھا اسے ہلکا کر دیا اس نے تقریباً اس قسم کے ٹیکس معاف کر دیے۔
>
> وہ عالموں اور بزرگوں کی قدر کرتا اس نے ملک کا انتظام شرع کے اصولوں پر قایم کیا تھا اور عدل و انصاف کا محکمہ علماء کے ہاتھ میں تھا

> اس وقت اسلامی قوانین سے متعلق کوئی مستند کتاب نہ تھی اس نے تمام ملک کے قابل علماء کو جمع کر کے فتاویٰ عالمگیری کے نام سے حنفی فقہ کی ضخیم کتاب مرتب کروائی جو اب تک بڑی اہم سمجھی جاتی ہے۔ وہ خود بڑی سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ بیت المال کے پیسے کو ہاتھ نہ لگاتا تھا اپنی روزی ٹوپیاں بنا کر اور قرآن شریف لکھ کر کماتا۔[۱۷]

خاندان مجدد کے ایک شہزادہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے فیضان کی ایک جھلک مشاہدہ فرمائیے۔ اورنگزیب عالمگیر کے نظام حکومت میں یہ تبدیلی یونہی نہیں آئی بلکہ اس کے پیچھے قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم کی کوششوں کا اثر ہے۔[۱۸]

حضرت خواجہ محمد معصوم جب حج کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو اس وقت شاہجہان کا آخری دور تھا۔ داراشکوہ اور اورنگزیب تخت دہلی کے حصول کے لیے آپس میں لڑ رہے تھے تو اس وقت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ نے غلبہ اہل سنت اور نظام مصطفیٰ کے عملی نفاذ کے لیے اپنے صاحبزادہ کو اورنگ زیب عالمگیر کے لشکر میں شامل کیا جن کی توجہ باطنی اور دعا سے اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ بن سکا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے لیے حرمین شریفین میں دعا فرماتے تھے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے پوتے حضرت قیوم ثالث محمد نقشبند علیہ الرحمۃ کے مکتوبات بھی علم وحکمت کا خزینہ ہیں جو کہ **وسیلة القبول الی اللہ والرسول** کے نام سے شائع ہوے۔[۱۹]

احیائے طریقہ نقشبندیہ:

صوفیہ کرام اپنے کردار اور تعلیمات کے ذریعے عامۃ الناس کو متاثر کرتے ہیں اور پھر انہیں اپنے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ اہل سنت کے نظریات وافکار کو بھی اپنا لیتے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ المجید نے اپنے عصر میں طریقہ نقشبندیہ کی خوب خوب اشاعت کی۔ یکم ربیع الاول سنہ ۱۰۳۴ھ کو قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوے تو پہلے دن پچاس ہزار آدمیوں نے بیعت کی جن میں دو ہزار حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے خلفاء تھے۔ ماوراء النھر ،خراسان اور بدخشاں وغیرہ ممالک کے بادشاہوں نے اپنے وکیل مع تحائف بھیج کر غائبانہ بیعت کی۔ قیومیت کے تیسرے سال شاہجہاں سرہند شریف حاضر ہوا۔ قیومیت کے آٹھویں سال سات سو علماء شام داخل سلسلہ ہوے، نویں سال حاکم روم نے تحائف بھیجے اور

غائبانہ بیعت کی، تیرہویں سال شاہ توران بیعت سے مشرف ہوا، چودہویں سال اورنگ زیب عالمگیر نے بیعت کی، پندرہویں سال اورنگ زیب کی بہن روشن آرا بیگم داخل سلسلہ ہوئی، سولہویں سال اورنگ زیب کی دوسری بہن گوہر آرا مشرف بیعت ہوئی۔ پھر عبدالرحمٰن شاہ خراساں اور اس کی بیگم نے بیعت کی، شاہ سلیمان شاہ ایران نے شیعیت سے تائب ہو کر آپ کی بیعت کی۔ علماء یمن داخل سلسلہ ہوئے۔ الغرض ہر روز ہزار ہا آدمی زیارت کے لیے حاضر ہوتے اور بیعت کا شرف حاصل کرتے۔ خلفاء اور فرزندوں کی وساطت کے علاوہ نوے لاکھ افراد نے قیوم ثانی کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلفاء کی تعداد سات ہزار تھی جو سب کے سب صاحب کمالات تھے۔[۲۰]

حضرت خواجہ صبغت اللہ نے بھی مجددی فیضان کو ہزار ہا لوگوں میں تقسیم کیا۔ قیوم ثالث حضرت خواجہ محمد نقشبند علیہ الرحمۃ جب جلوہ آراء مسند مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ہوئے تو کثرت ارشاد کا یہ عالم تھا کہ آپ کی قیومیت کے پچیسویں سال ہر روز چار پانچ سو آدمی بلکہ اس سے زیادہ حاضر خدمت ہو کر مرید ہوئے کہ بالکل گنجائش نہ رہی[۲۱] توران، ترکستان اور بدخشاں کے بادشاہ اپنی اپنی حدود تک استقبال کے لیے آئے۔

حضرت مروج الشریعۃ خواجہ عبیداللہ اور خواجہ محمد اشرف اور خواجہ محمد صدیق نے بھی طریقہ نقشبندیہ کے احیاء کے ذریعے مسلک اہل سنت کی اشاعت کی۔[۲۲]

حضرت خواجہ محمد سیف الدین کے ہاں خانقاہ میں ہر روز چار سو درویش استفادہ کے لیے جمع ہوتے تھے اور حسب فرمائش کھانے پکائے جاتے تھے مگر باوجود اس تنعم کے سالک بلند مقامات پر پہنچتے تھے کیونکہ اس طریقہ کا مدار مرشد کی ہمت اور توجہ پر تھا۔[۲۳]

مناظرہ:

نظریات و افکار کی حقانیت کو واضح کرنے کا ایک طریق مناظرہ بھی ہے۔ اکثر صوفیہ کرام اس سے اجتناب برتتے رہے ہیں لیکن حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے فرزند ثانی خازن الرحمۃ خواجہ محمد سعید نے مسلک اہل سنت کی حقانیت کو آشکارا کرنے کے لیے مناظرہ سے بھی دریغ نہ کیا۔ مناظرہ پر آپ کو پوری قدرت حاصل تھی۔ اکثر اکابر علماء ہند سے آپ کا مباحثہ ہوا اور آپ غالب رہے اور ان کو خاموش کر دیا جاتا ناچار سبھی علماء نے آپ کی تعریف و تحسین کی اور اپنی کوتاہی اور عجز کو آپ کی مدحت کے پردے میں چھپایا۔

شاہجہاں کے دور میں علامہ آصف جاہ جو علوم عقلیہ میں پوری قدرت رکھتا تھا اور امراء دربار میں

لادینیت پھیلا رہا تھا ہندوستان کے علماء سے کوئی اس کا سامنا نہ کرتا تھا خواجہ محمد سعید سلمہ المجید نے اس سے مناظرہ کیا، آصف جاہ نے بعض قوی اعتراضات آپ کے سامنے رکھے تو آپ نے عنایت خداوندی سے فوراً اور بلا تکلف نہایت صحت کے ساتھ اس کی تشفی فرمادی۔ [۲۴]

معمولات اہل سنت:

افکار و نظریات کی ترویج کی، ان کو اپنی زندگی میں شامل کرنا بھی ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد و احفاد نے بھی اشاعت مسلک اہل سنت کے لیے اس کے معمولات کو اپنایا۔ خانقاہ مجددیہ میں جملہ امور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں انجام دیے جاتے جیسا کہ اکابر اولیاء کرام کے مزارات تعمیر کیے جاتے ہیں اسی طرح شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کا بھی شاندار مزار تعمیر کیا گیا ہے۔ خواجہ محمد صادق اور خواجہ محمد سعید علیہما الرحمۃ بھی آپ کے ساتھ وہیں مدفون ہیں۔ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کا بھی قبہ موجود ہے۔ خواجہ سیف الدین علیہ الرحمۃ کا مزار شہزادی روشن آرا بیگم [۲۵] نے تعمیر کرایا۔ حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ المجید فجر کی نماز کے بعد طویل مراقبہ فرماتے۔ سفر حرمین شریفین کے دوران حضرت خواجہ محمد معصوم بھی دربار رسالت پر مراقب ہوئے اور فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وجود مقدس مرکز جمیع عالمیان ہے۔ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات آپ کی محتاج ہے اور آپ سے فیضیاب ہے اگرچہ وہاب مطلق اللہ تعالیٰ ہے لیکن افاقہ آپ کے توسل سے ہوتا ہے اور مہمات ملک وملکوت آپ کے اہتمام سے سرانجام پاتے ہیں۔ شب و روز کاسہ مخلوقات پر روضہ مطہرہ سے انعام فائض رہتا ہے۔ [۲۶]

حضرت خواجہ محمد سیف الدین علیہ الرحمۃ کا معمول تھا کہ آپ آدھی رات کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضر ہوتے اور آپ سے مخاطب ہو کر عاجزی سے یہ شعر پڑھتے:

من کیستم کہ با تو دم دوستی زنم
چندیں سگان کوئے تو یک کم ترین منم [۲۷]

خانقاہ مجددیہ میں مجلس اعراس کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا یہاں تک کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم بھی اپنے والد بزرگوار کا عرس کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> ”چند روز سے اس مسکین کے درد میں آرام ہے چنانچہ ڈولی میں بیٹھ

> کر چند گھڑیوں کے لیے اپنے پیر دستگیر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی مجلس عرس میں حاضر ہوا''[۲۸]

الغرض حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد و احفاد کے معمولات اشاعت اہل سنت کا ایک ذریعہ تھے۔ افسوس ہے کہ خانقاہ مجددیہ کے روز و شب مؤرخین نے بہترین انداز میں تحریر نہیں کیے۔

آخر میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد و احفاد کی بارگاہ میں وہ الفاظ پیش کروں گا جو حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمائے۔

> ''فرزندان آں شیخ (احمد سرہندی) کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند بالجملہ شجر طیبہ انبتہ اللہ نباتا حسنا''[۲۹]

صاحب حضرات القدس فرماتے ہیں کہ:

> ''حضرت مجدد کی دو بڑی کرامتیں صفحہء روزگار پر باقی ہیں ایک یہ کہ آپ کے کلام کا مثل تمام مشائخ و عرفائے عصر لکھنے سے ناکام رہے اور دوسری بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے اپنے فرزندان گرامی کو اپنے تصرف سے اپنی طرح علم و عمل اور باطنی کمالات اس قدر عطا فرمائے کہ روئے زمین پر کسی اور شیخ نے اپنے فرزندوں کو تصرف اور توجہ سے اس طرح اپنے مثل نہیں بنایا اور یہ دونوں کرامتیں دنیا میں آفتاب سے زیادہ روشن ہیں اور باعث تعجب خلائق ہیں[۳۰] **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم**''

☆……☆……☆

حواشی:

۱……مشکوٰۃ شریف، ص ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ثانی

۲……جلد دوم، مکتوب ۶، ص ۳۸

۳……حضرات القدس، ص ۲۰۱

۴……تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از نور بخش توکلی

۵......عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۳۳۷_۳۳۶

۶......الفرقان، مجدد الف ثانی نمبر، ص۸۷

۷......حضرات القدس، ص۲۰۴

۸......حضرات القدس شیخ بدرالدین سرہندی، ص۲۱۴

۹......ایضاً، ص۲۴۳

۱۰......تذکرۃ المشائخ نقشبندیہ از نور بخش توکلی

۱۱......روضۃ القیومیہ، زبدۃ المقامات

۱۲......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص۲۶۱

۱۳......ایضاً

۱۴......حضرات القدس مناقب آدمیہ

۱۵......مکتوبات معصومیہ

۱۶......مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ حیدرآباد (سندھ) ص۷۹، ۹۰

۱۷......انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص۳۷۴_۳۷۵

۱۸......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

۱۹......روضۃ القیومیہ، رکن چہارم

۲۰......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

۲۱......روضۃ القیومیہ

۲۲......حضرات القدس

۲۳......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص۲۹۱

۱۴......ایضاً، ص۲۴

۲۵......زبدۃ المقامات

۲۶......یاقوت احمر

۲۷......تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص۴۳۲، صاحبزادہ عبدالرسول

۲۸......مکتوبات معصومیہ، جلد اول، ص ۲۶۶

۲۹......ایضاح الطریقہ، مطبوعہ لاہور از غلام علی شاہ

۳۰......حضرات القدس، ص ۲۷۵۵

مآخذ و مراجع:

۱......کتب احادیث

۲......مکتوبات جلد دوم، مکتوب ۶، ص ۳۸

۳......حضرات القدس، ص ۲۰۱

۴......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از نور بخش توکلی

۵......عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص ۳۳۷، ۳۳۶، از شیخ محمد اکرام

۶......الفرقان، مجدد الف ثانی نمبر ۸۷

۷......حضرات القدس، ص ۲۰۴

۸......ایضاً، مرجع ص ۲۱۴

۹......حضرات القدس از شیخ بدر الدین سرہندی، ص ۲۴۳

۱۰......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از نور بخش توکلی

۱۱......روضۃ القیومیہ، زبدۃ المقامات

۱۲......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص ۲۹۱

۱۳......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

۱۴......حضرات القدس مناقب آدمیہ

۱۵......مکتوبات معصومیہ

۱۶......مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ حیدرآباد سندھ، ص ۷۹۔۸۰

۱۷......انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۳۷۴۔۳۷۵

۱۸......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

۱۹......روضۃ القیومیہ رکن چہارم

۲۰......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

۲۱......روضۃ القیومیہ

۲۲......حضرات القدس از شیخ بدرالدین سرہندی

۲۳......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص ۲۹۱

۲۴......ایضاً، ص ۲۱۴

۲۵......زبدۃ المقامات

۲۶......یاقوت احمر از خواجہ عبید اللہ

۲۷......تاریخ مشائخ نقشبندیہ از عبد الرسول، ص ۴۳۲

۲۸......مکتوبات معصومیہ، جلد اول ۲۶۶

۲۹......ایضاح الطریقہ، مطبوعہ لاہور از غلام علی شاہ

۳۰......حضرات القدس، ص ۲۷۵

☆......☆......☆

بسم الله الرحمن الرحيم

من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد اول......باب سوم

☆

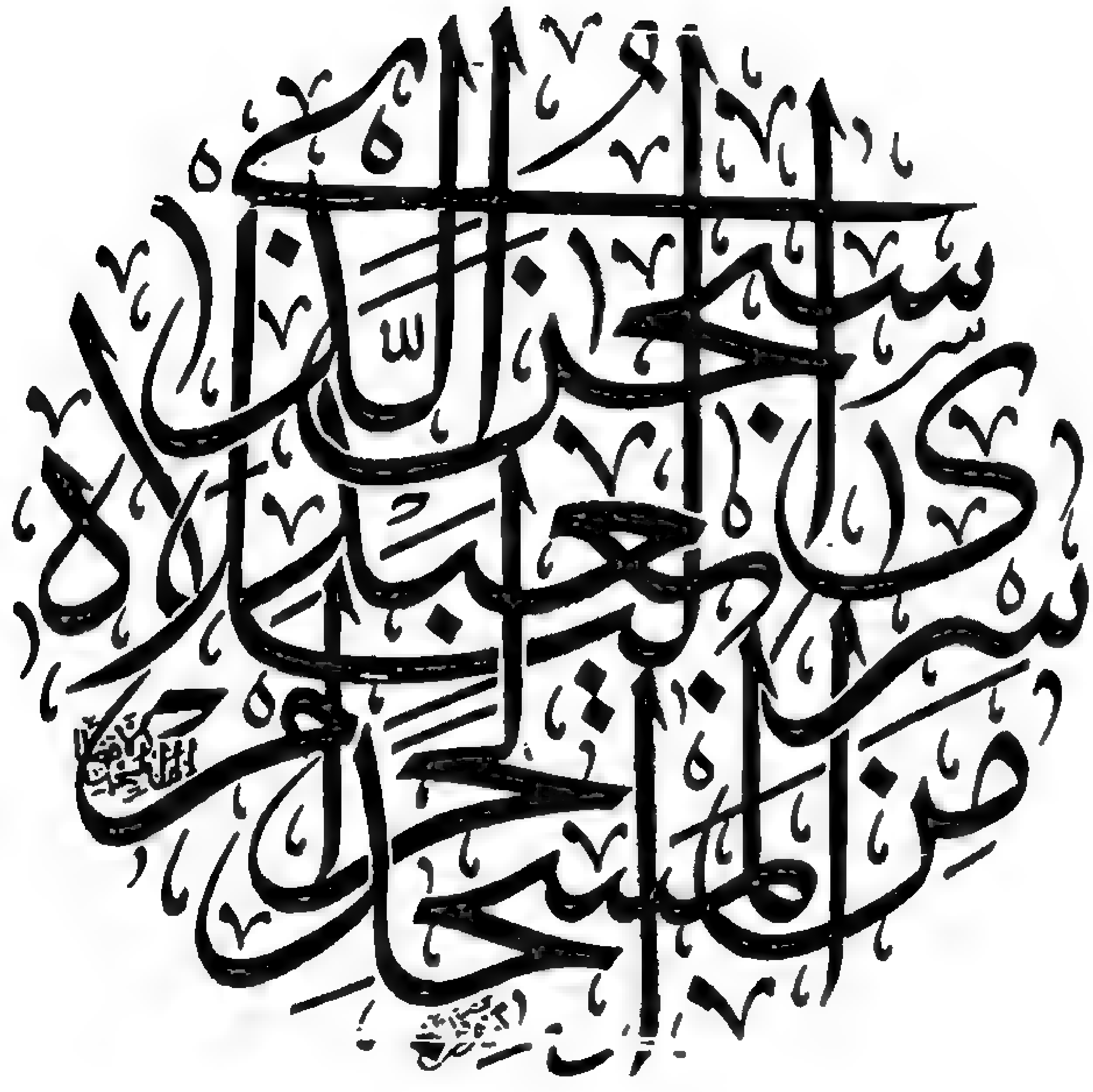
سبحان الذي أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

A CRITICAL STUDY OF MUJADDID ALF-E-THANI'S PHILOSOPHY

Abdul Qadeer Saleem
(University of Karachi, Department of Philosophy)

☆☆

Abstract

Shaykh Ahmad Sirhindi, popularly known subsequently as Mujaddid-e-Alfe Thani (Renovator of Islam in the second Millenium) is generally acknowledged by the Muslim historian as a key figure in Indian history who at a critical moment tried successfully to resist secularization of state and society. Among ulama and a section of sufia of not only the Indian sub-continent but of Central Asia and North Africa also, he is acknowledged as a greet Sufi reformer who purged Islam of some un-Islamic beliefs and principles which had crept into the religion.

While concentrating mainly on Mujaddid's thought I have given a brief sketch of the person delving on the circumstances which led him to play a vital role in the history of Islam and subcontinent in the second millennium. I have shown that he was neither just a reform minded Sufi nor a zealot revolutionary-rebel against the secular Mughal rulers. He was a thinker in his own right and if philosophy's is pursuit of wisdom is action in the light of knowledge, he was a thinker with an intense concern for changing the society and the state. In the absence of the modern political paradigm of party politics, he used the Sufi order for his objective, continuously avoiding direct confrontation with the ruling and the religious/Sufi elite.

But the required a new "theology' (in the literal sense of the word) and a new metaphysics. Mysticism had been transformed into the philosophy of Absolutism. And the main stream of Muslim tasawwuf had taken the fate leap

from monotheism to monism. I have shown the without antagonizing of Sufi followers of Ibn Arabi, Junaid Bughdadi, et al, how did he try to re-establish the pristine Islamic view point of oneness of God. The only relationship which God has with the universe is that of the creator and the created. Those who see otherwise. (i.e Unity of Existence) are to be excused for they are ma'zur, the reason for their states of mind are elaborated.

I have explained that in tasawwuf. Mujaddid does not approve the traditional seclusion and the ascetic practice. Which were so much emphasized by the Sufia. To him they are of no use. When the grand agenda is not just personal salvation but restructuring the entire society on the lines paradigmed by the Prophet (upon whom be peace and blessings of Allah) the individual has no recourse but to play an active role in the society. For him this is the desired "task of prophethood" To him the "achievement" generally covered by the common people-miracles, revelations, prophesying-are of no importance Tasawwuf. Therefore is instrumental in self-realization through a struggle for collective salvation. Mystic thought is revamped into a new dimension in his life and thought.

Though not a metaphysician in the conventional sense, Mujaddid I have shown, denies the material existence of the perceptible world. The world of sense experience according to him is a construct of our categories of understanding, which we cannot transcend. And since the universe by itself does not have an objective existence of its own, our knowledge of it cannot be designated as objective. Although Mujaddid's ultimate Reality (God) is not kant's "Noumena" nor his world of "shadows" is latter's "phenomena" yet, both are in agreement that our inability to transcend our categories of understanding, renders it impossible to have a real knowledge of either. Mujaddid thus appears to stand at the confluence of George Berkeley and immanual Kanu.

All Sufi orders except Naqshbandiyyah claim Ali to be the first imam of their silsilah after the Prophet (upon whom be peace and blessings of Allah). Though he was initiated in other orders as well, he chose the Naqshbandi order, which has its beginning with Abu Bakar the first Khalifah of the prophet (Upon whom be peace and blessings of Allah). This order to him provided the nearest and the most easy path through shari'ah to haqiqah. I have proved that he did not lapse into the Shi'i tradition in his later life (as some readers find to their astonishment). I have also contested Y. Friedman's view that being a Sufi, "he was not completely free from Shi'i elements in his though" and that he often lapsed to the traditional Sufi position of superiority of sainthood over prophethood. I have shown that Mujaddid's view regarding the nature of prophethood is different from both the Sufis and the scholars. Sainthood. Even of the prophets. Is not superior to prophethood. Even a lesser companion of the prophet (upon whom be peace and blessings of Allah) is superior to the Sufi of the highest order. The Naqshbandi way, is the most direct path to higher spiritual attainments, precisely because it is the nearest path to the Prophet (upon whom be peace and blessings of Allah).

It is generally believed that Mujaddid is a stricter to shari'ah. But it is also held (and Friedman's emphatic) that he does not elaborate the shari'ah practice in tariqat. I have contested the view and elaborated Mujaddidi diconcdcept of Sunnah and shari'ah: the conflict between shari'at and tariqat is resolved by a loud and clear declaration that all beliefs. Practices and rituals which are not in conformity with shari'ah are reject At the end Mujaddids concept of Ijtehad is discussed. He does not wholly subscribe to the position of "Ulama or sufia" one may have exhibited lack of subtle perception whereas the other sometimes strays from the straight path.

Shari'ah in the light Ijtehad, therefore is not blind following. Shari ah in reality is extraction of rules using the faculty of reasoning. Sunnah of the prophet (upon whom be peace and blessings of Allah) is his Ijrehad since the Quinn is the basic source of all knowledge and legislation. Sunnah, which is binding is in fact his divinely guided Ijtehad and Interpretation of the Book. But all opinions Ijtehad of the Prophet (upon whom be peace and blessings of Allah) are not binding as during his life time he gave his companions a night to differ with him in matters which not given through revelation, but were his personal judgements

نوٹ: ۲۰۰۱ء میں پروفیسر عبدالقدیر سلیم نے "مجدد الف ثانی کے فلسفہ کا تنقید جائزہ" پر کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالے کا خلاصہ (Abstract) ہے۔ پروفیسر موصوف کی تمام آراہ سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ (شہزاد مسعودی)

ورفعنا لك ذكرك

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

جہانِ امام ربانی کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر منظور احمد سعیدی

☆☆

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدالمرسلین والعاقبۃ للمتقین المجددین. اما بعد

فقد قال اللہ تعالیٰ

یٰایھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤ کم ۔[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو اگر تم پر ان کو ظاہر کر دیا جائے تو تم کو برا لگے گا۔

اس آیت کے ماتحت علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> یہ ممانعت نزولِ قرآن کے وقت تھی ۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زیادہ سوال کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا مسلمانوں میں وہ سب سے بڑا مجرم ہے جس کے سوال کرنے کی وجہ سے کوئی چیز حرام کر دی گئی دراں حالیکہ اس سے قبل وہ حلال تھی ۔[2]

یہ اردو عبارت علامہ صلاح الدین یوسف غیر مقلد کی اسی آیت کے ماتحت ہے۔[3]

اس سے تمام اشیاء میں اباحت ہونے پر دلالت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اباحت بھی شرعی حکم ہے، تو جب تمام اشیاء میں اباحت ہے اور اباحت شرعی حکم ہے، تو نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ تمام اشیاء میں اباحت شرعی حکم ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اشیاء میں اصل بدعت نہیں۔

اس سے آگے والی آیت کے ماتحت علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ہے:

> کہیں اس کوتاہی کے مرتکب تم بھی ہو جاؤ۔ جس طرح ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے''۔ ایک شخص نے سوال کیا: کیا ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش رہے، اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہر سال حج کرنا تمہارے لیے ممکن نہ ہوتا۔''[4]

یہ اردو عبارت علامہ صلاح الدین یوسف غیر مقلد کی اسی آیت کے ماتحت ہے۔[5]

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصل اشیاء میں رخصت ہے، عزیمت نہیں۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رخصت بدعت نہیں۔

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس صاحب ''حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فقہی خدمات'' (جہان امام ربانی، جلد۲، ص۱۸۳۔۲۴۶) میں بدعات کی تردید میں یکطرفہ چلتے گئے ہیں، اس میں تحقیق بلاتفریق سے زیادہ اپنے موقف کی ترجیح ہے؛ کیونکہ مکتوبات اور آپ کی دوسری تحریرات میں ردِ بدعات میں تشدید بھی پائی جاتی ہے اور تساہل بھی؛ اس لیے تشدید اور تساہل کی روایات میں تطبیق کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔

تقسیم سنتِ ہدیٰ اور سنتِ عادیہ

ڈاکٹر مذکور لکھتے ہیں:

> بعض علماء نے بدعت کی تقسیم کی ہے۔ ان کے مطابق امور انتظامیہ، تعلیم و تدریس کے متعلقہ امور اور مباحات متجددہ بدعتِ حسنہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث ''من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد'' میں ''فی امرنا هذا'' کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ بدعت کا تعلق امور دینیہ سے ہے نہ کہ امور دنیوی سے؛ لہذا اقترابات میں بدعت کا قاعدہ جاری ہوگا۔ اس میں قرینہ شرعی کے بغیر مطلق کو مقید اور عام کو خاص نہیں کر سکتے؛ کیونکہ ''ما لیس منہ'' میں

> "ما" عموم پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اختراعات، ملبوسات، ماکولات وغیرہ میں بدعت کا قاعدہ جاری نہیں ہوگا؛ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جب بدعت کی مثالیں دیں، تو اقترابات (ذکر بالجہر، عبادت کے لیے اپنی طرف سے تقرر ایام وتعین صورت، زبان سے نماز کی نیت، نوافل کی جماعت وغیرہ) کا ذکر کیا اور جب آپ سے میر نعمان نے یہ پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں لباس فرجی، شال اور شلوار نہیں تھی۔ آپ اس سے منع کیوں نہیں کرتے ہیں؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سنتِ ہدیٰ اور عادیہ کا فرق بیان کر کے وضاحت کی۔[۶]

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لباس کو بھی ایسی ہی سنت قرار دیا ہے، جس کا خلاف رافع سنت ہے، لکھتے ہیں:

> یوں ہی مشائخ نے دستار کے شملے کو دائیں جانب چھوڑنے کو مستحسن کہا ہے؛ حالانکہ اس بارے میں سنت یہ ہے کہ پشت پر دونوں کاندھوں کے درمیان ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ بدعت بھی رافع سنت ہے۔[۷]

تو معلوم یہ ہوا کہ امور دنیوی کو خارج کرنا امام ربانی کے نزدیک صحیح نہیں اور ڈاکٹر صاحب کی تاویل "**بما لا یرضی به القائل**" کی قسم سے ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک اور عبارت نقل کی ہے لیکن صرف اپنے مقصد کی عبارت نقل کی ہے، آگے جو انکے نظریہ کے خلاف عبارت تھی اس کو چھوڑ گئے۔ لکھا ہے:

> جاننا چاہیے کہ بعض بدعات جنہیں علماء اور مشائخ بدعت حسنہ کہتے ہیں، جب ان کا خوب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں۔[۸]

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی مکتوب میں آگے لکھا ہے:

> یوں ہی مشائخ نے دستار کے شملے کو دائیں جانب۔۔۔ الخ[۹]

یہ عبارت اوپر لکھی جا چکی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے صرف سنت ہدی کی مخالفت کو بدعت قرار دیا ہے، جبکہ امام ربانی کی عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک سنتِ عادیہ کی مخالفت بھی بدعت ضلالہ ہے؛ کیونکہ لباس اور اسکی وضع سنت عادیہ ہے؛ اس لیے ڈاکٹر صاحب کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

اور خود امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ عبارت (یعنی مکتوب) دوسری عبارت (یعنی مکتوب) کے متضاد ہے، کیونکہ آپ نے سنتِ عادیہ کی مخالفت کو بدعت قرار نہیں دیا۔

وہ مکتوب یہ ہے:

> میرے مخدوم! آنحضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے، ایک عبادت کے طریق پر اور دوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے، اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اسکے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے اور وہ عمل جو عرف وعادت کے طور پر ہے (لباس عرف وعادت کے طور پر ہے اور سوال اسی کے بارے میں ہے۔ سعیدی) اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا.....۔[۱۰]

”ما“ کے عموم کی تحقیق

حدیث (۱):

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

> لہذا اقترابات میں تو بدعت کا قاعدہ جاری ہوگا، اس میں کسی قرینہ شرعی کے بغیر مطلق کو مقید اور عام کو خاص نہیں کر سکتے؛ کیونکہ ”ما لیس منه“ میں ”ما“ عموم پر دلالت کرتا ہے۔[۱۱]

معلوم یہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اہلسنت کی کتب کا مطالعہ نہیں یا مسلکی تقلید اتنی غالب ہے کہ

☆۔ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس صحیح العقیدہ سنی حنفی ہیں اور اہل سنت کے مشہور و معروف عالم علامہ مفتی محمد امین فیصل آبادی کے دامن سے وابستہ ہیں، مقالہ نگار کو ان کے مقالہ کے انداز تحریر سے غلط فہمی ہوگئی جو صحیح نہیں ہے۔ (مرتبین)

یہ نظر نہیں آیا کہ اہلسنت کے نزدیک بھی یہی شرط ہے اور اہلسنت کی تمام تحریرات میں اسکی تفاصیل ہوتی ہیں۔ تراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اسکی مخصص ہے۔ اس حدیث پر کچھ تفصیل اسی مقالہ میں موجود ہے اور آنے والے حوالے میں بھی یہ حدیث موجود۔

مخصص:

حدیث (٢):

مقالہ نگار نے دوسری حدیث نقل کی ہے، اسکے آخر میں ہے:

"وشر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة"

اور چیزوں میں بدترنئی باتیں ہیں اور ہرنئی چیز گمراہی ہے۔[١٢]

علامہ امام کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

وحديث "كل بدعة ضلالة" من العام المخصوص۔ الخطابی۔[١٣]

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ازہار میں کہا ہے: یعنی ہر بدعت سیئہ ضلالہ ہے؛ اس پر دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث "**من سن فی الاسلام سنة حسنة الحديث**" ہے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قرآن کو جمع کیا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصحف میں لکھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اس میں تجدید کی گئی۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: بدعت ہر وہ کام ہے جو مثال سابق کے بغیر کیا گیا ہو اور شریعت میں: ہر وہ کام ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہ ہو اور آپ ﷺ کا فرمان: "**كل بدعة ضلالة**" عام مخصوص ہے (الی ان قال) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیامِ رمضان کے بارے میں فرمایا: "**نعمت البدعة**" یہ شیخ کا تہذیب الاسماء واللغات میں آخری کلام ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: **ما رأوه المسلمون حسنا فهو عند الله**

حسن ۔ اور مرفوع حدیث میں ہے: لا یجتمع امتی علی الضلالۃ۔[۱۴]

حدیث (۳):

ڈاکٹر صاحب کی نقل کردہ حدیث نمبر ۳:

> **او صیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعة وان کان عبدا حبشیا. ۰۰ کل بدعة ضلالة .**[۱۵]

یہ حدیث بھی مذکور سابق حدیث کی طرح ہے کہ ”**کل بدعة ضلالة**“ عام مخصوص ہے۔ ملا علی قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

> **” و کل بدعة “ : بنصب کل ، و قیل : برفعه ” ضلالة “ : لاما خص . و قد تقدم (ای فی الحدیث السابق رقم: ۱۴۱ . سعیدی) رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی وابن ماجة. (احمد فی مسند العرباض بن سارية)**[۱۶]

حدیث (۴):

اس پر ہمارے اسی مقالہ میں دوسری جگہ تحقیق ہو چکی ہے۔

حدیث (۵):

> **ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع اللہ من سنتهم مثلها .**[۱۷]

اس حدیث میں بھی بدعۃ ضلالہ کا ذکر ہے اور اسکی تحقیق اوپر ہو چکی ہے۔

بدعتِ حسنہ:

(الف) مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارات میں ”بدعت حسنہ“ کے اشارات:

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مجدد بدعت کی اس تقسیم کے بھی قائل نہیں، جو علماء نے کی ہے۔[۱۸]

اس کو دوسری جگہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

(امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> علماء کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرے۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں کسی بدعت میں حسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔ [۱۹]

ان عبارتوں کے بعد ڈاکٹر موصوف نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں:

> اس اقتباس میں آپ نے واضح کر دیا ہے کہ بدعت کی تقسیم درست نہیں۔ [۲۰]

جبکہ امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی بدعت حسنہ ہوتی ہے، اگرچہ آپ نے اسکا نام بدعت حسنہ نہیں قرار دیا۔ لکھتے ہیں:

> علمائے کرام نے اس (عرضداشت (کے بارے میں) جو حضرت خواجہ (باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی طرف لکھی گئی تھی۔ (اس میں) واقع ہوا ہے کہ ایک رنگین مقام میں (اس فقیر) کا گزر ہوا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے بلند تر ہے) کا ایک اور حل بھی تجویز کیا ہے کہ جزئیات میں سے ایک جزئی میں غیر نبی کو اگر نبی پر فضیلت لازم آجائے تو کچھ حرج نہیں، بلکہ ایسی فضیلت کا وقوع بھی ہو چکا ہے؛ جیسا کہ شہداء کے بارے میں وہ فضیلت کی باتیں وارد ہو چکی ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے متعلق وارد نہیں۔ [۲۱]

غیر نبی کو نبی پر فضیلت حاصل ہو یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ جزئی دو حالوں میں سے ایک حال پر ضرور ہوگی۔

الف: ہر جہت سے نبی کی اتباع میں ہوگی، تو جب نبی کی اتباع میں ہوئی تو تابع کو متبوع پر فضیلت حاصل نہ ہوئی؛ کیونکہ تابع تابعیت کی حیثیت سے متبوع سے فاضل نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے متبوع کو فضیلت حاصل ہوگی تابع کو نہیں۔

ب: نبی کی اتباع کے بغیر ہوگی، اس میں غیر نبی کو نبی پر فضیلت حاصل ہوگی؛ کیونکہ غیر نبی، نبی کا تابع نہیں؛ عدم تابعیت کی وجہ سے نبی سے مفضول نہیں ہوگا بلکہ نبی سے فاضل ہوگا۔ لیکن یہ باطل ومردود ہے؛ کیونکہ یہ نبی کی اتباع کے بغیر ہے اور جو کام نبی کی اتباع کے بغیر ہو وہ باطل ومردود ہوتا ہے۔

ج: یہ ایک جہت سے نبی کی اتباع میں ہو اور ایک جہت سے نبی کی اتباع کے بغیر ہو۔ یعنی نبی کی اتباع کی جہت یہ ہو کہ کسی اصول شرعی میں داخل ہو؛ تو اس اصولِ شرعی کے جزئی ہونے کی وجہ سے نبی کی اتباع میں داخل ہو۔ اور نبی کی اتباع کے بغیر ہونے کی یہ صورت ہو کہ اس جزئی پر نبی نے عمل نہ کیا ہو اور غیر نبی نے اس پر عمل کیا ہو، لیکن اس احتمال میں بھی نبی کو غیر نبی پر فضیلت حاصل ہوگی؛ کیونکہ اصولِ شرعی کی اتباع کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوگی اور یہ اصول شرعی نبی ہی کے طفیل حاصل ہوا ہے؛ **والفضل لما تقدم**۔

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مذکورہ عبارت سے بدعت حسنہ کی طرف اشارہ یہ ہے کہ یہ جزئی نبی سے صادر نہیں ہوا تو جو کام نبی سے صادر نہ ہوا ہو وہ بدعت ہے، لیکن وہ نبی کی اتباع میں ہے؛ اس لیے حسنہ ہے۔ اسی مکتوب میں اس سے کچھ آگے لکھتے ہیں:

اگرچہ وہ مقام بھی اسے نبی کی متابعت سے ہی نصیب ہوا ہے۔ اور نبی کے لیے بھی مطابق حدیث:

من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها .

جو شخص نیک طریقہ جاری کرے، تو اس کے جاری کرنے والے اور
جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے، سب کا ثواب اسے ملے گا۔[۲۲]

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث شریف سے دیگر مکتوبات شریفہ میں بھی سنت حسنہ (بدعت حسنہ) پر استدلال فرمایا ہے۔

۱۔ جلد دوم، مکتوب نمبر ۵۷
۲۔ جلد سوم، مکتوب نمبر ۹۴
۲۔ جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۲۲

(i) حدیث میں جس کو سنتِ حسنہ کہا گیا ہے وہ حضور ﷺ کی سنت نہیں ہے؛ کیونکہ اگر یہ حضور نبی کریم ﷺ کی سنت ہوتی تو امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک اس جزئی میں غیر نبی کو نبی پر کوئی فضیلت

حاصل نہ ہوتی۔ تو ثابت ہوا کہ یہ سنتِ حسنہ وہ جزئی ہے جو غیر نبی ہی کی سنت ہے؛ اسی لیے غیر نبی کو نبی پر فضیلت حاصل ہوئی ہے۔ اور یہ غیر نبی کی سنتِ حسنہ بدعتِ حسنہ ہے؛ کیونکہ جو کام نبی نے نہ کیا ہو وہ بدعت ہے؛ اس لیے یہ غیر نبی کی سنتِ حسنہ، بدعتِ حسنہ ہے۔

(ii) امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے علماء میں صرف نام میں اختلاف ہے۔ امام ربانی کے نزدیک غیر نبی کی سنت (یعنی طریقہ)، سنت بھی ہے اور حسنہ بھی اور دوسرے علماء کے نزدیک سنت صرف نبی کی سنت (یعنی طریقہ) ہے، غیر نبی کی سنت (یعنی طریقہ) سنت نہیں بلکہ بدعت ہے اور حدیث میں لفظ "سنۃ" لغوی معنی میں ہے اور اصطلاحی معنی میں بدعت ہے، تو امام ربانی کے نزدیک سنتِ حسنہ کی دو قسمیں ہوئیں۔ (۱) نبی کی سنتِ حسنہ، اور (۲) غیر نبی کی سنتِ حسنہ۔ اور دوسرے علماء کے نزدیک سنت حسنہ کی ایک ہی قسم ہے جو نبی کی سنت ہے۔ غیر نبی کے طریقہ کا نام بدعت ہے اور اسکی دو قسمیں ہیں، (۱) بدعتِ حسنہ، اور (۲) بدعتِ ضلالۃ۔ علماء بدعتِ حسنہ کا استنباط اسی حدیث سے کرتے ہیں۔ [۲۳]

تو جب امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حدیث سے غیر نبی کی بدعت حسنہ کو سنت حسنہ قرار دیا تو آپ کے نزدیک بدعت کی صرف ایک قسم رہ گئی؛ اس لیے آپ کے نزدیک ہر بدعت، بدعت ضلالہ ہے۔ اور دوسرے علماء نے اس کو سنت نہیں قرار دیا؛ اس لیے ان کے نزدیک بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

(ب) داخلی شہادت

مقالہ نگار اس کام کو جو نبی نے نہیں کیا لیکن امتی نے کیا ہے، نہ بدعت حسنہ کے طور پر قبول کرتے ہیں اور نہ سنت حسنہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لکھتے ہیں:

> علامہ مراد مکی، شیخ محمد مظہر دہلوی، سعید احمد نقشبندی اور ڈاکٹر محمد مسعود کے نزدیک امام ربانی بدعت حسنہ کو سنت (حسنہ) میں داخل سمجھتے ہیں۔ حیرت ہے کہ ان محققین نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اقوال پر غور نہیں کیا، مکتوبات کی داخلی شہادتوں کی رو سے ان محققین کا یہ نقطۂ نظر درست معلوم نہیں ہوتا۔ [۲۴]

(۱) مقالہ نگار نے داخلی شہادت کے لیے جو مکتوب حوالہ کے طور پر پیش کیا، وہ داخلی شہادت کے طور پر مقالہ نگار کے اشارۂ خلاف ہے۔ لکھا ہے:

> گزشتہ زمانے میں چونکہ اسلام قوی تھا؛ اس لیے بدعت کے ظلمات کو اٹھا سکتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نورِ اسلام کی چمک میں نورانی معلوم ہوتے ہوں اور حسن کا حکم پا لیتے ہوں، اگرچہ ان میں درحقیقت کسی قسم کا نور اور حسن نہ ہوگا۔ مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے، ۔۔۔۔۔ متاخرین کے فتویٰ کو جاری نہیں کرنا چاہیے؛ کیونکہ ہر وقت کے احکامات جدا ہیں۔ [۲۵]

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس آخری جملہ ”کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں“ میں بدعت کے جواز کا واضح اشارہ موجود ہے؛ کیونکہ اگر آپ کے نزدیک بدعت میں کسی حیثیت سے بھی جواز نہ ہوتا تو آپ آخر میں یہ جملہ بطور دلیل ذکر نہ فرماتے۔ درحقیقت یہ ایک اصول ہے جسکو امام ربانی نے دلیل کے طور پر ذکر کیا۔ یہ آخری جملہ آپ کے پہلے کلام سے استثناء ہے، بلکہ ”مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے“ مستثنیٰ ہے، اور یہ جملہ اس استثناء کی دلیل ہے۔ لفظ ”مگر“ استثناء کے لیے ہے۔

(۲) مقالہ نگار نے ایک اور حوالہ مکتوبات سے ذکر کیا ہے، جو داخلی شہادت کے طور پر مقالہ نگار کے خلاف ہے۔ وہ یہ ہے:

> بعض معتمد لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مرید خلفاء کو سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر کفایت نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی اظہر من الشمس ہے۔ انہیں اس سے سختی سے منع کیجیے۔ [۲۶]

اس عبارت میں دو امور کا ذکر ہے، جن میں سے پہلے امر کی مذمت کی گئی ہے اور دوسرے امر کو برقرار رکھا گیا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل امور ہیں:

(۱) صرف سجدہ تعظیمی کی مذمت کا ذکر ہے۔

(۲) زمین بوسی کی مذمت کا ذکر نہیں، تو زمین بوسی کا جواز اس سے ثابت ہو رہا ہے۔

خود مقالہ نگار کی عبارت سے بھی زمین بوسی کا جواز دو وجوہ سے ثابت ہو رہا ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) خود مقالہ نگار نے اس کو صرف ''سجدۂ تعظیمی کی حرمت'' کے عنوان کے ماتحت ذکر کیا ہے، اس کے ساتھ ''زمین بوسی کی حرمت'' کے الفاظ کے ساتھ عنوان میں اضافہ نہیں کیا۔

(۲) مقالہ نگار نے عنوان کے نیچے کی عبارت میں بھی ''زمین بوسی کی حرمت'' کا ذکر نہیں کیا۔

تو ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ مقالہ نگار کے نزدیک ''زمین بوسی'' امام ربانی کے نزدیک ''سنتِ حسنہ'' ہے؛ کیونکہ ''بدعت حسنہ'' کا تو بقول مقالہ نگار امام ربانی کے نزدیک کوئی وجود نہیں۔ جب کہ ہم اس کا بھی وجود پہلے ثابت کر چکے ہیں۔

''زمین بوسی'' جب مقالہ نگار کے نزدیک جائز ہے تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس کو کتاب اللہ تعالیٰ، یا سنتِ رسول اللہ ﷺ، یا تعاملِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، یا اجماع، یا قیاس سے ثابت کرتے؛ کیونکہ یہ تحقیقی مقالہ پیش کر رہے تھے؛ اس لیے اس کی تحقیق وتنقید ضروری تھی۔

تو جب مقالہ نگار نے کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کیا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم ﷺ کی قدم بوسی کرتے تھے، یا تعاملِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ ثابت نہیں کیا کہ خلفائے راشدین کی صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم قدم بوسی کرتے تھے، یا اجماع، یا قیاس سے یہ ثابت نہیں کیا کہ ائمہ مجتہدین ومحدثین کی انکے تلامذہ ومعتقدین زمین بوسی کرتے تھے۔ تو جب جواب نفی میں ہے تو یہ بدعت ہے اور مقالہ نگار کے نزدیک ہر بدعت بدعتِ ضلالہ ہے؛ اس لیے یہ بھی بدعت ضلالہ ہے۔ مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق اس بدعتِ ضلالہ کی نسبت امام ربانی کی طرف ہوگی، اس کی نسبت امام ربانی کی طرف معمولی مسلمان بھی نہیں کر سکتا؛ اس خرابی کی وجہ یہ ہے کہ موصوف امام ربانی کے لیے نہ تو سنتِ حسنہ ثابت کرتے ہیں اور نہ بدعتِ حسنہ۔ ہم اہلسنت اس کو بدعت تو کہیں گے لیکن بدعتِ ضلالہ نہیں کہیں گے؛ کیونکہ اس کے جواز کی نسبت امام ربانی کی طرف ہو رہی ہے؛ اس لیے یہ یا تو بدعتِ حسنہ ہے، یا سنت حسنہ امام ربانی کی اصطلاح میں۔ یہ صرف امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح ہے۔

(۳) اور داخلی شہادت خود مقالہ نگار کی عبارت سے، لکھا ہے:

> بعض دوستوں کو خواب میں دیکھا گیا کہ وہ فقیر کے وضوء کا مستعمل پانی پئیں، ورد ضرر عظیم لاحق ہوگا۔ ہر چند اس سے باز رہنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا تو خلاصی کی ایک

> صورت نکل آئی کہ اگر تین بار اعضاء دھو لینے کے بعد چوتھی بار بغیر نیتِ عبادت اعضاء پر پانی پھیر دیں، تو وہ مستعمل نہیں ہوگا۔ اس حیلہ سے بے نیتِ قرابت اعضاء پر پانی چلا کر اسے پینے کے لیدیا۔ [۲۷]

مقالہ نگار نے اس حوالے کو بغیر تنقید و تحقیق کے ذکر کیا ہے۔ تین بار سے اوپر دھونے کو حدیث میں اسائت قرار دیا ہے۔ تو اگر یہ بقول مقالہ نگار سنت ہے تو سنت سیئہ ہے اور اگر سنت نہیں تو پھر بدعت سیئہ ہے۔ تو دونوں احتمالوں پر مقالہ نگار کے نزدیک پھر یہ کیا ہے؟

حدیث شریف یہ ہے:

> **عن عمر و بن شعیب ، عن ابیه عن جده ، قال : جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیه وآله وصحبه وسلم یساله عن الوضوء، فأراه ثلاثاً ثلاثاً . ثم قال ھكذا الوضوء . فمن زاد علی ھذا فقد اساء وتعدی وظلم . رواہ النسائی ، وابن ماجة ، وروی ابوداؤ بمعناہ .** [۲۸]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرمایا: ایک بدوی نے نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر وضوء کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے تین تین بار اعضاء کو دھوکر دکھایا۔ پھر فرمایا: وضوء اس طرح ہے۔ تو جس نے اسپر زیادہ کیا تو اس نے برا کیا اور حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسکی شرح فرماتے ہوئے، لکھتے ہیں:

> (تو جس نے اسپر زیادہ کیا تو اس نے برا کیا) یعنی سنت کو چھوڑا (اور تجاوز کیا) یعنی زیادہ کرنے کی وجہ سے حد سے زیادہ آگے نکل گیا (اور ظلم کیا) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے خود پر ظلم کیا، یا بغیر ثواب حاصل ہونے کے تین بار دھونے پر زیادہ کرکے خود کو مشقت میں ڈالا، یا پانی کو بلا فائدہ ضائع کیا (؛ کیونکہ بلا فائدہ کسی چیز کو ضائع کرنا گناہ ہے)۔ (الی ان قال) زیادہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شریعت نے جس کو کامل قرار دیا ہے یہ اس کو

> ناقص سمجھ رہا ہے اور اس نے اس حد سے تجاوز کیا ہے جسکو شریعت نے متعین کیا ہے اور تکمیل کی غایت بنایا ہے۔ ۲۹

اگر مقالہ نگار کہے: یہ بلا فائدہ نہیں؛ کیونکہ آپ کے احباب سے ضرر عظیم کو اسی سے دور کیا گیا تھا۔ تو اسکے جواب میں یہ کہا جائے گا: ''سنت کی مخالفت میں ضرر عظیم سے بچنے کی کوشش کرنا ضرر اعظم ہے''۔۔۔

(۴) مقالہ نگار کے مذکورہ بالا حوالے پر ایک اور داخلی شہادت

خود امام ربانی قدس سرہ نے عدد کی زیادتی کو نسخ عدد قرار دیا ہے اور اس کو رافع سنت قرار دے کر بدعت ضلالہ قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ بعض بدعات جنہیں علماء اور مشائخ بدعت حسنہ کہتے ہیں، جب ان کا خوب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں؛ مثلاً میت کے کفن میں عمامے کو انہوں نے بدعت حسنہ کہا ہے؛ حالانکہ یہ بدعت بھی رافع سنت ہے؛ کیونکہ اس سے کفن کے تین کپڑوں میں تین کے عدد کا نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے۔ ۳۰

مقالہ نگار نے بھی اس مکتوب کو ''رافع سنت ہیں'' تک نقل کیا ہے۔ ۳۱

یہ ساری بحث مقالہ نگار کے جواب میں ہے نعوذ باللہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر تنقید نہیں۔ آپ کے اس عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ بدعت حسنہ (سنت حسنہ) کے قائل بھی تھے اور عامل بھی ورنہ چوتھی بار دھون مریدین کو عطا نہ فرماتے۔۔

(ج) جمہور کے نزدیک

بدعت کو صرف ضلالہ قرار دینا مقالہ نگار کی جذباتی ترجیح ہے جبکہ جمہور علماء کرام کا موقف یہی ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، اس مقام پر مقالہ نگار نے تحقیق سے زیادہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

بخاری شریف میں حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

> "ثم خرجت معه (يعني عمر رضى الله تعالىٰ عنه) ليلة اخرى والناس يصلون بصلوة قارئهم .قال عمر: نعم البدعة

> **هذه . والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون . یرید اٰخر اللیل وکان الناس یقومون اوله .**[۳۲]

اس حدیث کی تخریج ارباب سنن اربعہ نے بھی کی ہے۔

پھر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دوسری رات میں نکلا اور لوگ اپنے قاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے۔ اور وہ لوگ جو اس نماز کو چھوڑ کر سوئے ہوئے ہیں ان سے افضل ہیں جو اس کو قائم کر رہے ہیں۔ حضرت عمر کی مراد یہ تھی جو اس وقت سو رہے ہیں اور رات کے آخری حصہ میں جاگیں گے اور اس کو ادا کریں گے۔ اس وقت لوگ اس کو رات کے پہلے حصہ میں قائم کرتے تھے۔

اس حدیث کے اس جملہ ''**نعم البدعة هذه**'' پر علامہ احمد علی محدث سہارنپوری نے حاشیہ لکھا ہے، (تمام دیوبندی علماء و محدثین انکے علم و فضل پر متفق ہیں اور بیشمار علماء و محدثین حدیث میں انکے شاگرد ہیں) لکھتے ہیں:

> **والبدعة اصلها ما احدث علی غیر مثال سابق . و یطلق فی الشرع فی مقابلة السنة . فتکون مذمومة . والتحقیق انها ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی حسنة وان کانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی مستقبحة والا فهی من قسم المباح. .(الی ان قال) ورجح عند عمر ذلک لما فی الاختلاف من افتراق الکلمة ولان الاجتماع علی واحد انشط لکثیر من المصلین والی قول عمر جنح الجمهور.**[۳۳]

اور علامہ شوکانی غیر مقلد نے بھی نیل الاوطار میں یہی عبارت نقل کی ہے۔[۳۴]

میں نے اس حدیث کی شرح دیکھنے سے پہلے لکھا تھا، پھر جب بخاری شریف میں اسکے حاشیہ کو دیکھا تو ایسا ہی مفہوم پایا۔ یہ لکھا تھا:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کو بدعت قرار دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو جماعت کے ساتھ نہ پڑھنا چاہے تو اس کے لیے یہ جائز ہے؛ کیونکہ یہ بدعت ہے۔ یعنی یہ اس

شخص کے لیے مباح ہے جو اس کو جماعت کے ساتھ نہ پڑھے؛ کیونکہ نہ یہ واجب ہے اور نہ حضور ﷺ کی سنت۔ محدث سہارنپوری لکھتے ہیں:

> قال محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی المؤطا: لا باس فی شہر رمضان ان یصلی الناس تطوعا.. انتھی (الی ان قال) و عن مالک فی احدی الروایتین وابی یوسف وبعض الشافعیۃ: الصلوٰۃ فی البیوت افضل عملا بعموم قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم: افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ. و ھو حدیث صحیح اخرجہ المسلم و بالغ الطحاوی.[۳۵]

لیکن احناف، حنابلہ، بعض مالکیہ اور بعض شوافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے اور امام مالک، امام ابو یوسف اور بعض شوافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک بغیر جماعت کے افضل ہے۔[۳۶]

(۲) خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے: اس کی اول وجہ تو اس کا بدعت ہونا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ اول رات میں پڑھنے سے اخیر رات میں پڑھنے کو افضل جانتے تھے۔ فتح الباری میں ہے:

> وفیہ اشعار بان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان لا یواظب علی الصلوۃ معھم وکانہ کان یری ان الصلوٰۃ فی بیتہ ولا سیما فی اٰخر اللیل افضل.[۳۷]

(i) تو ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بدعت کی دو قسمیں ہیں، ان میں سے ایک بدعت حسنہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اس پر ہمیشہ عمل نہیں کرتے تھے، اکثری عمل آپ کا ترک کا تھا، لیکن دوسروں کو آپ نے اس پر جمع کر دیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی چیز پر کسی وجہ سے عمل نہیں کرتا تو دوسرے کو اس سے نہ روکے۔ بلکہ اس پر عمل کرنے کے لیے کے آسانیاں پیدا کرے۔

(ii) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر افضل اچھی بدعت کے لیے آتا ہے، جس کو علمائے اسلام نے "بدعتِ حسنہ" کہا ہے۔ جب غیر افضل "بدعتِ حسنہ" ہے تو غیر اولیٰ اور مباح بطریق اولیٰ "بدعتِ حسنہ" ہے۔

(۳) خود مقالہ نگار نے ایک حوالہ پیش کیا ہے جس میں اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ذکر ہے، اور جو بدعت کے غیر ضلالہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لکھا ہے:

(i) اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ سنت میں میانہ روی اختیار کرنا بدعت میں کوشش کرنے سے بہتر ہے۔ ۳۸

اسمیں اولی اور غیر اولی، بہتر اور غیر بہتر کا صرف فرق ہے۔ اوپر کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ واضح اشارہ موجود ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس پر عمل نہیں کرتے تھے، لیکن دوسروں کے لیے اس پر عمل کے لیے آسانی وسہولت پیدا فرمائی تھی۔

(ii) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں تو صرف بہتر اور غیر بہتر کا ذکر ہے، جس کا مفاد دونوں سمتوں میں جواز کا ہے۔ اس کو عدمِ جواز اور بدعتِ ضلالہ کے لیے بطور دلیل ذکر کرنا تحقیق کے لیے کسی طرح بھی مناسب وزیبا نہیں ہے؛ کیونکہ دعوٰی اور دلیل میں مطابقت نہیں؛ اس لیے کہ دعوٰی عام اور دلیل خاص ہے؛ کیونکہ دعوٰی ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور دلیل ہے کہ بدعت پر عمل غیر بہتر ہے۔ اگر دعوٰی اور دلیل کو ایک قرار دیں تو معنی یہ ہوگا کہ بدعتِ ضلالہ پر عمل غیر بہتر ہے۔ اور علمائے اسلام میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں اور خود مقالہ نگار بھی بلکہ اس پر عمل ناجائز اور باطل ہے۔ اور اگر ان کو دوسری طرح ایک قرار دیں کہ دعوٰی میں بدعت کو بدعتِ ضلالہ نہ قرار دیں تو اب دعوٰی اور دلیل دونوں مطابق ہو جائیں گے، لیکن مقالہ نگار بدعت کے غیر ضلالہ ہونے کے قائل نہیں ہیں؛ اس لیے ثابت ہوا کہ دعوٰی اور دلیل ایک دوسرے کے مطابق نہیں ہیں۔ مقالہ نگار کی عبارت یہ ہے:

> الیوم اکملت لکم دینکم کے بعد دین میں کسی بدعت کی گنجائش نہیں۔ ہر کام کے لیے کسوٹی اسوہ حسنہ ہے؛ اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔۔ الخ۔ ۳۹

کیا ہر بدعت کو ضلالہ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یا تو نمازِ تراویح باجماعت کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیں؛ کیونکہ حضور ﷺ نے اس کو ہمیشہ کے لیے ترک فرما دیا تھا۔ یا کبھی کبھی پڑھیں؛ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ نمازِ تراویح باجماعت نہیں پڑھی، بلکہ کبھی کبھی پڑھی؟

(iii) اور حدیث بھی مقالہ نگار نے مکتوبات سے نقل کی ہے، لیکن اس حدیث کی تحقیق نہ تو خود کی ہے اور نہ شروح حدیث دیکھنے کی زحمت کی ہے۔ اس حدیث میں بھی بہتر اور غیر بہتر کا فرق ہے۔ لکھا ہے:

> مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ
> بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ.
> کوئی قوم بدعت جاری نہیں کرتی مگر اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے،
> تو سنت کو مضبوطی سے تھامنا بدعت جاری کرنے سے بہتر ہے۔[۴۰]

میں نے اس حدیث کے جملہ "**فتمسك بسنة خير من احداث بدعة**" سے، اور اس کے ترجمہ "تو سنت کو مضبوطی سے تھامنا بدعت جاری کرنے سے بہتر ہے۔" سے جو سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ جملہ پہلے جملہ کی جزا نہیں بن سکتا؛ کیونکہ پہلے جملہ میں بدعتِ ضلالہ مذمومہ کا ذکر ہے اور اس جملہ میں صرف غیر بہتر ہونے پر دلالت ہے اور بدعتِ ضلالہ صرف غیر بہتر نہیں ہوتی بلکہ باطلہ و مردودہ ہوتی ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اسکی شرط محذوف قرار دی گئی ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

> **جواب شرط محذوف ای اذا عرفت ذلک فتمسک بسنة: ای صغيرة او قليلة کاحياء اداب الخلاء مثلا علی ماورد فی السنة.**[۴۱]

یہ شرط محذوف کا جواب ہے یعنی آپ نے جب اس کو پہچان لیا تو مضبوطی سے سنت کے ساتھ چمٹنا: یعنی چھوٹی یا تھوڑی مثلاً آداب بیت الخلاء کا زندہ کرنا جیسا کہ سنت میں وارد ہے۔

"**خير من احداث بدعة**" کی تشریح میں ملا علی قاری نے امام طیبی اور امام ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عبارات نقل کی ہیں۔ اس جملہ کا معنی و مفہوم خود علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

> **ای: افضل من حسنة عظيمه کبناء رباط و مدرسة.**[۴۲]
> یعنی سنت کو تھامنا دوسری بڑی نیکی سے افضل ہے جیسے (گھوڑوں کو سرحد پر (باندھنے کے لیے) عمارت اور مدرسہ کو تعمیر کرنا۔

علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اس بدعت کو حسنہ عظیمہ قرار دیا ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ بدعتِ ضلالہ نہیں ہے؛ کیونکہ بدعتِ ضلالہ حسنہ عظیمہ نہیں ہو سکتی۔ تو ثابت ہوا کہ مقالہ نگار کا اس حدیث کو بدعتِ ضلالہ کی ذم میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

پھر اسی عبارت کی تشریح میں پہلے امام طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

> اور ممکن ہے کہ اس کو ”شہد سرکہ سے زیادہ میٹھی ہے“ کے قبیل سے قرار دیا ہو، اور ”دو فریقوں میں سے کونسا فریق خیر ہے؟“ کے طریقے پر ہو۔ تو اس وقت معنی یہ ہوگا ”سنت کے تھامنے میں خیر عظیم ہے، اور بدعت میں بالکل خیر نہیں۔“ امام ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکی تردید کی ہے، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو صواب قرار دیا ہے،

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول صحیح ہے اور جو مثال طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اولاً ذکر کی ہے وہ غیر مسلم ہے۔ لیکن اولاً: بدعتِ حسنہ سنتِ منصوصہ سے ملحق ہے، لیکن پہلے دور میں اس سے مانوسیت نہیں تھی؛ اس لیے اس کو بدعت کہا گیا ہے۔ اور لیکن ثانیاً: تو مدرسہ کی مثل اسکا نفع عام و ہمیشہ کا ہے اور اسکا ثواب کئی گناہ بڑھنے والا، اور اسکے باقی رہنے کے ساتھ باقی رہنے والا ہے، تو کس طرح وہ اس پر افضل ہوگا جس کا نفع تھوڑا ہے اور اس کے فعل کے پورے ہونے کے ساتھ اسکا ثواب منقطع ہونے والا ہے۔ یہ غیر معقول ہے۔ انتہی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آگے کی عبارت میں اس بدعت کو مستحسن قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ پھر بھی سنت افضل ہے۔[۴۳]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت سے یہ واضح ہوا ہے کہ غیر افضل بدعتِ حسنہ ہوتی ہے؛ اس لیے مقالہ نگار کا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

تقررِ ایام و تعین صورت

مقالہ نگار نے اسکی کوئی تفصیل اور حوالہ ذکر نہیں کیا۔[۴۴]

مکتوبات شریف اور آپ کی کسی دوسری تصنیف میں یہ مذکور نہیں کہ محفل میلاد یا محفل عرس کے ایام کا تقرر بدعت ضلالہ ہے یا ایسی کوئی صورت بدعت ضلالہ ہے، جس میں قرآن پاک کی تلاوت ہو یا رسول ﷺ کی ولادت اور معجزات وغیرہ یا اولیائے کاملین کا ذکر خیر ہوتا ہو۔

آپ نے صرف ایک مکتوبات میں تقرر یوم اور تعین صورت کو مذموم و بدعت قرار دیا ہے، جس کی تعین کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ آپ لکھتے ہیں:

> اسی قسم کا عورتوں کا وہ روزہ بھی ہے جو کہ عورتیں بیبیوں اور پیروں کی نیت سے رکھتی ہیں اور ان کے اکثر نام اپنی طرف سے تراش کر اپنے روزوں کو ان کے نام نیت کرتی ہیں اور ہر روز کے روزہ کے افطار کے وقت ایک خاص طعام مخصوص طریقہ سے مقرر کرتی ہیں اور روزوں کے لیے دنوں کی تعین بھی کرتی ہیں اور اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں سے وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلہ سے ان پیروں سے اپنی حاجتیں چاہتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورے ہونے کو ان کی طرف سے جانتی ہیں۔ یہ عبادت میں شرک ہے، اور غیر عبادتوں کے ذریعہ اپنی حاجت کو چاہنا ہے۔[۴۵]

اسی مکتوب میں ایک پیراگراف کے بعد ہے:

> اور بہانہ ہے وہ جو بعض عورتیں اسی فعل کی برائی کے اظہار کے وقت کہتی ہیں کہ: ہم یہ روزے خدا تعالیٰ کے لیے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں۔ اگر وہ اس معاملہ میں سچی ہیں تو روزوں کے لیے دنوں کا تعین کس لیے ہے؟ اور افطار میں مختلف برائیوں کے اوضاع و اطوار کس لیے ہیں؟ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ روزہ افطار کرتے وقت حرام امور کا ارتکاب کرتی ہیں اور حرام چیزوں سے روزہ افطار کرتی ہیں اور بے ضرورت سوال اور گداگری کرتی ہیں اور اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کو ان محرمات کے ارتکاب سے مخصوص سمجھتی ہیں۔[۴۶]

مندرجہ ذیل امور کیوجہ سے آپ نے ان روزوں کو مذموم قرار دیا ہے، ورنہ آپ ان کو مذموم نہ قرار دیتے۔ آپ نے مذموم نہ ہونے کی وجہ یہ لکھی "اگر وہ اس معاملہ میں سچی ہیں تو روزوں کے لیے دنوں کا تعین کس لیے ہے؟۔۔۔۔" یعنی اگر تعین وغیرہ نہ ہو تو روزے مذموم نہیں۔ مذموم ہونے کی وجہ یہ ہیں:

(۱) بیبیوں اور پیروں کی نیت سے روزے رکھنا۔ انکی نیت سے ہونا انکی عبادت کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے سواء غیر کی عبادت شرک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نیت سے ہو اور پیروں اور بیبیوں کے لیے ایصال ثواب ہو تو جائز ہے۔

(۲) عورتوں نے اپنی طرف سے انکے نام تراش رکھے ہیں۔ اگر نام مختص کیے بغیر روزے رکھے جائیں تو جائز ہیں؛ کیونکہ ان ناموں کی تخصیص کی کوئی وجہ ان روزوں میں نہیں ہے، اور نہ خود ان ایام میں ہے، یعنی کسی نبی کی پیدائش یا کسی ولی کی پیدائش یا وفات کا دن ہوتا؛ اس لیے تعیین باطل ہے۔

(۳) روزہ کے افطار کے وقت خاص طعام مخصوص طریقے سے مقرر کرتی ہیں۔ اگر مخصوص طعام نہ ہو اور مخصوص طریقے سے افطار نہ ہو تو پھر ان میں عدم جواز نہیں۔

(۴) مطالب و مقاصد کو ممنوع روزوں سے وابستہ کرنا۔ مطالب و مقاصد کو صرف صحیح روزوں سے وابستہ کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو انسے وابستہ کیا جائے اور مطالب و مقاصد کو اللہ تعالیٰ کی رضا سے تو پھر ان میں عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں۔

(۵) حاجتوں کے پورا ہونے کو ان مردود و باطل روزوں کے وسیلہ سے پیروں سے جاننا۔ اللہ تعالیٰ اعمال صیحہ کے وسیلہ سے اور اپنے مقرب بندوں کے طفیل حاجتیں پوری فرماتا ہے؛ اس لیے حاجتوں کو پورا کرنے والا اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے اس کے مقرب بندے بھی حاجتیں پوری کرتے ہیں اور مشکلیں حل ہوتی ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت جبرئیل، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات اس پر واضح ادلہ ہیں۔

خود مقالہ نگار نے وسیلہ کو تسلیم کیا ہے، لکھا ہے:

> مردوں کو جو ثواب بخشا جاتا ہے نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے بخشنا چاہیے، اس میں قبولیت کی زیادہ امید ہے۔ (امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

ملا صالح ترک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں:

> یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب اپنے آپ کو نیت کے درست کرنے میں عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر علاج نہیں پاتا کہ صدقہ کو رسول اللہ ﷺ کی نیت سے معین کرے اور اس میت کو آپ کا طفیلی بنائے۔ امید ہے کہ آپ کے واسطے کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔[٤٧]

اور حوالہ یہ ہے:

> اس سے چند سال پہلے فقیر کی عادت تھی کہ اگر (ایصال ثواب کے لیے) کھانا پکاتا تو آلِ عبا کی روحانیت مطہرہ کے لیے مخصوص کرتا تھا (الی ان قال) اس دوران میں (رسول اللہ ﷺ نے) فقیر سے فرمایا کہ: میں کھانا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کھاتا ہوں، جو شخص مجھے کھانا بھیجے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بھیجے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ توجہ شریف مبذول نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد سے حضرت عائشہ صدیقہ بلکہ باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمام اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شریک کرتا اور تمام اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے توسل کرتا۔[٤٨]

(٦) غیر کی عبادت کے ذریعے حاجت کو چاہنا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ذریعہ سے حاجت چاہنا جائز ہے۔

(٧) افطاری میں مختلف برائیوں کے اوضاع واطوار۔ افطاری اگر ان سے خالی ہو تو روزے میں ممانعت نہیں۔

(٨) افطاری کے وقت حرام امور کا ارتکاب۔ افطاری کے وقت اگر ان امور کا ارتکاب نہ ہو تو روزے میں ممانعت نہیں۔

(۹) حرام چیزوں سے روزہ افطار کرنا۔ افطاری اگر ان سے نہ ہو تو روزے میں ممانعت نہیں۔

(۱۰) گداگری کر کے روزہ افطار کرنا۔ افطاری اگر اس سے خالی ہو تو روزے میں ممانعت نہیں۔

(۱۱) اپنی حاجتوں کے پورے ہونے کو ان محرمات کے ارتکاب کے ساتھ مخصوص سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ محرمات کے ارتکاب سے ناراض ہوتا ہے؛ اس لیے ان کے ارتکاب سے حاجتوں کے پورے ہونے کو مخصوص سمجھنا گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ بدترین بدعت ہے؛ اس لیے امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس کو بدعت کہنا صحیح ہے۔

تو ثابت ہوا کہ صرف تعین یوم اور تخصیص نام سے روزہ ممنوع نہیں ہے، اسمیں اور وجوہ ہیں جنکی وجہ سے ممنوع ہے۔ تعین یوم اور مخصوص نام امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک عدم جواز کی وجہ نہیں ہیں؛ کیونکہ میلاد النبی ﷺ اور اعراس بزرگان دین آپ کے نزدیک جائز ہیں۔

تکمیلِ دین

مقالہ نگار نے امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک مکتوب سے نامکمل حوالہ پیش کیا ہے، اگر اس کے سیاق وسباق کو دیکھ لیتے تو شاید اس کو نقل نہ کرتے۔ انکی تحقیق کا عجیب ہی انداز ہے، یعنی تحقیق نہ دارد، صرف نقل پر اکتفاء فرمایا۔ مقالہ نگار لکھتے ہیں:

> پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات کو امور مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں ان حسنات سے دین کی تکمیل اور تتمیم ڈھونڈتے ہیں۔[۴۹]

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے پہلے لکھا ہے اور یہ عبارت پہلی عبارت کی تفریع ہے۔ عبارت یہ ہے:

> بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگ ان تبدیلات کو اس طریقہ کی تکمیلات خیال کرتے ہیں، ان الحاقات کو اس نسبت کے تتمیمات تصور کرتے ہیں، اور یہ نہیں جانتے کہ اس کی تتمیم و تکمیل ہر بے سر انجام کا کام نہیں ہے، اور الحاق و اختراع ہر بے سروسامان کے لائق نہیں ہے۔

ہزار نکتۂ باریک تر زمو ایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند[۵۰]

(الف) امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عبارت میں صوفیہ کی دو قسمیں ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، بلکہ اس عبارت میں واضح طور پر صوفیہ کی دو قسموں پر دلالت ہوتی ہے۔ (۱) باکمال، اور (۲) بے سرانجام و بے سروسامان۔ تتمیم و تکمیل اور الحاق و اختراع پہلی قسم کے صوفیہ کا کام ہے، دوسری قسم کے صوفیہ کا نہیں؛ اس لیے مقالہ نگار کی منقولہ عبارت کا تعلق بھی انہیں دوسری قسم کے صوفیہ سے ہے۔

(ب) امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس عبارت سے اس بات پر بھی واضح دلالت ہے کہ آپ کے نزدیک ہر بدعت و اختراع مذموم نہیں ہے، صرف نااہل صوفیہ کی بدعت مذموم اور ضلالہ ہے۔

(ج) اس عبارت سے یہ بھی اشارہ ہے کہ باکمال صوفیہ کو طریقت میں اجتہاد کا درجہ حاصل ہوتا ہے، اگر چہ یہ استنباط و اجتہاد کی طرح معروف و مشہور نہیں ہے۔ محققین صوفیہ کے نزدیک صوفیہ کو بھی طریقت میں اجتہاد کا درجہ حاصل ہوتا ہے، حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے قائل ہیں۔

لطائف اشرفیہ میں ہے:

> مشائخ از کشف و تحقیق استخراج نمودند و در رسائل ثبت کردند، ایں قواعد شریعت است۔[۵۱]

امام احمد رضا خاں محدث قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسے صوفیہ کے لیے اجتہاد کو ثابت کیا ہے۔ میں نے اپنے مقالہ ''احمد رضا خان کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ'' میں لکھا ہے:

(۱) صوفیہ کے اجتہادات بھی مقبول ہیں۔[۵۲]

اور لکھا ہے:

> صوفیہ، کو بھی قوت اجتہاد علم تصوف میں حاصل ہے۔[۵۳]

(د) امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صرف فقہاء کو اجتہاد کا حق دیتے ہیں، صوفیہ کو نہیں؛ اس لیے آپ نے ''الحاق و اختراع'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں، استنباط و اجتہاد کے نہیں۔ اسی مکتوب میں آگے فقہاء کے لیے اجتہاد ثابت کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> علمائے مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے احکامِ دین کو ظاہر کیا ہے، اور از سرِ نو کسی ایسے امر کو ظاہر نہیں کیا جو دین میں سے نہیں ہے؛ پس احکام اجتہادیہ امور محدثہ میں سے نہیں ہیں۔[۵۴]

اس مکتوب کی ان دونوں عبارتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی ”بدعت حسنہ“ ہوتی ہے؛ کیونکہ آپ کے نزدیک یہ اجتہاد واستنباط کے طور پر ثابت شدہ نہیں؛ اس لیے کہ اگر اس کو ”بدعت حسنہ“ تسلیم نہ کیا جائے، تو پھر امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف یہ بات منسوب ہوگی کہ آپ نے ”بدعت ضلالہ“ کو جائز قرار دیا ہے۔ اس بات کا تصور کسی طرح بھی نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ آپ مجدد الف ثانی ہیں۔

(ھ) امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ ”اس کی تتمیم وتکمیل ہر بے سر انجام کا کام نہیں“ سے ثابت ہوتا ہے کہ (۱) بعض بے سر انجام یہ کام کر سکتے ہیں، اور (۲) تمام سر انجام (یعنی با کمال) صوفیہ کا یہ کام ہے۔ جبکہ تمام کلمہ گو فرقوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ تتمیم وتکمیل کا حق صرف نبی کو حاصل ہے۔ فقہاء بھی صرف پوشیدہ حکم استنباط واجتہاد سے ظاہر کرتے ہیں۔ تتمیم وتکمیل صرف بدعت ضلالہ میں ہوتی ہے؛ جیسا کہ خود مقالہ نگار نے اسی مکتوب سے عبارت نقل کی ہے؛ اس لیے اس میں یہ تاویل کی جائے گی کہ تتمیم وتکمیل اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے۔ تو اب یہ بدعتِ ضلالہ نہیں ہے۔

(و) لیکن امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشف والہام کو اجتہاد کی طرح قرار دیا، لکھتے ہیں:

> الہام ان کو ہوتے ہیں اور کلام ان سے ہوتا ہے۔ اکابر حقیقت میں یہی لوگ ہیں۔ یہ علوم اور اسرار بلا واسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں، اور مجتہدین کی طرح کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد کے پابند ہوتے ہیں، یہ لوگ بھی معارف ومواجید میں اپنے الہام اور فراست کے تابع ہیں۔[۵۵]

اسی مکتوب میں آگے لکھتے ہیں:

> لیکن امور دینیہ احکام شرعیہ کے علاوہ بھی بہت ہیں کہ جن میں پانچواں اصل الہام ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ: تیسرا اصل الہام ہے۔

اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:

> الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے، نہ کہ کمالاتِ زائدہ کا مثبت؛ جیسا کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام دقائق و اسرار کا مظہر ہے کہ اکثر لوگوں کا فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چند کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے کہ اسکا دارومدار رائے پر ہے اور اسکا دارومدار خداوند تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہوگئی ہے، جو اجتہاد میں نہیں۔ ۵۶

تو ثابت یہ ہوا کہ آپ صوفیاء کے لیے اجتہاد کے قائل نہیں اور ''الحاق و اختراع'' الہامات وکشوف سے بھی نہیں ہے، تو لامحالہ یہ بدعتِ حسنہ ہی سے ہونگے۔

بدعت کے اقسام

مقالہ نگار نے بدعت کے اقسام میں اختلاف ذکر کیا ہے، لکھا ہے:

بعض علماء بدعت کو حسنہ اور سیۂ میں تقسیم کرتے یں اس تقسیم کے قائل علماء کبار درج ذیل ہیں:

امام شافعی، عز الدین بن عبد السلام، نووی، ابو شامہ، زرقانی، ابن عابدین شامی، ابن الجوزی، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

> لیکن علماء کا ایک گروہ اس تقسیم کو بنظر استحسان نہیں دیکھتا، ان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، شاطبی، طرطوشی، الشمنی، عینی، البیہقی، ابن حجر عسقلانی، الہیثمی، ابن رجب اور ابن تیمیہ شامل ہیں۔ ۵۷

مقالہ نگار کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ مقالہ نگار نے دوسری جگہ ''فاتحہ خلف الامام'' میں لکھا ہے کہ اختلافی مسئلہ میں جس پہلو کو چاہیں اختیار کرلیں۔ عبارت یہ ہے:

> مسئلہ فاتحہ خلف الامام ان مسائل میں سے ہے جن میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وتابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے زمانہ سے اختلاف اور بحثیں چلی آتی ہیں۔ ایسے اجتہادی مسائل میں

> تمام اہل حق کا مسلک یہی ہے کہ ان کے جس پہلو کو وہ راجح سمجھتے ہیں، اس کو اختیار کر لیتے ہیں، اور دوسرے فریق پر طعن و تشنیع نہیں کرتے۔ [۵۸]

مقالہ نگار نے امام ابن حجر اور امام عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کو دوسری قسم سے قرار دیا ہے؛ حالانکہ یہ پہلی قسم سے ہیں۔ اگر دوسری قسم کے ائمہ اور علماء کے بارے پوری طرح تحقیق کی جائے تو صرف ابن تیمیہ ہی تنہا نظر آئیں گے۔ امام عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> **والبدعة اصلها ما احدث على غير مثال سابق، و تطلق فى الشرع فى مقابل السنة فتكون مذمومة . والتحقيق انها ان كانت مما تندرج تحت مستحسن فى الشرع فهى حسنة وان كانت مما تندرج تحت مستقبح فى الشرع فهى مستقبحة والا فهى من قسم المباح وقد تنقسم الى الاحكام الخمسة .** [۵۹]

امام بدر عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> **وانما دعا بدعة ؛لان رسول ﷺ لم يسنها لهم ولئلا يمنع هذا اللقلب من فعلها . والبدعة فى الاصل احداث امرلم يكن فى زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم . ثم البدعة على نوعين، ان كانت مما يندرج .** ابن حجر کی عبارت کی طرح ہے۔ [۶۰]

امام ابن حجر اور امام عینی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک اور قسم بھی ذکر کی ہے جو نہ بدعتِ ضلالہ ہے اور نہ بدعتِ حسنہ ہے، بلکہ اس کا نام "مباح" ہے؛ اس لیے اس کو بدعتِ ضلالہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

امام کرمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان علماء میں سے ہیں، جو بدعت کو ایک قسم نہیں قرار دیتے، آپ نے اس کی پانچ قسمیں قرار دی ہیں۔

امام کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

> **" البدعة " كل شئ عمل على غير مثال سابق . وهى خمسة : واجة، ومندوبة، و محرمة، و مكروهة، ومباحة .**

حدیث "کل بدعة ضلالة" من العام المخصوص .
الخطابی .[۶۱]

امام خطابی کا نام بھی اس تقسیم کے قائلین میں ہے، یہ اسی مذکورہ عبارت میں ہے۔
اس تقسیم کے قائل صرف یہی نہیں ہیں بلکہ اور ائمۂ حدیث وفقہ ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) علامہ ابن اثیر	جامع الاصول
(۲) امام سخاوی	مولد النبی
(۳) جلال الدین سیوطی	مصباح الزجاجہ
(۴) ابن حجر مکی	شرح اربعین نووی
(۵) ملا علی قاری	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
(۶) علامہ طیبی	طیبی شرح مشکوٰۃ
(۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مدارج النبوۃ اور اشعۃ اللمعات
(۸) مناوی	شرح جامع صغیر
(۹) برکلی	طریقہ محمدیہ
(۱۰) صاحب منیۃ المصلی	صغیری:۱۳۹
(۱۱) صاحب صغیری، ابراہیم بن محمد م۹۵۰ھ،	صغیری، ص:۱۳۹
(۱۲) صاحب قنیہ	حاشیہ صغیری:۱۳۹
(۱۳) شرنبلانی	حاشیہ صغیری:۱۳۹
(۱۴) ابن ہمام	حاشیہ صغیری:۱۳۹۔ فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ، باب شرائط الصلوٰۃ
(۱۵) صاحب شرح الطحاوی	صغیری:۱۳۹
(۱۶) صاحب ہدایہ	ہدایہ، کتاب الصلوٰۃ، باب شرائط الصلوٰۃ

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بیشمار ائمہ کبار کے نزدیک میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز اور بدعتِ حسنہ ہے (جب کی یہ خلاف شرع امور سے خالی ہو)؛ درحقیقت یہ بھی بدعت کی تقسیم کے قائل ہیں۔ ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ محدث ابن جوزی (۵۱۰-۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶-۱۲۰۱ء)، المیلاد النبی، ص: ۵۸

۲۔ امام شمس الدین الجزری (۶۶۰ھ/ ۱۲۶۲ء)۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد، ص: ۶۵-۶۶

۳۔ یوسف صالحی، سبل الہدٰی والرشاد، ۱/۳۶۶

۴۔ امام صدر الدین موہوب بن عمر الجزری (۵۹۰-۶۶۵ھ)، سبل الہدٰی والرشاد، ۱/۳۶۵

۵۔ امام نووی کے شیخ امام ابوشامہ (۵۹۹-۶۶۵/ ۱۲۰۲-۱۲۶۷ء)، سبل الہدٰی والرشاد، ۱/۳۶۵

۶۔ امام کمال الدین الادفوی (۶۵-۷۴۸ھ/ ۱۲۸۶-۱۳۴۷ء)، حسن المقصد فی عمل المولد، ص: ۶۶، ۶۷

۷۔ سلطان صلاح الدین کے بہنوئی ملک ظفر، امام ذہبی (۶۷۳-۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۲۷۵، ۱۶/۲۷۵۔ اور ابن کثیر (۷۰۱-۷۷۴ھ/ ۱۳۵۱-۱۳۷۳ء)، البدایۃ والنہایۃ، ۹/۱۸۔ اور سبل الہدٰی والرشاد، ۱/۳۶۲، ۳۶۳۔

۸۔ امام شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی (۷۷۷-۸۴۲ء)، حسن المقصد، ص: ۶۶۔ سبل الہدٰی، ۱/۳۶۷۔

۹۔ ابوزرعہ العراقی (۷۶۲-۸۲۶ھ/ ۱۳۶۱-۱۴۲۳ء) تشنیف الاذان، ص: ۱۳۶۔

۱۰۔ ابنِ حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲/ ۱۳۷۲-۱۴۴۹ء)، سبل الہدٰی والرشاد، ۱/۳۶۳۔

۱۱۔ سخاوی (۸۳۱۔۹۰۲/ ۱۴۲۸-۱۴۹۷ء) ملا علی قاری، المورد الروی فی مولود النبی، ص: ۱۲، ۱۳۔ اور، سبل، ۱/۳۶۲۔

۱۲۔ قسطلانی (صاحب ارشاد الساری (۸۵۱۔۹۲۳ھ/ ۱۴۴۸-۱۵۱۷ء) المواہب، ۱/۱۴۷۔

۱۳۔ امام نصیر الدین ابن الطباخ۔ سبل الہدٰی والرشاد، ۱/۳۶۳۔

۱۴۔ امام جمال الدین بن عبدالرحمٰن الکتانی۔ سبل الہدٰی والرشاد، ۱/۳۶۴

۱۵۔ امام ظہیر الدین جعفر التزمنتی۔ سبل الہدٰی والرشاد، ۱/۳۶۴

۱۶۔ امام قطب الدین الحنفی۔ اہل مکہ کا عمل۔ قطب الدین، الاعلام باعلام بیت الحرام، ص: ۱۹۶۔

۱۷۔ امام محمد بن جار اللہ ابن ظہیرۃ القرشی (۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء) اہل مکہ کا جشن میلاد۔ الجامع اللطیف، ص:۲۰۱-۲۰۲۔

۱۸ ابن ظہیرہ، الجامع اللطیف فی فضل مکۃ واہلہا وبناء البیت الشریف۔

۱۹۔ امام ابن ظفر صاحب الدرا لمنتظم، سبل الہدیٰ والرشاد، ۱/۳۶۳

۲۰۔ امام یوسف بن علی بن زریق الشامی۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ۱/۳۶۳۔

۲۱۔ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (م۹۴۲ھ/۱۵۳۶ء) صاحب سبل الہدیٰ والرشاد، ۱/۳۶۶۔

۲۲۔ امام ابن حجر مکی (۹۰۹-۹۷۳ھ/۱۵۰۳-۱۵۶۶ء)، فتاویٰ حدیثیہ، ص:۱۲۹

۲۳۔ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲ء/۱۵۵۱-۱۶۴۲ء)، ماثبت بالسنۃ، ص:۶۰۔

۲۴۔ امام زرقانی (۱۰۵۵-۱۱۲۲ھ/۱۶۴۵ء-۱۷۱۰ء)، شرح المواہب اللدنیۃ، ۱/۱۳۹ (امام ربانی کے معاصر) وہ ائمہ اور علماء جن کی منکرین میلاد بھی اتباع تقلید کی حد تک کرتے ہیں، ان لوگوں کی تسلی کے لیے یہ نام دیئے گئے ہیں:

۲۵۔ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی۔ شاہ ولی اللہ، الدرالثمین، ص:۴۰۔

۲۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ فیوض الحرمین، ص:۸۰-۸۱۔

۲۷۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۲۳۳ھ/۱۳۱۷)، شمائم امدادیہ، ص:۹۴۔ اور فیصلہ ہفت مسائل، ص:۹۔

میلاد النبی پر تصانیف:

۱۔ امام ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی حنبلی، المولد العروس۔

۲۔ امام ابن دحیۃ الکلبی، عمر بن الحسن، ابوالخطاب (۵۴۴-۶۳۳ھ) التنویر فی مولد السراج المنیر۔

۳۔ ابوالخیر شمس الدین محمد بن عبداللہ الجزری الشافعی، عرف التعریف بالمولد الشریف۔

۴۔ ابن کثیر- ابن تیمیہ کے شاگرد- حال ہی میں ڈاکٹر صلاح الدین کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔

۵۔ حافظ عراقی، عبدالرحیم بن الحسین (۷۲۵-۸۰۸ھ) المورد الہنی فی المولد السنی۔

۶۔ حافظ ابن ناصر الدین دمشقی (۷۷۷ھ/۸۴۲) ابن تیمیہ کے طرفدار، انہوں نے تین کتابیں لکھیں:

۱۔ جامع الآثار فی مولد النبی (۳ جلدیں)

۲۔ اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق (مختصر)

۳۔ موردالصادی فی مولدالہادی

۷۔ حافظ سخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، مولدالنبی۔

۸۔ امام جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن، حسن المقصد فی عمل المولد، اب ''الحاوی للفتاوی'' میں شامل ہے۔

۹۔ ابن دیبع الشیبانی، حافظ وجیہ الدین عبدالرحمٰن بن علی (۸۶۶ھ-۹۴۴)۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس کی تخریج کی۔ ص: ۶۶۵۔

۱۰۔ امام ابن حجر مکی ابوالعباس احمد بن محمد نے دو کتابیں تصنیف کی ہیں:

ا۔ تحریر الکلام فی القیام عند ذکر مولد سید الانام ﷺ

۲۔ تحفۃ الاخیار فی مولد المختار ﷺ

۱۱۔ ابن احمد الشربینی (م ۹۷۷) مولد النبی پر مخطوطہ ۵۰ صفحات۔

۱۲۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) المورد الروی فی المولد النبوی۔

۱۳۔ عبدالکریم الرزنجی (م ۱۱۷۷) عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر۔ عالم عرب وعجم میں مشہور میلاد نامہ۔

۱۴۔ ابن احمد العدوی، ابوالبرکات احمد (م ۱۲۰۱ھ)، مولد النبی۔

۱۵۔ معہ حاشیہ، شیخ الاسلام ابراہیم بن محمد البیجوری یا الباجوری (م ۱۲۷۷ھ)

۱۶۔ عبدالہادی الابیاری (م ۱۳۰۵)، مولد النبی

۱۷۔ محمد بن جعفر الکتانی (م ۱۳۴۵)، الیمن والاسعاد بمولد خیر العباد۔

۱۸۔ یوسف بن اسماعیل نبہانی (م ۱۳۵۰ھ)، جواہر النظم البدیع فی مولد الشفیع۔

امام ربانی کے متعدد خلفاء اور خلفاء کے خلفاء الی یومنا ہذا بیشمار اس کے قائل ہیں اور ان میں سے کثیر کی تصانیف بھی ہیں۔

ذکر بالجہر

(الف) مقالہ نگار نے ذکر بالجہر کو بدعتِ ضلالہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جب بدعت کی مثالیں دیں تو اقترابات (ذکر بالجہر) کا ذکر کیا۔ (۶۲ ب)

امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''ذکر بالجہر'' کو اپنے کئی مکاتیب میں ذکر فرمایا ہے، ایک مکتوب میں آپ نے اس کو رخصت قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> اگر کہا جائے: ہوسکتا ہے کہ دوسرے طریقوں نے بھی عزیمت کو اختیار کیا ہو۔ تو میں کہتا ہوں کہ: اکثر طریقوں میں سماع اور رقص کا جواز تسلیم کیا گیا ہے، جس کی نوبت حیلہ ہائے بسیار کے بعد صرف رخصت تک پہنچتی ہے، اس میں عزیمت کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟ اسی طرح ''ذکر جہر'' کہ اس کا جواز بھی رخصت کی حد تک متصور ہوسکتا ہے۔[۶۲]

ایک اور مکتوب میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رخصت کو عزیمت سے اولیٰ قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

> جبکہ سب کاموں کے مالک اللہ جل سلطانہ نے مباح کام اختیار کرنے سے منع نہیں فرمایا اور اعتراض نہیں کیا، تو دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنے پاس سے اعتراض کرنا شروع کردے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر ترک اولیٰ اس اولیٰ کام کرنے سے بہتر ہوتا ہے؛ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ:
>
> **ان اللہ کما یحب ان یؤتی بالعزیمۃ یحب ان یؤتی بالرخصۃ .**
>
> بیشک اللہ تعالیٰ جس طرح پسند کرتا ہے کہ عزیمت پر عطا فرمایا جائے، اسی طرح یہ بھی پسند کرتا ہے کہ رخصت پر بھی عطا فرمایا جائے۔[۶۳]

(۱) امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پہلے مکتوب میں ''ذکر بالجہر'' کو جائز قرار دیا اور پھر اس کو رخصت قرار دیا۔ کیا جو جائز ہو اور اس کے جواز میں رخصت بھی ہو اس کو محققین بدعتِ ضلالہ قرار دیں گے؟

(۲) دوسرے مکتوب میں، حدیث سے استدلال میں رخصت اور عزیمت دونوں کو مساوی قرار دیا ہے۔ تو جب رخصت عزیمت کے برابر ہے، تو اگر رخصت بدعتِ ضلالہ ہے تو پھر عزیمت کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ بھی بدعتِ ضلالہ ہے۔ اس میں خرابی کی وجہ یہ ہے کہ جواز اور رخصت کو بدعتِ ضلالہ قرار دیا گیا ہے۔

(۳) خود الفاظ ''جواز ور خصت'' اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جس فعل کی یہ صفت ہیں ان پر عمل کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے؛ کیونکہ ممانعت ''ناجائز'' میں ہوتی ہے اور ممانعت ''رخصت'' کی ضد ہے؛ اس لیے ''جواز ور خصت'' میں کسی طرح بھی ضلالت نہیں ہوسکتی۔

(۴) رخصت کو عزیمت کی طرح محبوب الٰہی جل وعلا کا قرار دیا گیا ہے؛ اس لیے اگر یہ بدعت ہے، تو پھر بدعتِ حسنہ ہے۔

(۵) امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف سے پہلے ''بعض مقامات پر ترک اولیٰ اس اولیٰ کام کرنے سے بہتر ہوتا ہے'' جملہ ذکر کیا ہے۔ آپ نے اولیٰ عزیمت کو قرار دیا ہے اور غیر اولیٰ رخصت کو۔ یعنی اس جملہ کی روشنی میں آپ کے نزدیک عزیمت اور رخصت میں فرق اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے، صحیح اور باطل کا فرق نہیں۔

(۶) اس جملہ سے یہ بھی واضح اشارہ ہے کہ بعض اوقات رخصت پر عمل کرنا عزیمت سے بہتر ہوتا ہے۔ یعنی مباح ور خصت پر عمل کرنا سنت پر عمل کرنے سے بہتر ہے؛ کیونکہ عزیمت کم از کم سنت ہی ہوگی۔ کیا بدعتِ ضلالہ پر عمل کرنا سنت سے بہتر ہوسکتا ہے؟ جواب نفی ہی میں ہوگا۔ تو ثابت ہوا کہ مباح اور رخصت بدعتِ ضلالہ نہیں ہیں، تو جب یہ بدعتِ ضلالہ نہیں ہیں تو ذکر بالجہر بھی بدعتِ ضلالہ نہیں ہے۔

(ب) ذکر بالجہر ائمہ اور علماء

مقالہ نگار نے ایک اور مقام پر ''ذکر بالجہر'' کے بدعت ہونے کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس میں ائمۂ اربعہ کے اجماع کو ذکر کیا ہے۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے:

ائمۂ اربعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ ذکر آہستہ کرنا چاہیے۔ علامہ حلبی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> **ولابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه : ان رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف للامر فی قوله تعالیٰ " ادعوا ربکم.. الخ.** [۶۴]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام . ۶۵

ڈاکٹر صاحب اس منقولہ عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر سے ممانعت کی وجہ صرف ذکر ہی ہے؛ حالانکہ یہ وجہ نہیں ہے؛ کیونکہ " **ولو بالذکر حرام** " کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ صرف ذکر حرام نہیں، بلکہ اور امور بھی حرام ہیں اور حرمت کی وجہ مسجد کا تقدس وغیرہ ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کہ جس میں آپ نے مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرنے والے دو شخصوں سے فرمایا: "**ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟**" کی تشریح میں لکھا ہے:

> **قال ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: وقدروی ابن ابی شیبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سمع رجلا...... وقال قوم : لا کراھۃ فیہ ، منھم ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... وفیہ نظر من وجوہ : منھا نسبۃ نفی مطلق الکراھۃ الی الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وھوافتراء علیہ ؛ اذ مذھبہ کراھۃ رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر . نعم جوز التدریس، حیث لم یشوش علی المصلین اذا لم یکن ھناک مصلون .** ۶۶

(۱) مقالہ نگار کی منقولہ عبارت اور اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ممنوع ''ذکر بالجہر'' نہیں، بلکہ ہر وہ عمل ہے جس سے مسجد کے تقدس میں خلل آتا ہو؛ اس لیے ذکر کے علاوہ کسی اور عمل کے لیے بھی بلند آواز کرنا مکروہ ہے۔

(۲) ملا علی قاری کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس دوسری عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام احناف امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ''ذکر بالجہر'' کی کراہت کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ایک قوم کے نزدیک امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کراہت کے قائل نہیں۔ الفاظ یہ ہیں: **وقال قوم : لاکراھۃ فیہ ، منھم ابو حنیفۃ** " اگرچہ ملا علی قاری نے " **وفیہ نظر من وجوہ** " سے اس کی تردید کی لیکن یہ ان کا اپنا قول ہے اس میں انہوں نے کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

(۳) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتفاق کا قول اتفاقی نہیں ہے، بلکہ اختلافی ہے۔ (احادیث)

ذکر بالجہر کے بارے میں کئی احادیث صحیحہ مروی ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

ان رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة، كان على عهد النبى صلى الله عليه وآلهٖ وسلم. قال ابن عباس: كنت اعلم اذا انصرفوا بذلك اذا سمعته. [۶۷]

۲۔ یہ حدیث بھی حضرت ابن عباس سے مروی ہے، فرمایا:

كنت اعرف انقضاء صلوة النبى صلى الله عليه وسلم بالتكبير. [۶۸]

۳۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، فرمایا:

انى سمعت النبى ﷺ يقول خلف الصلوٰة. [۶۹]

۴۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، فرمایا:

فسمعته يقول: رب قنى عذابك يوم تبعث او تجمع عبادك. مسلم و ابوداؤد. [۷۰]

۵ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

فى الحديث الصحيح: "يقول الله تعالىٰ من ذكرنى فى نفسه ذكرته فى نفسى ومن ذكرنى فى ملأ ذكرته فى ملأ خير منه [۷۱]

۶۔ **قال الامام احمد..... عن انس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الله عزوجل يا ابن آدم ان ذكرتنى فى نفسك ذكرتك فى نفسى وان ذكرتنى فى ملأ ذكرتك فى ملأ من الملائكة، او قال: فى ملأ خير منه.** [۷۲]

۷ حدیث میں ہے:

لايجتمع قوم، فيدعوا بعضهم و يؤمن بعضهم الا اجابهم الله [۷۳]

اسی حدیث کو دیوبندی شیخ الحدیث محمد یوسف بنوری نے معارف السنن میں بھی ذکر کیا ہے۔ [۷۴]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

> وتصرف البخاری تقتضی ان ذلک خاص بالتکبر عند القتال . واما رفع الصوت فی غیره فقد تقدم فی کتاب الصلوٰة حدیث ابن عباس ان رفع الصوت بالذکر کان علی عهد النبوی اذا نصرفوا من المکتوبة . [۷۵]

امام ابن حجر نے احادیث مذکورہ سابقہ کے ماتحت لکھا ہے:

> وفیه دلیل علی جواز الجهر بالذکر عقب الصلوٰة . [۷۶]

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

> ” فاذکرونی “ بالطاعة قلبا وقا لبا ، فیعم الذکر با للسان والقلب والجوارح. فا لاول : کما فی المنتخب: الحمد والتسبیح والتمجید وقراة کتاب اللّٰه. الخ . [۷۷]

علامہ شامی لکھتے ہیں:

> ان هناک احادیث اقتضت طلب الجهر واحادیث طلب الاسرار. والجمع بینهما بان ذلک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال، فالاسرار افضل حیث خیف الریااو تاذی المصلین اوالنیام. والجهر افضل حیث خلامما ذکر؛ لانه اکثر عمل ولتعدی فائد ته الی السامعین ولو قظ قلب الذاکر ، فیجمع الی الفکر ویصرف سمعه الیه ویطرد النوم ویزید النشاط . [۷۸]

اور جگہ لکھا ہے:

> اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب الذکر بالجماعة فی المساجد و غیر ها الا یشوش جهرهم علی نائم اومصل اوقاری . [۷۹]

یعنی یہ ذکر جہر کسی کی پریشانی کا باعث نہ ہو، سونے والا، نماز پڑھنے والا، تلاوت کرنے والا وغیرہ وغیرہ

علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

فتح الودود شرح سنن ابی داؤد میں "رفعوا اصواتھم" کی شرح میں کہا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت زیادہ بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے۔ پس اس حدیث (یعنی حدیث جہاد، سعیدی) سے مطلقاً جہر کی نفی لازم نہیں آتی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حرز ثمین شرح حصن حصین میں حدیث **"وان ذکرنی فی ملاء"** کی شرح میں فرمایا: اس سے ذکر خفی بھی مراد ہو سکتا ہے؛ جیسا کہ **"ذکر اللہ فی الغافلین بمنزلة الصابر"** میں اشارہ ہے اور **"مع الملأ"** کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ حد سے زیادہ جہد نہ کیا جائے۔[۸۰]

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی ۸۰۷-۸۳۲ھ لکھتے ہیں:

"وھو الذکر باللسان والدعاء بنصرہ" اور اس کا ذکر زبان اور دعا سے فتح و نصرت کا باعث ہے۔ (یعنی ذکر جلی ہو یا خفی، زبان اور قلب سے کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے)۔ **وقال بعضھم اذا فرغتم...**

اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب بھی تم نماز سے فراغت پاؤ تو دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔ اگرچہ تمہاری کوئی بھی کیفیت ہو یعنی کھڑے ہو یا بیٹھے، حتیٰ کہ لیٹے بھی ہوں تو ذکر کرتے رہو۔[۸۱]

اسی میں دوسرے صفحہ پر ہے:

فی شرح الکرخی سئل عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن الذین یمنعون الکلمة بعد اداء الصلوٰة فقال لھم الروافض لان فی ھذ الترک خلاف السنة بل ان رسول اللہ علیه السلام قل کان یجھر مع الصحابة الکلمة الطیب بعد اداء الصلوٰة متصلا بعد الدعاء .

حضرت شیخ کرخی علیہ الرحمۃ کی ''کتاب شرح'' میں ہے کہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا گیا: کیا نماز کے بعد ذکر کرنا منع ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ جو لوگ منع کرتے ہیں وہ بے دین ہیں نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرنا اور پھر اس سے منع کرنا سنت مبارکہ کی مخالفت ہے؛ کیونکہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ بعد از دعا با آواز بلند ذکر فرمایا کرتے۔

> **ذكر الله تعالىٰ فرض على الطالبين۔** طالبین پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا فرض ہے۔ **قال الله تعالىٰ: فاذكروا الله قياما وقعودا وعلى جنوبكم۔ قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه: ان الذكر بالليل والنهار فى البر والبحر والسفر و الحضر والغناء والفقر والمرض والصحة والسر والعلانية۔ قلت: المراد الذكر باللسان والقلب بعد الفراغ من الفرائض۔**

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ذکر خدا کرتے رہو کھڑے ہو کر، بیٹھے ہوئے اور لیٹ کر بھی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: بلاشبہ ذکر خدا ہر حالت میں کرنا چاہیے، یعنی رات میں دن میں، خشکی وتری میں، سفر وحضر میں، خوشی وغمی میں، امیری وغریبی میں، صحت وعلالت میں، ظاہر اور باطن میں۔ میں کہتا ہوں کہ: ذکر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دل اور زبان سے بعد از فراغت نماز یاد کیا جائے۔ [۸۲]

جو لوگ ذکر کا انکار کرتے ہیں، ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اور جب نمازی بعد فراغت نماز ذکر کرنے لگتے ہیں، تو وہ اسی بے ہودہ مفروضے (آپ نے پہلے ان کے مفروضے کا جواب دیا ہے، جو اس سے پہلے مذکور ہے) کی بنا پر بڑی حقارت اور رعونت

> دکھاتے ہوئے ذکر خدا سے نفرت کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوتے، بلکہ اپنے کانوں میں انگلیاں بھی ٹھوس لیتے ہیں۔ کتنے بد نصیب ہیں وہ لوگ جو کلمہ ذکر کی آواز سننے تک کے روادار نہیں ہوتے **”اللّٰهم اهدهم االلّٰهم اهدهم“** الٰہی! انہیں ہدایت عطا فرما! الٰہی! انہیں ہدایت عطا فرما! لیکن اے میرے عزیز! یاد رکھو دین تو بزرگان سلف کی متابعت ہی کا نام ہے۔[۸۳]

آپ نے اپنے رسالہ میں مطلق ذکر اور ذکر بالجہر کے بارے میں آیات، احادیث، اقوالِ فقہاء اور صوفیہ ذکر فرمائے ہیں، آپ کا انداز محققانہ ہے۔ آپ احادیث کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **وعن عبد الله بن زبير قال : رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سلم عن صلوته، قال صلى الله عليه وسلم بصوته الا على : لا اله الا الله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو على كل شئ قدير . لا حول ولا قوة الا با لله ولا نعبد الا اياه مخلصين له الدين ولو كره الكفرون .**

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم نماز مکمل کر کے سلام پھیرو تو با آواز بلند کہو **لا اله الا الله لا شريک له**...۔[۸۴]

یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے:

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: رسول کریم ﷺ جب نماز مکمل کر کے سلام پھیرتے تو با آواز بلند یہ ذکر کرتے: **لا اله الا الله لا شريك له....**

آپ نے اپنے ملفوظات ”لطائف اشرفی“ میں کئی مقامات پر بڑی تفصیل سے، انتہائی محققانہ انداز سے ”ذکر با جہر“ کو ثابت کیا ہے۔ آپ نے ”شرف العین“ میں صرف ایک حدیث ذکر کی ہے اور دوسرے مقام پر ہر جہت سے بحث کی ہے، وہ حدیث یہ ہے۔ لکھتے ہیں:

> حدیث میں ہے: **قال رسول الله ﷺ : امرت ان يكون نطقى ذكر او صمتى فكرا ونظرتى عبرة**۔[۸۵]

آپ نے اپنے ملفوظات ''لطائف اشرفی'' میں دوسرے مقام پر بڑی تفصیل سے، انتہائی محققانہ اور مدققانہ انداز سے ''ذکر بالجہر'' کو ثابت کیا ہے، جامع ملفوظات لکھتے ہیں:

حضرت قدوۃ الکبرا می فرماید اذکار جہریہ ثابت شدہ از کتاب واخبار:

فاذكروا الله كذكركم اباءكم اشد ذكرا . ومعلوم ان ذكره يبالغ في اظهاره فان اخفىٰ ذكره او سره دل ذلك علىٰ كونه مستنكفاً واذا كان مفتخرا بابيه يبالغ في الاعلان والاظهار فوجب ان يكون اعلان ذكر الله اولىٰ .

فان قيل : كيف الاحتجاه بهذه الأية في ذكر الجهر في الاوقات كلها وقد قال الله تعالىٰ : فاذا قضيتم مناسككم فاذكروا الله كذكركم ابآئكم" والفا للتعقيب واريدبه التكبير ولا يجب ذكر اخر عقيب قضآء المناسك وذلك شرع في الاوقات المخصوصة عقيب الصلوٰة المفروضة ولا كلام فيه؟

قلنا : اريد به ذكر الله كلها لا التكبير في الوقت المخصوصة ؛ فانه تعالىٰ قال : كذكركم ا بآء كم " وهم كانوا يذكرون ابآئهم في الاوقات كلها على سبيل التفاخر، فامروا بذكره في الاوقات كلها مقام ذكر ابآء هم.

وان قيل : لم شبه ا لا وجب وهو حق الله بما دونه في الوجوب وهو حق الوالد ؟

فالجواب : انهم كانوا يبالغون في ذكر آبائهم على وجه التفاخر فامران يبالغوا في ذكر الله تعالىٰ بقدر الامكان على سوابغ النعم والاحسان وانكان في الدرجة يتفاوتان .

قال الله تعالىٰ : فاذكروا الله قياما وقعوداً الأية . قال ابن

عباس رضى الله تعالىٰ عنهما : لم يفرض الله تعالىٰ على عباده فريضة الاجعل لها حدا معلوما ثم عذر تاركها فى حال العذر غير الذكر ؛ فانه تعالىٰ لم يجعل له حدا ينتهى اليه ولم يعذر احد فى تركه الا مغلوبا فى عقله فامرهم بذكره فى الاحوال كلها ، وقال : اذكروا الله ذكرا كثيرا اى بالليل والنهار والحضر والاسفار عند الغنىٰ والافتقار والاعلان والاسرار وعلى كل شئ من الاحوال .

اما الاخبار فكثيرة منها ما ذكر فى المصابيح :انه قال كان النبى صلى الله عليه وسلم : اذا سلم من صلوته قال بصوته الاعلى لا اله الا الله وحده لا شريك له الىٰ اخره .

ومنها ما ذكر فى بستان النواوى فى باب الاذكار : ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يجهر مع اصحابه رضوان الله عليهم بالاذكار والتسبيح والتهليل بعد الصلوٰة .

منها ما ذكر فى روضة حاكياً عن الله تعالىٰ : من ذكرنى فى نفسه ذكرته فى نفسى ومن ذكرنى فى ملأ ذكرته فى ملأ خير منه .

واما الروايات:

فذكر فى مجموع النوازل والخانى الحساميه والكبرىٰ والصغرى : ان قرأة القران بصوت رفيع فى الحمام يكره وبصوت خفى لا يكره وعليه الفتوى ، ولا يكره التسبيح والتهليل وان رفع صوته كذا فى صلٰوة النوازل، والحسامية، والصرفية، والملتقط ، وكراهية التجنيس البرهانى والركنى ، ونفاس التجنيس والمزيد ، وذكر فى

كراهية السراجية، ومختصر الكبرىٰ : انه لا باس بالتسبيح والتهليل فى الحمام وان رفع صوت .

قال الجامع : المراد من قوله " لا باس " نفى الكراهية والاسائة علىٰ ما عرف فى الاصول . فهذا الاول سواء ، وانما فصلت هنا بين المسئلتين فى الحوالة لا حتياج بعض الناس اليه ، وما فصلت من الابرار و الا خيار ؛ لان كلتا المسئلتين اعنى مسئلة القرآن والتسبيح من الكتب المذكورة، يعرفه من له الكتب والدرس . اما مسئلة القرآن فهى الكل ومسئلة التسبيح والتهليل برفع الصوت فهى الشعبة منها كما ذكرنا وليس الشرط ان يكون فى الكل بل ان يكون من الكل .(الى ان قال)فلان يجوز فى بيوت الله وهى المساجد والخوانق و بيوت المسلمين من الصوفيةورباط المشايخ والزوايا والخلوات فى مكانٍ طاهر فوق الحصير والبوارى طاهر ا متو ضيا متضر عاً مربعا كان اولىٰ ؛ لا نها بنيت للا ذكار والتسبيح ؛ قال الله تعالىٰ : اذن الله ان ترفع وتذكر فيه اسمه ويسبح له فيها بالغدو والأصال . ذكر الامام الفقيه الزندويسى :

ان ذكر الله تعالىٰ علىٰ كل حال من فرائض الاسلام والاجهار اولىٰ من الا خفاء ؛ لقوله تعالىٰ : يآيها الذين امنوا ا ذكروا الله ذكرا كثيرا . فان قيل : ذكر فى بعض النسخ عن بعض العلماء انهم قالوا : يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء ؛ واستدلو ا بأيتين من سورة الاعراف : ادعوا ربكم تضرعا وخفية ط انه لا يحب المعتدين . قوله

تعالىٰ: واذكر ربک تضرعا وخفية ودون الجهر من القول . قوله عليه السلام : خير الذكر الخفى . وقال عليه السلام لقوم صاحوا بذكر: اتدعون اصماً وغائباً ؟ انكم ستدعون سميعاً قريباً وحاضرا انه لمعكم .

قلنا : فى معانيه اجوبة، فى لطائف التفسير : ادعوا ربكم تضرعا اى علانية وخفية سرا لانه لا يحب المعتدين بالدعاء اى لا يحب من تعدى الدعاء السوء على المسلمين . والتضرع من الضرعة وهى شدة الحاجة . والخفية اخلاص القلب . ادعوا ربكم اى اعبدوه وارفعوا حوائجكم تضرعا وخفيا . الضراعة الذلة والخفية لايدخل شبهة الريا، لايحب المعتدين اى المشركين الذين يدعون غير الله .

ذكر فى تفسير البستى فى قوله : سبح اسم ربک : اى ارفع صوتک بذكر ربک با مر ربک .

فى تفسير الدرر فى هذه الأية المفصل سبح اى ترفع الصوت بذكر . وقد مدح الله بنيه ابراهيم عليه السلام فى سورة التوبة : ان ابراهيم لا واه حليم .

ذكر فى التفسير المذكور: الا واه هو تجهير صوته بالذكر والدعاء والقران . اما قوله : اذكر ربک . الذكر القرأ ة فى الصلوٰة خلف الامام فى نفسه وهو قول قتا ده ذكره فى تفسير البستى . والثانى ان نزول سورة الاعراف كله بمكة فكان ذلک فى بداية الاسلام و غلبة المشركين وقلة المسلمين ، ثم لما هاجر رسول الله ﷺ من مكة الى المدية وانتشر الاسلام، نزلت سورة الانفال و اربع ايات

من أخر سورة الشعراء وامر فيها بالذكر الكثير. اما فى سورة الانفال قوله جل ذكره: يآ ايها الذين امنوا اذا لقيتم فئة فاثبتوا واذكروا الله كثيرا. وفى سورة الشعراء: يتبعهم الغاون (الى ان قال) الا الذين امنوا وعملوا الصلحت وذكروا الله كثيرا. و فى سورة الاحزاب: والذاكرين الله كثيرا، وقوله تعالى: يآيها الذين امنوا اذكروا الله ذكرا كثير.

وفى سورة الجمعة: فاذا قضيت الصلوٰة فانتشروا فى الارض وابتغوا من فضل الله واذكر الله كثيرا لعلكم تفلحون.

فى هذه الأيات كلها امر بالذكر الكثير وحد الكثير انما امر بالاعلان بظهور الاسلام وانتشاره وغلبة المسلمين على المشركين.

آنچه که از تفاسیر مشهوره وتقاریر موفوره در جواب ایشان مناسب بود مذکور شد اکنون از مخترعه حضرت قدوة الکبراء گوش کن در معانی ایست ادعوا ربکم تضرعا وخفية، قال الاشرف: المراد من التضرع استكانة البدن والخفية اخلاص القلب. قال بعضهم: تضرعا اى متضرعين وخفية اى مخوفين. در تفسیر قیامی آورده ست: قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خفية اى جهرة یعنی خوف کنندگان را در روز قیامت منادی ندا کند: ان الله لا يضيع اجر المحسنين بآواز بلند تا ہمگنان را معلوم گردد واستمع يوم ينادى المناد من مكان قريب ہمیں معنی دارد۔ دیگر باید دانست که نزول آیہ ادعوا ربكم تضرعا وخفية در باب دعاست، ودعا غیر ذکر ست؛ چنانکه خدا تعالیٰ میفرماید: ادعونى استجب لكم ودر شان ذکر میفرماید: فاذكرونى اذكركم۔ و "خفية" الفاظ ضد روست که الخفية پنہان کردن وآشکارا ساختن؛ چنانچہ لفظ ظن وغيرهم كذا فى القاموس وہر جا که لفظ اضداد باشد محتاج به تاویل ست؛ در تفسیر ابی لیث از ابن عباس نقل کرده اند که: خفیه ای علانیه اما در آیت: ادعوا ربكم تضرعا و خيفة ودون الجهر من القول مراد قرأت متوسط، کفار ایذا میکردند در بدایۃ اسلام، فرمان شد که ساکن بخوان تا ہش در مسجد ایشان نشوند ومضرت نرسانند۔

اما الجواب عن الحديث ذكر فی تفسير الحقائق : انه يحتمل ان يكون فی رفع الصوت هناک مصلحة ، فقد روی ان ذلک فی غزواته قد كان رفع الصوت بحربه بدر و الحرب خدعة و كذلک نهی عن الجرس فی المغازی . فاما رفع الصوت بالذكر فجائز ففی الاظهار انقيا د و معبوديت ؛ تائيد هذا ما ذكر فی تفسير السبتی فی سورة بنی اسرائيل وهی مكية فی قوله : ولا تجهر بصلٰوتک ولا تخافت بها . قال الشيخ ابو بكر رحمة الله تعالیٰ عليه : روی عن علی رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم : انه يخفی و يرفع الرجل صوته بالقرآن قبل العشاء وبعد ها، يغلط اصحابه فی الصوت .

قال : وقد رويت اخبار علی جواز رفع الصوت . قال ابن عباس رضی الله عنهما : كان النبی صلی الله عليه وسلم يقرا فی بعض حجره فيسمع قرأته من كان خارجا

وسمع النبی صلی الله عليه وسلم صوت ابی موسی، فقال : لقداوتی هذا مزمار من مزا مير الداودولم ينكر عليه .

وقال رسول الله صلی الله عليه وسلم : زينوا القرآن باصواتكم . معنا ه ای زينوا اصواتكم بالقرآن .

قال الفقيه رحمة الله تعالیٰ عليه : وطريق الجمع بين هذه الاخبار ان تحمل النهی من رفع الصوت بالقرآن علی انه كان ذلک بمكة حيث كان المشركون يغلطون النبی صلی الله عليه وسلم ويقولون : لا تسمعو ا لهذا والغوافيه . فاما اخبار ابی موسی وغيره فلما وردت بالمدينة وقد ظهر

الاسلام وانتشر له الاعلام وامن فيه من مضرات المشركين وكان رفع الصوت بالقران من شعار الدين كمنع الصوت بالتاذين و المضرت .

قال الاشرف : قد راينا فی بلاد المسلمين وامصارهم من السلف و الخلف شرقا وغربا يذكرون جهرا فی مجالس المواعظة مع حضور العلماء والقضاة وسائر الناس من العام والخاص بغير نكيرا حد منهم . قال الاشرف قد راينا فی بلاد المسلمين و امصارهم من السلف و الخلف شرقا و غربا يذكرون جهرا فی مجالس المواعظة مع حضور العلماء و القضاة و سائر الناس من العوام و الخواص بغير نكير .

حضرت قدوۃ الکبرا میفرمودند بعضی مردم میگویند کہ مشایخ چشت قدس اللہ اروا حہم ذکر جہر نگفتہ اند پس غیر متابعت باشد۔ بباید دانست کہ این فقیر مدت سی سال در دایرہ روزگار پرکار دار گردیدہ و بملازمت مشایخ اعصار رسیدہ دید کہ ہمہ مشایخ سہروردو فردوس ذکر جہر میگفتہ اند۔ وآنکہ میگوید ”مشایخ چشت ذکر جہر نکردہ اند“ چون این فقیر بشرف زیارت روضہ متبرکہ حضرت خواجہ مودود چشتی قدس اللہ سرہ مشرف شد و بملازمت حضرت قطب مشایخ حضرت خواجہ قطب الدین مخدوم زادہ کہ صاحب سجادہ بودند، رسیدہ دید کہ ایشان ذکر جہر بحلقہ نشستہ میکردند و میفرمودند کہ از عہد حضرت خواجہ بزرگ الیٰ یومنا ذکر جہر در خاندان قدیم و دودمان کریم مشایخ چشت می آید۔ و در مشہد امیر المؤمنین علی موسیٰ رضا رسیدیم و سید اجل قبل ازین سید رضی الملۃ والدین وسید قاضی و برادران ایشان سید شمس الدین وسید تاج الدین وسید شہاب الدین وسید محمد محمود از قندی کہ ہمہ این سادات مشرف شدیم ایشانہم ذکر جہر میکردند، خاصہ بصبح وشام ذکر جہر باصحاب خود مدور نشستہ میکروند (الی ان قال) نقلست کہ حضرت سید الطائفہ بموجب فرمودہ حضرت خواجہ سری سقطی بیست سال در ذکر نفی و اثبات واسم ذات بر دہلیز پیر اشغال فرمودہ اند بعد از ادای فرائض جز ذکر جہر کاری دیگر نداشتہ اند و در ذکر جہر بمرتبہ مبالغہ میکردند و شغب و فریاد می نمودند۔ آوردہ اند کہ روزی ہمسائگان حضرت ایشان بر خلیفہ بغداد درفت فریاد کردید کہ از بس فریاد و ذکر بلند در شب و روز مارا خواب نمی برد۔ (۸۶)

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں:

اے عزیز جان کہ ذکر کے چار درجے ہیں۔ ایک یہ کہ فقط زبانی ذکر ہو، دل اس سے غافل اور بے فکر ہو۔ اس کا اثر کم ہوتا ہے مگر بالکل بے اثر نہیں؛ اس لیے کہ جو زبان ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو، اس کو اس زبان پر جو بیہودہ باتوں میں مصروف یا بالکل معطل اور بیکار ہو، فضیلت ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دل میں تو ہو لیکن قرار نہ پکڑے اور نہ گھر کرے، ایسا ہو کہ دل کو تکلف سے ذکر کے ساتھ مشغول رکھیں کہ اگر یہ جہد اور تکلف نہ ہو تو دل غفلت یا نفس کے خطروں سے پھر اپنی طبیعت کے موافق ہو جائے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دل میں گڑ گیا ہو اور ایسا غالب اور متمکن ہو گیا ہو کہ اور کام کی طرف اسے تکلف سے مشغول کریں۔ یہ بڑی بات ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ جس کا ذکر مطلوب ہے وہی دل میں بس چکا ہو۔ اور وہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور ذکر دل میں نہ ہو؛ اس لیے کہ جس شخص کا دل مذکور یعنی خدا کو دوست رکھتا ہے اس میں اور اس شخص میں جس کا دل ذکر کو دوست رکھواتا ہے بڑا فرق ہے۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ ذکر اور ذکر کا خیال بھی دل سے بالکل جاتا رہے، مذکور ہی مذکور رہ جائے؛ کیونکہ ذکر عربی ہو یا فارسی، کلام سے خالی نہ ہوگا، بلکہ عین کلام ہوگا اور اصل یہ ہے کہ عربی اور فارسی سخن وغیرہ جو کچھ ہے، سب سے دل خالی ہو، اور سب وہی ہو جائے، دل میں کسی چیز کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ فرطِ محبت جس کو عشق کہتے ہیں یہ امر اس کا نتیجہ ہے یعنی اس سے حاصل ہوتا ہے اور عاشق ہمیشہ معشوق ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے تصور اور کمالِ خیال میں اس کا نام بھی بھول جاتا ہے۔ جب ایسا مستغرق اور محو ہو جائے کہ اپنے آپ کو اور غیرِ حق کو جو کچھ ہے، سب بھول جائے، تو تصوف کے پہلے راستے پر آئے گا۔ ۸۷

ذکر لسانی کی خرابی اور ذکر قلبی کی ترجیح کی وجہ

حضرت مخدوم سید اشرف رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

> ہاں اگر ذکر، دل سے کرنا مراد ہو تو بلا شبہہ تسلیم کرنا چاہیے، کیونکہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے؛ لہٰذا حقیقۃً وہی ذکر، ذکر ہوگا جو قلبی ہو، محض رسمی نہ ہو۔ رسالہ قشیریہ میں ہے: **الذکر بالقلب دائم قطعی۔** ذکر بالقلب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فرض ہے وذکر بالقلب فرض دائم قطعی۔ والذکر لمحۃ البصر وھو عبارۃ عن طرد الغفلۃ عن اللہ والتفکر فی عظمتہ وجلالہ والایہ ونعماۂ سویعۃ مایصفر ساعۃ یعنی ذکر خدا سے غفلت اختیار کرنا ایک پلک جھپکنے کے لیے بھی جائز نہیں۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ ذاکر اپنے دل کو ایک لحہ بھر کے لیے بھی غفلت کا شکار نہ ہونے دے، اور اس کی عظمت و جلالت اور معبودیت سے سرشار رہے نیز اس کی نعمتوں کو ہر دم سامنے رکھے۔
>
> کئی لوگ رسماً ذکر میں مشغول ہوتے ہوئے محض زبانی کلامی ذاکر نظر آتے ہیں؛ حالانکہ وہ قلبی طور پر ذکر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، بناءً علیہ وہ غافل ہو کر کمینگی کا شکار ہو جاتے ہیں اور نعمت خداوندی سے محروم ہونے کے باوجود غرور کو اپنا پیشہ بنا کر یادِ الٰہی سے لاپروا ہو جاتے ہیں؛ اسی لیے اولیاء کرام انہیں دیوانگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۸۸

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ذکر جہر جائز ہے بشرطیکہ ذکر جہر سے نہ نمازوں کی نمازیوں میں خلل آئے، نہ تلاوت کرنے والوں کی تلاوت میں، نہ سونے والوں کے آرام میں، نہ اڑوس پڑوس کے لوگوں اور مریضوں کی پریشانی کا باعث ہو۔ دور جدید میں لاوڈ اسپیکر پر ذکر جہر کرتے ہیں، اس طرح کے ذکر میں احتیاط ضروری ہے، اصل میں مسائل جب پیدا ہوتے ہیں جب حدود شرع سے تجاوز کیا جاتا ہے۔ ذکر کا کمال یہ ہے کہ تکلف درمیان سے اٹھ جائے اور انتہا یہ ہے کہ نہ ذاکر رہے، نہ ذکر، مذکور ہی مذکور ہو......

نماز کے لیے زبان سے نیت

مقالہ نگار نے اس کے خلافِ سنت ہونے کے ثبوت میں ابن قیم کی عبارت پیش کی ہے، لکھا ہے:
ابن قیم لکھتے ہیں

> **كان ﷺ اذا قام الى الصلوٰة، قال "الله اكبر" ولم يقل شيئًا قبلها ولا بعدها ولاتلفظ بالنية البتة.** [۸۹]

اس کے خلافِ سنت ہونے کے قائلین کے نام ذکر کیے ہیں، لکھا ہے:

> ائمہ اربعہ، ابن تیمیہ، امام نووی، ابن ہمام، شیخ عبدالحق، ملا علی قاری، عبدالحی لکھنوی، انور شاہ کشمیری الخ۔ [۹۰]

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات سے جو عبارت لکھی ہے، اس میں سے کچھ عبارت یہ ہے:

> تو زبان سے نیت کرنا بھی بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو بھی حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت سنت تو کجا فرض کے خاتمہ کو بھی باعث ہے؛ کیونکہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان سے نیت پر کفایت کر بیٹھیں گے اور دل کی غفلت کی کوئی پروانہ کریں گے۔ الخ۔ [۹۱]

(۱) امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبان سے نیت کو کافی سمجھ لیا جائے گا اور دل کے عمل کو ترک کر دیا جائے گا؛ اس لیے یہ بدعت ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس میں جواز ہو سکتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک عدم جواز کی وجہ صرف یہی ہے۔

(۲) ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کے خلافِ سنت ہونے کے قائلین میں شمار کر لیا ہے، آنے والی ابن ہمام کی عبارت سے واضح ہو جائے گا کہ آپ کا نقطۂ نظر دوسرا ہے، اور اسی طرح شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی اس میں شمار کرنا غلط ہے؛ کیونکہ آپ نے صرف ایک قول نہیں ذکر کیا بلکہ کچھ اقوال ذکر کیے ہیں؛ [۹۲] اس لیے مقالہ نگار کا ان کو ایک قول کا قائل قرار دینا غلط ہے۔

بیشمار علماء نے اس کو مستحب قرار دیا ہے، ان میں سے کچھ کی عبارات درج ذیل ہیں:
منیۃ المصلی میں ہے:

والمستحب فی النية ان ينوی بقلبه و يتكلم بلسانه ولو نوی بالقلب ولم يتكلم جاز بلاخلاف بين الائمة .

اورعلامہ ابراہیم بن محمد الحلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ م ۹۵۰ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

بان يقول : نويت ان اصلی صلوة كذا . فالنية بالقلب هی الشرط اللازم و التكلم باللسان مستحب هذا هو المختار ، اختار صاحب الهداية رضی الله تعالیٰ عنه وغيره . وقيل : ان التكلم باللسان بدعة . (ولو نوی بالقلب و لم يتكلم باللسان جاز بلاخلاف بين الائمة ؛ لان النية) عمل القلب دون اللسان . و فی شرح الطحاوی : الافضل ان يشغل قلبه بالنية و لسانه بالذكر يعنی التكبير و يده بالرفع . والاحوط فی النية من حيث الزمان (ان ينوی) حال كونه (مقارنا للتكبير و مخالطا له) .[۹۳]

ہدایہ میں ہے:

و النية هی الارادة ، و الشرط ان يعلم بقلبه ای صلوة يصلی . اما الذكر باللسان فلا معتبر به و يحسن ذلك لاجتماع عزيمته .[۹۴]

فتح القدیر میں ہے:

(و يحسن ذلك) قال : بعض الحفاظ رضی الله تعالیٰ عنهم : لم يثبت عن رسول الله ﷺ بطريق صحيح ولا ضعيف انه كان يقول عند الافتتاح " اصلی كذا " ولا عن احد من الصحابة و التابعين رضی الله تعالیٰ عنهم . بل المنقول انه اذا قام الی الصلوٰة كبر . و هذه بدعة . اھ و قد يفهم من قول المصنف رضی الله تعالیٰ عنه " لاجتماع

عزیمته " انه لایحسن لغیرهذا القصد ، و هذا ؛ لان الانسان قد یغلب علیه تفرق خاطره ، فاذا ذکره بلسانه کان عونا علی جمعه . ثم رأیته فی التجنیس ، قال : و النیة بالقلب ؛ لانه عمله و التکلم لا معتبر . و من اختاره اختاره لتجتمع عزیمته .[۹۵]

تنویر الابصار میں ہے:

والخامس : النیة و هی ارادة لا العلم و المعتبر فیها عمل القلب اللازم للارادة و هو ان یعلم بداهة ای صلوة یصلی و التلفظ بها مستحب ، و قیل : سنة .[۹۶]

اس کی شرح "الدرالمختار" میں ہے:

(و المعتبر فیها عمل القلب اللازم للارادة) فلا عبرة للذکر باللسان ان خالف القلب ؛ لانه کلام لا نیة الا اذاعجز عن احضاره ؛ لهموم اصابته ، فیکفیه اللسان . مجتبی (و هو) ای عمل القلب (ان یعلم) عند الارادة (بداهة) بلاتامل (ای صلوة یصلی) فلو لم یعلم الا بتامل لم یجز (و التلفظ) عند الارادة (بها مستحب) هو المختار . و تکون بلفظ الماضی و لو فارسیا ؛ لانه الاغلب فی الانشاآت و تصح بالحال . قهستانی، (و قیل : سنة) یعنی احبه السلف او سنه علمائنا ؛ اذ لم ینقل عن المصطفی ﷺ و لا الصحابة و لا التابعین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم . بل قیل : بدعة . و فی المحیط : یقول " اللّٰهم انی ارید ان اصلی صلوة کذا فیسرها لی و تقبلها منی .[۹۷]

ردالمحتار علی الدر المختار میں ہے:

> (بل قیل : بدعة) نقله فی الفتح . و قال فی الحلیة : ولعل الاشبه انه بدعة حسنة عند قصد جمع العزیمة ؛ لان الانسان قد یغلب علیه تفرق خاطره ، وقد استفاض ظهور العمل به فی کثیر من الاعصار فی عامة الامصار ، فلاجرم انه ذهب فی المبسوط والهدایة والکافی الی انه ان فعله لیجمع عزیمة قلبه فحسن ، فیندفع ما قیل انه مکروه . اھ .[۹۹]

تو ان کثیر علماء کے اقوال سے ثابت ہوا کہ نیت بدعتِ ضلالہ نہیں ہے۔

اجتہاد و تقلید

مقالہ نگار نے آپ کو مجتہد قرار دیا، لکھتے ہیں:

> حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا رفع سبابہ ترک کرنا اجتہاد کی بنا پر ہے اور وہ سنت جو منسوخ نہ ہوئی ہو مجتہد کے اجتہاد سے زیادہ مقدم ہے۔[۱۰۰]

پھر کچھ آگے لکھا ہے:

> اس لیے امید ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس امر اجتہادی کو ترک کرنے اور صحیح حدیث کے اخذ کرنے میں ناراض نہیں ہونگے۔[۱۰۱]

اسی مقالہ نگار نے اسی عنوان کے ماتحت اس سے پہلے آپ کے مکتوب کو نقل کیا ہے اس میں آپ نے خود کو مقلد قرار دیا ہے لکھتے ہیں:

> تو ہم مقلدوں کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ احادیث کے مقتضا کے مطابق عمل کر کے اشارہ کرنے کی جرأت کریں۔

اور مکاتیب میں بھی امام ربانی نے خود کو مقلد قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

> باوجود ایکہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں، لیکن مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے گویا ذاتی محبت ہے، ان کو بزرگ سمجھتا ہوں؛ یہی وجہ ہے کہ بعض نفلی اعمال میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔

اسی مکتوب میں آگے لکھتے ہیں:

> ولایت خاصہ کے مالک اور عام مومن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں اور کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی اور تقلید کی زنجیر سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری اور بایزید بسطامی اور جنید بغدادی اور شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید، عمرو، بکر اور خالد جو کہ عام مومنین میں سے ہیں، کے ساتھ برابر ہیں۔[۱۰۲]

تو ثابت ہو کہ امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ کو مجتہد نہیں سمجھتے تھے؛ اس لیے مقالہ نگار کا آپ کو مجتہد قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

کفن

مقالہ نگار لکھتے ہیں:

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> مردوں کے لیے مسنون کفن تین کپڑے ہیں۔ دستار قدر مسنون سے زائد ہے، ہم قدر مسنون پر کفایت کرتے ہیں اور ہم عہد نامہ نہیں لکھتے؛ کیونکہ پلیدیوں کے ساتھ آلودہ ہونے کا احتمال ہے اور سند صحیح سے بھی ثابت نہیں، علمائے ماوراء النہر کا بھی عمل نہیں۔ مشائخ سے تبرک کے طور پر حاصل شدہ پیراہن کو اگر کفن میں قمیص کی جگہ استعمال میں لائیں، تو اس کی گنجائش ہے۔[۱۰۳]

(۱) دستار

ہم پہلے ''دستار'' پر بحث کرتے ہیں۔ متاخرین فقہاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے علماء اور مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے لیے اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔

امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

و لیس فی الکفن عمامة عندنا . واستحسن بعضهم لما روی عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما انه کان یعممه و یجعل العذبة علی وجهه و احبها البیاض .

امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس عبارت میں دو مذہبوں کا ذکر کیا ہے ایک اس نے اپنا مذہب ذکر کیا ہے اور دوسرا بعض لوگوں کا، یہ بعض لوگ متاخرین فقہائے احناف ہیں؛ جیسا کہ درمختار کی آنے والی عبارت میں ہے۔

اس سے تھوڑا سا آگے ہے:

و قد قالوا : اذا کان بالمال کثرة و بالورثة قلة فکفن السنة اولیٰ من کفن الکفایة .[۱۰۴]

(۱) امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ عمل جو سنت کے مخالف ہو بدعت نہیں ہوتا؛ اس لیے عمامہ کا اضافہ بدعت نہیں ہے۔

(۲) امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعض (یعنی متاخرین فقہائے احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے مذہب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل بھی ذکر کیا ہے؛ تو معلوم ہوا کہ یہ بدعت نہیں ہے؛ کیونکہ کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور ﷺ کی سنت کی مخالفت نہیں کرتا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسا صحابی کس طرح رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کرے گا؟

(۳) امام ابن ہمام نے اس کے بدعت ہونے میں سکوت کیا ہے تو ان کا یہ سکوت اس کے عدمِ بدعت ہونے پر دلالت کرتا ہے: کیونکہ ایسے مقام پر سکوت اس کے عدمِ بدعت ہونے کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ آپ کے نزدیک ان دونوں قولوں میں فرق صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہوگا۔

درمختار میں ہے:

(وتکره العمامة) للمیت (فی الاصح) مجتبی . واستحسنها المتاخرون للعلماء والاشراف ولاباس بالزیادة علی الثلاثة . ویحسن الکفن لحدیث

> **”حسنوا اكفان الموتى فانهم تيز اورون فيما بينهم ويتفا خرون بحسن اكفانهم“ . ظهرية .** [١٠٥]

(i) یعنی عمامہ کا کفن میں ہونا زیادہ صحیح قول پر مکروہ ہے۔ تو اس قول میں صحت پر زیادتی کا اضافہ ہے تو دوسرے قول میں اسی زیادتی کی نفی ہوگی، یعنی دوسرا قول زیادہ صحیح نہیں ہے لیکن صحیح یہ بھی ہے۔ تو ان دونوں قولوں میں سے کوئی بھی بدعت نہ ہوا؛ کیونکہ ان زیادہ صحیح اور صحیح کا فرق ہے۔ یہ تو مجتبی کی عبارت کے اعتبار سے تھا۔

(ii) متاخرین کا اس کو مستحسن قرار دینا اس کے عدمِ بدعت پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ اگر یہ بدعت ہوتا، تو اس کو مستحسن نہ قرار دیتے۔

(iii) صاحب درمختار کا سکوت اس کے عدمِ بدعت پر دلالت کرتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

> **(قوله : فى الاصح) هو احد تصحيحين . قال القهستاني: واستحسن على الصحيح العمامة . يعمم يمينيا ويذنب ويلف ذنبه على كورة من قبل يمينه . وقيل : يذنب على وجهه(الى ان قال) (ولا باس بالزيادة على الثلاثة) كذافى النهر عن غاية البيان . نقل قبله عن المجتبى ”الكراهة“ لكن قال فى الحلية عن الذخيرة معزيا الى عصام : انه الى خمسة ليس بمكروه ولا باس به اھ. ثم قال : ووجه بان ابن عمر كفن ابنه واقدا فى خمسة اثواب، قميص وعمامة وثلاث لفائف وادار العمامة الى تحت حنكه . رواه سعيد بن منصور . اھ قال فى البحر بعد نقل الكراهة عن المجتبى: واستثنى فى روضة الزندوستى: ما اذا اوصى بان يكفن فى اربعة اوخمسة ؛ فانه يجوز بخلاف ما اذا اوصى ان يكفن فى ثوبين؛ فانه يكفن فى ثلاثه ولو اوصى...** [١٠٦]

اس میں کئی کتب فقہ کی عبارات منقول ہیں، صرف مجتبی میں اس کی کراہت مذکور ہے، بقیہ میں اس کی نفی ہے۔ ان فقہی جزئیات کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موقوف حدیث بھی ہے، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمامہ بدعت نہیں ہے۔ لیکن کفن میں قدر مسنون پر کفایت کرنا ہی بہتر ہے جو تین کپڑے ہیں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اقوال فقیہانہ ہی نہیں بلکہ عارفانہ اور مدبرانہ بھی ہیں، اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیے

(۲) عہدنامہ

(الف) درمختار میں کفن پر عہد نامہ لکھنے کے علاوہ اور کلمات طیبات کے لکھنے کا بھی ذکر ہے اور اس میں بھی صرف یہ نہیں ہے کہ کفن پر لکھا جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ عمامہ پر لکھا جائے، یا پیشانی پر ان سب میں امید بخشش ہے۔ تو ثابت ہوا کہ ان میں سے کوئی بھی بدعت نہیں۔ علامہ محمد علاء الدین حصکفی م ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

> **كتب على جبهة الميت او عمامته او كفنه " عهد نامه " يرجى ان يغفرالله الميت۔ اوصى بعضهم : ان يكتب فى جبهته وصدره : " بسم الله الرحمٰن الرحيم "۔ ففعل، ثم رؤى فى المنام فسئل؟ فقال : لما وضعت فى القبر جائتنى ملائكة العذاب فلما رأوا مكتوبا على جبهتى: " بسم الله الرحمٰن الرحيم"۔ قالوا امنت من عذاب الله ۔[۱۰۷]**

ردالمحتار میں ہے:

> **مفاده الا باحة اوا لندب وفى البزازية قبيل كتاب الجنايات: وذكر امام الصفار: لو كتب على جبهت الميت او على عمامته او كفنهه "عهد نامه" يرجى ان يغفر الله تعالىٰ للميت ويجعله امنا من عذاب القبر . قال نصير : هذه رواية فى تجويز ذلك . وقد روى انه مكتوبه على افخا ذ افراس فى اصطبل الفاروق "حبيس فى سبيل الله" اه .**

وفی فتاوی المحقق ابن حجر المکی الشافعی: سئل عن کتابة العهد علی الکفن، وهو " لا اله الا الله ..... انک لا تخلف المیعاد" هل یجوز ولذلک اصل؟

فاجاب بقوله:" نقل بعضهم عن نوادر الاصول للترمذی مایقتضی " ان هذا الدعاء له اصل". وان الفقیه ابن عجیل کان یامر به . ثم افتی ابن الصلاح بانه لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکهف ونحو هما خوفا من صدیدالمیت . والقیاس المذکور ممنوع؛ لان القصد ثم التمیز وهنا التبرک فالاسماء باقیة علی حالها، فلا یجوز تعریضها للنجاسة و القول بانه یطلب فعله، مردود؛ لان مثل ذلک لا یحتج به الا اذا صح عن النبی صلی الله علیه وسلم طلب ذلک ولیس کذلک اھ.

وقد منا قبیل باب المیاه عن الفتح : انه تکره کتابة القراٰن واسماء الله تعالیٰ علی الدراهم والمحاریب والجدران وما یفرش؛ وما ذلک الالاحترامه وخشیة وطئه ونحوه مما فیه اهانة. فالمنع هنا بالاولی مالم یثبت عن المجتهد او ینقل فیه حدیث ثابت . فتامل .

نعم نقل بعض المحشین من فوئد الشرجی : ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسجة "بسم الله الرحمٰن الرحیم" وعلی الصدر "لااله الا الله محمد رسول الله"، وذلک بعد الغسل قبل الکتکفین اھ . والله اعلم .[۱۰۸]

۱۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ابن حجر مکی شافعی اور ابن الصلاح شافعی رحمۃ اللہ علیہما کی تقلید میں حدیث اور ائمہ احناف کی مخالفت میں غیر مقبول ہے؛ کیونکہ ہم شوافع کے مقلد نہیں ہیں، بلکہ ہم ائمۂ احناف کے مقلد ہیں۔

۲۔ امام ابن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتح القدیر کی عبارت ''بچھونے کے بارے میں تو واضح ہے کہ اس میں قصد ہی اہانت ہے؛ اس لیے اس میں کسی کا اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔

۳۔ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا باقی چیزوں کے بارے میں اہانت قرار دینا صحیح نہیں؛ کیونکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ بلکہ بعض میں تو بالکل اہانت ہے ہی نہیں؛ مثلاً درہموں اور محرابوں پر لکھنا۔ اگر کوئی کہے: ان کے گرنے کا شائبہ بھی ہے؛ اس لیے اس میں اہانت ہے۔ میں کہوں گا: یہ صحیح نہیں؛ کیونکہ قرآن کے اوراق کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد انکے ٹکڑے گرنے کا بھی شائبہ ہوتا ہے۔

۴۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمانا ''**فالمنع هنا بالاولى مالم يثبت عن المجتهد**'' انکی اپنی سابقہ عبارت سے مسترد ہے؛ کیونکہ اس میں دو اماموں کا ذکر ہے۔ (۱) امام نصیر بن یحیٰ شاگرد رشید سیدنا امام ابوسف یعقوب اور سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور (۲) امام ابوالقاسم صفار شاگردِ رشید امام نصیر رحمۃ اللہ علیہما۔ کیا ان دو امامون سے ثابت کافی نہیں؟ (۳) بلکہ تیسرے امام فقیہ ابن عجیل رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو فقیہ کہا ہے۔ کیا اس کی نقل کے لیے فقیہ کافی نہیں؟ (۴) اس فقیہ کی نقل کو دوسرے ائمہ نے برقرار رکھا ہے۔ یہ بھی ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کیا بعض ائمہ کا برقرار رکھنا بھی کافی نہیں؟

۵۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ''او ينقل فيه حديث ثابت'' بھی صحیح نہیں؛ کیونکہ ائمۂ احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ہر حکم کے لیے حدیث کا ثابت ہونا ضروری نہیں، بلکہ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک صرف عقائد میں صحیح حدیث ضروری ہے، فضائل میں تو ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے؛ اس لیے صحیح حدیث کی شرط لگانا صحیح نہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا ''حدیث ثابت کی نفی کرنا'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انکے نزدیک بھی اسکے بارے میں ضعیف حدیث منقول ہے، یا موقوف صحیح حدیث ہے۔

۶۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب ''عہد نامہ'' کے کفن پر لکھنے میں ''اصل رابع قیاس ممنوع ہے اور اصل ثانی حدیث بھی غیر ثابت ہے، تو پھر آخر میں بعض محشین کی نقل کو برقرار رکھنا ان دونوں اصولوں پر ثابت ہے؟

(الف) حدیث موقوف میں ہے:

> **عن طاؤس انه امر بهذه الکلمات (عهد نامه) فکتب فی کفنه ۔** [109]

(ب) عبدالرزاق نے مصنف میں پھران سے طبرانی نے معجم میں اور پھران سے ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے کہ معمر بن عبداللہ بن محمد عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا:

> **نعم کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما، وکتب فی اطراف اکفانه: یشهد کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما ان لا اله الا اللہ ۔** [110]

(ج) امام حکیم ترمذی محمد بن علی معاصر امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نوادر الاصول میں مرفوعاً روایت کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> **من کتب هذا الدعاء وجعله بین صدر المیت وکفنه فی رقعة لم نیله عذاب القبر ولا یری منکرا ونکیرا، وهو هذا: لا اله الا اللہ وحده لا شریک له، لا اله الا اللہ له الملک وله الحمد، لا اله الا اللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی عظیم ۔** [111]

(د) فتاویٰ ابن حجر میں فقیہ ابن عجیل کے حوالے سے دو اور دعائیں بھی مذکور ہیں۔

ثابت ہوا کہ "عہد نامہ" کی اصل ثابت ہے۔

(ه) علامہ ابن حجر، علامہ ابن صلاح اور پھر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہم کا قیاس کو ممنوع قرار دینا، ممنوع ہے؛ کیونکہ دونوں میں اشتراک احتمال نجاست ہے۔ قصدِ تبرک کی وجہ سے تعظیم برقرار رہے اور قصدِ تمیز کی وجہ سے تعظیم ختم ہو جائے یہ فرق واضح طور پر باطل ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور قرآن کی تعظیم ہر حال میں قائم رہتی ہے۔

(ب) امام ربانی نے عہد نامہ نہ لکھنے کی تین وجوہ ذکر کی ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) پلیدیوں کے ساتھ آلودہ ہونے کا احتمال ہے۔ تو اگر پلید ہونے کا احتمال ختم ہو جائے تو پھر آپ کے نزدیک ''عہد نامہ'' لکھنا ناجائز نہیں رہے گا۔ تو اسکی تاویل یہ کی جائیگی کہ ''عہد نامہ'' کو میت کے سرہانے کے اوپر تھوڑے سے فاصلہ پر رکھا جائے، یا کعبہ کی سمت میت سے تھوڑے سے فاصلہ رکھا جائے۔ یا بغیر روشنائی کے میت کے ماتھے یا سینہ پر گیلی شہادت کی انگلی یا گیلے قلم سے لکھا جائے۔

(۲) سندِ صحیح سے بھی ثابت نہیں اسکی تاویل و تحقیق اسطرح کی جاسکتی ہے کہ ''سند'' میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ حدیثی
۲۔ فقہی

(i) سندِ حدیث پر دو طرح سے تحقیق ہو سکتی ہے۔

(الف) فقہی احکام کے لیے حدیث کا صحیح ہونا ضروری نہیں، یہ تو صرف عقائد کے لیے ہوتا ہے۔ فقہی احکام کے لیے تو ضعیف حدیث کافی ہوتی ہے اور خود آپ کی یہی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ اسکے بارے میں ضعیف حدیث کے منکر نہیں ہیں؛ کیونکہ نفی صحت سے نفی ضعف نہیں ہوتا۔ تو ثابت ہوا کہ ''عہد نامہ'' کا لکھنا ناجائز نہیں ہے۔

(ب) احادیث کے حوالے سے کئی مجتہدین احناف کے اقوال و فتاوی کتب میں مذکور ہیں میں نے ان میں سے کچھ پہلے ذکر کیے ہیں۔

(ii) فقہی، آپ خود کو مجتہد نہیں سمجھتے تھے بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسطرح کے مقلد سمجھتے تھے کہ احادیث کا علم مجتہد کے پاس ہے مقلد کے پاس نہیں۔ تشہدِ نماز میں رفع سبابہ کی عدمِ سنیت و عدمِ استحباب میں لکھتے ہیں:

> تو ہم مقلدوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کے مقتضا پر عمل کر کے اشارہ کرنے کی جرأت کریں۔[۱۱۲]

اور لکھتے ہیں:

> اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارے کی سنیت اور استحباب کے دلائل ان بزرگوں کے نزدیک درجہ صحت کو نہیں پہنچے، بلکہ اسکے خلاف ثابت ہوا ہے۔ غایت مافی الباب۔ ہمیں اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ معنی

> اکابر میں کسی عیب کو مستلزم نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ: ہم اس دلیل کے خلاف علم رکھتے ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ: حلت وحرمت کے اثبات میں مقلد کا علم معتبر نہیں ہے، بلکہ اس باب میں مجتہد کے ظن کا اعتبار ہے۔ [۱۱۳]

تو ثابت ہوا کہ آپ کے نزدیک سندِ صحیح سے مراد ''فقہی سندِ صحیح'' ہے۔

(۳) مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کفن پر عہد نامہ کے لکھنے کی عدم جواز کی تیسری وجہ یہ لکھی ہے: ''علمائے ماوراء النہر کا عمل بھی نہیں ہے''، تو مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ علمائے ماوراء النہر کا عمل حجت کے لیے کافی نہیں ہے۔

(i) آپ نے ایک اور مکتوب میں انکو بدعتوں کے نہ روکنے والا قرار دیا، لکھتے ہیں:

> تعجب ہے کہ ان شہروں میں جو علماء مجتہدین کا مسکن و ماوی ہیں، اس طرح کی بدعات رواج پذیر ہو چکی ہیں۔ [۱۱۴]

(ii) علمائے ماوراء النہر کے عمل کا نہ ہونا اس کے عدم جواز کو لازم نہیں ہے؛ کیونکہ عدمِ وجود عدمِ ثبوت کو لازم نہیں۔

(iii) ان سے بڑے علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تصورِ سنت وبدعت

مکتوبات شریف ابواب پر مرتب کتاب نہیں؛ اس لیے کسی ایک مکتوب یا چند مکاتیب مخصوصہ سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں، بلکہ کسی ایک عنوان پر دونوں پہلو پر مشتمل تمام مکاتیب کو دیکھنا ضروری ہے، اس کے بعد قرآن، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس کی روشنی میں تحقیق وتنقید کی ضرورت ہے؛ کیونکہ کچھ مکاتیب میں ایسے مسائل بھی لکھے ہیں، جن پر آج کے دور کے اکثر علمائے احناف کا آپ سے اختلاف ہے؛ مثلاً تشہد میں سبابہ کا اشارہ۔

(۱) فقہی مکاتب

(الف) فقہ حنفی کی عدم تقلید

حنفی ہونے کے باوجود آپ نے بعض مقامات پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> باوجودیکہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں۔ لیکن مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے گویا ذاتی محبت ہے، ان کو بزرگ سمجھتا ہوں؛ یہی وجہ ہے کہ بعض نفلی اعمال میں میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسرے فقہاء کو میں باوجود بے انتہا علم اور کمال تقویٰ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح دیکھتا ہوں۔ ۱۱۵

(ب) عسر کے پیش نظر دوسرے مجتہد کے قول پر فتویٰ

مقالہ نگار لکھتے ہیں:

امام ربانی لکھتے ہیں:

بہتر یہ ہے کہ فتویٰ آسان اور سہل قول پر دیا جائے اگرچہ اپنے مذہب کے موافق نہ ہو، خواہ کسی مجتہد کے قول پر ہو۔ اللہ جل مجدہ فرماتا ہے:

یرید اللہ بکم الیسر ولایرید بکم العسر. ۱۱۶

اور یہ بھی فرمایا:

یرید اللہ ان یخفف عنکم و خلق الانسان ضعیفا. ۱۱۷

مقالہ نگار ‘‘تقلید شخصی’’ کے عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں:

> ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس تبدیلی مذہب کو الحاد کی قسم قرار دیا ہے وہ عوام الناس کے لیے ہے تاکہ وہ شریعت کو بازیچۂ اطفال نہ بنالیں۔ ۱۱۸

یعنی امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات میں تطبیق کی ضرورت ہے۔

(ج) آپ کا اپنے مرشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف

فاتحہ خلف امام میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے مرشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان اختلاف ہے۔

مقالہ نگار ‘‘فاتحہ خلف امام’’ کے عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں:

> لیکن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بعض روایات مرجوحہ امام کے پیچھے قرأت کے جواز کے متعلق بھی منقول ہیں۔[۱۱۹]

اور چند سطر بعد لکھا ہے:

> یعنی (حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور اس کو مستحسن شمار کرتے تھے۔[۱۲۰]

یہ دونوں عبارتیں مقالہ نگار نے اسی ترتیب سے لکھی ہیں۔ تو ان دونوں عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرجوح روایات پر عمل کرتے تھے۔ پھر حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عمل کو امام ربانی ہی کی تصنیف ''مبدأ ومعاد'' سے نقل کیا، جو آپ کے عمل کے خلاف تھا۔ مقالہ نگار لکھتے ہیں:

ہمارے حضرت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ تھوڑے عرصے تک میں بھی امام کے پیچھے (نماز میں) سورۃ فاتحہ پڑھتا رہا ہوں

> آخر کار میں نے ایک رات امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک روشن اور شاندار قصیدہ پڑھ رہے تھے اور اس قصیدہ سے یہ مضمون مستفاد ہوتا تھا کہ بیشمار اولیاء اللہ میرے مذہب میں ہو چکے ہیں۔ اسی وقت سے میں نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا۔[۱۲۱]

مقالہ نگار نے یہاں نامکمل تطبیق ذکر کی ہے، لکھا ہے:

> واضح رہے کہ محققین ایسے مسائل میں تحقیق کے بعد جس راہ کو صواب سمجھتے ہیں، اختیار کر لیتے ہیں اور مقلدین اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطۂ نظر درجِ ذیل ہے۔[۱۲۲]

مقالہ نگار نے درجِ ذیل میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متضاد اعمال ذکر کیے ہیں اور ان میں کوئی تاویل و تطبیق ذکر نہیں کی؛ اس

لیے مقالہ نگار کا یہ کہنا: ''اس مسئلہ میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطۂ نظر درج ذیل ہے''۔ غلط ہے؛ کیونکہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ عمل احناف کے لیے کئی وجوہ سے ناقابل عمل ہے، وہ وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرجوح روایت پر عمل کیا ہے۔

(ب) حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل جمہور ائمۂ احناف کے عمل کے خلاف ہے

(ج) حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عمل کے خلاف حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل ہے۔

(د) حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل احادیثِ صحیحہ کے خلاف نہیں ہے۔ جب کہ مقالہ نگار نے حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جو عبارت نقل کی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ احادیثِ صحیحہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عمل خلاف ہیں؛ کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احادیثِ صحیحہ پر ہی عمل کرتے تھے۔ تو حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل احادیثِ صحیحہ کے بھی موافق نہ ہوا؛ اس لیے کہ خود امام ربانی صحتِ فقہی کے قائل ہیں؛ رفعِ سبابہ میں آپ نے اسی کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ اس کی تحقیق میں تمام ائمۂ احناف آپ کے خلاف ہیں۔

یہاں پر ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ صحت فقہی کے قائل ہیں اور بس۔ رفعِ سبابہ میں آپ کی تائید مقصود نہیں ہے۔

(۲) تصوف

آپ تصوف میں صرف سلسلہ نقشبندیہ کی پیروی کرتے تھے۔

آپ نے تصوف میں صرف سلسلہ نقشبندیہ کی تقلید کی ہے، فقہائے احناف کی تقلید کو پیش نظر نہیں رکھا؛ گویا کہ آپ نے خالص صوفیانہ طرز عمل اختیار فرمایا اور وہ بھی سلاسل اربعہ میں سے صرف ایک سلسلہ میں۔ آپ لکھتے ہیں:

> اس منع کرنے میں فقیر کا مبالغہ اپنی طریقت کی مخالفت کے باعث ہے۔ طریقت کی مخالفت خواہ سماع و رقص سے ہو، خواہ مولود اور شعر خوانی سے، ہر طریق کے لیے ایک مطلب خاص تک وصول ہوتا

ہے۔ اور اس طریق میں خاص مطلب تک وصول کا حامل ہونا ان امور کے ترک کرنے کے سبب ہے۔ جس شخص کو یہ طلب ہو کہ اس طریق کے مطلب خاص تک پہنچ جائے اس کو چاہیے کہ اس طریق کی مخالفت سے بچے اور دوسرے طریقوں کے مطالب کو منظور نظر نہ رکھے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ:

''میں نہ یہ کام کرتا ہوں اور نہ ہی اس کا انکار کرتا ہوں''۔

یعنی یہ کام ہمارے خاص طریق کے منافی ہے؛ اس لیے نہیں کرتا۔ اور چونکہ اس کام کو دوسرے مشائخ کرتے ہیں؛ اس لیے انکار بھی نہیں کرتا:

لکل وجھة ھو مولیھا . البقرة

ہر ایک کے واسطے ایک نہ ایک جہت ہے جس کی طرف وہ اپنا منہ کرنے والا ہے۔[۱۲۳]

اس مکتوب سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(الف) امام ربانی ''بدعت'' کے معاملہ میں اپنے سلسلہ کی تقلید کرتے ہیں۔

(ب) امام ربانی نے صرف اپنے سلسلہ کے مشائخِ طریقت کو بدعت کے ترک کی ترغیب دی ہے۔

(ج) آپ نے ''بدعت'' کی مخالفت اس لیے نہیں کی کہ وہ ضلالت ہے بلکہ اس لیے کی کہ وہ آپ کے سلسلہ کے خلاف ہے۔

(د) آپ کے نزدیک ہر بدعت بدعتِ ضلالہ نہیں؛ اس لیے آپ نے بدعت کی مخالفت کو اپنے سلسلہ سے مشروط قرار دیا ہے۔ اگر یہ بدعت ضلالہ ہوتی تو اس کو اتباعِ شریعت کے ساتھ مشروط قرار دیتے۔

(ہ) اگر میلاد النبی ﷺ اور دوسرے امور مذکورہ بدعتِ ضلالہ ہوتے تو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ ان کو دوسرے سلسلہ کے مشائخ کے لیے جائز نہ قرار دیتے؛ کیونکہ بدعتِ ضلالہ کسی شیخ طریقت کی وجہ سے مذموم سے غیر مذموم نہیں ہو جاتی۔

(و) آپ نے دوسرے سلسلوں کی مذمت نہیں کی۔ صرف اپنے سلسلہ کو راجح قرار دیا؛ کیونکہ اس کے بغیر اپنے مشائخ سے فیض حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

(ز) دوسرے سلسلوں کے تمام مشائخ صرف صوفیہ نہیں تھے، بلکہ بعض اجتہاد و تجدید کے مقامات پر فائز بھی تھے۔ سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد بھی تھے اور مجدد بھی، بلکہ ان سب کے غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حقیقت میں آپ صرف نقشبندی نہیں تھے بلکہ قادری چشتی اور سہروردی بھی تھے؛ اس لیے آپ کا ان امور کو بدعت کہنا علی الاطلاق نہیں ہے۔ بلکہ قادری، چشتی اور سہروردی ہونے کی حیثیت سے آپ ان میں رخصت و جواز کے قائل ہیں۔ آپ اپنے ان سلسلوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں درمیان اکیس واسطے ہیں اور طریقہ قادریہ میں پچیس اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس۔[۱۲۴]

(i) **حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی فیوض و برکات کے مرکز ہیں؟**

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> ان کے بعد وہی منصب ائمۂ اثنا عشر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر رہا۔ اور ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد (الی ان قال) یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچی اور جب اس بزرگوار تک نوبت پہنچی تو منصب مذکور آپ کے سپرد ہوا اور ائمۂ مذکورین اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان کوئی بھی اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا۔ (الی ان قال) آپ نے فرمایا
>
> **افلت شموس الاولین وشمسنا**
> **ابدا علی افق العلی لاتغرب**
>
> (الی ان قال) میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مقام میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نائب ہیں۔[۱۲۵]

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لیے دو رستوں کا ذکر فرمایا، ایک قرب نبوت سے دوسری قرب ولایت سے جس کا اوپر ذکر کیا گیا...... جس راستے کا تعلق قرب نبوت سے ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

> اس راہ کے واصلین بلا صالت انبیاء علیہم التسلیمات ہیں اور ان کے صحابہ، باقی امتوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں اگرچہ وہ قلیل بلکہ اقل (بہت ہی کم) ہیں، اور اس راہ میں توسط اور حیلولہ نہیں ہے اور جو کوئی بھی ان واصلوں میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی توسط کے اصل سے اخذ کرتا ہے...... (مکتوبات شریف ۳/۱۲۳)

اس مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

> ممکن ہے کوئی شخص قرب ولایت کی راہ سے قرب نبوت تک پہنچ جائے اور دونوں معاملات میں شریک ہو اور انبیاء علیہم التسلیمات کے طفیل اس کو وہاں جگہ دے دی جائے اور کارخانہ کو اس سے وابستہ کر دیں اور اس جگہ کا معاملہ اس سے متعلق کر دیا جائے۔ (مکتوبات شریف ۳/۱۲۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کی حضرت مجدد الف علیہ الرحمۃ نے اس عبارت میں اپنی طرف اشارہ فرمایا ہے،

(ii) حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قدم تمام ولیوں کی گردن پر ہے۔[۱۲۶] مگر یہ حکم اس وقت کے اولیاء کے ہی لیے مخصوص ہے۔ (مکتوبات شریف، ۳، ۲۹۳)

(iii) حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقدیر مبرم کو تبدیل فرما دیتے ہیں۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> میرے حضرت قبلہ آگاہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ: ''قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں مگر مجھے ہے، اگر چاہوں تو اس میں بھی تصرف کروں''۔ اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے۔[۱۲۷]

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے قضا کو تین اقسام پر تقسیم کیا ہے، قسم اول کا تبدیل کرنا ان کے نزدیک مستبعد ہے۔ (مکتوبات شریف ۱/۲۱۷)

(۳) مباح

’’مباح‘‘ کو آپ نے بعض مکتوبات میں بدعت قرار دیا ہے اور بعض میں جائز، تو آپ نے اس کو بدعت یا تو تصوف کے حوالے سے قرار دیا ہے اور جائز فقہ کے اعتبار سے۔ یا بدعت اپنے سلسلہ کے حوالے اور جائز دوسرے سلسلوں کے حوالے سے۔ اور اسی طرح ’’رخصت‘‘ میں بھی یہی تاویل ہوگی۔ ہم اس پر پہلے ہی کچھ تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔

(۴) تقوٰی اور فتوٰی

آپ نے جہاں بھی کسی کام کو بدعت ضلالہ قرار دیا ہے؛ اسکی وجہ ورع و تقوٰی ہے، یعنی وہ تقوٰی جو آخری درجہ کا ہے۔ تو صوفیہ کے نزدیک جو شخص اس تقوٰی کو ترک کرتا ہے وہ بدعت کا مرتکب ہوتا ہے۔ تقوٰی کے تین درجے ہیں۔ بیضاوی شریف میں "**هدى للمتقين**" کے ماتحت ہے:

> **المتقى اسم فاعل من قولهم وقاه فاتقى ، والوقاية فرط الصيانة . وهو فى عرف الشرع : اسم لمن يقى نفسه عما يضره فى الأخرة. وله ثلث مراتب، الاولى: التقى عن العذاب المخلد بالتبرى عن الشرك وعليه قوله تعالىٰ ’’ : والزمهم كلمة التقوى ‘‘ و الثانية : التجنب عن كل مايؤثم من فعل او ترك حتى الصغائر عند قوم وهو المتعارف باسم التقوى فى الشرع وهو المعنى بقوله تعالىٰ ’’ : ولو ان اهل القرىٰٓ امنوا واتقوا ‘‘. و الثالثة : ان يتنزه عما يشغل سره عن الحق ويتبتل اليه بشراشره وهو التقوى الحقيقى المطلوب بقوله تعالىٰ ’’ : واتقوا الله حق تقاته .[۱۲۷]**

شيخ زاده محمد بن مصلح الدين مصطفى القوجوى محى الدين الحنفى المعروف بشيخ زاده م۹۵۱ھ تقوٰی کی دوسری قسم "**عند قوم**" کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقول المصنف "عند قوم" اشارة الى ان المختار ان الاجتناب عن الصغائر لا يعتبر فى مفهوم التقوى وان مرتكبها لايخرج من زمرة المتقين بسبب ارتكابها۔ [۱۲۹]

مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کے نزدیک اس کی پانچ قسمیں ہیں، لکھتے ہیں:

قال الاشرف: الزهد هوا لاعتزال عن ميلان النفس۔ دراقوال مشائخ آمده که ورع پنج مرتبہ است۔

مرتبہ اول عدلست کہ آنچہ بفتوئ شرع ظاہر حرام بود از ان عدول نماید وگرنہ عاصی وفاسق بود وایں ورع عموم عامۂ مسلمانان دارند۔

دوم مرتبۂ نیکو کار انست کہ چیزیکہ بفتوی حرام نیست اما شبہہ دارد ترکش بہتر است۔ وشبہہ سہ قسم ست، یکی حذر کردن از ان واجب ست چنانچہ شبہہ ربا وغصب۔ دوم حذر کردن از ان مستحب ست چنانچہ طعام ملوک وامراء۔ سوم حذر کردن از وسوسہ است چنانچہ گوشت صید نخورد مبادا از کسی گریختہ باشد۔

سوم مرتبہ متقیان دارند کہ از حلال ہم احتراز کنند چنانکہ از عمر بن عبدالعزیز نقل ست کہ مشک از غنیمت آوردہ بودند، بوی نکرد، گفت کہ "حق مسلمانان است"۔ نقلست کہ شخصی بر بیماری نشستہ بود وی مرد چراغ۔۔۔ وی از روشنای گریخت کہ حق ورثۂ ویست۔

مرتبہ چہارم صدیقان است کہ حذر کنند از چیزی کہ حلال بود ولیکن سبب حصول آن چیز معصیت رفتہ باشد چنانکہ بشر حافی از جوی سلطان آب نہ خوردہ کہ چہ دانم کہ از کدام وجہ کافتہ باشد؟

مرتبہ پنجم متقربان وموحدان کہ خوردن وپوشیدن شان کہ بے نسبت ایشانرا باشد حرام دانند۔ **قال بعض المحققين:**

ورع العوام من المحرمات وورع الخواص من المحللات وورع الصديقين ممن سوى الله۔ حضرت قدوة الکبراء میفرمودند کہ:

نزد محققان زہد و زاہد خود نیست و نباشد چرا کہ دنیا خود ان قدر ندارد کہ ترک کنندہ او زاہد باشد **قل متاع الدنیا قلیل** کہ قبل ایں باشد **الزهد فی الدنیا یذبح البدن والزهد في الأخرة یذبح القلب والاقبال الی اللّٰه تعالیٰ یذبح الروح۔** نقل از حضرت گنج شکر میکردند کہ علامت زہد سہ چیز ست کسیکہ این ندارد زاہد نیست:

اول شناختن دینا پس داشتن دست از کار او ہم ست۔

دوم خدمت مولی کردن و نگاہداشتن۔ سوم آرزومندی آخرت پس طلب کردن۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ومن یتق اللّٰه یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب۔

المتقی ان لا یکون رزقه من الکسب، قال علیه السلام: نعم کل مؤمن تقی۔

ایضاً المتقی من اتقی رویته و تقویٰه ولم یرنجاته الا بفضل مولاه۔ تقاوت (یعنی تقوی) بسہ چیز ست، یکی بحسن توکل در انچہ بدست او نیست۔ دوم بحسن رضا ظاہر ہر آنچہ بدو نرسد۔ سوم بحسن صبر از انچہ ازوی فوت شود متقی را باید کہ بعزائم کار بکندہ کرد رخصت نکردہ و ہر کرا دل مفتی باشد و کار بفتوی دل کند او متقی و سعید بود۔

تقاوت بہ نسبت ہر کسی متضاد است۔ متقی در شریعت اعراض از جواہر معاصی و جوارح اعضاء۔ و در طریقت اعراض زمائم بواطن و از خطرات نفس و ہواجس بدن۔ در حقیقت اعراض از سوی اللّٰہ۔

در دون و سواء فرق است، دون چیزی اندک و سہل و ادنی باشد چنانچہ حب جاہ و ریاست و کشف و کرامت و سیر و طیر و امثال او، و سوا ہر چیز یکہ غیر او باشد از حور و قصور و محبت و معرفت و امثال او۔[۱۳۰]

امام ربانی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ نے مباحات کے ترک کو حصولِ تقوی کا سبب قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

> پس کامل ورع وتقویٰ کے حصول کے لیے مباحات میں سے بھی بقدر ضرورت پر کفایت کرنا ضروری ہے۔ اور مباح بقدر ضرورت بھی اس وقت مثمر نتائج ہے جبکہ وظائف بندگی کی ادیگی کی نیت سے ہو ورنہ بقدر ضرورت مقدار بھی وبال ہے۔ اور با مقصد تھوڑی مقدار میں مباح کا استعمال بھی زیادہ کے حکم میں داخل ہے۔[۱۳۱]

شریعت میں عمل فتویٰ پر ہوتا ہے تقویٰ پر نہیں، تقویٰ پر عمل کرنے والے صرف اولیاء اللہ ہیں جو حلال اور ماسواء اللہ کو حصولِ تقویٰ کے لیے ترک کر دیتے ہیں۔ امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اسی تقویٰ کا خلاف بدعت ہے۔

(۵) ترغیب وترہیب اور حفظ ماتقدم

مکاتیب میں آپ کے مخاطب خلفائے کرام اور پیرانِ عظام تھے؛ اس لیے آپ نے مباحات کو بھی ان کے لیے حرام قرار دیا ہے؛ کیونکہ ''**حسنات الابرار سیئات المقربین**'' کے معیار پر آپ انکو دیکھتے تھے، لیکن آپ عام لوگوں کے لیے یہ نظریہ نہیں رکھتے تھے؛ کیونکہ آپ نے بدعت ضلالہ صرف ترہیب کے لیے کہا ہے؛ جیسا کہ حدیثوں میں ہے: ''ترک نماز کفر ہے''، یا آپ نے حفظ ماتقدم کے طور پر کہا ہے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے؛

> کیونکہ ارتکاب مباحات میں باگ ڈھیلی کرنا مشتبہ امور کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے، اور مشتبہ سے تجاوز کر کے انسان حرام تک جا پہنچتا ہے:
>
> **من حام حول الحمي يوشک ان يقع فيه**
>
> جو چراگاہ کے گرد گھومتا ہے قریب ہے کہ ایک روز چراہ گاہ میں گھس جائے۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

> اور جب فضول مباحات سے بالکلیہ اجتناب خصوصاً آج کل بہت کمیاب ہے۔ تو حرام چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے بقدر ضرورت فضول مباحات کے ارتکاب کو تنگ تر کرنا چاہیے۔ اور اس

> ارتکاب مباحات میں ہمیشہ شرمندہ اور استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ اور فضول مباحات کے ارتکاب کو محرمات میں داخلے کی کھڑکی تصور کرتے ہوئے ہمیشہ حق سبحانہ سے التجاء اور زاری میں مشغول رہنا چاہیے۔ ممکن ہے یہ ندامت و استغفار اور التجا و تضرع اس اجتناب کا کام دے سکے جو فضول مباحات سے تعلق رکھتی ہے اور اس طرح بندہ فضول مباحات کے ارتکاب کی آفت سے محفوظ و مامون رہ سکے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں گنہ گاروں کی عاجزی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اطاعت گزار لوگوں کی جد و جہد سے زیادہ محبوب ہے۔[۱۳۲]

تو در حقیقت آپ کا ''بدعتِ ضلالہ'' فرمانا بطور نصیحت ہے؛ اس لیے اس کو شرعی ''بدعتِ ضلالہ'' نہیں کہا جائے گا۔

(۶) خواص اور عوام کے اعمال میں فرق

پیران عظام یعنی خواص اہل اللہ میں اور دوسروں لوگوں کے معمولات میں فرق ہے، دوسروں کے نوافل ان کے فرائض ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> پس جائز ہے کہ خواص اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کے افعال اور ذات وصفات کے معارف میں بعضے اسرار و دقائق معلوم کریں کہ ظاہر شریعت ان معارف سے خاموش ہو۔ اور حرکات و سکنات میں خداوند تعالیٰ کا اذن یا عدم اذن معلوم کرلیں اور خدا تعالیٰ کی مرضی اور عدم کو جان لیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات میں بعض نفلی عبادتوں کا ادا کرنا وہ ناپسندیدہ جانتے ہیں اور ان کو ان کے چھوڑ دینے کا حکم ہوتا ہے۔ اور کبھی وہ سونے کو جاگنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ احکام شرعیہ اوقات پر مقرر ہیں، اور احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں۔ اور چونکہ ان بزرگواروں کی حرکات و سکنات خدا تعالیٰ کے اذن سے وابستہ ہیں، تو لازماً دوسروں کے نوافل ان کے فرائض

ہیں۔ مثلاً ایک کام ایک آدمی کی نسبت شریعت کا نفلی حکم ہے اور وہی فعل کسی دوسرے کے لیے بطور الہام فرض ہے۔

پس دوسرے کبھی نوافل ادا کرتے ہیں اور کبھی امور مباحہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور یہ بزرگوار چونکہ کام کو خدا تعالیٰ کی اجازت اور حکم سے کرتے ہیں تو وہ سب ان کے لیے فرض ہوتے ہیں، دوسروں کے مباح اور مستحب ان کے فرائض ہیں۔ [۱۳۳]

مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی لکھتے ہیں:

اشتمال توبہ بہ نسبت عموم خلائق است؛ **کما قال اللہ تعالیٰ: توبوآ الی اللہ جمیعا** کہ مردم بہر ساعت چنگ بدامن توبہ زنند دست بگریبان وصول رسد کفرہ از کفر توبہ کنند تا بایمان مشرف شوند وعاصیان از معاصی باز آیند ومطیعان باخلاص گر ہند ومومن ومسلم از ذمائم ظواہر بر آیند وبجمال بواطن سعی کنند واہل سلوک از مقامات ادنی باعلی واصحاب کشف (از غیب بشہادہ)۔ فالحاصل ہر کسی کہ وے ہر مقام وی را فرض بود کہ از وی باعلی ترقی کند کہ در کلمات مشائخ افتادہ است: **من رضی عن مقامہ سقط عن امام۔** [۱۳۴]

تو آپ نے خواص کے معمولات کو بدعت ضلالہ قرار دیا ہے۔

(۷) بدعتوں کے موجد

بدعتوں کے موجد صرف نااہل صوفیاء تھے۔ آپ کے زمانے میں بدعت کو سنت کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا تھا، اور اس کے مروج اہل طریقت تھے، انہوں نے طریقت وشریعت کو الگ الگ خانوں میں رکھا ہوا تھا۔ اہل طریقت اپنے آپ کو شریعت کا متبع نہیں سمجھتے تھے، انہوں نے بہت غلو کیا ہوا تھا۔ جا بجا امام ربانی نے انکو شریعت کی اتباع کی ترغیب وتحریص دی اور انکی طریقتی بدعتوں کی مذمت کی۔ آپ کے مکتوبات میں شاید ایک آدھ مولوی کو آپ نے شریعت کی اتباع کی ترغیب کی ہو، جبکہ بے شمار مکاتیب میں کثیر نااہل صوفیہ

کو اتباع شریعت کی ترغیب دی ہے اور بدعتوں کی مذمت کی ہے۔ تو بدعتیں صرف صوفیاء میں مروج تھیں اور یہی نئی بدعتوں کو ایجاد کر رہے تھے۔ مکتوبات میں ہے:

> خالی کلاہ اور چادر اور شجرہ جو مروج ہو چکا ہے پیری مریدی کی حقیقت سے خارج ہے۔ اور عادات و رسوم میں داخل ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ شیخ کامل مکمل کا کرتا بطور تبرک اپنے پاس رکھے۔ ۱۳۵

اور لکھتے ہیں:

> صوفیہ خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجالانے میں سستی کرتے ہیں اور چند ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔ (مکتوبات، جلد۲، ص۶۱۳)

اور لکھتے ہیں:

> اور نیز حضرت حق جل شانہ کے ساتھ مکالمہ و کلام ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے۔ کبھی دشمنوں کے حق میں حضرت حق سبحانہ کی طرف سے کئی قسم کی باتیں نقل کرتے ہیں اور کبھی اپنے دوستوں کو بشارت دیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ رات کی تہائی یا چوتھائی حصہ تک کلام کرتا رہا۔ اور ہر طرح کی باتیں پوچھتا رہا اور جواب لیتا رہا:
>
> لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا.
>
> ان لوگوں نے اپنے آپ میں تکبر کیا اور بڑی سرکشی کی۔

ان لوگوں کی باتوں سے یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ لوگ اس نور مرئی کو عین حق تعالیٰ سمجھتے ہیں۔ اور اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں۔ نہ یہ کہ اس کے ظہورات میں سے کوئی ظہور یا اس کے ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات کہنا محض افترا اور صرف الحاد اور خالص زندقہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نہایت ہی حلم و تحمل ہے کہ اس قسم کے مفتریوں کے لیے طرح طرح کے عذابوں میں جلدی نہیں کرتا۔ اور ان کی بیخ کنی نہیں فرماتا:

> سُبحَانَکَ عَلٰی حِلمِکَ بَعْدَ عِلمِکَ عَفوِکَ بَعْد قُدْرَتِکَ
>
> یا اللہ تو پاک ہے ہماری برائیوں کو جان کر حلم فرماتا ہے۔ اور قدرت کے باوجود معاف کرتا ہے۔[۱۳۶]

تو یہ بدعتیں صوفیانہ تھیں، فقیہانہ نہیں۔

(۸) فرضوں پر نفلوں کو ترجیح دینا

نوافل میں سعی کرنے اور فرائض میں سستی کرنے کی ظلمت سے بدعت وہوا ظاہر ہوگئی تھی۔ اور اس میں پیش پیش صوفیہ ہی تھے، اور بعض مولوی بھی ان کی مریدی میں اس بدعت میں ملوث تھے۔ لکھتے ہیں:

> شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں۔ کاش کے ان کے درمیان قطرہ اور دریا (سمندر) محیط کی ہی نسبت ہوتی، بلکہ نفل کی سنت کے مقابلہ میں یہی نسبت ہے...... اکثر لوگ چونکہ اس معنی سے بے نصیب ہیں، فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔ صوفیہ خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجا لانے میں سستی کرتے ہیں اور چلہ اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ایک فرض جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزار چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں آداب شرعیہ کو مدنظر رکھ کر ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔[۱۳۷]

(۹) چلہ

(۱) صوفیہ نے چلہ کے ثبوت میں کئی دلائل ہیں، ان میں سے ایک اعتکاف ہے، جس کا لغوی معنیٰ ”کسی جگہ رک کے رہنا“ ہے۔ اعتکاف کی کئی قسمیں ہیں۔ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں:

الاعتكاف : لبث المعتكف فی المسجد بتعيين المدة حتى ينقضى مدته . وفی الحقيقة حفظ الجوارح عن الحركة الطبعی . وقال الفقهاء :

الاعتكاف سنة مؤكدة ؛ لانه عليه السلام كان اعتكف فی العشر الأخر من رمضان .

اگر معتکف نذر بر خود کردہ باشد بتعین مدت کہ اعتکاف خواہم داشت ، پس وی را دائم صیام باید کہ شرط اعتکاف نذر معین صوم ست اگر صوم نبود اعتکاف درست بنود این قول حضرت امام اعظم ست مثلاً چنانچہ گوید: **على ان اعتكف يوما او شهرا او سنة و هذا لا يجوز الا بالصوم .**

و اگر نیت اعتکاف کند بر سبیل نفل باشد ، بصوم و غیر صوم و ہر کہ در مسجد در آید و نیت اعتکاف کند آں مقدار مکث و وقف کہ کردہ باشد ہماں قدر اجر اعتکاف یابد ، و او را معتکف نتوان گفت۔

وقت غروب آفتاب در مسجد رود و ابتداء اعتکاف کند و وقت انقضاء مدت مادام کہ آفتاب باشد بیرون نیامد۔ و معتکف را باید کہ دائم با وضو باشد و تا تواند و قدرت داشتہ باشد خواب نکند بذکر ، یا بہ تلاوت ، شغلے کہ پیرش گفتہ باشد مشغول ماند۔[۱۳۸]

(۲) آپ صوفیہ کے قول سے خلوت کی خوبی پر استدلال ذکر کرتے ہوئے ، لکھتے ہیں:

كما قال بعض العرفاء : اذا اراد الله بعبد خيرا انسه بالوحدة .

(۳) توریت کی آیت سے استدلال لاتے ہوئے ، لکھتے ہیں:

ونقل عن التوراة : من اعتزل سلم .

(۴) معقولی انداز استدلال اختیار کیا کہ جس طرح قرض خواہ قرض بغیر مقروض کے دروازے سے نہیں ہٹتا ، بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس کے دروازے پر بیٹھا رہے۔ لکھتے ہیں:

لا ينصرف عن بابه حتى يقضى دينه . چوں نیت معتکف خالصۃً للہ باشد نہ خود نمائی و رسم عادت حسنات بسیار در دیوان اعمال

ثبت فرمایند واورادر سلک اخیار منتظم کنند **حیث قال علیه السلام :**

من اعتكف يوما ابتغاء لوجه الله ، جعل الله بينه و بين النار ثلاث خنادق بعد ما بين الخافقين ۔

(۵) اعتکاف کے علاوہ دوسری دلیل حدیث قدسی سے استدلال کرتے ہوئے، لکھتے ہیں

حضرت قدوۃ الکبراء میفر مودند : آنمقدار تکمیل سالک وتحصیل کہ در خلوتست در ہیچ ریاضت نیست چہ خلوت جامع ریاضت وتکلیفات ہمہ شدائدست حق تعالیٰ خلوت نشین رامحبوب داردکہ **ان الله تعالیٰ وتر يحب الوتر ۔**

(۶) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گوشہ نشینی سے استدلال ذکرکرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بردل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلوت وتنہائی شیرین کردند چنانچہ پیش از وحی درکوہ حراء یکان ہفتہ بخلوت وعزلت بنشستند **وجب للعبد ان يلتزم خلوة بالله بنفسه**

اعتکاف اورعزلت وخلوت میں فرق ذکرکرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بدانکہ میان خلوت وعزلت واعتکاف فرق است ۔ اعتکاف گوشہ گرفتن باروزہ بود، و عزلت وخلوت بےروزہ بود **الخلوة لاهل الصفوة والعزلة من ارباب الوصلة** عزلت معتزلی ازسوی اللہ ووصلۃ باللہ وخلوۃ تنہابودن ودوری ازخلق و نفرت ازعیال واطفال مگر بہ نیت عبادت متابعت حضرۃ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کہ مشغول بشدی بدعوت خلق وحرم احفادوبعدفراغ ازشغل ایشان استغفاروتضرع کردی کہ بغیر مشغول بودم آنجاانی **استغفر فی كل يوم سبعين مرة ۔**[۱۳۹]

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی بعض ایسی باتوں سے مخالفت جودوسرے علماء و فقہاء نے جائزقراردیں حکیمانہ ومدبرانہ ہے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے عہد میں مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، معاشی ومعاشرتی حالات ابتر تھے، حالات کا یہی تقاضا تھا۔ کہ ان بدعات سے روکا جائے اس حقیقت کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ حکیم وڈاکٹر مریض کوحلال چیزوں سے بھی سخت پرہیز کراتے ہیں، یہ پرہیز

اس لیے کرایا جاتا ہے کہ مریض صحت یاب ہو جائے، اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ وہ حلال چیزیں جن سے پرہیز کرایا گیا ہے۔ حرام ہیں جو ایسا سمجھتا ہے وہ عقل و دانائی سے محروم ہے...... حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنی دانائی و حکمت اور تدبر و تحمل سے ایسا انقلاب برپا کیا جو تاریخ میں یادگار رہے گا۔ یہ وہ واحد انقلاب ہے جس میں خون کا ایک قطرہ تک نہ بہایا گیا...... حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے فکر کا صحیح ادراک وہی کر سکتا ہے جو شریعت و طریقت کا عرفان حقیقی رکھتا ہو......

☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

۱......القرآن، المائدۃ، الآیۃ:۱۰۱

۲......الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۶/۲۱۶

۳......(صحیح بخاری، حدیث:۷۲۸۹ و صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب توقیرہ ﷺ وترک اکثار سوالہ) القرآن الکریم و ترجمۃ معانیہا و تفسیر الی اللغۃ الاردویۃ، ص:۳۳۰، مجمع الملک الفہد لطباعۃ المصحف الشریف

۴......الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۶/۲۱۳

۵......(صحیح مسلم، کتاب الحج، حدیث:۴۱۲، و مسند احمد، و سنن ابی داؤد، و نسائی، و ابن ماجۃ) القرآن الکریم و ترجمۃ معانیہا و تفسیر الی اللغۃ الاردویۃ، ص:۳۳۰-۳۳۱

۶......جہان امام ربانی، ۲/۲۰۹-۲۱۰

۷......مکتوبات، ۱/۴۲۵

۸......جہان امام ربانی، ۲/۲۱۱

۹......مکتوبات، ۱/۴۲۵

۱۰......مکتوبات، ۱/۴۲۵

۱۱......جہان امام ربانی، ۲/۲۰۹-۲۱۰

۱۲......جہان امام ربانی، ۲/۲۱۰

۱۳......البخاری بشرح الکرمانی، کتاب الصوم، باب فضل من قام رمضان، ج:۹، ص:۱۵۴، حدیث:۱۸۸۵

۱۴......مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ۱/۳۶۷-۳۶۸، حدیث:۱۴۱

۱۵......جہان امام ربانی، ۲/۲۱۰-۲۱۱

۱۶...... مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج:۱، ص:۴۱۰، حدیث:۱۶۵

۱۷...... جہان امام ربانی، ۲/۲۱۱

۱۸...... جہان امام ربانی، ۲/۲۱۰

۱۹...... جہان امام ربانی، ۲/۲۱۴

۲۰...... جہان امام ربانی، ۲/۲۱۴

۲۱...... مکتوبات، ۱/۴۳۲-۴۳۱

۲۲...... مکتوبات، ۱/۴۳۲

۲۳...... مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ۱/۳۶۸، دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

۲۴...... جہانِ امام ربانی، ۲/۲۱۳

۲۵...... جہان امام ربانی، ۲/۲۱۳-۲۱۴

۲۶...... جہان امام ربانی، ۲/۲۳۲

۲۷...... جہان امام ربانی، ۲/۲۱۵

۲۸...... مشکوٰۃ مع مرقاۃ، ۲/۱۲۴، حدیث:۴۱۷

۲۹...... مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ۲/۱۲۴

۳۰...... مکتوبات، ج:۱، ص:۴۲۴

۳۱...... جہان امام ربانی، ۲/۲۱۱

۳۲...... الجامع الصحیح للبخاری، ۱/۲۶۹، نور محمد آرام باغ کراچی

۳۳...... حاشیۃ البخاری، ۱/۲۶۹۔ ہذہ العبارۃ منقولۃ من فتح الباری ۴/۷۸۲۔ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء

۳۴...... نیل الاوطار، ۳/۳۲۵، الکلیات الاریۃ ۱۳۹۸ھ

۳۵...... حاشیۃ البخاری، ۱/۲۶۹، وہکذا فی فتح الباری، ۴/۷۸۱

۳۶...... ملخص از شرح صحیح مسلم نووی، ۱/۲۵۹، نور محمد کراچی۔ اور حاشیۃ البخاری، ۱/۲۶۹

۳۷...... فتح الباری، ۴/۷۸۲

۳۸...... (المستدرک علی الصحیحین ج:۱، ص:۱۰۳) جہانِ امام ربانی، ۲/۲۰۹

۳۹...... جہانِ امام ربانی، ۲/۲۰۹

۴۰...... (مکتوبات، مکتوب:۱۸۶) جہانِ امام ربانی، ۲/۲۱۱

۴۱...... مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ۱/۴۳۲، حدیث:۱۸۷

۴۲......مرقاة، ۱/۴۳۲

۴۳......مرقاة شرح مشکوة، ۱/۴۳۲-۴۳۳

۴۴......جہانِ امام ربانی، ۲/۲۱۰

۴۵......مکتوبات، ج:۳، ص:۱۳۷۱، مکتوب:۱۴

۴۶......مکتوبات، ج:۳، ص:۱۳۷۲، مکتوب:۱۴

۴۷......مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب:۲۸، ص:۱۳۴۴۔ جہان امام ربانی، ۲/ ۲۳۹۹-۲۴۰

۴۸......مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب:۳۶، ص:۱۰۳۲-۱۰۳۳۔ جہان امام ربانی، ۲/ ۲۴۰-۲۴۱

۴۹......جہان امام ربانی، ۲/ ۲۱۱

۵۰......مکتوبات، ج:۲، ص:۶۲۱، مکتوبات:۲۶۰

۵۱......لطائف اشرفیہ، ۱/۱۹۴، حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مطبوعہ پاکستان

۵۲......(العطایہ النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ، ۹/ ۵۸۳ مطبوعہ رضا احمد فاؤنڈیشن لاہور) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، باب پنجم، فصل:۹۔ اجتہاد۔ ذیلی عنوان: اجتہاد کی وسعت

۵۳......(العطایہ النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ، ۵/ ۵۱۷۔۵۷۲ مطبوعہ رضا احمد فاؤنڈیشن لاہور) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث۔۔ مذکورہ سابقہ

۵۴......مکتوبات، ج:۲، ص:۶۲۲، مکتوب:۲۶۰

۵۵......مکتوبات، ج:۳، مکتوب:۵۵، ص:۱۱۳۰

۵۶......مکتوبات، ج:۳، مکتوب:۵۵، ص:۱۱۳۲

۵۷......جہان امام ربانی، ۲/ ۲۱۳

۵۸......جہان امام ربانی، ۲/ ۲۲۲

۵۹......فتح الباری، ج:۴، ص:۷۸۶، تحت حدیث:۲۰۱، دار الفکر ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۶ء

۶۰......عمدة القاری، کتاب الصوم (کتاب التراویح)، باب فضل من قام رمضان، ج:۱۱، ص:۱۲۶، حدیث:۱۱۶۔

۶۱......البخاری بشرح الکرمانی، کتاب الصوم (کتاب التراویح)، باب فضل من، قام رمضان، ج:۹، ص:۱۵۴، حدیث: ۱۸۸۵

۶۲......جہان امام ربانی، ۲/ ۲۱۰

۶۲......مکتوبات، ج:۲، ص:۳۷۷، مکتوب:۲۸۶

۶۳......مکتوبات، ج:۲، ص:۹۱۲-۹۱۳، مکتوب:۳۱۳

۶۴......کبری، ص: ۵۶۶۔ جہان امام ربانی، ۲/ ۲۳۵

۶۵......مرقاۃ، ج: ۲، ص: ۴۷۰۔ جہان امام ربانی، ۲/ ۲۳۵

۶۶......مرقاۃ، ج: ۲، ص: ۴۵۱، حدیث: ۷۴۴

۶۷......الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الاذان، کتاب الصلوٰۃ، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، حدیث: ۸۴۱۔ فتح الباری، ج: ۲، ص: ۵۹۱، حدیث: ۸۴۱۔ الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، حدیث: ۱۲۱/ ۵۸۳/ ۱۲۹۴۔ نووی ایضاً۔ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب التکبیر بعد الصلوٰۃ، حدیث: ۱۰۰۳

۶۸......الجامع الصحیح للبخاری، سابقہ، حدیث: ۸۴۲۔ اور فتح الباری سابقہ۔ الصحیح لمسلم سابقہ، حدیث: ۱۲/ ۵۸۳/ ۱۲۹۳۔ اور نووی۔ ابوداؤد سابقہ، حدیث: ۱۰۰۲۔ اور النسائی کتاب الصلوٰۃ باب التکبیر بعد بعد تسلیم الامام، حدیث: ۳۳۵

۶۹......الجامع الصحیح للبخاری، کتاب القدر، باب لا مانع لما اعطی اللہ، حدیث: ۶۶۱۵۔ اور فتح الباری، ۱۳/ ۳۵۵۔ حدیث: ۶۶۱۵۔ الصحیح لمسلم بلفظ: انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: حین سلم'' وفی روایۃ: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: اذا قضی الصلوٰۃ.... کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوہ، حدیث: ۱۳۷/ ۵۹۳/ ۱۳۱۶-۱۳۱۸۔ نووی، ۳/ ۱۹۲۷۔ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب مایقول الرجل اذا سلم، حدیث: ۱۵۰۵۔ النسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب نوع اخر من القول عند القضاء الصلوٰۃ، حدیث: ۱۳۴۱

۷۰......مشکوٰۃ مع مرقاۃ ۳/ ۳۱، حدیث: ۹۴۷

۷۱......تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، زیر آیت ''فاذکرونی اذکرکم''، ۱/ ۱۹۶۔ تفسیر جلالین زیر آیت ''فاذکرونی اذکرکم''

۷۲......تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، زیر آیت ''فاذکرونی اذکرکم''، ج: ۱، ص: ۱۹۶

۷۳......کنز العمال، ج: ۱، ص: ۱۷۷

۷۴......معارف السنن، ج: ۳، ص: ۱۲۲۔

۷۵......فتح الباری، کتاب الجہاد، ج: ۶، ص: ۱۳۵، لاہور ۱۴۰۱ھ

۷۶......فتح الباری، ۲/ ۵۹۲

۷۷......روح المعانی، ۲/ ۲۸-۲۹

۷۸......ردالمحتار، ۵/ ۳۵۱-۳۵۰۔ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

۷۹......ردالمحتار، ۱/ ۶۱۸

۸۰......سباحۃ الفکر، ص: ۵۷، عبدالحیٔ لکھنوی، مطبوعہ ہند

۸۱......حجۃ الذاکرین (مترجم اردو)، ص: ۴۴۶/ ۱۶، حضرت مخدوم قدوۃ الکبراء سید اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷۰۸-۸۳۲ھ، لطائف اشرفی ج: ۲، سے ملحق رسالہ، مطبوعہ کراچی، پاکستان

۸۲......حجۃ الذاکرین (مترجم اردو)، ص:۴۴۷-۴۴۸/ ۱۷-۱۸

۸۳......حجۃ الذاکرین (مترجم اردو)، ص:۴۵۴/ ۲۴

۸۴......حجۃ الذاکرین (مترجم اردو)، ص:۴۵۵/ ۲۵

۸۵......لطائف اشرفی، ۱/ ۲۳۵، حضرت قدوۃ الکبراء مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷۰۸-۸۳۲ھ، مطبوعہ کراچی، پاکستان

۸۶......لطائف اشرفی، ۱/۲۸۲-۲۹۰

۸۷......کیمیائے سعادت۔ ص:۲۱۵

۸۸......لطائف اشرفی، ج:۲، ص:۴۴۹/ ۱۹

۸۹......زاد المعاد، موسسۃ الرسالۃ، ۱/۱۹، بیروت ۱۹۹۶ء۔ جہان امام ربانی، ۲/ ۲۱۹

۹۰......جہان امام ربانی، ۲/ ۲۲۰

۹۱......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب:۱۸۶۔ جہان امام ربانی، ۲/ ۲۲۰

۹۲......مدارج النبوۃ، ۱/۵۹۱-۵۹۲، مکتبہ اسلامیہ لاہور

۹۳......صغیری شرح منیۃ المصلی، ص:۱۳۹

۹۴......الہدایۃ مع فتح القدیر، ۱/۲۷۲

۹۵......فتح القدیر، ۱/۲۷۳

۹۶......متن الدر المختار الدر المختار، ۱/۲۷۷-۲۷۸

۹۷......الدر المختار علی ہامش رد المحتار، ۱/۲۷۸-۲۷۹

۹۹......رد المحتار علی الدر المختار، ۱/۲۷۹

۱۰۰......جہان امام ربانی، ۲/ ۲۳۰

۱۰۱......جہان امام ربانی، ۲/ ۲۳۱

۱۰۲......مکتوبات؛ ج:۳، مکتوب:۵۵، ص:۱۱۳۰

۱۰۳......مکتوبات، مجدد الف ثانی، دفتر دوم، مکتوب:۱۶، ج:۲، ص:۹۸۳۔ جہان امام ربانی، ۲/ ۲۳۶-۲۳۷

۱۰۴......فتح القدیر، ۲/۱۱۶

۱۰۵......درمختار علی ہامش رد المحتار، ۱/ ۵۷۸، دراحیاء تراث العربی، بیروت

۱۰۶......رد المحتا، ۱/ ۵۷۸۔ داراحیاء تراث العربی

۱۰۷......الدر مختار علی ہامش رد المحتار، ۱/ ۶۰۷

۱۰۸...... رد المحتار، ۱/ ۶۰۷-۶۰۸

۱۰۹...... الدر منثور، ۴/ ۲۸۶، بحوالہ الحکیم الترمذی، تحت ''الامن اتخذ عند الرحمن عھدا''، منشورات مکتبۃ ایۃ اللہ، قم ایران

۱۱۰...... حلیۃ الاولیاء، ج: ۲، ص: ۳، ترجمہ: ۱۳۳، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعۃ دار الکتب العربیۃ بیروت

۱۱۱...... فتاوٰی کبریٰ ابن حجر مکی بحوالہ نوادر الاصول للترمذی، باب الجنائز، ج: ۲، ص: ۶، دار الکتب العلمیۃ بیروت

۱۱۱...... فتاوٰی کبریٰ، باب الجنائز، ج: ۲، ص: ۶

۱۱۲...... مکتوبات ج: ۲، ص؛ ۸۹۹، مکتوب: ۳۱۲۔ جہان امام ربانی، ۲/ ۲۲۵

۱۱۳...... مکتوبات ج: ۲، ص؛ ۹۰۰، مکتوب: ۳۱۲۔ جہان امام ربانی، ۲/ ۲۲۶

۱۱۴...... مکتوبات، ج: ۱، ص: ۳۴۹، مکتوب: ۱۳۱

۱۱۵...... مکتوبات، ۳/ ۱۱۳۰

۱۱۶...... سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ۱۸۵

۱۱۷...... سورۃ النساء۔ الآیۃ: ۲۸۔ مکتوبات، ۳/ ۱۳۱۷۔ جہان امام ربانی ۲/ ۲۰۱

۱۱۸...... جہان امام ربانی ۲/ ۱۹۲۔

۱۱۹...... زبدۃ المقامات، ص: ۱۹۷، خواجہ محمد ہاشم کشمی۔ جہان امام ربانی ۲/ ۲۲۳

۱۲۰...... زبدۃ المقامات، ص: ۲۰۹۔ جہان امام ربانی ۲/ ۲۲۳

۱۲۱...... مبداء و معاد، ص: ۱۶۷، حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جہان امام ربانی ۲/ ۲۲۳

۱۲۲...... جہان امام ربانی ۲/ ۲۲۲

۱۲۳...... مکتوبات، ۲/ ۷۳۲-۷۳۳

۱۲۴...... مکتوبات ۳/ ۱۵۰۰

۱۲۵...... مکتوبات، ج: ۳، ص: ۱۶۲۶

۱۲۶...... مکتوبات، ج: ۲، ص: ۸۴۶۔ ۸۴۸

۱۲۷...... مکتوبات، ج: ۱، ص: ۴۸۱

۱۲۸...... انوار التنزیل و اسرار التاویل المعروف بالتفسیر البیضاوی، ص: ۱۸، الامام القاضی ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر الشیرازی البیضاوی م ۶۴۱ یا ۶۸۵ھ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۱۲۹...... حاشیۃ شیخ زادہ علی تفسیر القاضی البیضاوی، ص: ۷۷، ایشیق، استنبول، ترکیہ

۱۳۰...... لطائف اشرفیہ، ۲/ ۲۴۱، ۲۴۲

۱۳۱......مکتوبات، ج:۱،ص:۲۳۶

۱۳۲......مکتوبات، ج:۱،ص:۲۳۶-۲۳۷

۱۳۳......مکتوبات، ج:۳، مکتوب:۵۵،ص:۱۱۳۱

۱۳۴......لطائف اشرفی، ۲/۱۵۱-۱۵۲

۱۳۵......مکتوبات، ج:۱،ص:۴۲۹

۱۳۶......مکتوبات ج:۲،ص:۷۲۲-۷۲۳

۱۳۷......مکتوبات، ج:۲،ص:۶۱۳-۶۱۴

۱۳۸......لطائف اشرفیہ، ۲/۱۹۹

۱۳۹......لطائف اشرفیہ، ۲/۲۰۰

☆......☆......☆

سبحان الله وبحمده

الله لا اله الا هو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی

پروفیسر محمد کبیر احمد مظہر
(سابق صدر، شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

☆☆

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء — ۱۰۵۲/ ۱۶۴۲ء) نے جو بقول مولانا احمد رضا خان اس گیارہویں صدی میں حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ شریک مجدد تھے (حیات اعلیٰ حضرت ص ۵۲۵)۔ حضرت مجدد الف ثانی کو بطور مجدد الف ثانی تسلیم کرلیا۔ روضتہ القیومیہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عقیدت حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ اتنی تھی کہ وہ آپ کے معترضین کے سامنے آپ کا دفاع بھی کیا کرتے تھے۔

اس بارے میں حضرت مجدد الف ثانی کے اولین سوانح نگار شیخ بدرالدین سرہندی (ھ / ھ) لکھتے ہیں:

غفران پناہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے روایت ہے کہ ایک مجلس میں علمائے وقت میں سے ایک عالم نے حضرت مجدد الف ثانی پر اعتراضات کئے تو میں نے کہا کہ مجھے حضرت مجدد الف ثانی سے بہت صحبت رہی ہے اور میں نے دیگر مشائخ کو بھی بہت دیکھا ہے لیکن وہ صفائی وقت اور اتباع سنت نبوی ﷺ جو میں نے حضرت مجدد الف ثانی کی صحبت میں دیکھی ہے نہ

اسے دوسرے مشائخ کی خدمت میں خود دیکھا ہے۔ نہ اور میں نے اس کے متعلق ان کے ہاں کسی سے سنا ہے۔ لیکن اس عالم بزرگ نے میری بات کو تسلیم نہ کیا جب اس کے اعتراضات حد سے بڑھ گئے تو میں نے کہا آیئے نیا وضو کر کے قرآن مجید سے فال نکالتے ہیں۔ ہم دونوں نے وضو کیا۔ پھر اس نے قرآن مجید پکڑ کر کھولا۔ تو حسب ذیل آیت پر نگاہ پڑی۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

(سورۃ النور: ۲۴، آیت ۳۷)

اردو ترجمہ: یہ ایسے عظیم لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ کے ذکر سے، نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔

(فتح الحمید بتصرّف یسیر)

اس عالم جلیل پر حیرت چھا گئی اور اس نے نادم ہو کر توبہ کی۔ (حضرات القدس (فارسی)، تصنیف: شیخ بدرالدین سرھندیؒ، تحقیق و تصحیح: مولانا محبوب الٰہی، لاہور، ۱۹۷۱ء، محکمہ اوقاف، پنجاب، ص: ۱۲۸، کرامت نمبر ۱۱ / روضۃ القیومیہ، اُردو ترجمہ، ج ۱، ص: ۳۹۷/ ۳۹۸)

حضرت مجدد الف ثانی کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بہت محبت تھی آپ کے مکتوبات میں سے حسب ذیل مکتوب آپ کے نام ہیں:

۱۔ دفتر اول: مرتب بہ سال ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء، مکتوب نمبر ۱۱۵: اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کو اپنے سلوک باطن کے بارے

میں بتایا ہے کہ یہ سات قدم ہے۔ گویا اس مکتوب کے ذریعہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو یہ تعلیم باطن دی ہے۔

۲۔ دفتر دوم: مرتب بہ سال ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۸ء، مکتوب نمبر ۲۹: ان دنوں حضرت مجدد الف ثانی قلعہ گوالیار میں قید تھے۔ اس وقت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کو ہمدردی کا ایک خط لکھا تھا۔ اس کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانی نے قلعہ گوالیار سے آپ کو یہ مکتوب نمبر ۲۹ دفتر دوم لکھا تھا۔

(حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: تصنیف خلیق احمد نظامی، دہلی ۱۹۵۳ء، ندوۃ المصنفین، ص ۲۲۴)

اس خط کے آخر میں حسب ذیل ایک فقرہ شیخ عبدالحق کی مدح میں ہے:

"اس ضعف اسلام کے زمانہ میں آپ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کا وجود شریف اہل اسلام کیلئے غنیمت ہے اللہ سبحانہ آپ کو سلامت و قائم رکھے والسلام"

واضح رہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے دو (۲) اور مکتوبات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ذکر نہایت احترام کے ساتھ آیا ہے:

۱۔ دفتر اول مرتب بہ سال ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء، مکتوب نمبر ۲۴۹ میں حضرت مجدد الف ثانی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ایک دوست شیخ اسماعیل

کی سفارش میرزا داراب بیگ سے کی ہے۔ جو عبدالرحیم خان خاناں کے نہایت لائق وفائق صاحبزادے تھے۔ اور جہانگیر بادشاہ کے دورِ حکومت میں صوبہ احمد نگر کے حاکم تھے۔

۲۔ دفتر اول مرتب بہ سال ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء مکتوب نمبر ۲۹۱: اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب کی روایت سے یہ نہایت اہم اور مشہور بات لکھی ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ اپنی رحلت کے آخری ایام میں ارشادہ فرمایا کرتے تھے:

> ''ہم کو مکمل طور پر یقین حاصل ہو گیا ہے کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ دوسری ہے یہ بات اگرچہ ہم پہلے بھی جانتے تھے لیکن اس کے عین الیقین اور حق الیقین کا ظہور اب ہوا ہے۔''

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے محبت اور عقیدت کے روابط حضرت مجدد الف ثانی سے حضرت مجدد الف ثانی کی عمر کے آخری دور تک رہے۔ یہاں تک کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ۱۰۳۱ھ میں اپنے بیٹے شیخ نورالحق مشرقی (۹۸۳ھ/ ۱۵۷۵ء۔ ۱۰۷۳ھ/ ۱۶۶۲ء) کو کہا جبکہ وہ اور حضرت مجدد الف ثانی اجمیر میں تھے (حضرت مجدد الف ثانی، ص ۲۱۶ / روضته القیومیة، ج ۱، ص: ۳۵۹/ ۳۶۰ / زبدۃ المقامات، اُردو ترجمہ، ص: ۳۰۷)۔ کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں خط لکھیں اور دریافت کریں کہ انبیاء کرام کو جو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے۔ اس میں ان کی اولاد کی محبت کبھی حائل نہیں ہوتی۔ پھر

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے جو اتنی محبت ہوئی کہ ان کے فراق میں وہ ایک عمر روتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں سفید موتیا اتر آیا۔ واضح کیجئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے اس انتہائی محبت کا راز کیا ہے؟۔ اور اس میں کیا حکمت ہے۔؟ (روضتہ القیومیتہ، ج ۱، ص: ۳۵۹ تا ۳۶۲ اور ص: ۵۸۰)۔

شیخ نور الحق نے حضرت مجدد الف ثانی کو اس مضمون کا خط لکھا تو آپ نے انہیں جوابی خط لکھا جس سے اس راز کو تفصیل سے واضح کیا گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے اس خط کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی پڑھ کر بہت خوش ہوئے (روضتہ القیومیتہ، تصنیف، محمد احسان مجددی، اُردو ترجمہ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ج ۱، ص: ۳۵۹ تا ۳۶۲، ص: ۵۸۰، زبدۃ المقامات)۔ حضرت مجدد الف ثانی کا یہ مکتوب آپ کے مکتوبات کے دفتر سوم میں مکتوب نمبر ۱۰۰ ہے۔ جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات ۱۰۳۴ھ سے تین سال پہلے ۱۰۳۱ھ میں مرتب ہوا۔

اختلاف کا آغاز:۔

ازاں بعد حضرت مجدد الف ثانی نے سیر مریدی اور سیر مرادی کے موضوع پر ایک خط لکھا۔ جو مکتوبات امام ربانی کے دفتر سوم کا مکتوب نمبر ۸۷ ہے۔ اس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ میں براہ راست خدا کا مرید ہوں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو اس مکتوب پر شدید اعتراضات ہوئے۔ جن کو انہوں نے اپنے ایک پرائیویٹ مکتوب میں

اپنے پیر بھائی مرزا حسام الدین کو لکھ بھیجا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اس مکتوب کو کتاب معارج الولایت کے ایک قلمی نسخہ سے لے کر اپنی کتاب حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص: ۳۱۲ تا ۳۲۴ میں شامل کر دیا ہے۔ مرزا حسام الدین حضرت خواجہ باقی باللہ کی خانقاہ کے متولی تھے۔ مرزا حسام الدین نے ایک خط کے ذریعے حضرت مجدد الف ثانی کو ان اعتراضات سے آگاہ کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر مرزا حسام الدین کو بھیجے۔ حضرت مجدد الف ثانی کا یہ مکتوب جو دفتر سوم کے مکتوب ۸۷ پر وارد اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ آپ کے مکتوبات کے دفتر سوم میں مکتوب نمبر ۱۲۱ ہے۔

اختلاف کا خاتمہ:۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت مجدد الف ثانی کے اس مکتوب نمبر ۱۲۱ دفتر سوم کو مرزا حسام الدین سے پڑھ کر تشفی پائی تو پھر مرزا حسام الدین کے نام اپنا ایک اور مکتوب لکھا اور اس میں واضح کیا کہ ان کے دل میں حضرت مجدد الف ثانی کے بارے اب کوئی اعتراض موجود نہیں اور انہیں ان کے بارے میں مکمل صفائی قلب حاصل ہو چکی ہے اور کوئی غشاوۃ (پردہ) اب ان کے دل پر نہیں رہا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اس دوسرے مکتوب کو جو انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں اپنی صفائی کے متعلق لکھا ہے۔ خواجہ محمد احسان سرہندی نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ م ۱۰۱۲ھ کے بڑے فرزند خواجہ کلاں حضرت مولانا عبیداللہ کی کلمات سے لے کر اپنی کتاب روضۃ القیومیہ میں نقل کیا ہے۔

(اردو ترجمہ: روضۃ القیومیہ: تصنیف، خواجہ کمال الدین محمد احسان سرہندی، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص: ٣٦٢)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید م ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء کا بیان ہے:

شیخ عبدالحق محدث اگرچہ دراوئل حال بر بعض معارف ایشاں (حضرت مجدد الف ثانی) اعتراضات نوشتہ۔ اما در آخر زمان ازاں باز آمدہ بخدمت خواجہ حسام الدین خلیفہ، حضرت خواجہ باقی باللہ نوشتہ کہ:

دریں ایام صفائی فقیر بخدمت میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ از حد متجاوز است و اصلاً پردۂ بشریت و غشاوۂ جبلت بہ میان نماندہ۔ (کلمات طیبات دھلی، ۱۳۰۹ھ، مجتبائی بہ اہتمام عبدالاحد، ص: ۷۹/ مقامات مظہری (فارسی) دہلی، ۱۳۰۹ھ مجتبائی، ص: ۴۷)

ترجمہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اگرچہ اوائل حال میں حضرت مجدد الف ثانی کے بعض معارف پر اعتراضات لکھے تھے لیکن آخر زمانہ میں ان سے باز آ گئے اور انہوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ مرزا حسام الدین کی جانب ایک مکتوب میں لکھا:

"ان ایام میں حضرت میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں

فقیر کی صفائی قلب حد سے متجاوز ہو گئی ہے اور پردۂ بشریت اور غشاوۂ جبلت درمیان میں نہیں رہا''

حضرت مرزا جان جاناں شرح سفر السعادت تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

من خط شیخ عبد الحق رامی شناسم

(کلمات طیبات، ص: ٦٦)

ترجمہ: ''میں شیخ عبدالحق کا رسم الخط پہچانتا ہوں''۔

پھر کسی طرح شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا یہ مکتوب رجوع ان کی کتاب اخبار الاخیار کے آخر میں لگ گیا۔ چنانچہ یہ مکتوب رجوع کتاب اخبار الاخیار کے مجتبائی ایڈیشن کے آخر میں موجود ہے اور راقم نے اسے اخبار الاخیار کے قلمی نسخہ مخزونہ پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری کے آخر میں بھی دیکھا ہے۔

واضح رہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے یہ دونوں مکتوب جو مرزا حسام الدین کے نام ہیں۔ مثلاً:

۱۔ وہ مکتوب جو حضرت مجددؒ الف ثانی کے مکتوب نمبر ۸۷ دفتر سوم کے بارے اعتراضات پر مشتمل ہے۔

۲۔ وہ مکتوب جو حضرت مجددؒ الف ثانی کے مکتوب نمبر ۱۲۱ دفتر سوم سے تشفی پا کر لکھا گیا اور جس میں شیخ عبدالحق نے حضرت مجددؒ الف ثانی کے بارے میں اپنی صفائی قلب کو بیان کیا ہے۔

یہ دونوں مکتوب شیخ عبدالحق کے متداول اور مطبوعہ نسخہ مجموعۃ المکاتیب والرسائل میں موجود نہیں ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوب ۸۷ دفتر سوم پر اعتراضات کرتے وقت شیخ عبدالحق حضرت مجدد الف ثانی کو براہ راست مکتوب لکھنے کی جرأت نہ کر سکے بلکہ انہوں نے یہ اعتراضات اپنے پیر بھائی شیخ حسام الدین کو لکھ بھیجے۔ دوسری دفعہ جب حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم میں اعتراضات کے جوابات دے دیے تھے تو اس وقت بھی شیخ عبدالحق نے ان جوابات سے تشفی پانے کے بارے میں براہ راست حضرت مجدد الف ثانی کو مکتوب لکھنے کی جرأت نہیں کی بلکہ اپنے پیر بھائی مرزا حسام الدین ہی کو حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں صفائی قلب حاصل ہونے کے بارے میں لکھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حضرت مجدد الف ثانی سے اختلاف ختم ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ :

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے شیخ محمد یحییٰ (۱۰۲۴ھ/۱۰۹۶ھ) نے حدیث نبوی ﷺ میں مؤطا امام مالک کی سند شیخ عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ سے حاصل کی تھی۔ اس بارے میں روضۃ القیومیہ کے مصنف محمد احسان م ۱۲۰۱ھ کے بعد جب کتاب روضۃ القیومیہ مکمل ہوئی (روضۃ القیومیہ اُردو ترجمہ: پیرزادہ محمد اقبال فاروقی، ص:۱۸)

''مجھ مصنف (محمد احسان بن شیخ حسن احمد فاروقی مجدّدی) کے والد نے مؤطا امام مالک کی سند حدیث حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے خواجہ محمد یحییٰ بن حضرت مجدّد الف ثانیؒ سے حاصل کی تھی اور شیخ محمد یحییٰ نے یہ سند حدیث شیخ عبدالحق محدّث دہلوی سے حاصل کی تھی۔''

(اردو ترجمہ: روضۃ القیومیہ: تصنیف، خواجہ محمد احسان سرہندی، لاہور ۱۹۸۹ء، ج۱، ص: ۲۹۶)

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بڑے صاحبزادے شیخ نورالحق مشرقی م ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء حضرت مجدّد الف ثانی کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم م۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء سے بیعت تھے۔

(احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری: تالیف محمد اقبال مجدّدی، لاہور، ۱۹۷۲ء، دارالمؤرخین، ص: ۱۴۷/ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۵۳۴، یہاں محمد ایوب قادری نے چھ کتب کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ شیخ نورالحق اپنے والد شیخ عبدالحق سے بیعت تھے)

۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نواسے حافظ محمد محسنؒ م ۱۱۲۷ھ/۱۷۱۵ء بھی حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت تھے اور ان کے خلیفہ بھی تھے (تذکرہ علمائے ہند، ص: ۴۶۹ - ۴۷۰) خواجہ محمد معصوم سرہندی کے مکتوبات کے دفتر دوم کا مکتوب نمبر ۶۷ خواجہ حافظ محمد محسن کے نام ہے۔ اور حافظ محمد محسن سے خواجہ نور محمد بدایونی م۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۳ء نے فیض پایا تھا۔

(احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، ص: ۱۴۷/ مقامات مظہری (فارسی) ص ۷)

۴۔ حضرت مرزا جان جانان حافظ محمد محسن کے بارے میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت حافظ محمد محسن پیر حضرت سیّد (نور محمد بدایونی) نزد حضرت ایشاں محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ بجہت استفادہ رفتند۔ ایشاں فرمودند کہ بزرگان شما انکار بزرگان ما می کردند۔ شما انکار آمدید یا با قرار؟ گفتند: بجہت استعذار از انکار۔ پس بالتزام صحبت ایشاں بکمال و تکمیل رسیدند (کلمات طیّبات ص ٧٩)

اُردو ترجمہ: حضرت مرزا جان جانان، حضرت حافظ محمد محسن کے بارے میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت حافظ محمد محسن جو حضرت سید نور محمد بدایونی کے پیر تھے حضرت خواجہ محمد معصوم کے پاس استفادہ کی غرض سے گئے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا:

تمہارے بزرگوں نے ہمارے بزرگوں کا انکار کیا تھا۔ تم انکار کرنے آئے ہو یا اقرار کرنے آئے ہو؟'' آپ نے جواب دیا انکار سے معذرت طلب کرنے آیا ہوں۔ پھر وہ آپ کی صحبت کے التزام سے کمال اور تکمیل کے درجہ کو پہنچ گئے۔

۵۔ حافظ محمد محسن کے فرزند شیخ محمد احسان م ١٢٠٦ھ/١٧٩١ء حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید کے مرید اور خلیفہ تھے۔

(احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری: ص ١٢٨ / مقامات مظہری (فارسی) ص ١٧)

شیخ عبدالحق حضرت مجدد الف ثانی کی وفات ۱۰۳۴ھ کے بعد کافی عرصہ تقریباً ۱۸ سال زندہ رہے اور ۱۰۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ اور ان کے فرزند شیخ نور الحق بھی بہت مدت زندہ رہے اور ۱۰۷۳ھ میں فوت ہوئے۔ اور یہ زمانہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا دور ہے۔ مگر مکتوبات معصومیہ میں کوئی مکتوب بھی ان دونوں کے نام نہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد اور شیخ عبدالحق اور ان کے فرزند شیخ نور الحق کے درمیان کوئی قریبی روابط نہیں تھے۔

تاہم اگر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا حضرت مجدد الف ثانی سے اختلاف کا خاتمہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اپنے اعتراضات سے رجوع ثابت نہ ہوا ہوتا تو حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے محمد یحیی، حضرت مجدد الف ثانی کی وفات کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے سند حدیث نہ لیتے (اُردو ترجمہ۔ روضۃ القیومیہ ج ۱ ص ۲۹۶) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد سے بیعت ہونے کا شرف نہ رکھتی۔ (احوال وآثار، عبداللہ خویشگی قصوری، ۱۴۸)

شیخ بدرالدین سرہندی نے شیخ عبدالحق کا وہ واقعہ لکھتے ہوئے جس میں آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کا عالم دین کے سامنے دفاع کیا تو شیخ عبدالحق کو غفران پناہ لکھا اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱۔ شیخ بدرالدین سرہندی نے اپنی کتاب حضرات القدس کو حضرت شیخ عبدالحق کی وفات ۱۰۵۲ھ کے بعد مکمل کیا۔

۲۔ شیخ عبدالحق کا اختلاف حضرت مجدد الف ثانی سے نہیں رہا تھا ختم ہو گیا تھا۔ ورنہ حضرت مجدد الف ثانی کا شیخ بدر الدین سرہندی جیسا عاشق مرید شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو غفران پناہ نہ لکھتا۔

محمد احسان مصنف روضة القیومیة نے شیخ عبدالحق کے مجدد الف ثانی کے مخالف عالم دین سے دفاع والے واقعہ کو حضرت مجدد الف ثانی کی قیومیت کے بیسویں سال میں درج کیا ہے۔

اختلاف کے آغاز واختتام کا زمانہ:

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو حضرت مجدد الف ثانی سے جو اختلاف ہوا وہ حضرت مجدد الف ثانی کی عمر کے آخری تین چار سال میں پیدا ہوا اور ایک دو سال بھی قائم نہیں رہا بلکہ بہت جلد ختم ہو گیا۔ یعنی مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم مرتب ۱۰۳۱ھ کے مکتوب نمبر ۸۷ سے یہ اختلاف پیدا ہوا اور اسی دفتر کے مکتوب نمبر ۱۲۱ سے متاثر ہو کر جلد ہی ختم ہو گیا۔

شیخ فتح محمد فتح پوری چشتی اپنی کتاب "مناقب العارفین" میں لکھتے ہیں:

> "شیخ عبدالحق کے صاحبزادے مولانا نور الحق سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے آپ کے مکتوبات کے رد میں ایک رسالہ (مکتوب) لکھا تھا۔ جب ان کو حسن خان (افغان) کی تحریف کا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے (اپنے پیر بھائی مرزا حسام الدین کو) معذرت کا مکتوب لکھا"

(عبد اللہ خویشگی قصوری، ص:۱۴۷ / سیرت امام ربانی،
تصنیف، محمد داود پسروری، امرتسر، ۱۹۲۵، ص:۱۹۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کسی صورت بھی حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ شریک مجدد نہیں تھے:۔

اس طویل بحث سے یہ واضح اور ثابت ہوا کہ مولانا احمد رضا خان شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو گیارھویں صدی ہجری میں جو حضرت مجدد الف ثانی کا شریک مجدد ٹھہراتے ہیں تو یہ تاریخی طور پر غلط ہے کیونکہ یہ زعم نہ تو خود شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو حاصل تھا اور نہ شیخ کی اولاد ان کے بارے میں یہ زعم رکھتی تھی بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کی اولاد سب حضرت مجدد الف ثانی اور ان کی اولاد کی عقیدت اور ارادت کے حلقہ بگوش تھے۔

کار تجدید شیخ عبدالحق کی خالص علمی اور گوشہ نشین طبیعت کے حسب حال نہ تھا کیونکہ

۱۔ شیخ عبدالحق ۹۹۶ھ میں اکبری فتنہ سے گھبرا کر حجاز چلے گئے تھے وہاں سے ان کے اُستاد شیخ عبدالوہاب متقی نے انہیں برصغیر واپس کیا۔ (حیات شیخ عبدالحق، ص:۱۴۵)

۲۔ وہ مزاجاً گوشہ نشین تھے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

(۱) دوش از کثرت اغیار نجاتم دادند
رہ بسوئے حرم وحدت ذاتم دادند
حقی از گوشہ دہلی نہ نہم پا بیروں
خود گرفتیم کہ ملک گجراتم دادند

(حیات شیخ عبدالحق، ص: ۱۴۴، ۱۴۵، ۲۱۳)

(۲) حقی زپئے قصہ و افسانہ شدی
چوں مردم روزگار فرزانہ شدی
درویش ترا ز ذکر شاہاں چہ غرض
مفتون سخن گشتی و دیوانہ شدی

(حیات شیخ عبدالحق، ص: ۱۴۴، ۱۴۵، ۲۱۳)

(۳) حقی تو ز تاریخ و حکایات مگوئی
در راہ تتبع روایات مپوئی
در زاویۂ فقر نشستی کارے
جز ذکر خدائے نفی و اثبات مجوئی

(حیات شیخ عبدالحق، ص: ۲۱۳)

(۴) پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ شیخ محدث کا مسلک تو یہ تھا۔

رموزِ مصلحتِ ملک، خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی، تو حافظا ! مخروش

(حیات شیخ عبدالحق، ص:۱۴۹)

۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بطور مصنف بادشاہ سے انعامات پائے جن میں خلعت، زر نقد اور ایک گاؤں بکروالا کی جاگیر بھی تھا۔ (حیات شیخ عبدالحق، ص:۱۴۶، ۱۴۸)

۴۔ پھر یہ الگ بات ہے کہ بادشاہ ہند جہانگیر جب اپنی زندگی میں آخری دفعہ ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۶ء میں کشمیر پہنچا تو اس وقت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی بعض لوگوں کی بے سروپا باتوں کی وجہ سے جہانگیر کے زیر عتاب ہو کر اس کے لشکر میں کشمیر طلب کئے گئے تھے۔ شیخ عبدالحق ابھی لاہور تک پہنچے تھے کہ انہیں جہانگیر کی کشمیر سے واپس آنے کی اور ۱۰۳۷ھ/۱۹۲۷ء میں بھمبر کے قریب راجور کے مقام پر وفات پانے کی خبر ملی۔

(حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص۱۴۸/ منتخب اللباب تصنیف خافی خان نظام الملک

(اُردو ترجمہ، محمود احمد فاروقی، کراچی ۱۹۸۵ء، نفیس اکیڈمی، ج ۱، ص:۳۷۴، ۳۸۰)

۵۔ شیخ عبدالحق کبھی بھی حکومت سے ٹکرانے کی اور تصادم کی طاقت نہ رکھتے تھے۔

۶۔ نہ وہ جرگہ ء ممدان دولت اسلام بنا سکتے تھے۔

۷۔ ان کا کوئی خط کسی حکمران کے نام نہیں ہے اور نہ انہوں نے امرا اور حکمرانوں

کو بانگ دہل نیکی کی ہدایت کی۔

۸۔ وہ شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کے انجام سے خائف تھے۔

۹۔ ان کے خطوط ان امرا کے نام ہیں جو ان کے پیر بھائی بھی تھے مثلاً شیخ فرید بخاری اور نواب عبدالرحیم خان خانان (حیات شیخ عبدالحق، ص: ۱۴۵، ۲۱۰) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو ان امرا کی جانب ہدایت کے جو چند جملے لکھنے نصیب ہوئے اس میں بھی وہ تاثر شامل تھا جو انہیں حضرت مجدد الف ثانی سے حاصل ہوا تھا۔

۱۰۔ وہ جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

۱۱۔ وہ صرف حدیث پڑھا سکتے تھے اور اوراد و وظائف کر سکتے تھے اور کتب لکھ سکتے تھے۔

۱۲۔ اگر یہ کہا جائے کہ گیارہویں صدی ہجری میں برصغیر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علم الحدیث کی تجدید کی اور وسیع پیمانے پر اس کی تدریس کی اور اس موضوع پر گراں قدر تصانیف لکھیں۔ تو واضح رہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی سند حدیث شیخ عبدالحق کی سند حدیث سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی مولانا محمد یعقوب صرفی کشمیری م ۱۰۰۳ھ کے واسطہ سے ابن حجر مکی ہیتمی کے شاگرد ہیں۔ اور آپ نے مشکوٰۃ اور صحاح ستہ کی دوسری سند حدیث عظیم مسند وقت قاضی بہلول بدخشانی سے حاصل کی جو عبدالرحمٰن بن فہد مکی کے ذریعہ سات (۷) وسائط سے صاحب مشکوٰۃ

محمد بن خطیب تبریزی تک پہنچتی ہے اور یہ اسناد حدیث قلت وسائط کی بنا پر اس دور کی اعلیٰ ترین اسانید حدیث شمار ہوتی تھیں۔ (زبدۃ المقامات اُردو ترجمہ، ص: ۱۹۲، ۱۹۳)۔ شیخ عبدالحق کے مدرسہ، دہلی کے مقابل حضرت مجدّد الف ثانی نے علم حدیث کا مدرسہ سرہند جاری کیا تو یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کی تعداد شیخ عبدالحق کے مدرسہ، دہلی سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ سے کہیں زیادہ تھی۔ مدرسہ سرھند کی بے شمار شاخیں ہو گئیں سیالکوٹ میں ملّا محمد افضل سیالکوٹی کی مُسند حدیث، دہلی میں مرزا جانِ جاناں اور شاہ ولی اللہ کی مسانید حدیث، رام پور، افغانستان، ترکستان اور تمام عرب ممالک میں مجددی مدارس حدیث کی مسانید حدیث اسی ذیل میں آتی ہیں۔

حتّٰی کہ اب سارے عالم اسلام میں صرف حضرت مجدّد الف ثانی کی سند حدیث جاری ہے اور شیخ عبدالحق کی سند حدیث کہیں نظر نہیں آتی۔ مزید یہ کہ:

۱۔ حضرت مجدّد الف ثانی کو بشارت دی گئی کہ: آپ کو **طبقہ محدثین** میں داخل کیا گیا۔ (زبدۃ المقامات تصنیف محمد ہاشم کشمی اُردو ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان سیالکوٹ، ۱۴۰۷ھ، مکتبہ نعمانیہ، ص: ۱۹۴)

۲۔ آپ کو ایک خواب میں حضرت نبی کریم ﷺ نے بشارت دی کہ آپ علم الکلام کے مجتہد ہیں۔ (زبدۃ المقامات، ص: ۲۵۵)

چنانچہ ۹۸۸ھ میں جب آپ سترہ (۱۷) سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر دارالحکومت آگرہ (اکبرآباد) گئے تو وہاں آپ سے اکابر علماء نے آ کر اسنادِ حدیث حاصل کیں (روضتہ القیومیة، ج ا، ص: ۱۲۶)۔ حالانکہ اس زمانہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ولادت ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء بعمر تیس (۳۰) سال پہلے سے موجود تھے۔

اس دور کے عظیم کارِ تجدید کے قابل وہ شخص ہے جس کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

۱۔ شاہبازے باید کہ نصرت سنت فرماید و ہزیمت بدعت نماید۔

(مکتوباتِ امام ربانی (فارسی): مکتوب نمبر ۲۳ دفتر دوم)

ترجمہ: ایک ایسے شہباز کی ضرورت ہے جو سنت کو فتح دے اور بدعت کو شکست سے دوچار کر دے۔

۲۔ تا کدام صاحب دولت بایں سعادت
مستعد گردد و کدام شاہباز بایں دولت
دست برد نمائد و **ذلک فضل اللہ یوتیہ**
من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

(مکتوباتِ امام ربانی مکتوب نمبر دفتر)

ترجمہ: دیکھیں کون ایسا صاحب دولت ہے۔ جو اس سعادت سے فیض یاب ہوتا ہے اور کس شاہباز کی رسائی یہاں تک ہوتی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے،

اور خدا بڑے فضل والا ہے۔

۳۔ ہمیں خدمت کہ درپیش دارند اگر آں را
باتیاں شریعت علی مصدرہا الصلوٰۃ و السلام
جمع سازند کار انبیاء کردہ باشند و دین
متین رامنور ساختہ و معمور گردانیدہ مافقیراں
اگر سالہا جاں بکنیم دریں عمل بہ گرد شما
شاہبازاں نرسیم۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں درنمے آید سواران را چہ شد

(مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر۴ دفتر سوم / تذکرہ مجدد الف ثانی تالیف مولانا محمد منظور نعمانی، ص: ۱۴۴ / ۱۴۵)

ترجمہ: یہی نوکری جو تم کرتے ہو۔ اگر اس کو آنحضرت ﷺ کی شریعت کے زندہ کرنے کا ذریعہ بناؤ۔ تو تم نے گویا پیغمبروں کا کام کیا، دین متین کو روشن کروگے اور آباد کروگے، ہم فقیر لوگ اگر اپنی جان بھی لگادیں جب بھی آپ جیسے شاہبازوں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔

۴۔ گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں درنمی آید، سواراں راچہ شد

(مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۱۹۳ دفتر اول)

ترجمہ: توفیق اور خوش بختی کا گیند میدان میں ڈال دیا گیا ہے۔ سواروں کو کیا ہو گیا ہے؟ کہ ان میں سے کوئی بھی میدان میں نہیں اترتا۔

۵۔ (i) آنچہ ازمن گم شدہ گر از سلیماں گم شدی
ہم سلیماں ، ہم پری، ہم اہرمن بگریستی

(مکتوب نمبر ۹۵ دفتر اوّل)

ترجمہ: جو قیمتی شے یعنی حکومت میرے ہاتھ سے گم ہو گئی ہے اگر وہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے بادشاہ کے پاس سے گم ہوتی تو حضرت سلیمان علیہ السلام، پریاں اور دیو (عفریت) سب روتے۔

(ii) صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَی أَلاْ یَّامِ صِرْنَ لِیَا لِیَا

(مکتوب نمبر ۱۹۵ دفتر اوّل)

ترجمہ: مجھ پر ایسے بڑے بڑے مصائب ڈال دیے گئے ہیں کہ اگر ان کو روشن دنوں پر ڈالا جاتا تو وہ تاریک راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

(iii) عمر بگذشت و حدیث درد ما آخر نہ شد
شب با آخر شد کنوں کو تاہ کنم افسانہ را

(مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر۱۹۴ دفتر اول/ تذکرہ مجدِّ دِالف ثانی، ص:۱۴۹)

ترجمہ: زندگی گذر گئی ہے لیکن ہمارے درد کی کہانی ختم نہیں ہوئی لیکن چونکہ رات ختم ہوچکی ہے اس لئیے میں اپنی کہانی کو بھی ختم کرتا ہوں۔

(iv) **فمن شاء فلیکثر ظلمة البدعة ومن شاء فلیکثر نور السنة ومن شاء فلیکثر حزب الشیطان ومن شاء فلیکثر حزب اللّٰہ. الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون والا ان حزب اللّٰہ ھم المفلحون ٥**

(مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر۲۳ دفتر دوم)

اُردو ترجمہ: جو شخص چاہے وہ بدعت کی ظلمت میں اضافہ کرے اور جو شخص چاہے وہ سنت کی روشنی میں اضافہ کرے۔ اور جو چاہے شیطان کی پارٹی میں اضافہ کرے اور جو چاہے خدا کی پارٹی میں اضافہ کرے۔ واضح رہے کہ شیطان کی پارٹی خسارے میں رہے گی اور واضح رہے کہ خدا کی پارٹی ہی غالب آئیگی۔

(v) **واویلاہ! واحسرتاہ! واحزنا! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب ربّ العالمین است، مصدقان او ذلیل وخوار و منکران او بعزت واعتبار**

(مکتوب نمبر۴۷ دفتر اوّل)

اُردو ترجمہ: ہائے افسوس! ہائے حسرت! ہائے غم! محمد رسول اللہؐ جو تمام جہانوں کے پروردگار کے محبوب ہیں ان کی تصدیق کرنے والے ذلیل وخوار ہوں اور ان کے منکر عزت پائیں اور معتبر سمجھے جائیں۔

(vi) درابتداء پادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت و مسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا و اگر عیاذًا باللہ سبحانہ در توقف افتد کار بر مسلماناں بسیار مشکل خواہد شد الغیاث ثم الغیاث الغیاث۔

(مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۸۱ دفتر اول)

ترجمہ: بادشاہت کے شروع ہی میں اگر مسلمانی کا رواج ہوگیا، اور مسلمانوں کا کھویا ہوا اعتبار حاصل ہوگیا تو کیا کہیے، لیکن العیاذ باللہ اگر اس میں کچھ رکاوٹ یا تاخیر ہوئی تو مسلمانوں کا کام سخت دشواری میں پڑ جائے گا الغیاث، الغیاث، الغیاث۔

ترجمہ:۴۔ امام مہدی علیہ السلام جب بھی آئیں گے صدی کے سرے پر آئیں گے لیکن اب تو نئی صدی شروع ہوئے اٹھائیس سال ہو چکے ہیں۔ اگلی صدی چڑھنے پر خدا جانے کیا حالات پیش آتے ہیں۔ (مکتوب ۶۸ دفتر دوم)

۵۔ ہر سو سال میں مجدد ہوتا ہے اس صدی کا مجدد کون ہوگا دیکھتے ہیں سہرا کس کے سر بندھتا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر / دفتر)

آپ نے بالا آخر متوکلا علی اللہ الف ثانی کا عظیم کار تجدید اپنے ذمے لے لیا اور نظیری کے درج ذیل قول کے مصداق میدان میں اتر گئے۔

درافگندیم بِسمِ اللّٰہِ مَجرٖیھَا وَمُرسٰھَا
درین دریای بیتابی ، دریں طوفان موج افزا

ترجمہ: ہم نے اپنی کشتی کو بِسمِ اللّٰہِ مَجرٖیھَا وَمُرسٰھَا (اللہ کے نام سے اس کشتی کا چلنا ہے اور اپنی منزل پر پہنچنا ہے)۔ پڑھتے ہوئے اس دریائے بیتابی میں اور اس طوفان موج افزا میں ڈال دیا ہے۔ (تذکرہ مجدد الف ثانی ص:)

چنانچہ الف ثانی کے عظیم فتنہ کے مقابل عظیم کار تجدید کے جبال و میادین کے ان شاہبازوں اور شہسواروں کے رئیس اور سردار خود حضرت مجدد الف ثانی تھے۔

نوٹ: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ سے رجوع فرمائیں:

۱...... پروفیسر خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق
۲...... ڈاکٹر محمد یونس قادری: شیخ عبدالحق محدث دہلوی (بحیثیت دینی وسیاسی مفکر) ایک موضوعاتی جائزہ

پروفیسر خلیق احمد نظامی اور ڈاکٹر محمد یونس قادری نے اپنے تحقیقی مقالات میں مسئلہ مجدد پر روشنی نہیں ڈالی، خدمات کا ضرور ذکر کیا ہے جس کی بنا پر اکثر علمائے اہل سنت و جماعت نے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کو گیارہویں صدی کا مجدد لکھا ہے۔

(مرتبین)

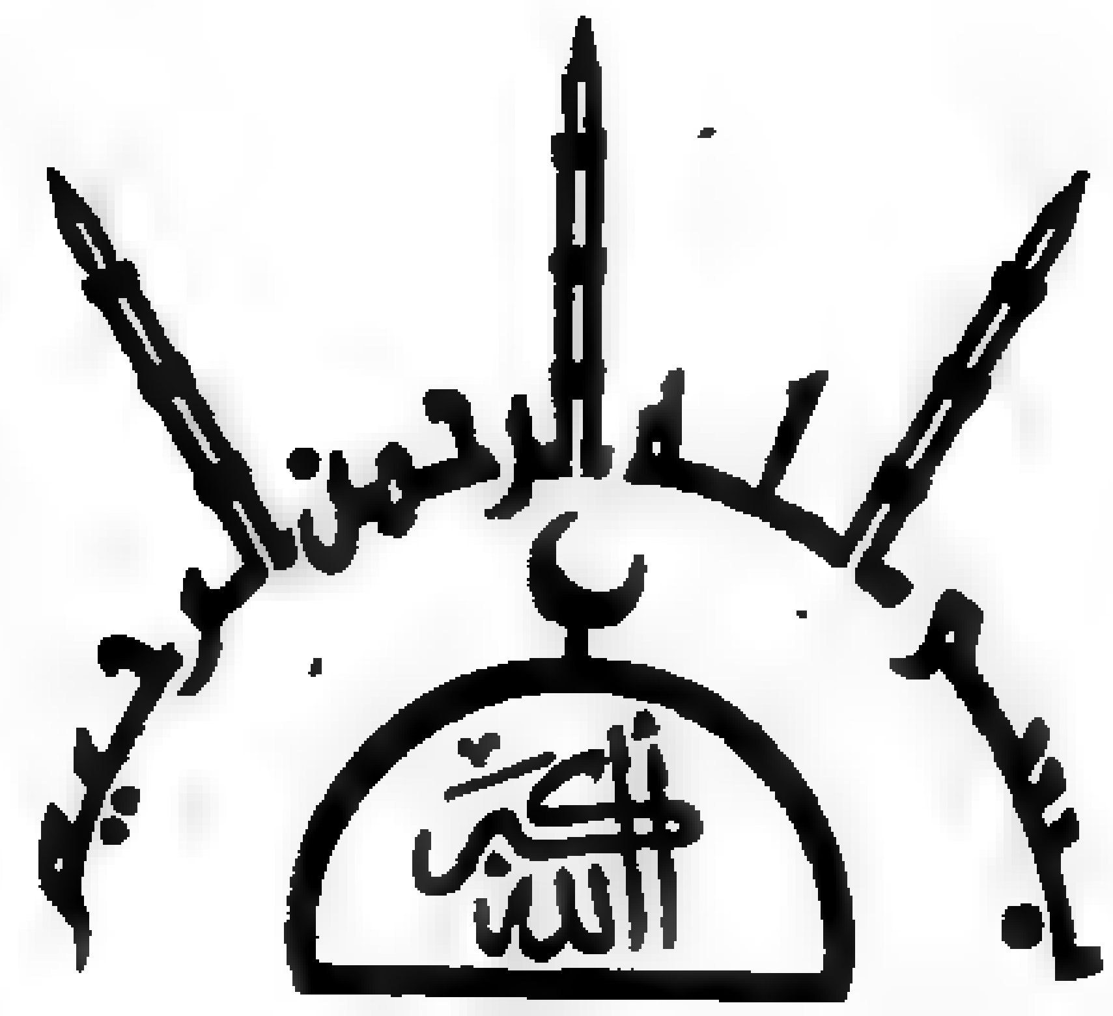
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللہ اکبر

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد اول...... باب چہارم

☆

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ آلوسی

مفتی محمد علیم الدین نقشبندی

☆☆

علامہ محمد بن عبداللہ الآلوسی (م۔ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) نے تفسیر روح المعانی میں حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف سے بکثرت حوالے دیے ہیں۔ ہم تفسیر کی جلد نمبر ۱۶ کے سرسری مطالعہ کے بعد مکتوبات شریف جلد اوّل کے مکتوبات نمبر ۱۶، ۲۹، ۳۶، ۴۱، ۴۳ اور معارف لدنیہ کے حوالوں سے متعلق تفسیر مذکور کے صفحات ۲۵۲ تا ۲۵۶ سے متعلقہ اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ (مرتب)

وقد صرح الإمام الرباني مجدد الألف الثاني قدس سره العزيز في "المكتوبات" في مواضع عديدة بأن الإلهام لا يُحِلّ حراماً يحرم حلالاً ويعلم من ذلك أنه لا مخالفة بين الشريعة والحقيقة والظاهر والباطن وكلامه قدس سره في "المكتوبات" طافع بذلك، ففي المكتوب الثالث والأربعين من الجلد الأول أن قوما الى الإلحاد والزندقة يتخيلون أن المقصود الأصلي وراء الشريعة حاشا وكلا ثم حاشا وكلا نعوذ بالله سبحانه من هذا لإعتقاد السوء فكل من الطريقة والشريعة عين الآخر لا مخالفة بينهما بقدر رأس الشعيرة وكل خالف الشريعة مردود وكل حقيقة ردتها الشريعة فهي زندقة، وقال في أثناء المكتوب الحادي والأربعين من الجلد الأول أيضاً في مبحث الشريعة و الطريقة والحقيقة: مثلاً عدم نطق اللسان بالكذب شريعة و نفى خاطر الكذب عن القلب إن كان بالتكلف والتعمل

فهو طريقة وإن تيسر بلا تكلف فهو حقيقة ففي الجملة الباطن الذي هو الطريقة و الحقيقة مكمل الظاهر الذي هو الشريعة فالسالكون سبيل الطريقة و الحقيقة إن ظهر منهم في أثناء الطريق أمور ظاهرها مخالف للشريعة ومناف لها فهو من سكر الوقت وغلبة الحال فإذا تجاوزوا ذلك المقام ورجعوا إلى الصحو ارتفعت تلك المنافاة باكلية وصارت تلك العلوم المضادة بتمامها هباء منثوراً۔ وقال نفعنا الله تعالىٰ بعلومه في أثناء المكتوب السادس و الثلاثين من الجلد الأول أيضاً: للشريعة ثلاثه أجزاء علم و عمل و إخلاص فما لم تتحقق هذه الأجزاء لم تتحقق الشريعة وإذا تحققت الشريعة حصل رضا الحق سبحانه و تعالىٰ وهو فوق جميع السعادات الدنيوية والأ خروية﴿ورضوان من الله أكبر﴾ [التوبة:٧٢] فالشريعة متكلفلة بجميع السعادات ولم يبق مطلب وراء الشريعة فالطريقة و الحقيقة اللتان امتاز بهما الصوفية كلتاهما خادمتان للشريعة في تكميل الجزء الثالث الذي هو الإخلاص فالمقصود منهما تكميل الشريعة لا أمر آخر وراء ذلك إلى آخر ما قال، وقال عليه الرحمة في أثناء المكتوب التاسع والعشرين من الجلد المذكور بعد تحقيق كثير: فتقرر أن طريق الوصول إلى درجات القرب الإلهي جل شأنه سواء كان قرب النبوة أو قرب الولا ية منحصر في طريق الشريعة التي دعا إليها رسول الله ﷺ وصار مأمورا بها في آية﴿قل هذا سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني﴾[يوسف:١٠٨] وآية﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله﴾[آل عمران:٣١] تدل ذلك أيضاً و كل طريق سوى هذا الطريق ضلال و منحرف عن المطلوب الحقيقي و كل طريقة ردتها الشريعة فهي زندقة، وشاهد ذلك آية ﴿وأن هذا صراطي مستقيماً﴾ [الأنعام:١٥٣] وآية﴿فماذا بعد الحق إلا الضلال﴾ [يونس:٣٢] وآية﴿ومن يبتغ غير الإسلام ديناً﴾[آل عمران:٨٥] وحديث "خط لنا النبي ﷺ" الخبر، وحديث "كل بدعة ضلالة" وأحاديث أخر إلى آخر ما قال عليه رحمة الملك المتعال۔

وقال قدس سره في "معارف الصوفية": إعلم أن معارف الصوفية وعلومهم في نهاية سيرهم وسلوكهم هي علوم الشريعة لا أنها علوم أخر غير علوم الشريعة، نعم يظهر في أثناء

الطريق علوم و معارف كثيرة ولكن لا بد من العبور عنها، ففي نهاية النهايات علومهم علوم العلماء وهي علوم الشريعة والفرق بينهم وبين العلماء أن تلك العلوم بالنسبة إلى العلماء نظرية واستدلالية وبالنسبة إليهم تصير كشفية وضرورية ـ وقال أيضاً: إعلم أن الشريعة والحقيقة متحدان في الحقيقة ولا فرق بينهما إلا بالإجمال والتفصيل وبالاستدلال والكشف بالغيب والشهادة وبالتعمل وعدم التعمل وللشريعة من ذلك الأول وللحقيقة الثاني وعلامة الوصول إلى حقيقة حق اليقين مطابقة علومهٗ ومعارفه لعلوم الشريعة ومعارفها وما دامت المخالفة موجودة ولو أدنى شعرة فذلك دليل على عدم الوصول، وما وقع في عبارة بعض المشايخ من أن الشريعة قشر والحقيقة لب فهو وإن كان مشعراً بعدم استقامة قائله ولكن يمكن أن يكون مراده أن المجمل بالنسبة إلى المفصل حكمة حكم القشر بالنسبة إلى اللب وأن الاستدلال بالنسبة إلى الكشف كذلك، والأكابر المستقيمة أحوالهم لا يجوزون الإتيان بمثل هذه العبارات الموهمة إلى غير ذلك من عباراته الشريفة التي لا تكاد تحصى ـ (ج١٦، ص٣٥٢ تا ٣٥٤)

* * *

ثم إن تلك الغيوب والمكاشفات بل سائر ما يحصل للصوفية من التجليات ليست من المقاصد بالذات ولا يقف عندها الكامل ولا يلتفت إليها، وقد ذكر الإمام الرباني قدس سره في المكتوب السادس والثلاثين المتقدم نقل بعضه أنها تربى بها أطفال الطريق وأنه ينبغي مجاوزتها والوصول إلى مقام الرضا الذي هو نهاية مقامات السلوك والجذبة وهو عزيز لا يصل إليه إلا واحد من ألوف، ثم قال: إن الذين هم قليلو النظر يعدون الأحوال والمواجيد من المقامات والمشاهدات والتجليات من المطالب فلا جرم بقوا في قيد الوهم والخيال وصاروا محرومين من كمالات الشريعة ﴿كبر على المشركين ما تدعوهم إليه الله يجتبي إليه من يشاء ويهدي إليه من ينيب﴾ [الشورى :١٣]ـ (ج١٦، ص٣٥٥)

○

ومن هنا يظهر سر قلة الخوارق في الصحابة مع قول الإمام الرباني: إن نهاية أويس سيد التابعين بداية وحشي قاتل حمزة أسلم فما الظن بغير أويس مع غير وحشي، وأنا أقول: إن الكامل وإن كان من علمت إلا أن فوقه الأكمل وهو من لم يزل صاعداً في نزوله ونازلاً في صعوده وليس ذلك إلا رسول الله ﷺ ولولا ذلك ما أمد العالم العلوي والسفلي، وهذا مرجع الحقيقة والشريعة له عليه الصلاة والسلام على الوجه الأتم كما أشرنا إليه سابقاو الحمد لله تعالىٰ على أن جعلنا من أمته و ذريته۔ (ج١٦، ص٣٥٥-٣٥٦)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تصانیف رضا میں اذکار امام ربّانی

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی، ممبئی

☆☆

امام ربانی، امام ربانی ہیں۔ امام احمد، امام احمد رضا ہیں۔ ہر ایک کی حقیقت ہر ایک کو معلوم ہے۔ ہر ایک کی حیثیت ہر ایک کو مسلّم ہے۔ امام ربانی ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے، امام رضا ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ یوں دونوں میں ۳۰۱ سال کا زمانی فرق ہے۔ مگر فکر و عقیدہ ایک ہے۔ ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ سب کو پتہ ہے، دیپ دیپ سے جلتا ہے، کبریت سے جلتا ہے، متقدمین کا علمی سرمایہ متاخرین کے لیے کبریت ہے۔ یہ اسی سے روشنی کشید کرتے اور تقسیم کرتے ہیں۔ آب حیواں کی طرح اخذ و نقل کا سلسلہ صبح قیامت تک جاری رہے گا۔

امام احمد رضا کی تصنیفات ہوں، مکتوبات ہوں، ملفوظات ہوں، ان میں اذکار امام ربانی کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ذیل کی تحریر میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ العزیز سے کتنا اخذ و اکتساب کیا ہے۔

پہلے یہ دیکھا جائے کہ امام ربانی اور ان کے مکتوبات کا پایہ اعتبار کیا ہے۔ امام احمد رضا کس قدر محتاط محقق تھے، ان کی شان تحقیق کیا ہے۔ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ متون و شروح، حواشی و تعلیمات کی صدہا کتابیں پیش نظر رہا کرتی تھیں اور ان کی عبارتیں ازبر اور مستحضر۔ اولیاء محققین کے مکتوبات و ملفوظات بھی ان کے مطالعہ اور ماخذ میں ملتے ہیں۔ مگر تحقیق کی شان یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے نقل و استناد نہیں کرتے۔ جب تک خود مطمئن نہ ہو جاتے۔ اگر کسی کتاب یا عبارت میں سہو، سقط، خبط مفہوم، خذف عبارت اور خلاف تحقیق بات ہوتی، تو برملا اظہار کر دیتے۔ حسب مراتب ادب و احترام کے ساتھ مسائل کی صحیح

صورت بیان کر دیتے۔ یہ ایک مقالہ کا موضوع بن سکتا ہے۔ جس کو ''تصفلات رضا'' کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔ مگر خاص بات یہ ہے ''مکتوبات امام ربانی'' میں میری معلومات کی حد تک ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ جبکہ ''مکتوبات امام ربانی'' مدام ان کے مطالعہ و ماخذ میں رہی۔ جگہ جگہ حوالے نقل کیے۔ یہ نکتہ نہایت اہم ہے۔ اس سے ''مکتوبات امام ربانی'' کے پایہ اعتبار واستناد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بہار شریف میں ''معدن المعانی'' چھپی، تو امام احمد رضا نے اس کا مطبوعہ نسخہ بھی منگایا اور قلمی نسخہ دیکھنے کی خواہش بھی ظاہر کی۔ اپنے مکتوب میں ملک العلماء مولینا محمد ظفر الدین رضوی کو لکھتے ہیں:

> ''حضرت سیدنا مخدوم شرف الحق والدین بہاری منیری قدس سرہ کی طرف سے ایک ملفوظ بنام ''معدن المعانی'' بہار میں چھپا تھا۔ یہاں اور لکھنؤ میں نہ ملا، وہاں ملے، تو ایک نسخہ مطلوب، اور اگر کسی جگہ اس کا قلمی نسخہ ہو تو معلوم کرنا ہے''[1]

بحرالعلوم مولینا عبدالعلی فرنگی محلی (م ۱۲۳۵ھ) کی شرح فقہ اکبر چھپی اور ان کے مطالعہ آئی۔ تو پہلی ہی نظر میں کچھ خبط عبارت محسوس کیا۔ چنانچہ مولینا شاہ عبدالباری فرنگی محلی کو اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''ایک حاجت ضروری گذارش! شرح فقہ اکبر حضرت مولینا بحر العلوم قدس سرہ میرے پاس آگئی۔ آج اسے دیکھا۔ ص ۴۰ پر سطر ۱۹ سے ثلث سطر ۲۱ تک ''وسیر اہل سماء افضل از اہل سماء'' سے ''نعوذ باللہ منھا'' تک عبارت میں بظاہر سقط معلوم ہوتا ہے۔ امید کہ نسخہ صحیحہ قلمیہ سے اور اگر خاص دستخطی حضرت شارح قدس سرہ ہو، تو از ہمہ اولی، یہ عبارت صحیح تحریر فرما بھیجیں۔ باعث ممنونی ہوگا''[2]

مولینا عبدالباری نے جواب لکھا کہ

> ''میں سندھ کے لیے پا بہ رکاب ہوں۔ اس لیے جناب والا کے ارشاد کی ''شرح فقہ اکبر'' کے بارے میں تعمیل نہ ہو سکی''[3]

جب مولینا فرنگی محلی سندھ میں واپس تشریف لائے، تو اس کی یاددہانی کرتے ہیں اور تصحیح و نظر ثانی کی تمنا ظاہر کرتے ہیں، الفاظ یہ ہیں:

> "اب تو آپ تشریف لے آئے، عبارت شرح فقہ اکبر اصل نسخہ سے مطابق فرما کر اب عنایت ہو۔ نیز ص ۴۸ سطر اوّل میں ہے۔ "اجماع خلاف حضرت امیر المؤمنین قطعی اجماع ظنی" یہاں بھی کچھ الفاظ رہ گئے ہیں۔ اس کی بھی تکمیل عنایت ہو۔ حیف کہ ایسی کتاب اور اتنی غلط چھپے؟ جا بجا مطلب خبط ہو گئے۔ جا بہ جا شود کا نشود اور نشود کا شود ہے۔ اس کی تصحیح کامل کے ساتھ چھپوانا اعظم حسنات ہے۔ یہ آپ کے ہاتھ میں ہے یا اصل نسخہ عاریۃً مجھے عنایت ہو۔ تو میں باذنہٖ تعالیٰ اس خدمت کا شرف لوں"[4]

فتاویٰ تاتارخانیہ کے چار نسخے ان کے پاس تھے۔ سب میں وضو و تیمّم کے متعلق ایک عبارت ناقص و مختل تھی۔ اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے ملک العلماء کو لکھتے ہیں:

> "جتنے نسخے مطبوعہ ہیں۔ سب میں عبارت ناقص و مختل ہے۔ مصر، کلکتہ لکھنؤ، تینوں کے چھاپے کے علاوہ کوئی قلمی نسخہ یا اور کسی مطبع کا ہو، اس سے پوری عبارت نقل کر کے بھیجئے۔"[5]

ملک العلماء نے خدا بخش لائبریری پٹنہ سے دو قلمی نسخوں سے مطبوعہ عبارت نقل کر کے بھیجی، خود بھی لکھنؤ سے ایک خطی نسخہ منگوایا۔ ان تینوں میں وہ عبارت ویسی ہی تھی۔ جس کو وہ اپنے فہم سے درست سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> "فقیر کے پاس خانیہ کے چار نسخے ہیں۔ ایک مطبع دارالسلام کا مطبوعہ ۱۲۷۲ھ ہجریہ۔ اس کی جلد اوّل نہیں۔ دوسرا مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۵ء، جسے چوراسی (۸۴) برس ہوئے۔ تیسرا مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ کو ہامش ہندیہ پر ہے۔ چوتھا مطبع مصطفائی ۱۳۱۰ھ جس کے ہامش پر سراجیہ ہے۔ عجب کہ ان سب میں **ومعہ ماء قدر ما یتوضوبہ** کے بعد الفاظ حکم ساقط ہیں۔ اس کے بعد "**لانہ لما مر**" تعلیل ہے۔ عجب نہیں کہ مصری و مصطفائی دونوں نسخے اسی نسخہ کلکتہ سے نقل ہوئے

ہوں۔ جس میں عبارت چھوٹ گئی۔ اگر چہ خود فحوائے عبارت، نیز ملاحظہ ارشاد امام محمد کتاب الاصل سے کہ بعونہٖ تعالیٰ افادات میں آتا ہے، الفاظ ساقطہ ظاہر تھے۔ کہ **فانہ یتیمم ولا یتو ضوبہ**" ہوں گے، کاتب کی نظر ایک **لا یتو ضوبہ** سے دوسرے کی طرف منتقل ہوگئی۔ بحمدہٖ تعالیٰ نسخ قدیمہ سے اس کی تصدیق ہوگئی۔ چند سال ہوئے فقیر کے پاس ایک پرانا قلمی نسخہ لکھنؤ سے آیا تھا۔ اس میں عبارت بعینہ یوں ہی تھی۔ جس طرح فقیر نے خیال کیا۔ "**ومعہ من الماء قدر ما یتو ضوفانہ یتیمم ولا یتو ضوبہ لانہ لما مر**" الخ اس کے بعد ولد عزیز ذو العلم والتمیز فاضل بہار مولوی محمد ظفر الدین وفقہ اللہ تعالیٰ الحمایۃ الدین ونکایۃ المفسدین وجعلہ کاسمہ ظفر الدین نے اپنے زمانۂ مدرسی مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور میں عظیم آباد کے مشہور کتب خانہ خدا بخش خاں سے ایک بہت قدیم قلمی نسخے مکتوبہ ۹۰۰ ہجریہ سے جسے لکھے ہوئے ۸۳۵ برس ہوئے، یہ مسئلہ نقل کر کے بھیجا۔ اس میں یہی صحیح عبارت ہے۔ "**ومعہ ماء قدر ما یتو ضو بہ فانہ یتیمم ولا یتو ضئو بہ لانہ لمامر**" الخ۔ دوسری نقل ایک نسخہ مکتوبہ ۹۷۲ھ سے بھیجی، جسے ۴۰۸ برس ہوئے۔ اس میں یوں ہے "**ومعہ ماء قدر مایتو ضئو بہ فانہ یتمم لانہ لمامر**" اس کا حاصل وہی ہے۔ کما لایخفی۔"[۲]

ایک رسالہ کے بارے میں مولینا محمد حسین میرٹھی کو لکھتے ہیں:

☆ نقل بہت صحیح ہو اور مقابلہ بہت غور سے ہو۔ بلکہ دو تین بار مقابلہ ہو، تو بہتر ہے۔

☆ جب تک کتاب نقل ہو، آپ کتاب میں سے مصنف کا نام و نشان دیکھ کر مجھے فوراً لکھ بھیجیں اور اوّل یا آخر میں کتاب کی تاریخ ہو، تو وہ بھی

☆ مولوی عبدالحی کا فتاویٰ تیسری بار کتب فقہیہ پر مرتب ہو کر چھپا ہے، وہ بھی لیجئے۔

☆ اس کا بھی پتہ چلا لیجیے کہ اس شخص نے کہاں کہاں پڑھا ہے۔ کون کون سے استاد ہیں۔ ساکن کہاں کا ہے۔ قوم کیا ہے۔ [۷]

دوسرے مکتوب میں انہیں سے مخاطب ہیں، یہ سطریں مسطور ہیں۔

☆ آپ نے پہلے لکھا تھا کہ چھوٹے جز کا رسالہ ہے۔ اب ۳۰۰ صفحے معلوم ہوئے۔ کیا وہ رسالہ اور تھا، اتنا معلوم رہے کہ رسالہ مطلوبہ فارسی میں ہے۔ عبارات عربی میں منقول ہوں، تو ہوں۔

☆ کیوں کر معلوم ہوا کہ مصنف شافعی ہے۔

☆ کیوں کر جانا کہ شاہ عبدالعزیز کا معاصر ہے۔

☆ جتنے ورق آپ نے نقل فرمائے ہوں۔ بعد مقابلہ بتمامہ بھیج دیجیے۔ اور تین ورق اخیر سے نقل فرما کر کہ باذنہ تعالیٰ اندازہ کرسکوں کہ نقل کی حاجت ہے یا نہں

☆ خود رسالہ میں یا اس سے باہر اگر فہرست مضامین ہو، تو اس کی نقل آنی ضرور ہے۔

☆ مصنف کا نام اول یا آخر میں ضرور ہوگا اور عجب نہیں کہ سال تصنیف بھی لکھا ہو۔

☆ ۱۲۶۳ھ کی مدراس سے خریداری کتاب پر لکھی ہے یا کسی کی زبانی سنی۔ اگر تحریر ہے، تو اس پوری عبارت کی نقل بھی چاہیے۔ [۸]

تیسرے خط میں یہ جملہ بھی ملاحظہ ہو ”مقابلہ بغور کی البتہ ضرورت ہے“۔ [۹]

ان شذرات پر تبصرہ طول مبحث کا باعث ہوگا۔ موضوع کے متعلق چند قابل غور پہلو یہ ہے:

امام احمد رضا

☆ متقدمین، متاخرین، معاصرین کی ہر قسم کی تحریر پر گہری نظر رکھتے تھے۔

☆ مصنف کے قلمی نسخہ و دستخطی نسخوں کی جستجو رہتی تھی۔

☆ الفاظ وعبارات میں سہو ہوتو، اپنے فہم سے درست مفہوم اخذ کر لیتے

☆ متعدد مطبوعہ نسخوں کے باوجود مخطوطات کی تلاش ضرور کرتے۔

☆ ۴۴۸ اور ۴۳۵ برس قبل کے خطی نسخوں سے تحقیق وطمانیت کے بعد ہی استنباط واستناد کرتے تھے۔

☆ کتاب کے اول و آخر چند صفحوں سے کتاب اور صاحب کتاب کی رسائی و گہرائی کا اندازہ کر لیتے تھے۔

☆ اپنے پیشترو کے اسمائے گرامی ادب واحترام سے لیتے، لکھتے تھے۔

ان باتوں سے جہاں امام احمد رضا کا حیرت انگیز درج ذیل پہلو سامنے آتے ہیں:

☆ ذوق مطالعہ

☆ ذوق تحقیق

☆ ذوق تلاش

☆ شان احتیاط

☆ شان امتیاز

☆ شان استناد

وہیں امام احمد رضا کے حیران کن گوشے بھی اجاگر ہوتے ہیں:

☆ شان انفرادیت

☆ شان عبقریت

☆ شان علمیت

☆ مقام مطالعہ

☆ مقام تحقیق

☆ مقام تدقیق

امام احمد رضا کسی مصنف کے سہو وتسامح پر جب مطلع ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں ”خدا ہمارے مصنف پر رحم فرمائے“

مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے امام ربانی کے لیے ایسا کہا ہو یا مکتوبات امام ربانی کا قلمی نسخہ تلاش کیا ہو۔ اس سے بھی امام ربانی کی عظمت ومقام اور مکتوبات وفرمودات کے پایہ اور بلندی کا علم ہوتا ہے۔

ندوۃ العلماء کی تشکیل ایک تنظیم کی حیثیت سے ہوئی۔ جس میں بذات خود امام احمد رضا شریک ہوئے۔ لیکن جب وہ صلح کلیت کی طرف راغب ومائل ہوا تو نہ صرف انہوں نے بلکہ اس وقت کے جملہ اجلہ وعلماء اعاظم نے اصلاح کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ سرخیل ندوہ مولینا محمد علی مونگیری کو لکھتے ہیں۔ اور مکتوبات کا حوالہ دیتے ہیں۔

> بالفعل آپ جیسے صوفی صافی منش کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں۔ اور اس عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔
>
> ''فساد متبدع زیادہ تر از فساد صحبت صد کافر است''
>
> مولینا! خدا را انصاف! آپ یا زید یا اور اراکین مصلحت دین ومذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت شیخ مجدد؟ مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کو معاذ اللہ لغو باطل جانیئے۔ اور جب وہ حق ہے اور بے شک حق ہے تو کیوں نہ مانیئے۔ جس سے ظاہر کہ کافر کے بارے میں **فلا تقعد بعد الذکر مع القوم الظالمین** کا حکم ایک حصہ ہے۔ تو بدمذہبوں کے باب میں سو حصے سے بھی زیادہ ہے۔''[100]

خط کے اس اقتباس پر غور کرتے ہیں تو کئی ایک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ جو فی الواقع اہمیت کے حامل ہیں۔

اولاً ''حضرت'' اس کلمہ تکریم سے جذبہ تعظیم واحترام واضح ہے۔

ثانیاً ''شیخ'' اس کا استعمال اور اس کے اطلاق ومصداق سے اہل نظر بے خبر نہیں

ثالثاً ''مجدد الف ثانی'' ۲۴۵ برس پہلے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ١٠٦٨ھ/ ١٦٥٧ء)[11] کے دیئے ہوئے اس عظیم الشان لقب کی تائید وتصدیق کرتے ہیں۔

رابعاً ''صاحب'' کلمہ کریم ''رحمۃ اللہ تعالیٰ'' کلمہ ترحیم

خامساً ''ارشاد'' شان وشکوہ کی طرف مشیر ہے۔

سادساً ''عین ہدایت'' یہ تو کمال صحت وکمال یقین واعتماد کی انتہا ہے۔

سابعاً ''مکتوبات شریفہ'' اور ''فرماتے ہیں'' کمال ادب کا غماز ہے۔

ثامناً ''مولینا! خدارا انصاف'' .... یا حضرت شیخ مجدد؟''

اس سوالیہ نشان سے امام ربانی کی جو شخصی شوکت و رفعت اور علمی بلندی و برتری دکھائی گئی ہے۔ اس کا جواب حامیان ندوہ کے پاس نہ کل تھا۔ نہ آج ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے امام احمد رضا کی قوت جرح بھی نمایاں ہوگئی ہے۔

تاسعاً "ارشاد ہدایت بنیاد" بکمال یقین کا اظہار ہے۔ جو کئی کتاب پر بھاری ہے۔ کیوں کہ بقول پروفیسر ڈاکٹر مسعور احمد "کبھی کبھی الفاظ بھی مقالے بن جاتے ہیں، کبھی کبھی جملے بھی کتاب بن جایا کرتے ہیں"[12]

عاشرً "لغو و باطل جانئے؟" (اس پر خود ہی خدد کی پناہ چاہتے ہیں) استفہام انکاری، جس میں تاکیدی اثبات ہوتا ہے۔ پھر "اور جب وہ حق ہے اور بے شک حق ہے، تو کیوں نہ مانئے؟" میں جو تاکید اور زور تاکید ہے، وہ دانشوروں سے پوشیدہ نہیں۔

یہ ہے مقام، یہ ہے مرتبہ حضرت امام ربانی کا، ان کے مکتوب گرامی کی محض ایک چھوٹی سی عبارت کا۔ اعتراف ذات اور اعتراف ارشادات کی اس سے بڑھ کر اور کون سی صورت ہو سکتی ہے۔

مضمون معمول کے قریب ہے۔ اس لیے یہاں چند حوالوں کا مختصراً جائزہ لیا جاتا ہے۔ امام احمد رضا نے نبی کریم ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی نفی میں تین رسائل قلم بند کیے ہیں[13] رسالہ نفی الفئی میں حضرت امام ربانی کو سایہ کی نفی کے قائلین میں شمار کیا ہے۔[14]

امام احمد رضا مکتوبات[15] کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت امام ربانی نے حضور ﷺ کے سایہ کی نفی بڑے شد و مد سے فرمائی ہے۔[16] اسی جلد کے مکتوب نمبر ۱۲۲۔[17] سے بھی ایک دوسری عبارت نقل فرمائی ہے[18] "تکمیل الایمان" شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب ہے۔ اس پر امام احمد رضا کا حاشیہ ہے۔ اس حاشیہ میں مکتوبات امام ربانی کے دو حوالے موجود ہیں[19] ان دو حوالوں سے ثابت ہوتا ہے حضرت امام ربانی واقعہ معراج میں جسمانی معراج کا موقف رکھتے تھے۔...... "صلوۃ الاسرار" جس میں امام احمد رضا نے تمام سلاسل طریقت کے معمولات و مشاغل پر گفتگو کی ہے ختم خواجگاں و ختم حضرت مجدد کو بھی زیر بحث لائے ہیں[20] ایک دوسری جگہ بھی حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر ملتا ہے۔[21]

محققین نے لکھا ہے کہ امام احمد رضا نے حضرت امام ربانی کی شان میں ایک پوری کتاب ہی تحریر فرمائی ہے۔ جس کا نام "اطائب التہانی فی مجدد الف ثانی" ہے۔[22]...... ایک مقام پر امام احمد رضا نے امام

ربانی کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ ''شیخ طریقت و آقائے نعمت و خداوند دولت خاندان دہلی حضرت شیخ مجدد'' ۲۳...... دوسری جگہ یوں اظہار عقیدت کرتے ہیں: تمام خاندان دہلی کے آقائے نعمت و خداوند دولت و مرجع و منتہی و مفرغ و ملجا سید و مولیٰ جناب شیخ مجدد صاحب'' ۲۴...... امام ربانی مجدد الف ثانی کے مشہور رسالہ ''مبداو معاد'' مطبع مجددی امرتسر سے بھی ایک حوالہ نقل کیا ہے۔ ۲۵...... امام احمد رضا نے اپنے مشہور معرکتہ الآرا تصنیف ''شمائم العنبر'' جو مسئلہ اذان ثانی سے متعلق ہے، میں بھی مکتوبات امام ربانی سے ایک طویل عبارت نقل کی ہے۔ ۲۶...... یوں ہی ایک جگہ اور مکتوبات امام ربانی کا ذکر موجود ہے۔ ۲۷

''حیات الموات فی بیان سماع الاموات، امام احمد رضا کا معروف رسالہ ہے۔ اس میں بھی مکتوبات امام ربانی کی متعدد عبارتیں بطور استدلال نقل کی گئیں ہیں۔ ۲۸...... جلد ۱۳ میں بھی ایک حوالہ مکتوبات امام ربانی کا ایک حوالہ نظر سے گزرا ۲۹ گائے کی قربانی جو اکبر بادشاہ نے بند کرادی تھی، جاں گیر بادشاہ کے زمانہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی بے لاگ کوششوں سے دوبارہ جاری ہوگئی۔ امام احمد رضا نے مکتوبات امام ربانی سے استفادہ کیا ہے۔ ۳۰...... فتاوی رضویہ جدید کی جلد ۲۹ اور ۳۰ میں مکتوبات امام ربانی سے بکثرت حوالہ جات مذکور ہیں ۳۱

مفتی عبدالقیوم رضوی ہزاروی لکھتے ہیں:

> ''امام احمد رضاء بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی جگہ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو مجدد مطلق فرما کر ان کے ارشادات بطور حوالہ نقل کرتے ہیں'' ۳۲

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود نے لکھا ہے:

> ''چودھویں صدی کے جلیل القدر عالم و فقیہ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علی الرحمۃ اپنی تصانیف میں آپ (حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی) کے اقوال و ارشادات سے استدلال فرمایا ہے۔ اسی طرح ان کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولینا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۲) نے استدلال کیا ہے اور اسی طرح دوسرے

> صاحبزادے مفتی اعظم مولینا مصطفیٰ رضا خان نے مولینا عبدالغفار رامپوری (حالانکہ مولینا رامپوری خود نقشبندی تھے) کی کتاب ''آثار المتبدعین لاھدام حبل اللہ المتین'' کا تعاقب کرتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا دفاع کیا ہے۔''۳۳

سچی بات تو یہ ہے، حضرت امام ربانی عظیم تھے، علم وسیع تھا، فکر گہری تھی، ان کی فکری توانائی سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م۱۰۳۴/۱۶۲۴ء) متاثر تھے۔ امام احمد رضا بریلوی (م۱۳۴۰/۱۹۲۱ء) متاثر تھے، ڈاکٹر محمد اقبال سیال کوٹی (م۱۳۵۷/۱۹۳۸ء) متاثر تھے۔ یہ سب ہمارے تھے۔ ہمارے ہیں۔ ایک دن آئے گا۔ حقیقت بے نقاب ہوگی۔ اور یار لوگ، جنہوں ے بے سروپا باتیں اُڑائی یا اڑا رہے ہیں، شتر مرغ کی طرح ریت میں منہ چھپالیں گے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی اس وقت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ کے سب سے بڑے طاقتور مفکر ہیں، روحانی پیشوا ہیں۔ امام ربانی علیہ الرحمۃ کا تو حق ان پر تھا، مگر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر جو انہوں نے کام کیا ہے رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ آپ رقمطراز ہیں:

> ''تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیمات کو پھیلایا۔ اگر امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ہوتے، تو امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیمات محجوب ہو چکی ہوتیں''۳۴

جتنے نوٹس تیار کیے۔ اُن میں ابھی بہت باقی ہیں۔ قلت وقت کی وجہ سے مضمون ہماہمی کا شکار ہے۔ رواں دواں انداز ہے۔ اس لیے یہ تحریر ابھی نا تمام ہے، آئندہ سال (۲۰۰۸ء) کے امام ربانی سیمینار کانفرنس میں وسیع ضخیم صورت میں پیش ہوگی۔ انشاء اللہ!

☆☆☆

حوالے وحواشی

۱......غلام جابر شمس، ڈاکٹر، کلیات مکاتیب رضا، مکتبہ بحر العلوم، مکتبہ نبویہ لاہور ۲۰۰۵ء، ۱/ ۳۷۵

۲......مصطفیٰ رضا خان مولینا، الطاری الداری، حسنی پریس، بریلی ۱۹۲۱ء، ۲/ ۲۹

۳......مصطفیٰ رضا خان مولینا، الطاری الداری، حسنی پریس، بریلی ۱۹۲۱ء، ۲/ ۳۱

۴......مصطفیٰ رضا خان مولینا، الطاری الداری، حسنی پریس، بریلی ۱۹۲۱ء، ۲/ ۳۱_۳۲

۵......سید محمد ظفر الدین مولانا، حیاتِ اعلیٰ حضرت، مکتبۂ رضویہ، آرام باغ، کراچی، ۱/ ۲۶۷

۶......احمد رضا خان امام، فتاویٰ رضویہ مع تخریج وترجمہ ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ۴/ ۲۱۵

۷......غلام جابر شمس، ڈاکٹر، کلیات مکاتیبِ رضا، مکتبہ بحر العلوم ومکتبہ نبویہ لاہور ۲۰۰۵، ۱/ ۲۲۲

۸......غلام جابر شمس، ڈاکٹر، کلیات مکاتیبِ رضا، مکتبہ بحر العلوم ومکتبہ نبویہ لاہور ۲۰۰۵، ۱/ ۲۲۳

۹......غلام جابر شمس، ڈاکٹر، کلیات مکاتیبِ رضا، مکتبہ بحر العلوم ومکتبہ نبویہ لاہور ۲۰۰۵، ۱/ ۲۲۵

۱۰......حسن رضا خان مولانا، مراسلت سنت وندوہ، مطبع نظامی، بریلی، ۱۳۱۳ھ

۱۱......جہان امام ربانی، امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی، ۲۰۰۵ء، ۳/ ۱۲۲

۱۲......غلام جابر شمس ڈاکٹر، پرواز خیال، ادارہ مسعودیہ، لاہور شاخ، ۲۰۰۵ء ص ۱۱

۱۳......عبد استار ہمدانی مولینا، امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر، انڈین اسلام مشن بمبئی، ۱۹۹۸ء ص ۳۶۴

(۱) نفی الفئ عمن استنار بنورہ کل شئ، ۱۲۹۶ھ

(۲) قمر القمام فی نفی الظل عن سید الانام، ۱۲۹۶ھ

(۳) ہدی الحیران فی نفی الظل عن سید الاکوان، ۱۲۹۹ھ

۱۴......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۵ء، ۳/ ۶۹۶

۱۵......مکتوبات امام ربانی، مکتوب صدم، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۳/ ۱۸۷

۱۶......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۵ء، ۳۰/ ۷۰۵

۱۷......مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر ۱۲۲، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۳/ ۳۳۷

۱۸......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن، م لاہور، ۲۰۰۵ ۳۰/ ۷۰۵

۱۹......عبد الحق دہلوی محدث، تکمیل الایمان، مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۱۳۶، ۱۳۷

۲۰......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۴ء، ۷/ ۶۲۴، ۶۲۵

۲۱......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۴ء، ۷/ ۶۲۷

۲۲......(الف) مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا مجید اللہ قادری پروفیسر، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ۱۹۹۹ء ص ۳۰

(ب) غلام مصطفیٰ مجددی پروفیسر، مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا، رضا، دار الاشاعت لاہور، ۱۹۹۸ء ص ۲۴

۲۳......احمد رضا خان امام، فتاویٰ رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۹۴ء، ۱۵/ ۲۰۵

۲۴......احمد رضا خان امام، فتاویٰ رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۴ء، ۱۵/ ۲۰۵، ۲۱۸، ۲۵۱

۲۵......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ سے تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۲۰۰۵ء، ۲۹/ ۱۹۳، ۱۹۵

۲۶......(الف) احمد رضا خان امام شمائم العنبر الی ادب النداء امام المنبر، رضا اکیڈمی بمبئی ۲۰۰۰ء ص ۱۲۴

نوٹ یہ کتاب مجھے علامہ اعبد الستار ہمدانی نے سفرِ گجرات کے دوران ہدیۃ عنایت کی تھی (شمس مصباحی)

(ب) احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۵ء، ۲۸/ ۲۳۴، ۲۳۵

۲۷......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۲۸/ ۲۵۱، ۲۱۸

نوٹ: مکتوبات کے حوالے اور حضرت امام ربانی کا ذکر ہی جلد ۱۵ کے ص ۲۰۴، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۵۱ میں ملتا ہے (شمس)

۲۸......(الف) احمد رضا خان امام، حیات الموات فی بیان سماع الاموات، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۵ء، ۱۵/ ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۸

(ب) احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۶۱ء، ۱۲/ ۸۱۲، ۸۱۶/ ۹

۲۹......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مرا مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۹۹ء ۱۳۰/ ۱۳

۳۰......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۹۸ء، ۱۴/ ۱۶۵

۳۱......احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۵ء

احمد رضا خان امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ رضا فاؤنڈیشن لاہور، جلد ۲۹ ص ۱۰۶، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۹

۳۲......جہان امام ربانی، امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی، ۲۰۰۵ء، ۲/ ۶۵۸

۳۳......جہان امام ربانی، امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی، ۲۰۰۵ء، ۵/ ۳۱، ۳۲

۳۴......جہان امام ربانی، امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی، ۲۰۰۵ء ۱/ ۷۱

☆☆☆

الحسد یاکل الحسنات
کما تاکل النار الحطب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فتاوٰی رضویہ میں افکارِ مجدد الف ثانی

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
(کراچی یونیورسٹی، کراچی)

☆☆

دین اسلام کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے حضور گردن جھکاؤ اور سجدہ ریزی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی دین کو مسلمانوں کے لیے پسند فرمایا ہے جس کی اشاعت کے لیے اس نے مسلسل انبیاء کرام مبعوث فرمائے۔ انبیاء کرام نے اللہ کے پسندیدہ دین کی نہ صرف اشاعت کی بلکہ دنیا سے پردہ فرماتے وقت انہوں نے اپنی اپنی امت سے بالعموم اور اپنی اولاد سے بالخصوص ایک بات کا عہد لیا کہ وہ اسی دین اسلام پر قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے ان عہدوں کو قرآن میں دستاویز کے طور پر محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

> اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ (البقرہ: ۱۳۱، ۱۳۲)
>
> ترجمہ: جب کہ اس کے رب نے فرمایا گردن رکھ عرض کی میں نے گردن رکھی اس کے لیے جو رب ہے سارے جہان کا۔ اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے، کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمہارے لیے چن لیا تو نہ مرنا مگر مسلمان۔ (کنز الایمان)

دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے عین فطرت کے مطابق قائم فرمایا تا کہ انسان ہر زمانے میں قرآن کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں اپنے زمانے کے مسائل کا حل تلاش کر سکے، چاہے وہ سائنسی ہوں یا سیاسی، حکومتی ہوں یا عوامی، دینی ہوں یا دنیاوی، انفرادی ہوں یا اجتماعی ان تمام مسائل کا حل ایک انسان کو اللہ کی اس آخری کتاب میں ضرور ملے گا اگر وہ اس کا بغور مطالعہ کرے اور مقصد اس کا نیک ہو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے وصال سے چند ماہ قبل اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کو آخری نصیحت کے طور پر لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً (المائدہ: ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے جب ہم کو اپنا یہ پسندیدہ دین عطا کیا تو اس نے اس دین کی حفاظت کا بھی بندوبست کیا۔ دین اسلام کے سنہری اصول انمٹ اور تغیرات سے پاک قرآن مجید میں قرآنی آیات اور کلمات کی صورت میں محفوظ ہیں۔ اللہ عزوجل نے نہ صرف ان حروف وکلمات کے تحفظ کا ذمہ لیا بلکہ ان حروف و کلمات کے تحت تمام اصولوں کے تحفظ کا بھی ذمہ لیا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (کنزالایمان)

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو ''الذکر'' کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور پھر اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا ہے۔ اسی ذکر کے حوالے سے قرآن حکیم کے جملہ اصول بھی محفوظ ہیں۔ جس طریقہ سے قیامت تک قرآن کے حروف اور کلمات کی حفاظت ''حفاظ قرآن'' بظاہر کرتے رہیں گے اسی طرح حروف وکلمات کے پیچھے جو علوم اور اصول پوشیدہ ہیں ان کے بھی محافظ قیامت تک ''اہل ذکر'' کی صورت میں موجود رہیں گے۔ اور ہر زمانے میں ''اہل ذکر'' قرآن کے اصولوں کی حفاظت کرتے ہوئے حالات اور زمانے کی ضرورتوں کے پیش نظر مناسب رہنمائی کرتے رہیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے بعد ہر زمانے

میں ایسے افراد دنیا کو ''اہل ذکر'' کی صورت میں دیئے جنہوں نے بظاہر قرآن کے اصولوں کی حفاظت فرمائی اور ملت کی رہنمائی بھی فرمائی اور ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم بھی دیا ملاحظہ کیجیے آیت کریمہ:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.

(النحل: ۴۳ نیز الانبیاء: ۷)

ترجمہ: اے لوگو! علم والوں (اہل ذکر) سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

(کنز الایمان)

یہ علم والے کون ہیں یا اہل ذکر کون ہیں؟ کس طرح ان کو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں پہچانا جائے؟ کیونکہ فی زمانہ تو ہر کوئی قرآن سے ہی استدلال کرتا ہے۔ ہر کوئی اپنے آپ کو قرآن مجید سے منسلک بتاتا ہے۔ تو پھر فی زمانہ اتنے فرقے کیوں ہیں؟ یہ مختلف الخیال باتیں کیوں ہیں؟ آیئے قرآن ہی سے ان اہل ذکر کی تعریف سنیں کہ ان کی کیا پہچان ہے اور کس طرح ہم ان محترم ہستیوں کو ان منافقین یا ان کے زیر اثر افراد سے الگ کر سکیں گے جن کا بنیادی مقصد اسلام کے زریں اصولوں پر اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ عمل پیرا ہونا یا اس کی خدمت واشاعت نہیں ہوتا بلکہ اپنے آپ کو اسلام کا سچا خیر خواہ ظاہر کر کے لوگوں میں ذہنی، فکری، عملی اور اعتقادی انتشار پیدا کرنا ہی ان کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ دیکھیے قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ ان لوگوں (اہل ذکر) سے متعلق کیا نشاندہی کر رہی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ
فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّار (آلِ عمران: ۱۹۱)

ترجمہ: جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بے کار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے (کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اہل ذکر کے ذریعہ ان باطل قوتوں کا قلع قمع کرنے کا بندوبست فرمایا ہے کہ جو باطل قوتیں دین اسلام کے اصولوں کو بدلنے کی کوشش کرتی ہیں ان کے سامنے اللہ تعالیٰ اسی زمانے کے

لاکھوں کروڑوں انسانوں میں سے چند ایک یا دو چار کا انتخاب فرماتا ہے اور ان کے ذریعے ان باطل قوتوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ اہل ذکر اپنی قلمی تحریروں سے ان باطل قوتوں کے خلاف جہاد فرماتے ہیں اور ان کی اسلام دشمن سازشوں کا قلع قمع فرما دیتے ہیں۔ یہ صورت حال اسلام کے ساتھ تقریباً ہر زمانے اور ہر خطے میں پیش آتی رہی ہے اور اہل ذکر ان مشکل حالات کا مقابلہ کر کے قرآن حکیم کے اصولوں کی سچائی ثابت کرتے رہے ہیں۔ یہ مشکل صورت حال برصغیر پاک و ہند میں بھی کئی مرتبہ پیش آئی۔ مثلاً جب گیارہویں صدی ہجری میں مغل بادشاہ اکبر نے ''دین اکبری'' کا فتنہ کھڑا کیا جس میں اس نے قرآن کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' سے لوگوں کو پھیرنے کی ناکام کوشش کی اور ملت اسلامیہ سے اپنی تعظیم کے لیے سجدے کروانے شروع کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے لاکھوں مسلمانوں کے درمیان سے چند اہل ذکر بندوں کا انتخاب کیا کہ وہ ان باطل قوتوں کے خلاف جہاد کریں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی (التوفی ۱۰۵۲ھ) مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (التوفی ۱۰۶۸ھ) شیخ نظام الدین تھانیسری (التوفی ۱۰۲۴ھ) مولانا محمود جونپوری (التوفی ۱۰۶۲ھ) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مگر سب سے زیادہ نمایاں قلمی اور علمی جہاد حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی المعروف بہ حضرت مجدد الف ثانی (التوفی ۱۰۳۵ھ) کا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بالخصوص اس فرد واحد نے قید و بند اور دیگر مصائب کے باوجود دین اسلام اور اصول قرآن کیخلاف اٹھنے والی اس تحریک اکبری کو خاک میں ملا کر ہی دم لیا۔ لوگوں نے جلد ہی دیکھا کہ جو بادشاہ اپنی تعظیم کے لیے لوگوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تھا تعلیم مجددی کے بعد کیسے اپنے مذموم عزائم میں نامراد ہوا، کس طرح لوگوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر توبہ کی اور بہت سے وزراء سفراء اور دیگر لوگ آپ کے سلسلے سے وابستہ ہوتے چلے گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے کلمہ توحید اور قرآن کے اصولوں کے خلاف اٹھنے والی اس سازش کو زمین بوس کر دیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کے نام نامی کو فلک بوس فرما دیا۔

برصغیر پاک و ہند میں ایک اور بڑا فتنہ تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں اٹھا۔ اس دفعہ قرآن حکیم کے وہ اصول جو نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ختم نبوت سے متعلق ہیں ان اصولوں کو بگاڑنے اور بدلنے کی کوششیں کی گئیں۔ یہ سازشیں بھی کسی غیر مسلم کی طرف سے نہ اٹھی تھیں بلکہ اسلام کا لبادہ اوڑھے

ہوئے لوگوں نے ہی ہندوؤں اور نصاریٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قرآن حکیم کے بنیادی اصولوں اور تعلیمات میں تبدیلی کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس دفعہ ان منتخب بندوں میں شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) حضرت علامہ مفتی صدر الدین خان دہلوی (م ۱۲۸۵ھ) اور مولانا مفتی نقی علی خاں قادری بریلوی (م ۱۲۹۷ھ) کے نام قابل ذکر ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس دفعہ امام احمد رضا خان قادری برکاتی محدث بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کا خاص انتخاب فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ نے تن تنہا اپنے قلمی جہاد سے ان تمام سازشوں کا قلع قمع کر دیا۔ امام احمد رضا کے دور میں ہندوؤں اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ آل سعود کے پیروکار اسلام کے خلاف سرگرم تھے۔ اس کے سرخیل اسمٰعیل دہلوی ابن عبدالغنی دہلوی ابن شاہ ولی اللہ دہلوی تھے اور ان کے ہمنواؤں میں مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہم تھے۔ ان لوگوں نے امکان کذب باری تعالیٰ کا مسئلہ چھیڑا اور حضور ﷺ کی ختم نبوت کے معنی بدل ڈالے۔ حضور اکرم ﷺ کی شان گھٹانے اور عظمتِ رسول کو پامال کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ امام احمد رضا نے بھی اپنے اسلاف کی طرح ان تمام خیالات باطلہ کا قرآن کے اصولوں اور احادیث نبویہ کی روشنی میں مکمل رد فرمایا اور قرآن کے اصولوں کو ایک مرتبہ پھر تحفظ دینے کا اہتمام کر کے اللہ تعالیٰ کے آگے سرخرو ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ (وتعز من تشاء)

احقر اپنے اس مقالے میں ان دونوں اہل ذکر کی فکری ہم آہنگی پر روشنی ڈالنا چاہتا ہے کہ اگر چہ دونوں کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے مگر امام احمد رضا جب کوئی تحریر لکھتے ہیں تو اپنے موقف کی تائید میں جہاں اور فقہاء اور سلف صالحین کے اقوال سے استفادہ کرتے ہیں وہیں حضرت مجدد الف ثانی کے افکار عالیہ سے بھی بھرپور افادہ لیتے ہیں۔ امام احمد رضا نے جہاں اور بے شمار کتب کا مطالعہ کر رکھا تھا وہیں جملہ مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی کا بھی مطالعہ کیا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ میں صرف ایک دو نہیں متعدد مقامات پر مکتوبات امام ربانی کے حوالے پائے جاتے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ آپ حضرت مجدد کی بنیادی تعلیمات سے مکمل واقف و آگاہ تھے۔ اور آپ کے نزدیک مکتوبات حضرت مجدد ایک مستند مأخذ کی حیثیت اور درجہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے اپنے دلائل کو مضبوط اور مؤثر بنانے کے لیے آپ مناسب موقع پر مکتوبات کے حوالہ جات کا اضافہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ایسے متعدد مقامات ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں جن کو امام احمد رضا نے مکتوبات امام ربانی کے حوالہ جات سے مزین اور آراستہ کیا ہے۔ سطور ذیل میں

ہم اولاً مکتوبات امام ربانی کی اہلسنت میں حیثیت اوران میں بیان کردہ احادیث کی فنی حیثیت کے تعین سے متعلق خود امام احمد رضا کے قلم کی ایک مستند تحریر سے استفادہ کرتے ہیں۔ ایک موقع پر آپ سے سوال کیا گیا کہ مکتوبات امام ربانی کی اہلسنت و جماعت کے علماء کے درمیان کیا حیثیت ہے؟ اس سلسلے کا استفتاء اور اس کا جواب ملاحظہ کیجیے:

استفتاء: از ایلٹا کاٹھیاواڑ، مرسلہ سید قاسم علی قادری، مورخہ ۴ ذوالحجہ ۱۳۳۵ھ

مخدومی ومطاعی بندۂ قبلہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں قادریہ خاندان میں مرید ہوا تھا مگر چونکہ اب حضرات نقشبندیہ کے بزرگ سرہند شریف سے یہاں آئے تھے جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ خاندان نقشبند میں اب بیعت ہوتے جاتے ہیں اور سلسلہ عالیہ قادریہ روز بروز گھٹتا چلا ہے۔ مجھے لوگوں نے مجبور کیا ہے کہ میں بھی بیعت اس خاندان میں کروں مجھے مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کی اردو تینوں جلدیں دی گئیں۔ ان کو پڑھ کر میں ان کا خلاصہ آپ سے طلب کرتا ہوں کہ اس خاندان میں بیعت ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور مکتوبات اور دیگر خاندان نقشبندیہ پر اہلسنت و جماعت کا اتفاق ہے یا نہیں؟ (فتاوی رضویہ جدید، جلد ۲۶، ص ۵۷۶، مطبوعہ: لاہور)

امام احمد رضا نے ان دونوں سوالات کہ آیا قادری سلسلہ میں بیعت ہونے کے بعد کسی دوسرے سلسلہ طریقت میں بیعت کی جاسکتی ہے یا نہیں اور اہل طریقت کے نزدیک اس عمل کو کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، دوم یہ مکتوبات امام ربانی اور دیگر کتب جو حضرت مجدد الف ثانی کی ہیں یا اور دیگر حضرات نقشبندیہ کی ہیں ان کے متعلق اہلسنت و جماعت کا کیا موقف ہے کہ عام آدمیوں کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ ان امور پر بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ اپنے سلسلے سے فیض مل رہا ہے تو ضرورت نہیں دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ مکتوبات امام ربانی مشائخ اہل سنت و جماعت کی دوسری کتابوں کی طرح ہیں ان کو پڑھا جاسکتا ہے۔

(فتاوی رضویہ جدید، جلد: ۲۶، ص: ۵۷۶، ۵۷۷، مطبوعہ: لاہور)

امام احمد رضا محدث بریلوی کے نزدیک مکتوبات امام ربانی اہلسنت و جماعت کے نزدیک مقبول ہے۔ جس طرح اور دیگر مشائخ کی کتب امام احمد رضا اپنے فتاوی میں استعمال کرتے ہیں اسی طرح مکتوبات

بھی کہ یہ زیادہ مزیت ہے اور اس میں نکھار ہے۔ امام احمد رضا نے اور بھی کئی مقامات پر مکتوبات امام ربانی کا اپنے دلائل کو مزید نکھارنے کے لیے حوالہ دیا ہے۔ "الیا قوتۃ الوسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ" ۱۳۰۹ھ میں بھی اس چیز کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا نے یہ رسالہ تصور شیخ اور اثبات شغل برزخ کے موضوع پر قلمبند فرمایا تھا۔ اس رسالہ میں آپ رحمۃ اللہ نے فقہا و صوفیہ کرام کے اقوال کی روشنی میں ایک مسلمان کے لیے رابطہ شیخ و تصور شیخ کو وصول فیض کا ذریعہ بتایا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان افراد کے اقوال کا رد بھی کیا ہے جو ان معاملات کو یا تو بدعت یا حرام اور شرک تک بتاتے ہیں۔ یہاں پہلے اس رسالہ کے شروع میں لکھے گئے عربی خطبہ کا متن اور ترجمہ ملاحظہ کریں جو اس رسالہ کا خلاصہ بھی ہے:

> "الحمد الله الذی هذنالربط القلوب باعظم برزخ بین الامکان والو جوب والصلوٰۃ والسلام علیٰ اجمل مطلوب اجل وسیلۃ لاصلاح الخطوب صلوۃ تمحور ین العیوب و تمثل الفئواد صورۃ المحبوب متشهدابالتوحید لعلام الغیوب وبالر سالۃ الکبریٰ لشفیع الذنوب صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی اله و صحبه وسائط الکرم"
>
> ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے دلوں کے ربط کے لیے امکان اور وجوب کے درمیان برزخ اعظم کی رہنمائی عطا فرمائی۔ صلوٰۃ وسلام خوبصورت مطلوب اور خطرات کی اصلاح کے لیے جلیل وسیلہ پر۔ ایسا درود جو عیوب کی میل کو مٹادے اور دلوں میں محبوب کی صورت قائم کردے۔ علام الغیوب کی توحید اور حضور شفیع المذنبین کی رسالت کبریٰ کی شہادت دیتے ہوئے۔ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل واصحاب پر جو کہ برگزیدہ واسطے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جدید، جلد: ۲۱، ص: ۵۷۰، مطبوعہ: لاہور)

جو لوگ حضرات صوفیہ کرام کے ان مشاغل پر اعتراض کرتے ہیں اور ان اعمال کو بدعت یا حرام قرار دیتے ہیں، امام احمد رضا ان پر یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ وصول فیض کے لیے یہ طریقے ہمیشہ سے چلے آرہے ہیں اور مسلمانوں نے ان نے فائدہ ہی حاصل کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں:

صرف واسطہ وصول و ناؤدان فیض و باعث جمعیت خاطر و زوال تفرقہ ہائے شرعاً جائز جس کے منع پر شرع سے اصلاً دلیل نہیں۔ نہ کہ معاذ اللہ شرک و کفر کہنا جیسا کہ زبان زد سفہائے منکرین ہے۔ والناس اعداء لما جھلوا (لوگ جس سے ناواقف ہوں اس کے مخالف ہوتے ہیں)

منعم کنی زعشق ولے اے زاہدِ زماں
معذور دار من کہ تو او را ندیدۂ

(اے زمانے کے زاہد تو مجھے عشق سے منع کرتا ہے مجھے معذور رکھ کیونکہ تو نے اسے دیکھا نہیں) (فتاوٰی رضویہ جدید، جلد: ۲۱، ص: ۵۷۱)

امام احمد رضا نے رابطہ شیخ و تصور شیخ سے متعلق اپنے موقف کو اکابر صوفیہ کرام اور فقہاء عظام کے دلائل سے آراستہ کیا ہے۔ آخر میں افکار مجددیت کا مکتوبات سے حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اب پھر شمار عبارات کی طرف چلیے۔ تمام خاندان دہلی (شاہ ولی اللہ کا خاندان) کے آقائے نعمت و خداوند دولت و مرجع و منتہی و مفزع و ملجا سیدی و مولیٰ جناب شیخ مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مکتوبات کی جلد اول میں فرماتے ہیں:

''ہیچ طریقے اقرب وصول از طریق رابطہ نیست تا کدام دولتمند را بآن سعادت مستعد سازند''

(مکتوبات، جلد اول، مکتوب: ۱۸۷، بحوالہ: فتاوٰی رضویہ جدید، جلد: ۲۱، ص: ۴۸۳)

ترجمہ: وصول کے طریقوں میں سے اقرب ترین رابطہ ہے کہ بہت سے ابدی دولت والے اس سے بہرہ ور ہوئے۔

اسی میں ہے:

ترجمہ: اے میرے مخدوم! سب سے بڑا اور اعلیٰ مقصد اللہ جل شانہ تک رسائی ہے۔ لیکن کوئی طالب ابتدائی مرحلہ میں دنیاوی مشاغل کی وجہ سے انتہائی کثافت اور کہتری میں ہوتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ

انتہائی پاک اور بلند ذات ہے۔ اس وجہ سے طالب و مطلوب کے درمیان فیض کے حصول و عطا کے لیے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے راستہ جاننے اور دیکھنے والا مرشد واسطہ بنے۔ ابتدائی اور درمیانی مرحلے میں پیر کے آئینہ کے بغیر مطلوب کو نہیں دیکھ سکتا۔

(مکتوبات، جلد اول، مکتوب: ۱۶۹، ص: ۱۸۷، بحوالہ: فتاوٰی رضویہ جدید، جلد: ۲۱، ص: ۵۸۳)

جلد دوم میں فرمایا:

ترجمہ: تمہارے رابطے کی نسبت صاحب رابطہ کے ساتھ ہموار ہو جائے اور فیوض کا واسطہ عکس ڈالے تو اس عظیم نعمت کا شکر بجالانا چاہیے (ایضاً)

جلد سوم میں لکھا ہے:

ترجمہ: یاد رکھو کہ جس وجہ سے رابطہ میں فتور آتا ہے وہی لذت سے مانع ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر استغفار کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس مانع اثر کو اٹھا دے۔ (ایضاً)

اور ذرا وہ بھی ملاحظہ ہو جائے جو انہوں نے مکتوبات کی جلد دوم مکتوب سیم میں فرمایا:

ترجمہ: خواجہ محمد اشرف سے نسبت رابطہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سجدے میں رفعت ہوتی ہے۔ جب شیخ کو نمازوں میں مسجود سمجھے اور دیکھے، اگر بالفرض وہ اس کی نفی کرے بھی تو منتفی نہ ہو، یہ محبت کا ایک مرحلہ ہے۔ طالب حضرات ہزاروں اس دولت کی تمنا کرتے ہیں مگر حاصل کسی ایک کو ہوتا ہے۔ شیخ کی تھوڑی سی محبت کے سبب کمالات شیخ اس طالب میں جذب ہو جاتے ہیں۔ رابطہ کی نفی لوگ کیوں کرتے ہیں حالانکہ شیخ و مقتدا مسجود الیہ ہوتا ہے نہ کہ مسجود لہ۔ یہ لوگ محراب و مساجد کی نفی کیوں نہیں کرتے (حالانکہ وہ بھی مسجود الیہ ہیں) یہ دولت خاص سعادتمندوں کو میسر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ تمام

> احوال میں صاحب رابطہ کو واسطہ جانتے ہیں اور تمام اوقات میں اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی طرح نہیں جو بے دولت ہوتے ہیں اور اپنے کو مستغنی سمجھتے ہیں اور شیخ سے اپنی توجہ کا قبلہ موڑ لیتے ہیں اور اپنا معاملہ خود خراب کر لیتے ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی، مکتوب: ۳۰، ص: ۴۲، بحوالہ: فتاوٰی رضویہ جدید، جلد: ۲۱، ص: ۵۸۴۔۵۸۵)

امام احمد رضا نے اپنے اس رسالے کے آخر میں مرزا مظہر جان جانان کے حوالے سے حضرت مجدد الف ثانی کی عظمت کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ کیجیے مرزا مظہر جان جاناں کا حضرت مجدد پر اعتماد:

> حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور ﷺ کے کامل نائب ہیں۔ انہوں نے کتاب وسنت کی پیروی میں اپنے طریقہ کے قواعد بنائے اور علمائے کرام، احادیث صحیحہ اور منتخب حنفی روایات پر مشتمل رسائل رفع سبابہ (شہادت کی انگلی کا کھڑا کرنا) کے مسئلہ کے اثبات میں لکھے۔

(کلمات طیبات مکاتیب مظہر جان جاناں، مکتوب: پانزدھم، ص: ۲۸، بحوالہ: فتاوٰی رضویہ جدید، جلد: ۲۱، ص: ۵۹۳)

امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کے فضائل میں بہت سارے رسائل تحریر کیے۔ آپ نے تین رسائل ایسے بھی تحریر کیے جن میں آپ نے احادیث نبویہ کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کا کبھی سایہ نہ دیکھا گیا۔ کہ آپ خود نور تھے اور نور سایہ پیدا تو کرتا ہے اس کا خود سایہ نہیں ہوتا۔ یہ تین رسائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **نفی الفی عمن استنار بنوره کل شیٔ** ۱۲۹۶ھ (اس ذات اقدس کے سائے کی نفی جس کے نور سے ہر مخلوق منور ہوئی)

۲۔ **قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام** ۱۲۹۶ھ (سرور عالم ﷺ سے سایہ کی نفی میں کامل چاند)

۳۔ **ھدی الحیران فی نفی الفیٔ عن سید الا کوان** ۱۲۹۹ھ (سرور کائنات ﷺ سے سایہ کی نفی کے بارے میں حیرت زدہ کے لیے راہنمائی)

امام احمد رضا محدث بریلوی اپنے رسالے "نفی الفئ عمن استنارہ بنورہ کل شئ" میں خطبہ رسالہ کے بعد رقمطراز ہیں:

> "بے شک اس مہر سپہر اصطفا ماہِ منیر اجتبیٰ ﷺ کے لیے سایہ نہ تھا"

فتاوی رضویہ جدید: ۳۰، ص: ۶۹۶

اس حتمی فیصلہ کے بعد احادیث واقوال علمائے کرام کے حوالوں سے اس کو ثابت کیا کہ یہ عقیدہ متواتر چلا آرہا ہے کہ حضور ﷺ کے جسم اطہر کا سایہ نہ تھا

چنانچہ جن کے حوالے دیئے ان بزرگوں کے نام ملاحظہ کریں۔ آپ لکھتے ہیں:

احادیث واقوال علمائے کرام سے ثابت اور اکابر ائمہ وفضلا مثل:

۱۔ علامہ ابن سبع صاحب شفاء الصدور
۲۔ امام علامہ قاضی عیاض صاحب کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ
۳۔ امام عارف باللہ سیدی جلال الملۃ والدین محمد بلخی رومی قدس سرہٗ
۴۔ علامہ حسین بن محمد دیار بکری واصحاب سیرت شامی وسیرت ملی
۵۔ امام جلال الملۃ والدین سیوطی
۶۔ امام شمس الدین ابوالفرج ابن جوزی، محدث، صاحب کتاب الوفا
۷۔ علامہ شہاب الحق والدین خفاجی صاحب نسیم الریاض
۸۔ امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب اللدنیہ ومنح محمدیہ
۹۔ فاضل اجل محمد زرقانی مالکی شارح مواہب
۱۰۔ شیخ محقق مولنا عبدالحق محدث دہلوی
۱۱۔ جناب شیخ مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی
۱۲۔ بحر العلوم مولنا عبدالحق لکھنوی
۱۳۔ شیخ الحدیث مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی وغیرہم

اجلہ فاضلین ومقتدایان کہ آج کل کے مدعیان خام کار کو ان کی شاگردی بلکہ کلام سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں۔ خلفاً عن سلفاً دائماً اپنی

تصانیف میں اس کی تصریح کرتے آئے اور مفتیِ عقل وقاضیِ نقل نے باہم اتفاق کر کے اس کی تاسیس وتشید کی۔

فقد اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یرٰی له ظل فی شمس ولاقمر.

ترجمہ: حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کی کہ سرورِ عالم ﷺ کا سایہ نظر نہ آتا تھا دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

(فتاوٰی رضویہ جدید، جلد:۳۰، ص:۶۹۶)

امام احمد رضا اس کے بعد بیس اَور دلائل دیتے ہوئے تواتر سے ثابت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی کے مکتوبات سے حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

جناب شیخ مجدد جلد سوم مکتوبات میں فرماتے ہیں:

اورا ﷺ سایہ نبود در عالم شہادت، سایہ ہر شخص از شخص لطیف تر است وچوں لطیف ترے از وے ﷺ در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد؟ (مکتوب صدم، جلد:۳، ص:۱۸۷)

ترجمہ: آن حضرت ﷺ کا سایہ نہ تھا، عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے بہت لطیف ہوتا ہے اور چوں کہ جہاں بھر میں آن حضرت ﷺ سے کوئی چیز لطیف نہیں ہے لہٰذا آپ ﷺ کا سایہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟

(فتاوٰی رضویہ جدید، جلد:۳۰، ص:۷۰۵)

نیز اسی کے آخر مکتوبات ۱۲۲ میں فرماتے ہیں:

واجب راتعالیٰ چرا ظل بود کہ ظل موھم تولید بہ مثل ومنبی از شائبہ عدم کمال لطافت اصل، ہر گاہ محمد ﷺ را از لطافت ظل نبود خدائے محمد را چگون ظل باشد؟ (مکتوبات ربانی، جلد:۳، ص:۲۳۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا سایہ کیوں کر ہو سایہ تو وہم پیدا کرتا ہے کہ اس کی کوئی مثل ہے اور یہ بھی وہم پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں کمال لطافت

> نہیں ہے۔ دیکھیے محمد رسول اللہ ﷺ کی لطافت کی وجہ سے سایہ نہ تھا تو خدائے محمد (ﷺ) کا سایہ کیوں کر ممکن ہے۔
>
> (فتاوی رضویہ جدید: ۳۰، ص: ۷۰۵)

امام احمد رضا نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات سے نقل دلائل کے بعد اسی موضوع پر مزید چار دلائل قرآن و حدیث اور ائمہ کے اقوال سے نقل کیے ہیں اور اس کے بعد رسالے کے اختتام پر قمطراز ہیں:

> ہم پر بلاغ مبین تھا اس سے بحمد اللہ فراغت پائی اور جواب بھی تیرے دل میں کوئی شک وشبہہ یا ہمارے کسی دعوے پر دلیل یا کسی اجمال کی تفصیل درکار ہو تو فقیر کا رسالہ مسمّٰی بہ ’’قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام‘‘ کا مطالعہ کرے۔

قارئین کرام! امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی اور امام ربانی مجدد الف ثانی کی تعلیمات میں ایک مکمل ہم آہنگی ہے۔ خاص کر عقائد میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی لیے ہمارے اسلاف ایک دوسرے کی قدر کرتے ہیں۔ ہم کو بھی قدر کرنی چاہیے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی عقیدت و محبت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دار العلوم منظر اسلام، بریلی کے صدر المدرسین ایک نقشبندی مجددی عالم مولانا محمد ظہور الحسن علیہ الرحمۃ تھے اور امام احمد رضا کے جگری دوست مولانا وصی احمد محدث سورتی نقشبندی مجددی...... اس لیے فتاوی رضویہ میں افکار مجددیہ کا ہونا ایک بدیہی امر ہے۔

☆......☆......☆

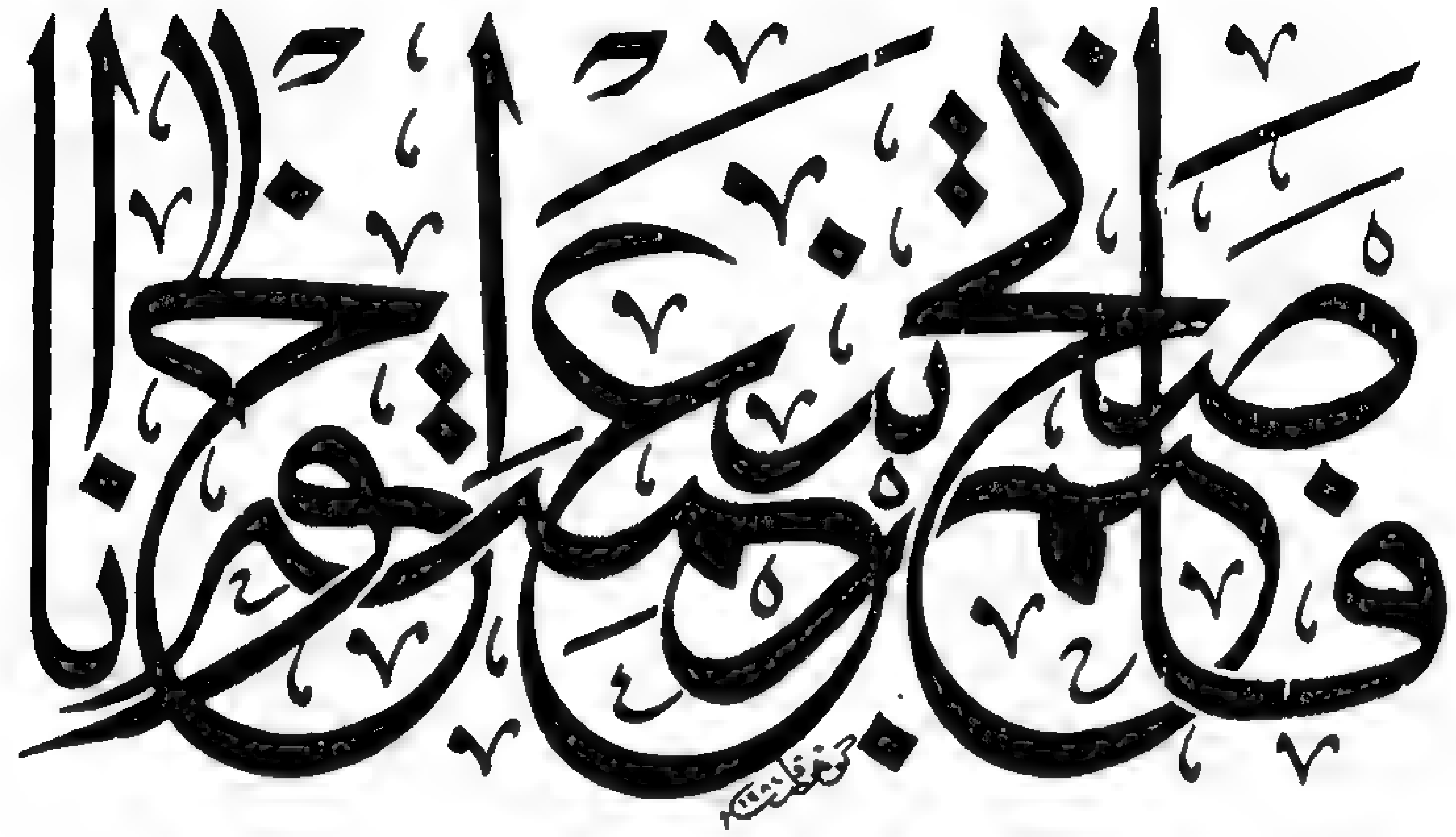

مشق "ج و ع" بخط ثلث (دانگی قلم کے لیے ابتدائی مشق)

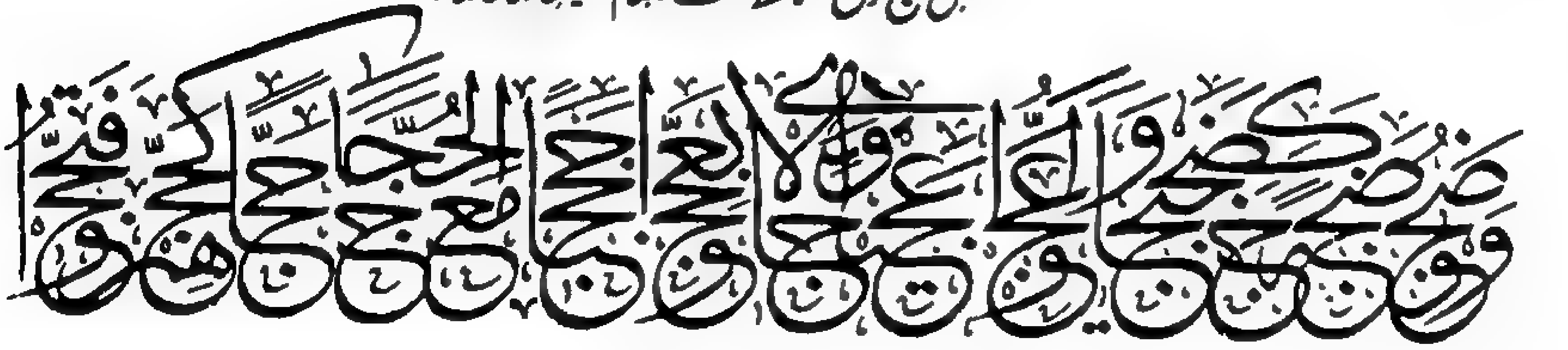

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اکبر

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد اول...... باب پنجم

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پروفیسر حافظ سید مقصود علی

(سابق پرنسپل، پاکستان گورنمنٹ کالج، خیرپور۔ سندھ)

☆

ان مقبولان بارگاہ الٰہی میں آفتاب ولایت، رہبر شریعت، پیر طریقت، مجدد ملت، اسلامی تعلیمات اور شعائر اسلام کے محافظ، فکری گمراہیوں کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں علم وعرفان کا روشن چراغ جس کی روشنی سے ظلمت شب ختم ہوئی اور رشد وہدایت کا وہ سورج طلوع ہوا جسکی کرنوں سے گمراہوں کو ہدایت اور قرب رب اور اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال دولت ملی، یہ مقدس پاکباز اور بابرکت ذات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی ہے جن کے بارے میں آپ کے مرشد کامل حضرت باقی باللہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ''شیخ احمد سرہندی ایسا چراغ ہیں جن سے ایک جہان روشن ہوگا''۔

خالق کائنات نے ان حضرات کے راستے کو اپنا راستہ بتایا ہے جس پر چل کر ایک گناہ گار بندہ بھی قرب الٰہی اور اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے مالا مال ہوجاتا ہے اللہ کے ان نیک اور برگزیدہ بندوں کا ذکر اچھائیوں اور نیکیوں کے فروغ کا سبب بنتا ہے اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ خوبیاں عام ہوں بھلائیوں کی بالادستی ہو لوگوں کو ذہنی سکون اور اطمینان قلب کی دولت میسر ہو، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے محبوبوں سے تعلق رکھیں ان کے ملفوظات، نظریات وخیالات اور آثار علیہ سے استفادہ کریں، اگر وہ حیات ہوں تو ان کی مقدس اور بابرکت صحبت سے فائدہ اٹھائیں۔

ہمیں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اور حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کے نظریات اور تعلیمات میں بے حد مماثلت نظر آتی ہے دونوں نے سلف صالحین کے عقائد وافکار کی ترویج کی، دونوں نے شریعت وطریقت میں فرق روا رکھنے والوں کا محاسبہ کیا، دونوں نے اہل بدعت اور باطل فرقوں کے خلاف قلمی اور علمی جہاد کیا، دونوں نے گستاخان رسول، صحابہ اور اہل بیت کے دشمنوں کا تعاقب کیا، دونوں نے اپنے اپنے مکاتیب کے ذریعے حق وصداقت کا بول بالا کیا اور عوام وخواص کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا غرضیکہ دونوں نے ایک عظیم انقلاب برپا کیا اور دونوں نے کثیر تصانیف کا بیش بہا اور گراں قدر سرمایہ چھوڑا، الغرض دونوں عالم اسلام کے آفتاب وماہتاب ہیں۔ (جہان امام ربانی، اقلیم یازدہم ۲۰۰۷ء، کراچی، ص: ۸۴۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

چودھویں صدی ہجری کے عرب نقشبندی مشائخ

عبدالحق انصاری

☆☆

فہرست:

☆......شیخ محمد بن محمد بن عبداللہ خانی رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۱۶ھ
☆......شیخ سید محمد علی بن ظاہر وتری رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۲۲ھ
☆......شیخ سید محمد بن محمد بن محمد عثمان میرغنی رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۲۳ھ
☆......شیخ عبدالجلیل بن عبدالسلام برادہ رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۲۶ھ
☆......شیخ سید محمد سلیم بن خلف وزان رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۲۸ھ
☆......شیخ محمد امین بن فتح اللہ کردی رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۳۲ھ
☆......شیخ حسین بن محمد الخطیب طیبانی رحمۃ اللہ علیہ، ۱۳۴۲ھ میں زندہ
☆......شیخ عبدالرحمٰن بن محمد سعید برہانی رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۵۱ھ
☆......شیخ عیسٰی بن حسن بیانوی رحمۃ اللہ علیہ، ۱۳۶۲ھ
☆......شیخ سید محمد ابوالنصر بن محمد سلیم خلف رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۶۸ھ
☆......شیخ سید ابراہیم بن محمد خیر غلاینی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۷۷ھ
☆......شیخ محمد ابوالخیر بن محمد میرانی رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۸۰ھ
☆......شیخ محمد سعید بن عبدالرحمٰن برہانی رحمۃ اللہ علیہ، وفات ۱۳۸۶ھ

شیخ محمد بن محمد بن عبداللہ خانی

(۱۲۴۷ھ - ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۳۱ء - ۱۸۹۸ء)

☆☆

ملک شام کے دارالحکومت و تاریخی شہر دمشق میں جو گھرانے نسل در نسل صوفیہ اسلام کے نقشبندی مجددی خالدی سلسلہ سے وابستہ اور رشد و ہدایت کے اعمال میں مشہور ہیں، ان میں ''خانی گھرانہ'' بطور خاص قابل ذکر ہے۔ شافعی علماء کے اس گھرانے کے جد امجد شیخ محمد بن عبداللہ بن مصطفیٰ خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء) ہیں جو شام کے دو اہم شہر حماہ و حلب کے درمیانی علاقہ میں واقع گاؤں خان شیخون سے ۱۲۳۴ھ کو ہجرت کر کے حماہ آئے جہاں مولانا ابوالبہاء ضیاء الدین خالد بن احمد کردی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت پائی۔ پھر انہی کی خواہش و حکم پر ۱۲۴۰ھ کو دمشق آ گئے تا آنکہ تقریباً چالیس برس بعد دمشق میں ہی وفات پائی اور مرشد گرامی مولانا خالد کردی کے پہلو ہی میں قبر بنی۔

شیخ محمد بن عبداللہ خانی کی نسل میں سے متعدد نے نقشبندی علماء و مشائخ کی حیثیت سے شہرت پائی، بلکہ ان خواتین نے بھی رشد و ہدایت کے شعبہ میں نمایاں خدمات انجام دیں، ایسے اہم نام یہ ہیں:

☆......شیخ محمد بن محمد بن عبداللہ خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء) عالم جلیل، مرشد، مدرس

☆......شیخ احمد بن محمد بن عبداللہ خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء) قاضی

☆......شیخ عبدالمجید بن محمد بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء) عالم، ادیب، شاعر، مرشد، صاحب تصانیف

☆......شیخ محمود بن محمد بن عبداللہ خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء) قاضی

☆......شیخ محی الدین بن محمد بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء)

☆......شیخ عبداللہ بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء)

☆......شیخ رضا بن عبدالمجید بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء) قاضی

☆......شیخ کامل بن محمود بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۶ء) قاضی

☆......شیخ محی الدین بن احمد بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء) صاحب کتاب

حسن البیان فی تفسیر مفردات من القرآن

☆......شیخ عبدالقادر بن عبدالمجید بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء) قاضی، صاحب کرامات

☆......شیخ مصطفیٰ بن احمد بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء) قاضی

☆......شیخ محمد عزیز بن محمد بن عبداللہ خانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء) قاضی

☆......شیخ سعید بن عبداللہ بن محمد خانی علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء) قاضی

☆......شیخ زین العابدین بن محمود بن محمد خانی علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء) قاضی

☆......شیخ عبدالرحمٰن بن رضا بن عبدالمجید خانی علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۹ء) امام وخطیب

☆......شیخ سیف الدین بن محمد بن محمد خانی علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء) امام وخطیب

☆......شیخ محمود بن کامل بن محمد خانی علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء) خطیب مرادیہ مسجد دمشق

☆......شیخہ صفیہ بنت عبدالمجید بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہا (وفات ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) مرشدہ، صاحبہ کرامات

☆......شیخہ خدیجہ بنت صفیہ بنت عبد المجید خانی رحمۃ اللہ علیہا (وفات ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء) مرشدہ، صاحبہ کرامات

خانی گھرانہ کے ان مشاہیر کے حالات پر مستقل کتاب "الاسرۃ الخانیۃ الدمشقیہ" شائع ہو چکی ہے نیز "تاریخ علمائے دمشق" کی تین جلدوں کے مختلف مقامات پر بھی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

نقشبندی سلسلہ کی تعلیمات وصوفیہ کے حالات پر اس کے اکابرین نے دو اہم ویادگار کتب تصانیف کیں۔ ان کے جد اعلیٰ شیخ محمد بن عبداللہ خانی نے "البهجة السنية فی آدب الطريقة النقشبندية" لکھی جو قاہرہ واستنبول وغیرہ سے چھپی اور پوتا شیخ عبدالمجید خانی نے "الحدائق الوردیه فی حقائق اجلاء النقشبندیه" تالیف کی جو دمشق وغیرہ سے شائع ہوئی۔

شیخ محمد بن محمد عبداللہ خانی علیہ الرحمۃ جن کے حالات یہاں پیش کرنا مقصود ہے وہ چودھویں صدی ہجری کے آغاز پر اس علمی وروحانی گھرانہ کے سرتاج اور دمشق کے اکابر علماء وصوفیہ میں سے تھے۔ جو ۱۲۴۷ھ کو وہیں پر پیدا ہوئے اور ۱۳۱۶ھ میں وفات پائی۔ شیخ علی جزوری نقشبندی سے قرآن مجید اور ابتدائی کتب پڑھیں۔ اپنے والد ماجد سے ۱۲۵۴ھ کو بیعت کی نیز مختلف علوم کی اہم کتب جن میں تصوف

کی احیاء علوم الدین، عوارف المعارف، العھود الکبری للشعرانی وغیرہ پڑھیں۔ محدث اعظم شاہ شیخ عبد الرحمٰن کزبری سے صحیح بخاری نیز دلائل الخیرات کے اجزاء پڑھے نیز شیخ اسماعیل برزنجی نقشبندی سے پڑھا۔ آپ کے سب سے اہم استاد شیخ محمد طنطاوی تھے جن سے لاتعداد کتب پڑھیں۔ والد گرامی کے ہمراہ ۱۲۶۲ھ کو پہلی بار حج وزیارت کے لیے گئے اور ۱۲۷۰ھ میں ان کی معیت میں دارالخلافہ استنبول تشریف لے گئے۔ اس دوران خلوت وریاضت، تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری رہا اور ۱۲۷۴ھ کو دوسری بار والد کے ہمراہ حج وزیارت ادا کیے۔ بعدازاں بھی لاتعداد بار حرمین شریفین کے سفر کیے اور ۱۳۱۰ھ کو آخری بار حج و زیارت کے مناسک ادا کیے۔

۱۲۷۵ھ کو والد ماجد نے نقشبندی مجددی خالدی سلسلہ میں خلافت عطا کی اور ۱۲۷۸ھ میں اپنے استاد گرامی شیخ محمد طنطاوی کے ساتھ قاہرہ کا سفر کیا جہاں اکابرین شیخ محمد خضری، شیخ محمد عثمان دمیاطی، شیخ مصطفیٰ مبلط، شیخ ابراہیم سقا وغیرہ سے اخذ کیا۔ وہاں سے واپس وطن آئے تو والد گرامی نے سجادہ نشین مقرر کر کے چند ماہ بعد ۱۲۷۹ھ میں وفات پائی۔

الجزائر کی تحریک آزادی کے رہنما ومجاہد کبیر ومرشد السالکین امیر شیخ سید عبدالقادر الجزائری جو طویل عرصہ دمشق میں مقیم رہے شیخ محمد بن محمد خانی نے ان سے صحیح بخاری نیز تصوف وغیرہ کے علوم کی کتب پڑھیں اور ان کے مقربین میں سے ہوے۔ انھوں نے اس ہونہار ومخلص شاگرد کی سرپرستی عمر بھر جاری رکھی اور معقول ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جو عمر بھر عطا کرتے رہے حتیٰ کہ ۱۳۰۰ھ میں وفات پائی تو اپنی اولاد کو وصیت فرما گئے کہ میرے ترکہ سے دس ہزار قرش شیخ محمد خانی کو پیش کیے جائیں۔ ورثاء نے اس پر عمل کیا لیکن آپ نے قبول نہیں کیے۔

آپ نے گزر بسر کے لیے والد گرامی کی طرح زراعت کا پیشہ اپنایا اور جامع مسجد مرادیہ میں ہر منگل وجمعہ کو مریدین وتلامذہ کو صحیحین وسنن اور فصوص الحکم وغیرہ کتب کا درس دیا کرتے جن میں شام بھر سے شائقین حاضر ہوا کرتے نیز اپنے گھر اور دیگر مقامات پر بھی درس دیا کرتے۔ ایک سے زائد شادیاں کیں اور ۱۲۸۰ھ کو والد گرامی کے مرشد مولانا ضیاء الدین خالد کردی کی بیٹی سے شادی ہوئی جن کے ہمراہ حج وزیارات اور پھر دارالخلافہ استنبول کا سفر کیا، ان سے ایک بیٹی تولد ہوئی۔

شیخ محمد خانی کے معمولات میں سے تھا کہ ماہ رمضان مبارک اور ذی الحجہ کے ابتدائی عشرہ میں خلوت

اختیار کرتے۔ آپ شہر کے اہم شافعی عالم، مرشد کامل، مدرس، بردبار، خوش اخلاق، فراست کے وصف سے آراستہ اور عام وخاص کی محبوب شخصیت تھے۔ آخر عمر میں ایک فرزند شیخ بشیر خانی نے بیس برس کی عمر میں وفات پائی تو کمال صبر کا مظاہرہ کیا۔

حلیۃ البشر کے مصنف جو خود بھی عالم دین و دمشق کے باشندے اور شیخ محمد خانی کے معاصر تھے، انھوں نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

> "الشيخ محمد بن محمد بن عبد الله الخانى الشافعى
> النقشبندى الخالدى، شمس معارف العوارف،
> المشرقة فى افق سماء العواطف والكوكب الذى به
> يستنار ويهتدى والمرشد الذى به الوصول الى
> المأمول يقتدى"

آپ کی آنکھوں میں موتیا اتر آیا جس کے باعث بینائی جاتی رہی تو علاج کی غرض سے بیروت تشریف لے گئے جہاں دو ماہ قیام کیا اور صحت مند ہو کر واپس آئے جس کے تقریباً پانچ ماہ بعد ۱۳۱۶ھ میں وفات پائی۔ دمشق کی تاریخی ومرکزی مسجد اموی میں نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں جم غفیر نے شرکت کی اور قبرستان سفح قاسیون میں واقع مولانا خالد کردی نقشبندی کے مزار سے ملحق قبر بنی۔

شیخ محمد خانی کے شاگردوں میں اکابر علماء کے نام ملتے ہیں ان میں دمشق کے منحرف عالم وداعی صاحب تصانیف کثیرہ شیخ جمال الدین بن محمد سعید حلاق قاسمی شامل ہیں۔ اور سفر حجاز کے دوران مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ شیخ سید حسین بن محمد حبشی، سنگاپور میں مقیم حضرموت کے شہر تریم کے عالم وعارف کامل شیخ سید محمد بن سالم سری شافعی وغیرہ نے اخذ کیا۔ دارالکتب مصریہ قاہرہ میں آپ کی جاری کردہ دو صفحات پر مشتمل سند اجازت حدیث کا قلمی نسخہ زیر نمبر ۶۹۰ مجامیع محفوظ ہے۔ جو شیخ عبد المجید بن عمر بکداش نقشبندی کے نام ہے۔

ان کے فرزند صاحب الحدائق الوردیہ شیخ عبد المجید بن محمد خانی، عالم جلیل ومرشد کامل اور ادیب وشاعر تھے۔ ان کا تعارف "جہان امام ربانی" کی پانچویں جلد میں اردو قارئین کی نذر کیا گیا۔ آپ کے ایک پوتا کا

نام شیخ عبدالنبی بن محی الدین بن محمد خانی تھا۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

ماخذ:

☆......تاریخ علماء دمشق، جلد۱، ص۱۵۲ تا ۱۵۵

☆......الحدائق الوردیۃ، ص۲۷۶ تا ۲۹۰

☆......حلیۃ البشر، جلد۳، ص۱۲۱۵ تا ۱۲۱۸

☆......الدلیل المشیر، ص۹۳، ۲۵۲، ۳۴۳

☆......الطریقۃ النقشبندیہ، ص۱۵۰، ۱۵۲ تا ۱۵۳

☆......فہرست المخطوطات، دارالکتب المصریہ، مصطلح، جلد اول، ص۱۳۲

شیخ سید محمد بن ظاہر وتری

(۱۲۶۱ھ۔ ۱۳۲۲ھ/ ۱۸۴۵ء۔ ۱۹۰۴ء)

☆☆

وتری خاندان عراقی دارالحکومت بغداد اور مدینہ منورہ میں آباد ہے۔ بغداد میں صاحب الرسالۃ الوتریہ فی النحو شیخ سید یحیٰ بن قاسم بن جلیل وتری (وفات ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء) قاضی و مدرس تھے اور ان کے بیٹے سید محمود بن یحیٰ وتری (وفات ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء) جو شہر کی اہم مسجد کے امام، خطیب و مدرس تھے اس خاندان کے حالات و خدمات پر ڈاکٹر منیر بن محمود وتری کی کتاب ''آثار آل الوتری العلمیہ'' اسی صفحات پر شائع ہو چکی ہے۔ شیخ محمد علی بن ظاہر وتری اور شیخ یحیٰ بن قاسم وتری آپس میں چچازاد بھائی تھے نیز باہم استاد و شاگرد تھے۔ ایک مدینہ منورہ میں محدث کبیر اور دوسرے بغداد کے اہم عالم تھے۔

شیخ محمد علی بن ظاہر وتری مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے وہیں وفات پائی۔ عرب تذکرہ نویس آپ کا نام ''علی بن ظاہر وتری'' اور ''محمد علی بن ظاہر وتری'' جبکہ اردو تذکرہ نگار ''محمد بن ظاہر وتری'' بیان کرتے ہیں۔ ادھر آپ نے خود حسب ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

> ''محمد علی بن السید ظاہر الوتری الحنفی النقشبندی المدنی خادم العلم والحدیث بالمسجد الشریف النبوی''

مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے اکابر علماء کرام سے تعلیم اور سترہ برس کی عمر میں سند فراغت پائی۔ علم حدیث وتصوف وغیرہ علوم میں بکثرت علماء ومشائخ سے اخذ کیا لیکن مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی کے خاص شاگرد اور نقشبندی سلسلہ میں خلیفہ اعظم تھے۔ علاوہ ازیں شیخ محمد صروخ سے صوفیہ کے سلسلہ ناصریہ شیخ محمد فنجیر وقاسی سے شاذلیہ، شیخ عبدالسلام علی بقالی سے بقالیہ، شیخ سید ہاشم حبشی مدنی سے باعلویہ، شیخ احمد منۃ اللہ ازہری مالکی سے خلوتیہ اور شیخ عبداللہ بن احمد قاسی سے مختاریہ سلاسل میں فیض پایا۔

شیخ محمد علی وتری اکابر علماء ومشائخ سے ملاقات اور حصول اسناد کے شائق تھے اس غرض سے دور دراز ممالک کے سفر کر کے وھاں کے اہل اللہ کے مزارات کی زیارت اور اکابرین سے استفادہ اٹھایا۔ چنانچہ ۱۲۸۵ھ کو مدینہ منورہ سے مصر نیز عثمانی دارالخلافہ استنبول کا سفر کیا، پھر ۱۲۸۷ھ میں تیونس، الجزائر، مراکش اور ۱۲۹۷ھ کو دوبارہ مراکش نیز ۱۳۱۳ھ کو بخارا اور سمرقند گئے جہاں امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ آپ نے عرب وعجم کے چالیس سے زائد اکابرین سے اخذ کیا پھر مدینہ منورہ میں اپنے دور کے رئیس المحدثین فقیہ حنفی اہم مسند صوفی کامل اور پیر طریقت ہوئے۔ مسجد نبوی میں روضہ اقدس کے پہلو میں عمر بھر کتب احادیث کا درس دیتے رہے۔

ان کی وفات پر متعدد شعراء نے مناقب منظوم کیے۔ مدینہ منورہ کے عالم جلیل، ادیب وشاعر نیز مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی کتاب ''حسام الحرمین'' کے مقرظ شیخ محمد بن احمد عمری واسطی الجزائری المالکی نے شیخ محمد علی وتری کی رحلت کے موقع پر تاریخی شعری قطعہ موزوں کیا جو کتبہ کی صورت میں جنت البقیع میں ان کی قبر پر نصب کیا گیا۔

محرم ۱۳۲۴ھ کو فاضل بریلوی کے مراکشی نژاد خلیفہ محدث کبیر شیخ سید محمد عبدالحی بن عبدالکبیر کتانی مالکی مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو شیخ وتری کی قبر پر نصب کتبہ سے یہ قطعہ نقل کر لیا اور پھر اسے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''فہرس الفہارس'' میں درج کیا جو یہ ہے:

امام الحدیث و نقّاده
سری نعشُهُ والاسی باهرُ
خلیفه عبد الغنی الرضی
یزینه حسبٌ طاهرُ

وفی جنة الخلد شاع اسمہ
فأرّخ علی اسمہ ظاہرٌ

۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

جیسے آپ کے مشائخ کی تعداد زیادہ ہے یونہی تلامذہ وسند روایت حدیث حاصل کرنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ مدینہ منورہ کے مقامی باشندے وہاں اسلامی دنیا سے حاضر ہونے والے محبان علم نیز جہاں بھی تشریف لے گئے وہاں کے اہل علم نے ہر ممکن آپ سے استفادہ کیا۔

شیخ الاسلام سید محمد بن جعفر کتانی مالکی جو مراکش کے محدث اعظم و صاحب تصانیف کثیرہ اور "الرسالة المستطرفة" جیسی مشہور کتاب کے مصنف تھے انھوں نے مدینہ منورہ میں شیخ محمد علی وتری سے خود نیز اپنے بھائیوں وفرزندان کے لیے سند اجازت روایت حدیث وغیرہ علوم حاصل کی جو شیخ وتری نے قلم بند کی اور اس کا عکس "الرحلة السامیه" میں دیا گیا ہے۔ قبل ازیں ۱۲۹۷ھ کو مراکش گئے تو انہی شیخ کتانی نے ان کے استقبال میں اکیس اشعار کا قصیدہ موزوں کیا جس کے چند اشعار "الرحلة السامیه" کے مقدمہ میں درج ہیں۔

تصانیف:

☆……**رسالة فی تحقیق الکلام الرحمن الرحیم**، مطبوعہ مصر ۱۳۱۳ھ

☆……**رسالة فی همزة الوصل والقطع**، دونوں یکجا طبع ہوئیں

☆……**رسالة فی الکلام علی قول الغزالی**، لیس فی الامکان ابدع مما کان، مطبوع

☆……**اجازة**، آخر عمر میں طلباء کو اجازت مرحمت کرنے کے لیے یہ سند طبع کرائی

☆……**التحفة المدنیة فی المسلسلات الوتریة**، مسند العصر مولانا محمد عابد سندھی مہاجر مدنی کی علم روایت واسناد پر شہرہ آفاق کتاب "حصر الشارد" سے پچاس احادیث مسلسل کا انتخاب، مخطوطہ مخزونہ مکتبہ حرم مکی زیر نمبر ۴۲۷۱/ حدیث

☆……**ما ابرزته الاقدار فی نصرة ذوی المناقب الابرار فی مدح الصالحین و ذم الوهابیین**، مخطوطہ مخزونہ مکتبہ عامہ رباط مراکش

☆......الاوائل، چالیس کتب کی اولیں احادیث کا مجموعہ، مزید تصنیفات بھی ہیں۔

خطہ ہند کے علمی حلقوں سے شیخ محمد علی وتری کا گہرا تعلق رہا۔ جیسا کہ اوپر آچکا ہے کہ مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد و خلیفہ تھے نیز مولانا سید حبیب الرحمٰن بن امداد علی کاظمی ردولوی مہاجر مدنی کے شاگرد تھے اور خود شیخ وتری کے تلامذہ میں مولانا خیر الدین دہلوی، مولانا عنایت اللہ سندھی مٹاروی، مولانا محمد عبدالباقی لکھنوی مہاجر مدنی، مولانا عبدالستار بن عبدالوہاب دہلوی مکی اہم نام ہیں۔ آخر الذکر کے نام ان کی جاری کردہ سند اجازت کا اصل قلمی نسخہ مکتبہ حرم مکی میں زیر نمبر ۱۴/۸۰۰ اجازات محفوظ ہے۔

علمائے لاہور کے سرتاج غلام دستگیر قصوری نقشبندی نے علماء دیو بند کے افکار و عقائد کی تردید میں ایک ضخیم کتاب ''تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' لکھی اور اس کا عربی ترجمہ تیار کر کے ۱۳۰۷ھ کو حرمین شریفین حاضر ہوئے اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے اکابر علماء کرام سے اس پر تقاریظ حاصل کیں۔ شیخ محمد علی وتری نے بھی اس پر تقریظ لکھی جو اردو ایڈیشن میں طبع ہوئی۔

علامہ ابوالکلام آزاد کے اردو تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کے والد مولانا خیر الدین دہلوی (۱۲۴۷ھ۔ ۱۳۲۶ھ/۱۸۳۱ء۔ ۱۹۰۸ء) نے مدینہ منورہ میں شیخ محمد بن ظاہر وتری کی شاگردی اختیار کی۔ پھر مولانا خیر الدین کی شادی شیخ وتری کی بھانجی سے ہوئی جن سے بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام غلام محی الدین رکھا۔ جس نے آئندہ زندگی میں ابوالکلام آزاد کے نام سے شہرت پائی۔ معلوم رہے مولانا خیر الدین دہلوی اپنے استاد واہلیہ کے ماموں شیخ محمد بن ظاہر وتری سے عمر میں چودہ برس بڑے تھے اور آزاد کے تذکرہ نگاروں کا وتری خاندان کو مراکشی الاصل قرار دینا درست نہیں۔

ماخذ:

☆......اتحاف الاخوان، ص۲۳ تا ۲۴

☆......آثار آلِ الوتری العلمیہ، ص۷ تا ۸، ۴۹ تا ۵۱

☆......الاعلام، جلد ۶، ص ۳۰۱، جلد ۸، ص ۱۰۰، ۱۶۳

☆......الاعلام الشرقیۃ، جلد ۲، ص ۹۱۹

☆......الدلیل المشیر، ص ۱۲۴، ۴۲۳ تا ۴۲۵

☆......الرحمۃ السامیۃ، ص ۶۴ تا ۶۵، ۱۹۳ تا ۲۰۶

- ☆......تقدیس الوکیل
- ☆......فہرس الفہارس، جلد اول، ص ۱۰۶ تا ۱۱۰، جلد ۳، ص ۱۲۵
- ☆......الفہرس المختصر، جلد ۱، ص ۱۵۵، ۳۱۹
- ☆......معجم الشیوخ، ص ۲۲۶ تا ۲۳۰
- ☆......معجم المؤلفین، جلد ۳، ص ۵۱۸
- ☆......معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم، ص ۵۰۶
- ☆......نعت، شمارہ فروری ۲۰۰۵ء، ص ۷، ۱۰ تا ۱۱

شیخ سید محمد بن محمد بن محمد عثمان سر الختم میر غنی

(۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں زندہ)

☆☆

میر غنی خاندان مکہ مکرمہ کے حنفی علماء اور صوفیہ کرام کا گھرانہ تھا جس کی علمی و روحانی خدمات گزشتہ تین صدیوں پر محیط ہیں اور اب ان کا مرکز ملک سوڈان ہے جہاں اس کے افراد سیاست و امور حکومت انجام دینے میں بھی فعال و نمایاں ہیں۔ صوفیہ کا سلسلہ میرغنیۃ اور ختمیہ اس گھرانہ کے اکابرین سے منسوب ہیں۔ چند مشاہیر علماء و مشائخ کے نام یہ ہیں:

- ☆......شیخ سید امین بن حسن میر غنی (وفات ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء مکہ مکرمہ) فقہ حنفی کی کتب در مختار نیز زیلعی کی شرح کنز الدقائق کے محشی
- ☆......شیخ سید عبد اللہ بن ابراہیم بن حسن میر غنی المعروف بہ محجوب (وفات ۱۲۰۷ھ/۱۷۹۲ء طائف) نعت گو شاعر، درود شریف وغیرہ موضوعات پر متعدد کتب کے مصنف، صوفیہ کا سلسلہ میرغنیۃ ان سے منسوب ہے، فخر ہند مولانا سید حافظ محمد مرتضیٰ بلگرامی زبیدی سے ملاقات ہوئی۔
- ☆......شیخ سید محمد یٰسین بن عبد اللہ محجوب (وفات ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء مکہ مکرمہ) منسک ملتقی الابحر کے شارح، مدرس مسجد حرام
- ☆......شیخ سید محمد عثمان بن ابی بکر بن عبد اللہ محجوب المعروف بہ سر الختم (وفات ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء طائف

مدفون مکہ مکرمہ) میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ پر متعدد تصانیف، مفسر، صاحب تاج التفاسیر، مصرو سوڈان میں تبلیغی خدمات، سلسلہ مرغنیۃ ختمیہ ان سے منسوب ہے۔

☆...... شیخ سید محمد بن محمد عثمان الختم (وفات ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء مکہ مکرمہ) مشہور محدث، مدرس مسجد حرم

☆...... شیخ سید عبداللہ بن محمد بن عبداللہ مجوب (وفات ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء مکہ مکرمہ) خلافت عثمانیہ کی طرف سے مفتی اعظم احناف مکہ مکرمہ

☆...... شیخ سید جعفر بن محمد عثمان الختم (وفات ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء مکہ مکرمہ) مدرس مسجد حرم، مرشد، نعت گو شاعر۔

☆...... شیخ سید احمد بن عبداللہ بن محمد عبداللہ مجوب (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں زندہ) مفتی اعظم احناف مکہ مکرمہ تعینات تھے۔

☆...... شیخ سید ابراہیم بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ مجوب میرغنی (وفات ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء مکہ مکرمہ) فقیہ حنفی

میرغنی اکابرین کے اس مختصر ذکر کے بعد شیخ سید محمد بن محمد عثمان سرالختم میرغنی کا تعارف پیش ہے جنہوں نے نقشبندی مجددی سلسلہ سے بھی تعلق استوار کیا۔

آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور والد گرامی کے علاوہ چچا شیخ سید جعفر میرغنی اور دادا صاحب تاج التفاسیر شیخ سید محمد عثمان سے تعلیم وتربیت پائی۔ علاوہ ازیں مکہ مکرمہ کے اکابر علماء کرام مفتی شافعیہ شیخ سید احمد بن زینی دحلان جیلانی، شیخ العلماء مکہ شیخ جمال بن عبداللہ، شیخ عبداللہ کوجک بخاری نیز مدینہ منورہ، مصر، یمن کے اکابر علماء ومشائخ سے استفادہ اٹھایا۔

مولانا غلام علی عبداللہ بٹالوی ثم دہلوی کے خلیفہ مولانا قاسم (وفات ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء) ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ جا بسے جہاں بکثرت علماء نے ان سے سند اجازت حاصل کی۔ شیخ محمد میرغنی مذکور نے نقشبندی مجددی سلسلہ کے علاوہ قادریہ چشتیہ کبرویہ سہروردیہ میں خلافت پائی۔

شیخ سید محمد بن محمد عثمان سرالختم میرغنی، فقیہ حنفی، عارف کامل، مرشد، ادیب وشاعر تھے۔ فہرس الفہارس کے مصنف شیخ سید محمد عبدالحی کتانی کی آپ سے ملاقات ۱۹۰۵ء کو مصر کے شہر اسکندریہ میں ہوئی اور شیخ کتانی نے آپ سے سند روایت واجازت حاصل کی۔ شیخ محمد میرغنی نے صوفیہ سے متعلق اپنی

اسانید کو کتابی صورت میں جمع کیا جس کا قلمی نسخہ ذخیرہ کتانی مراکش میں موجود تھا۔

مآخذ:

☆......فہرس الفہارس، جلد۲، ص۵۵۶ تا ۵۵۷

☆......نزھۃ الفکر، جلد۲، ص۳۲۸ تا ۳۲۹ دیگر

شیخ عبدالجلیل بن عبدالسلام برّادہ

(۱۲۴۳ھ۔ ۱۳۲۶ھ/ ۱۸۲۷ء۔ ۱۹۰۸ء)

☆☆

آپ کے جداعلیٰ ملک مراکش کے تاریخی شہر فاس سے ہجرت کر کے ۱۱۴۱ھ اور بقول دیگر ۱۱۴۵ھ کو مدینہ منورہ آبسے۔ شیخ عبدالجلیل برادہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آتے ہوئے الفریش نامی مقام پر وفات پائی جہاں سے مدینہ منورہ تقریباً پچاس کلومیٹر ہے۔ چنانچہ وہاں منتقل کیے گئے اور مسجد نبوی میں نماز جنازہ کے بعد قبرستان بقیع میں دفن کیے گئے۔

مسجد نبوی میں قایم علماء کے حلقات دروس نیز شہر مقدس میں موجود دیگر علماء سے تعلیم و تربیت پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور مروجہ علوم کی تکمیل کی۔ ان کے متعدد اساتذہ میں مولانا محمد عابد سندھی اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی شامل ہیں۔ جبکہ مولانا عبدالغنی مجددی، مولانا شاہ محمد مظہر بن احمد سعید مجددی دہلوی، مولانا محمد جان سلیمانی اور شیخ سید عمر جعفری حضرمی وغیرہ سے نقشبندی سلسلہ میں خلافت پائی۔

۱۲۸۵ھ کو مدینہ منورہ سے قاہرہ پہنچے جہاں اکابر علماء کرام سے اخذ کیا، پھر وہیں سے دارالخلافہ استنبول کی راہ لی جہاں سات ماہ مقیم رہے اور شیخ الاسلام حسن فہمی، مفتی اعظم بغداد شیخ امین سویدی اور مفتی اعظم شام شیخ محمد امین جُندی عباسی وغیرہ سے ملاقات و استفادہ کیا اور سال بھر کے دورہ کے بعد واپس مدینہ منورہ پہنچے۔

شیخ عبدالجلیل برادہ، حنفی عالم جلیل، ادیب و شاعر، ادیب حجاز اور ابوالعلاء معری ثانی کے القاب سے مشہور، حدیث توحید فقہ اصول بلاغت فلک فرائض وغیرہ علوم کے ماہر اور جمیع اسلامی و ادبی علوم کے چلتے پھرتے انسائیکلو پیڈیا تھے۔ عربی کے علاوہ ترکی فارسی حبشی اور اردو زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

بیس برس کی عمر میں مسجد نبوی میں روضہ مبارک کے قریب باقاعدہ تدریس کی اجازت مل گئی جہاں آپ کے حلقہ درس میں طلباء کا ہجوم رہتا۔ نیز گھر پر بھی درس دیا کرتے اور ۱۳۲۳ھ سے ۱۳۲۶ھ تک مکہ مکرمہ رہے تو وہاں بھی تدریسی عمل جاری رکھا۔ علاوہ ازیں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدیر اور مدینہ منورہ کے متعدد اہم اداروں سے بھی منسلک رہے۔

قبرستان بقیع سے قریب آپ کا باغ تھا جہاں بعض علماء مدینہ منورہ کے تعاون سے ہر منگل کو علمی محفل منعقد کرتے جس میں مقامی نیز عالم اسلام سے وارد ہونے والے علماء ومشائخ ادباء وشعراء شریک ہوا کرتے۔

۱۳۱۳ھ کو خلافت عثمانیہ نے یونان پر فتح حاصل کی تو آپ دار الخلافہ استانبول میں موجود تھے۔ اس مناسبت سے عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید کی مدح میں قصیدہ موزوں کیا، اعلام من ارض النبوۃ نیز حلیۃ البشر میں یہ قصیدہ نیز آپ کی شاعری کے مزید نمونے درج ہیں۔

جشن میلاد النبی ومعجزہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شیخ عبدالحسن بن محمد صحاف بحرینی مہاجر مکی (وفات ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء) کی کتاب "الفیوضات الالهیه والفتوحات المکیة فی قصة مولد و معراج خیر البریة علیه افضل الصلوة وازکی التحیة" جو ۱۳۲۲ھ کو مکہ مکرمہ میں چھپی، اس پر شیخ عبدالجلیل برادہ نے نثر پر مشتمل تقریظ لکھی، اس کا متن "علماء وادباء البحرین" میں شیخ صحاف کے حالات کے ضمن میں بھی دیا گیا ہے۔

حلیۃ البشر کے مصنف آپ کے معاصر ودمشق کے اہم عالم تھے جن سے ان کی ملاقات ۱۳۰۰ھ کے کچھ بعد دمشق نیز استنبول میں ہوئی، جنہوں نے آپ کا تعارف ان الفاظ میں شروع کیا:

"السید عبد الجلیل بن المرحوم الشیخ عبد السلام المدنی المشهور ببرّادة عالم فاضل وهمام امام کامل قد اشتهر فی الناس اشتهار البدر واستشرقت الیه النفوس استشرافها لیلة القدر واتفق علی کمال فضله الخاص والعام..."

عرب وعجم کے جلیل القدر علماء ان کے تلامذہ میں سے ہوئے، جن میں شیخ محمد بن احمد عمری واسطی الجزائری مدنی، محدث حرمین شریفین شیخ عمر بن حمدان محرسی تیونسی مدنی، شیخ الدلائل مدینہ منورہ شیخ سید عبد بن محمد امین رضوان، مفتی شافعیہ مدینہ منورہ شیخ سید زکی بن احمد بن اسمٰعیل برزنجی، محدث مدینہ شیخ محمد علی بن

ظاہروتری، علماء مکہ میں سے "تاریخ عمارۃ المسجد الحرام" وغیرہ اہم کتب کے مصنف شیخ حسین بن عبداللہ باسلامہ، "افادۃ الانام بذکر اخبار البلدالحرام" وغیرہ کے مصنف شیخ عبداللہ بن محمد غازی ہندی شامل ہیں۔ نیز فہرس الفہارس کے مصنف مراکش کے شیخ سید محمد عبدالحی کتانی نے ۱۳۲۳ھ کو مکہ مکرمہ میں سند اجازت حاصل کی اور مولانا عبدالستار بن عبدالوہاب دہلوی مکی کے نام ۱۳۰۲ھ کو آپ کی جاری کردہ سند اجازت کا قلمی نسخہ مکتبہ حرم مکی میں زیر نمبر ۴۲۶۴/۱۲ اجازات، محفوظ ہے۔

شیخ عبدالجلیل برادہ کا ضخیم شعری مجموعہ مدینہ منورہ کے شیخ مصطفیٰ ابوعشریہ کے ذخیرہ میں موجود تھا، آپ کے پانچ فرزندان تھے جن میں سے تین سعدالدین، محمد سامی، حسین برادہ بھی اعلیٰ شعراء میں سے تھے۔

اپنے استاد و مرشد گرامی مولانا عبدالغنی مجددی کے بڑے بھائی عارف کامل مولانا شاہ احمد سعید مجددی مہاجر مدنی نے وفات پائی تو حسب ذیل تاریخی قطعہ موزوں کیا:

قضیٰ قطب الاقطاب الشهير باحمد
سعيد امام العلم والحلم الهدیٰ
منار الطريق النقشبندية التی
لهاجده فی الالف اضحی مجددا
ومذحل فی ذا العبترنا ديت ارخو
سعيداً شهيداً فی جنان مخلدا

۱۲۷۷ھ

شیخ الاسلام شیخ سید محمد بن جعفر کتانی نے ۱۳۲۱ھ کو مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالجلیل برادہ سے سند اجازت حاصل کی جس کے قلمی نسخہ کا عکس "الرملة السامية" میں دیا گیا ہے، اس میں اپنے استاد مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

"شيخنا محدث دارا لهجرة فی عصره ووحيد زمانه ومفرد دهره العالم العامل والورع الزاهد الكامل الشيخ عبد الغنی بن شيخ ابی سعيد النقشبندی"

مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کے سلاسل روایت واسانید پر ان کے ہندی شاگرد مولانا محسن بن یحییٰ ترہٹی

نے عربی کتاب "البانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی" لکھی جو دہلی وغیرہ سے شائع ہوئی اور ان دنوں شرح معانی الآثار للطحاوی کے ساتھ کراچی سے مطبوع و دست یاب ہے، اس کتاب کے بارے میں آپ نے یہ اشعار موزوں کیے۔

ایا طالباً علم الحدیث مسلسلاً
وبالسند العالی المعنعن قد عنی
علیک اذا مارمت تظفر بالمنی
وتجنی ثمار العلم بالیانع الجنی

معجم الشیوخ کے مراکشی مصنف کو شیخ عبد الجلیل برادہ نے ۱۳۲۰ھ کو جو سند اجازت عطا کی وہ منظوم و ۱۳۸ اشعار پر مشتمل معجم الشیوخ میں منقول ہے، اس میں اپنے دو اہم ہندی مشائخ کا ذکر ان اشعار کی صورت میں کیا:

وکل ماحواه حصر الشارد
ثبت لشیخنا محمد عابد
والیانع الجنی فیه تذکر
تراجم الاعلام نعم الاثر
لشیخنا عبد الغنی المجددی
محدث العصر الفرد الاوحد

مآخذ:

۱......اعلام العلم والادب فی مدینۃ سید العجم والعرب، ص۲۱۴تا۲۳۱
۲......اعلام من ارض النبوۃ، جلد۱، ص۱۲۱تا۱۳۸
۳......الاعلام، جلد۳، ص۲۷۵
۴......الحدائق الوردیۃ، ص۲۱۹
۵......حلیۃ البشر، جلد۱، ص۳۰۱، ۳۵۳، جلد۲، ص۷۷۹تا۷۸۵

۶......الرحلۃ السامیۃ، ص ۱۶۷ تا ۱۷۰

۷......علماء وادباء البحرین، ص ۳۹۲

۸......فہرس الفہارس، جلد ۲، ص ۱۱۲۶، جلد ۳، ص ۹۸

۹......الفہرس المختصر، جلد ۱، ص ۳۱۱

۱۰......معجم الشیوخ، ص ۱۸۵ تا ۱۸۷

۱۱......نفائس السانحات، ص ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۲۹

شیخ سید محمد سلیم بن خلف وزّان

(۱۲۳۲ھ۔ ۱۳۲۸ھ/۱۸۱۶ء۔ ۱۹۱۰ء)

☆☆

ملک شام کے تاریخی شہر حمص میں پیدا ہوئے وہیں پر وفات پائی۔ اپنے والد گرامی کے علاوہ حمص کے اہم علماء ومشائخ شیخ جمال الدین جمالی وغیرہ سے تعلیم پائی اور والد ماجد کی تحریک وخواہش پر مولانا خالد کردی کے خلیفہ شیخ احمد بن محمد طوزقلی سے نقشبندی مجددی خالدی سلسلہ میں بیعت کر کے تربیت پائی اور ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء کو مرشد گرامی نے خلافت عطا کی جبکہ عمر محض اٹھارہ برس تھی۔

شیخ احمد طوظقلی نے وفات پائی تو آپ سجادہ نشین ہوئے اور پھر اگلے پچاس برس تک مریدین کی تربیت، دعوت وارشاد کے علاوہ شہر کی جامع مسجد نوری کبیر کے امام ومدرس رہے نیز ایک اہم سماجی بھلائی کے ادارہ کے سرپرست رہے۔

حمص میں صوفیہ کے اس سلسلہ کا تعارف آپ کے مرشد کی وجہ سے ہوا تھا پھر آپ کی سعی سے شہر وقرب وجوار میں اسے بھرپور فروغ ملا اور بکثرت لوگوں نے راہ ہدایت پائی۔ آپ شافعی عالم، مرشد کامل، صاحب کرامات ومستجاب الدعوات تھے۔ ۱۳۱۵ھ کا واقعہ ہے کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے علاقہ میں قحط کی کیفیت ہوگئی۔ اس پر دعا کے لیے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، خلق خدا کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے دعا کی اور عرض کیا اے اللہ مجھ بوڑھے سائل کو شرمندہ نہ کرنا اور اسے قبولیت عطا فرما۔ دیکھنے میں آیا کہ اسی لمحہ موسلا دھار بارش شروع ہوئی اور رحمت ثابت ہوئی۔ اس موقع پر شہر کی عیسائی آبادی

نے اسلام اور اس کے ماننے والوں کی حقانیت کو تسلیم کیا اور اسلام کی آغوش میں داخل ہوئے۔

شیخ سید محمد سلیم بن خلف کی وفات پر ان کے بیٹے شیخ سید محمد ابو النصر خلف سجادہ نشین ہوئے۔ دیگر خلفاء میں حماہ شہر کے شمال میں واقع گاؤں طیبہ امام کے شیخ حسین الخطیب، تل دور نامی گاؤں شیخ محمد مشعل، شیخ احمد تلاوی شامل ہیں۔ جبکہ مریدین میں حمص کے مشہور شاعر و مؤرخ شیخ عبدالہادی بن عمرو فائی شامل ہیں۔ جنہوں نے تاریخ حمص لکھی جو غیر مطبوع ہے نیز مشائخ نقشبند کی مدح میں قصائد موزوں کیے جو محافل میں پڑھے جاتے، انھوں نے بھی مرشد گرامی کی طرح ۱۹۱۰ء کو وفات پائی۔

شیخ حسین الخطیب کے نام آپ نے ۵ رجمادی الثانی ۱۳۱۸ھ کو سند اجازت و خلافت جاری کی جو ''الدر اللطیف'' میں درج ہے۔ شیخ حسین الخطیب نے مرشد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> **''سیدی و سندی امام اهل الطریقة ومجمع بحری الشریعة و الحقیقة بقیة السلف وعمدة الخلف الشیخ محمد سلیم الخلف''**
>
> **''سیدی و سندی قطب العارفین وغوث الکاملین بقیة السلف و عمدة السلف الشیخ محمد سلیم الخلف الحمصی قدس الله سره''**
>
> **''سیدنا و مولانا حبیب قلوبنا ونور عیوننا فخر السلف والخلف مولانا الشیخ سلیم الخلف''**

آپ کا مزار حمص سے دمشق جانے والی سڑک پر واقع قبرستان کے جنوب میں ہے۔

مآخذ:

☆......حمص، ص ۲۹۸ تا ۲۹۹

☆......الدر اللطیف، ص ۲، ۹۱

☆......رسالۃ المسجد فی سوریۃ، ص ۵۰۶ تا ۵۰۷

☆......الطریقۃ النقشبندیہ، ص ۱۴۳ تا ۱۴۴

شیخ محمد امین بن فتح اللہ کُردی

وفات ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء

☆☆

عراق کے علاقہ کرد میں واقع شہر اربل میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں وفات پائی۔ مقامی علماء سے تعلیم اور شیخ عمر ضیاء الدین بن عثمان سراج الدین طویلی کُردی سے نقشبندی مجددی خالدی سلسلہ میں خلافت پائی۔

پھر مکہ مکرمہ پہنچے اور حج ادا کرنے کے علاوہ ایک برس تک عبادت ومجاہدہ میں مصروف رہنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے جہاں ترکی زبان سیکھ کر مدرسہ محمودیہ سے وابستہ ہوگئے اور دس برس قیام کے بعد قاہرہ کی راہ لی، جہاں جامعہ ازہر میں قائم شعبہ اکراد سے وابستگی اختیار کرکے تعلیم وتعلم میں مشغول ہوئے اور مذکورہ شعبہ میں نائب صدر بنائے گئے۔

آپ شافعی عالم، مرشد کامل، استاذ العلماء اور صاحب تصانیف مفیدہ تھے۔ عمر بھر تصنیف وتالیف اور درس وتدریس، دعوت وارشاد کے اعمال جاری رکھے۔ ان کی ذات سے مصر بھر میں نقشبندی سلسلہ کی خوب اشاعت ہوئی۔ آپ کے مریدین میں ہر پیشہ کے افراد تھے جن میں قرآن وسنت نبوی کا عظیم جوہر نمایاں تھا۔

آپ کے خلفاء میں صاحب ”براهین الساطعة فی رد بعض البدع الشائعة“ شیخ سلامت قضاعی عترامی شافعی اہم نام ہے۔ شیخ محمد امین کردی کے فرزند شیخ محمد نجم الدین کردی کی عمر محض تین برس تھی کہ والد گرامی نے وفات پائی اور کم سن فرزند کی پرورش اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اپنے جانشین شیخ سلامت عزامی کے سپرد کی جنہوں نے اسے بخوبی نبھایا۔

تصنیفات:

☆......ارشاد المحتاج الی حقوق الازواج، فقہ مالکی، مطبوع

☆......تنویر القلوب فی معاملة علام الغیوب، عقائد، فقہ شافعی، تصوف کے موضوعات پر مقبول عام کتاب بارہا شائع ہوئی۔

- ☆...... **خلاصة التصانيف للغزالی**، فارسی سے عربی ترجمہ، تصوف مطبوع
- ☆...... **سعادة المبتدئین فی علم الدین**، فقہ شافعی، مطبوع
- ☆...... **ضوء السراج فی فضل رِجب و قصة المعراج**، مطبوع
- ☆...... **العهود الوثیقة فی التمسک بالشریعة و الحقیقة**، مطبوع
- ☆...... **فی مناقب النقشبندیه**
- ☆...... **مدارک الصیام**
- ☆...... **مراصد الصلوٰة**
- ☆...... **مرشد العوام لاحکام الصیام، علی المذاهب الاربعة**، مطبوع
- ☆...... **النصیحة البریة فی الخطب المنبریة**، مطبوع
- ☆...... **هدایة الطالبین لاحکام الدین**، فقہ مالکی، مطبوع

جامعہ ازہر کے طلباء کی رہائشی عمارات اور مزار سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہما کے قریب شیخ محمد امین کردی کی خانقاہ اہل قاہرہ میں مشہور و معروف ہے۔ ہر سال آپ کا عرس بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔

شیخ محمد امین کردی کے پوتے ڈاکٹر ضیاء الدین کردی، ان کے صحیح وارث، شافعی عالم جلیل، مرشد السالکین، صاحب تصانیف، فلسفی امام، جامعہ ازہر قاہرہ میں استاد تھے۔ انھوں نے حال ہی میں وفات پائی۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے صدر علامہ سید وجاہت رسول قادری اور جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے سابق شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نے سفر قاہرہ کے دوران ۱۹۹۹ء کو ڈاکٹر شیخ ضیاء الدین کردی سے تمام وظائف و اوراد اور طرق احادیث کی اجازت پائی۔

مآخذ:

۱......الاعلام، جلد ۶، ص ۴۳

۲......الاعلام الشرقیہ، جلد ۲، ص ۵۷۶ تا ۵۷۷

۳......امداد الفتاح، ص ۳۸۲

۴......شتمۃ الاعلام، جلد ۲، ص ۱۴۹

۵......تذکرہ حضرت محدث دکن، ص ۳۰۴ تا ۳۰۵

۶......الجواہر الغالیۃ، ص ۸

۷......الطریقۃ النقشبندیہ، ص ۱۳۰ تا ۱۳۱

۸......معارف رضا، شمارہ جنوری ۲۰۰۲ء، ص ۳۰، شمارہ فروری ۲۰۰۲ء، ص ۲۳ تا ۲۴، شمارہ جون ۲۰۰۲ء، ص ۲۵ تا ۲۹

۹......معجم المطبوعات العربیہ والمعربۃ، جلد ۲، ص ۱۵۵۴ تا ۱۵۵۵

۱۰......معجم المؤلفین، جلد ۳، ص ۱۴۵ تا ۱۴۶

۱۱......معجم المؤلفین العراقیین، جلد ۳، ص ۱۰۶

شیخ حسین بن محمد الخطیب طیبانی

(۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء میں زندہ)

☆☆

شام کے شہر حماہ مین پیدا ہوے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے علاوہ عقلی و نقلی علوم نحو معانی بیان منطق فقہ حدیث و تفسیر وغیرہ شہر کے جید علماء کرام سے پڑھے جن میں شیخ مفتی محمد سلیم مراد ازہری نقشبندی اہم نام ہے۔

۱۳۱۰ھ/ ۱۲۹۲ء کو حج و زیارت کے لیے گئے تو وہاں متعدد علماء و مشایخ سے اخذ کیا جن میں صاحب اعانۃ الطالبین شیخ سید ابوبکر شطا شافعی مکی شامل ہیں۔ اسی برس شیخ محمد سلیم خلف سے ملاقات ہوئی تو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ خالدی میں بیعت کر کے ظاہری و باطنی علوم میں تربیت پائی۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد اکابرین سے روحانی فیض پایا جن میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت محمد بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خضر علیہ السلام، حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد رفاعی کبیر علیہ الرحمۃ، حضرت سید احمد بدوی علیہ الرحمۃ اور سید عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء کو شیخ محمد سلیم خلف نے باقاعدہ خلافت عطا کی۔ جس کی سند اجازت ''الدر اللطیف'' میں مطبوع ہے۔ پھر شیخ حسین طیبانی، جلیل القدر شافعی عالم، مرشد کامل اور مصنف ہوے اور علاقہ میں صوفیہ کی تعلیمات کو عام اور مخالفین کے الزامات کا بخوبی رد کیا۔

تصنیفات:

☆......**تعليقات على الفتوحات المكية**

☆......**تنبيه الاخوان على العمل لیلة النصف من شعبان**

☆......**الختم الشريف**، ختم خواجگان کا طریقہ کار

☆......**خطب جُمعية**

☆......**الدر اللطيف فی فضائل الختم الشريف**، اس کا مزید تعارف آگے آرہا ہے۔

☆......**شموس الازهار فی مولد النبی المختار**، جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔

☆......**العجالة السنية فی الرد على المعترضين على السادة النقشبندية**

☆......**الفتوحات النبوية**، انتہائی اہم تصنیف

☆......**الفيض والالهام بمدح طريقة السادة الاعلام**

☆......**مختصر خطب جاد المولیٰ**، جامع ازہر قاہرہ کے خطیب وخلوتی سلسلہ کے مرشد شیخ محمد بن معدان حاجری شافعی المعروف بہ جاد المولیٰ کے مطبوعہ خطبات کی تلخیص

☆......**مختصر مولد الحر يغيشی**

☆......**المكتوبات الحسينيه فی طريقة النقشبنديه**، حال جذبِ الٰہی پر مشتمل آپ کے چھیالیس مکتوبات کا مجموعہ

☆......**هداية اللطيف فيما يجب على ذوی التكليف**، توحید وکلام کے موضوع پر

علاوہ ازیں اکابر صوفیہ کرام بالخصوص نقشبندی مشائخ کے حالات پر ضخیم کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

شیخ حسین طیبانی نے الدر اللطیف فی فضائل الختم الشریف ۱۳۱۷ھ میں تصنیف کی جو ۱۳۴۲ھ کو دو جلد کے ۲۱۰ صفحات پر شائع ہوئی جس کے آغاز میں مصنف کے حالات دیے گئے جو شیخ محمد شاکر مصری نے قلم بند کیے۔ یہ کتاب مشائخ نقشبند سے مروی ختم خواجگان کی شرح اور اس کے فضائل کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس میں ذکر خفی، کلمہ طیبہ اور اسم ذات وغیرہ کا مقرر تعداد میں ذکر، فضیلت ذکر، مجالس ذکر کا انعقاد،

ذکر قلبی، ختم خواجگان کے لیے اوقات کا تعین، ختم کا طریقہ کار، ذکر نفی، اثبات، تصور شیخ، فنافی الشیخ، نورانیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، فضائل درود شریف، شجرہ طریقت سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ، مشائخ نقشبندیہ سے توسل الی اللہ کے موضوعات پر لکھا گیا ہے۔ کتاب میں پانچ مقامات پر حضرت مجدد کا ذکر یا مکتوبات امام ربانی کے اقتباسات دیے گئے ہیں۔

مآخذ:

۱......الدر اللطیف، جلد اول، ص۴ تا ۱۲ نیز دیگر صفحات

۲......الطریقۃ النقشبندیہ، ص۷۸

شیخ عبدالرحمٰن بن محمد سعید برہانی

(۱۲۷۷ھ - ۱۳۵۱ھ/ ۱۸۶۰ء - ۱۹۳۲ء)

☆☆

دمشق میں پیدا ہوئے وہیں پر وفات پائی، جہاں آپ کا خاندان ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۸ء میں داغستان سے ہجرت کر کے آباد تھا۔ اپنے والد گرامی نیز شیخ سلیم عطار، شیخ ابوبکر عطار، شیخ عبدالحکیم افغانی دمشقی اور مفتی اعظم شام شیخ محمد منینی سے مختلف علوم اخذ کیے۔ جبکہ والد ماجد نے بیعت وخلافت پائی۔ پھر عالم باعمل، زاہد، فقیہ حنفی نیز امام وخطیب ہوئے۔

دمشق کی مشہور مسجد توبہ کے تیس برس تک امام وخطیب رہے۔ قرآن مجید کا چوتھائی حصہ حفظ نیز درود شریف کی مشہور ومقبول کتاب دلائل الخیرات از بر تھی۔ تقریباً دس بار حج وزیارت کی سعادت پائی اور مدینہ منورہ میں شیخ الدلائل شیخ امین رضوان سے اجازت پائی۔ دمشق کی مسجد ذھبیہ وغیرہ کی تعمیر اور مسجد توبہ کی ترمیم ومرمت میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کم گو، بکثرت عبادت گزار، صدقہ کی کثرت اور مسجد توبہ میں تدریس کے پابند تھے۔

ان کے اہم تلامذہ میں فرزند شیخ محمد سعید برہانی کے علاوہ شیخ ابوالخیر میدانی، شیخ سید ابراہیم غلایینی، شیخ مصطفیٰ طنطاوی، شیخ عبدالوہاب دبس وزیت وغیرہ دمشق کے اکابرین شامل ہیں۔

قبرستان دحداح میں شیخ سلیم مسوتی کے جوار میں قبر واقع ہے۔

مآخذ:

۱......تاریخ علماء دمشق، جلد اول، ص ۴۵۸ تا ۴۵۹

۲......الطریقۃ النقشبندیہ، ص ۹۲ تا ۹۳

شیخ عیسیٰ بن حسن بیانونی

(۱۲۹۰ھ۔ ۱۳۶۲ھ/۱۸۷۲ء۔ ۱۹۴۳ء)

☆☆

ملک شام کے کے شہر حلب سے بارہ کلومیٹر فاصلہ پر بیانونی نامی گاؤں میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ قرآن مجید حفظ اور ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد مزید حصول علم کے لیے مدرسہ عثمانیہ حلب میں داخلہ لیا۔ اساتذہ میں آپ کے بھائی شیخ حماد کے علاوہ شیخ محمد زرقا حلبی حنفی، شیخ بشیر بن ہلال غزنی حنفی، شیخ حسین کردی ایوبی شافعی، شیخ سعید بن عمر سنکری شافعی، شیخ احمد جملی بدوی شافعی، شیخ احمد مکتبی شامل ہیں۔

۱۳۰۵ھ میں عارف کامل شیخ مصطفیٰ بن ابراہیم ہلالی سے سلسلہ قادریہ اور ۱۳۱۵ھ کو شیخ محمد ابو خالد رشیدی دمشقی سے اخذ کیا۔ اس دوران بارہا دمشق جانا ہوا جہاں محدث اعظم شام شیخ سید محمد بدر الدین حسنی وغیرہ اکابرین سے استفادہ کیا اور ۱۳۲۴ھ کو پہلی بار حج وزیارت کے لیے گئے تو وہاں شیخ محمد آل خیر اللہ حیادی سے سلسلہ رفاعیہ میں اجازت پائی۔ تا آنکہ ۱۳۲۸ھ کو شیخ محمد ابو النصر خلف حمصی نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہی کے ہو کر رہ گئے۔

شیخ عیسیٰ بیانونی شافعی عالم، مرشد کامل، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، نعت گو شاعر، مرید صادق اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ ۱۳۱۶ھ کو مدرسہ عثمانیہ کے خطیب و مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۳۱ھ میں حلب کے قریب گاؤں معرہ میں مدرس ہوئے اور ۱۳۳۸ھ کو واپس حلب آ گئے جہاں مدرسہ خسرویہ و متعدد مساجد و مدارس میں خدمات انجام دیں۔

متعدد بار حج وزیارت کے لیے سفر کیا اور خواب نیز حالت بیداری میں بکثرت انبیاء علیہم السلام و اولیاء اللہ کی زیارت کی سعادت پائی۔ ان میں نبی اللہ سیدنا صالح علیہ السلام شامل ہیں۔ فرانسیسی استعمار کے

خلاف عملی جہاد میں حصہ لیا اور رضا کار جمع کر کے حلب شہر کا دفاع کیا۔

آپ سے اخذ کرنے والوں میں جلیل القدر علماء کے نام ملتے ہیں جیسا کہ حجاز مقدس میں شیخ ابراہیم ختنی، شیخ سید علوی بن عباس مالکی، شیخ محمد یاسین فادانی، شیخ زکریا بن عبد اللہ بیلا، شیخ محمد بن سالم حبشی نے سند روایت و اجازت پائی۔ ادھر حلب کے مشہور عالم و فقیہ حنفی و محدث صاحب تصانیف کثیرہ شیخ عبد الفتاح بن محمد ابوغدّہ آپ کے اہم تلامذہ میں سے ہیں۔

نقشبندی سلسلہ کی مدح میں شیخ عیسیٰ بیانونی کے موزوں کردہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

مريد طريقة النقشي مراد
بهمة سادة للذين سادوا
ملوک فی الانام وهم عباد
رجال طريقة الصديق سادوا
وفی سن هدوا شيوخا
طريقتهم نبية مبتداها
لكل طريقة هی منتهاها
ابوبكر افاض لهم سناها
وقد بلغوا الكمال بجب طه
ونالو فی العلوم به رسوخا

تصنیفات:

☆......**اسباب الاصول الحاطب الرسول**، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر مبنی چالیس احادیث کا مجموعہ

☆......**الاقوال الضابطة فی احوال الرابطة**

☆......**اکواب الرحیق فی آداب الطریق**

☆......**غاية المطلوب فی رؤیا المحب للمحبوب**، مصنف کے ان خوابوں کی تفصیلات کا مجموعہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

☆......فتح المجيب فى مدح الحبيب، نعتیہ دیوان

☆......كنز الهبات فى الصلوٰة على سيد السادات، مجموعہ درود شریف

☆......مثير الغرام و مثير الهيام، نعتیہ انتخاب

☆......معرفة العبد ربه بالذكر والمحبة

☆......مواد العقل السليم فى اتباع الرسول الكريم

☆......مولد العدنانى من كلام السيد عبد القادر الجيلانى

☆......نظم و نثر میں سولہ مولود نامے تخلیق کیے۔

☆......شیخ محمد یٰسین فادانی مکی کی خواہش پر ۱۳۶۱ھ میں اپنے حالات قلم بند کیے۔

شیخ عیسیٰ بیانونی وطن سے حج و زیارت کے لیے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو وفات پائی اور جنت البقیع میں قبر نصیب ہوئی۔ ادھر حلب میں ۲۵ر صفر ۱۳۶۳ھ کو جمعية البر و الاخلاق الاسلامیہ نے آپ کی یاد میں تعزیتی تقریب منعقد کی جس میں ملک کے اکابرین نے شرکت کی اور آپ کے علم و فضل کے اعتراف میں تقاریر کیں۔

آپ کے بیٹے شیخ احمد عز الدین بیانونی بھی حنفی عالم جلیل، مبلغ اسلام، صاحب تصانیف، ادیب و شاعر اور مسجد ابی ذر حلب کے خطیب تھے انھوں نے مدینہ منورہ میں مقیم مولانا ضیاء الدین احمد سیالکوٹی قادری سے جمیع اسلامی علوم میں اجازت پائی تھی۔ نیز پوتے شیخ محمد غیاث ابو النصر بن احمد عز الدین بن عیسیٰ بیانونی بھی عالم جلیل، مبلغ اسلام اور سیاسی رہنما تھے۔ دوسرے پوتے شیخ علی صدر الدین بن احمد عز الدین بیانونی ان دنوں ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں اخوان المسلمون شام کے نگران اعلیٰ ہیں۔ شام کی حکمران بعث پارٹی و حافظ الاسد نصیری حکومت کی جانب سے اس خاندان کو سیاسی مؤقف کی بنا پر پھانسی، قید اور جلا وطنی کی سزاؤں کا سامنا رہا۔

مآخذ:

۱......امداد الفتاح، ص ۲۹۲ تا ۲۹۳

۲......تتمۃ الاعلام، جلد ۲، ص ۱۲۶ تا ۱۲۸

۳......تشنیف الاسماع، ص ۴۳۵ تا ۴۳۷

۴......رسالۃ المسجد فی سوریۃ، ص ۵۰۰ تا ۵۰۵

۵......فتح المجیب، ص ۱۳ تا ۲۴، ۱۴۶ تا ۱۴۸

۶......معجم الادباء، جلد ۲، ص ۸۵۷ تا ۸۶۰ وغیرہ وغیرہ

شیخ سید محمد ابو النصر بن محمد سلیم خلف

(۱۲۹۲ھ۔ ۱۳۶۸ھ/ ۱۸۷۵ء۔ ۱۹۴۹ء)

☆☆

ملک شام میں نقشبندی مجددی سلسلہ کو جن علماء و مشائخ کے توسط سے بھرپور تعارف و فروغ ملا ان میں حسب ذیل پانچ نام انتہائی اہم ہیں۔ شیخ محمد مراد بن علی مرادی (وفات ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۲۰ء)، شیخ مولانا خالد ضیاء الدین بن احمد بن احمد کردی (وفات ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۷ء)، شیخ محمد بن عبد اللہ خانی (وفات ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء)، شیخ عیسیٰ بن طلحہ کردی (وفات ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء) اور شیخ سید محمد ابو النصر بن محمد سلیم خلف رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

شیخ محمد ابو النصر خلف حمص شہر میں پیدا ہوئے وہیں وفات پائی۔ اپنے والد گرامی سے ابتدائی تعلیم، آداب و اذکار، حاشیۃ الجمل علی الجلالین، احیاء علوم الدین وغیرہ کتب پڑھیں نیز شیخ عبد الغنی سعدی، شیخ محمد محمود اتاسی، شیخ عبد القادر شخمہ سے فقہ شافعی و صحیحین پڑھیں اور شیخ محمد خالد انصاری، شیخ عبد الفتاح محمودی خلوتی لاذقی، شیخ محمد عطاء اللہ کسم دمشقی، شیخ سید محمد بن جعفر کتانی، شیخ سلیم مسوتی دمشقی، محدث اعظم شام شیخ سید محمد بدر الدین حسنی، شیخ شرف الحق ہندی، مجاہد کبیر شیخ احمد شریف سنوسی سے مختلف اسلامی علوم میں اجازت پائی اور والد ماجد سے خلافت پا کر مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔

آپ شافعی عالم جلیل، مرشد کامل، مستجاب الدعوات، سخی، متواضع، نرم دل، طبقہ علماء کے قدر داں، کم گو تھے اور بکثرت کرامات ظاہر ہوئیں جو حد تواتر تک پہنچیں۔ عبادت کا دورانیہ طویل تھا اور اکثر تلاوت کلام مجید میں محو نیز رات کو اسم ذات تیس ہزار بار پڑھنا معمولات میں شامل تھا۔

تواضع و انکساری کا یہ عالم تھا کہ آٹا تندور تک لے جا کر روٹی تیار کراتے پھر اپنے ہاتھوں سے مہمانوں و مریدین کو کھلا کر مسرور ہوتے۔ ارادت مندوں کے دکھ سکھ کے مواقع پر ان کے گھر جاتے، دعوت قبول

کرتے اور عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، ملاقات پر ان کے احوال پوری توجہ سے سنتے۔ علماء وطلباء کی ہر ممکن مدد کیا کرتے اور اپنے مجالس کی صدارت علماء کو پیش کرتے اور فرماتے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے عظمت عطا کی۔ آپ کی گفتگو مختصر کلمات پر مبنی لیکن پُر تاثیر ہوتی، اس باعث لاتعداد افراد نے ان کی توجہ سے توبہ کی اور فواحش ومنکرات ترک کر کے نماز روزہ کے پابند نیز تعلیمات صوفیہ پر گامزن ہوئے۔ ملک کے سب سے بڑے شہر حلب تشریف لے گئے اور وہاں دعوت وارشاد کا کام شروع کیا تو عینی شاہدین کے بقول اتنے بڑے شہر میں انقلابی کیفیت نمایاں طور پر محسوس کی گئی اور آپ کی شخصیت کو قبول عام حاصل ہوا۔

اقوال میں سے ہے کہ جس کسی نے اس دنیا میں خیر وبھلائی کا کوئی کام انجام نہیں دیا اس کے لیے موت ہی میں فلاح ہے۔ نیز فرمایا کرتے میں ہر اس بات سے برأت ولاتعلقی کا اعلان کرتا ہوں جو کتاب وسنت کے منافی ہو۔

علم وسلوک سے لگاؤ رکھنے والے ملک کے لگ بھگ تمام اکابرین نے آپ سے بیعت، اوراد واذکار کی اجازت، سند روایت حدیث یا خلافت پائی اور آپ فقیہ شافعی، مربی الطالبین ومرشد السالکین کے اوصاف سے چار دانگ جانے گئے۔ حلب کی مسجد عثمانیہ میں ہر نماز جمعہ کے بعد ختم خواجگان کا اہتمام کیا کرتے جو وفات کے بعد آپ کے فرزند کی سرپرستی میں آج تک جاری ہے۔ ملک کے بڑے شہروں حمص حماہ، حلب، دمشق اور دور دراز دیہاتوں کے تبلیغی دورے مسلسل جاری رکھتے۔ گھر کا ایک گوشہ خواتین کی تربیتی مجالس کے لیے وقف کر رکھا تھا جہاں ہر پیر کو نماز عصر کے بعد خواتین کا حلقہ ذکر منعقد ہوتا جس میں آپ کے حلقہء ارادت سے وابستہ ایک عارفہ کاملہ خاتون ام محمد تلاویہ (وفات ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء) جو خود بھی شاعرہ تھیں، نعت ومناقب پڑھا کرتیں۔

شام کی تحریک آزادی کے اہم رہنما ہاشم اتاسی (وفات ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء) جو حمص کے باشندہ اور تین بار ملک کے صدر رہے، انھوں نے ایک موقع پر آپ کے مقام ومرتبہ کے اعتراف میں اہل شام سے کہا، اگر آپ لوگ کامیابی وکامرانی کے راستہ پر گامزن ہونا چاہتے ہیں اور ملک کی فلاح کے طلب گار ہیں تو شیخ محمد ابوالنصر خلف کے ہاں حاضر ہو کر نقشبندی سلسلہ سے وابستہ ہوں۔

اس دور کے خطہ شام کے شمالی حصہ میں محدث اعظم شیخ سید محمد بدر الدین حسنی دمشقی جیسی جلیل القدر

شخصیت موجود تھی تو جنوبی علاقہ میں شیخ محمد ابو النصر خلف حمصی کے دم قدم سے بہار تھی۔

۱۳۲۹ھ اور ۱۳۶۳ھ کو حج و زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ دوسرے سفر حجاز کے موقع پر وہاں بھرپور پذیرائی ملی اور آپ سے سند اجازت حاصل کرنے والے طلباء و علماء و مشائخ کا تانتا لگا رہا۔ مکہ مکرمہ کے اہم علماء شیخ سید علوی بن عباس مالکی، شیخ حسن بن محمد مشاط، شیخ محمد یاسین فادانی وغیرہ نے اسلامی علوم میں روایت کی اجازت حاصل کی۔

شام کے اکابرین میں آپ کے تلامذہ و خلفاء کے چند نام یہ ہیں شیخ عیسیٰ بیانونی حلبی، شیخ محمد الحامد و شیخ بدر الدین الحامد حموی، شیخ زاہد تاسی حمصی، شیخ عبد الغفار عیون السود، شیخ محمد علی عیون السود، شیخ عبد القادر خوجہ، شیخ عبد الجلیل مراد، شیخ محمود جنید، شیخ محمد جنید، شیخ عبد الفتاح مسدی شیخ عبد القادر خوجہ، شیخ وصفی مسدی، شیخ بدوی سباعی، شیخ طاہر رئیس، شیخ محمود سباعی، شیخ عبد الحمید سباعی، شیخ راغب دویری اور شام میں اخوان المسلمون کے بانی ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے والد شیخ حسن سباعی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

شیخ محمد ابو النصر خلف کی وفات پر ملک بھر کے لاتعداد شعراء نے مرثیے لکھے۔ آپ نے ماہ رمضان مبارک میں بوقت سحر بروز جمعۃ المبارک وفات پائی۔ ایک برس کے بعد قبر مبارک منکشف ہو گئی تو اس سے خوشبو کے فوارے پھوٹنے لگے اور جسد اقدس جوں کا توں پایا گیا۔ ان دنوں آپ کے فرزند شیخ عبد الباسط خلف سجادہ نشین ہیں۔

معلوم رہے انہی ایام کے شام میں اسی نام کے ایک اور عالم جلیل و عارف کامل خاتمۃ المحدثین و شافعی المذہب صوفیہ کے سلسلہ شاذلیہ سے وابستہ شیخ سید محمد ابو النصر ناصر الدین بن عبد القادر الخطیب (وفات ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) دمشق میں تھے۔ اور بعض تذکرہ نگاروں نے نام کی مشابہت سے دونوں کے حالات گڈمڈ کر دیے ہیں۔

ماخذ:

۱......امداد الفتاح، ص ۲۹۷ تا ۳۰۱

۲......تشنیف الاسماع، ص ۳۴ تا ۳۵

۳......حمص، ص ۲۹۹ تا ۳۰۱

۴......رسالۃ المسجد فی سوریۃ، ص ۵۰۶ تا ۵۱۰

۵......سوئے حجاز، شمارہ جنوری ۱۹۹۹ء، ص ۲۴، ۲۵

۶......الطریقۃ النقشبندیہ، ص ۱۲۳ تا ۱۲۴

شیخ سید ابراہیم بن محمد خیر غلاینی جیلانی

(۱۳۰۰ھ۔ ۱۳۷۷ھ/ ۱۸۸۲ء۔ ۱۹۵۸ء)

☆☆

دمشق میں پیدا ہوئے وہیں وفات پائی۔ آپ کے دادا حلب شہر سے ہجرت کر کے دمشق آ بسے تھے اور والد تاجر تھے۔ جنہوں نے خیاطین بازار میں چادر اور تولیہ وغیرہ فروخت کرنے کی بڑی دکان بنا رکھی تھی۔ شیخ ابراہیم غلاینی نے ابتدائی تعلیم حاصل کر لی تو والد نے اپنے کاروبار میں شامل کر لیا جن کی غیر حاضری پر دکان میں مامور رہتے۔ لیکن ذہن دینی تعلیم کی طرف راغب تھا۔ لہٰذا جلد ہی تجارت کو خیر باد کہہ کر شیخ عید سفر جیلانی کے مدرسہ میں داخلہ لے کر علمی کا آغاز کر دیا۔ پھر شیخ محمد عطاء اللہ کسم، شیخ محمود عطار، محدث اعظم سید محمد بدر الدین حسنی، شیخ سلیم مسوتی، شیخ عبد الرحمٰن برھانی جیسے اکابر علماء دمشق سے تعلیم پائی۔

والد کے کاروباری شریک شیخ سلیم نطفجی آپ سے محبت و شفقت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی دختر کی شادی آپ سے کرائی اور علم سے سچی لگن دیکھتے ہوئے عارف باللہ شیخ عیسیٰ بن طلحہ کردی نقشبندی کی خدمت میں لے گئے۔ شیخ عیسیٰ کردی نے شیخ ابراہیم غلاینی کی بھرپور روحانی تربیت فرمائی اور چالیس روز کی خلوت و ریاضت کے بعد خلافت عطا کی نیز ختم خواجگان کبیر و صغیر کے انعقاد کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس موقع پر فرمایا ”اے ابراہیم اب تم ایک شیخ کامل ہو، تمہاری شخصیت کو منہدم کر کے اس کی تعمیر نئے سرے سے کر دی گئی ہے“

حج و زیارت کے لیے گئے تو حجاز مقدس کے علماء محدث حرمین شریفین شیخ عمر حمدان محرسی، مفتی مالکیہ مکہ مکرمہ شیخ محمد علی مالکی، شیخ سید عیدروس بن سالم البارکی، مجاہد کبیر شیخ سید احمد بن محمد سنوسی سے جمیع اسلامی علوم میں سند اجازت پائی۔

شیخ ابراہیم غلاینی دمشق شہر سے ملحق وادی عجم کے شہر قطنا کی جامع مسجد میں امام و خطیب و مدرس مقرر ہوئے اور جلد ہی ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں شہر کے مفتی کا منصب بھی آپ کے سپرد کیا گیا۔ پھر اگلے پچاس

برس یعنی وفات تک قطنا اور اس کے گردونواح میں رشد وہدایت اور فقہی معاملات میں خدمات انجام دیتے رہے۔ فقیہ اور پیر طریقت کے اوصاف میں مشہور ہوئے نیز فرائض ومناسخات علوم کے ماہر تھے۔ آپ کی سعی سے علاقہ میں متعدد مساجد تعمیر ہوئیں جہاں اپنے شاگرد امام وخطیب تعینات کیے اور ان کی سرپرستی انجام دی۔

آپ ہمیشہ سادہ وسستا لباس زیب تن کرتے اور تسبیح ومسواک ساتھ رکھتے۔ سنت نبوی پر آغاز شباب ہی سے عمل پیرا تھے۔ سر کے بال اور ناخن تراشنے کے بعد گڑھے میں دفن کر دیتے، ہلکی خوشبو کی شیشی ہمیشہ جیب میں رکھتے، کھانے کا آغاز واختتام نمک سے کرتے، شدید سردی اور مشکل صورت حال میں بھی جمعہ کا غسل ترک نہ کرتے۔ تحیۃ المسجد ادا کرنے کے حریص تھے، عمر بھر رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کا ناغہ نہیں کیا، رات کے آخری حصہ میں تلاوت قرآن مجید کے پابند تھے، گھریلو سامان اور لباس انتہائی محدود رکھتے، سفید یا سبز ٹوپی پر سفید عمامہ پہنتے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کی ترغیب دیا کرتے اور خراب کھانا کچرے میں پھینکنے کی بجائے صحن میں دفن کرتے اور بچا ہوا کھانا اسی وقت حاجت مند تک پہنچا آتے۔ رمضان کے مہینے میں سحر کے وقت اذان سے پہلے فاضل کھانا تقسیم کر کے دم لیتے۔ جب احباب کے ہاں مہمان ہوتے تو ان سے بھی بچا ہوا کھانا طلب کر کے اپنے ہاتھوں تقسیم کرآتے۔ کتے اور بلیوں کو بھی کھلانا نہیں بھولتے تھے۔ مہمان نواز تھے اور قطنا میں آپ کی قیام گاہ زائرین، مہمانوں اور حاجت مندوں کا مرکز تھی، ان کی خاطر مدارات میں کسی تکلف یا بخل سے دور رہتے۔ ہمسائے کے حق کا خیال رکھتے۔ غیر شادی شدہ مریدین واحباب کو اس کی ترغیب دیتے اور ان کے مہر اپنی جیب سے ادا کرتے، بعض اوقات دیکھنے میں آیا کہ پوری تنخواہ کسی مرید یا ضرورت مند کو دے دی۔ آپ کی شخصیت پروقار و بارعب تھی۔ جب نماز کے وقت بازار سے گزرتے تو بغیر کہے لوگ جوق در جوق آپ کی معیت میں نماز کی ادائیگی کے لیے چل پڑتے۔

متعدد کرامات ظاہر ہوئیں۔ ایک بار دمشق جانے کے لیے قطنا کی سڑک پر گاڑی کا انتظار کر رہے تھے، جب گاڑی آئی تو اسے رکنے کا اشارہ کیا اس پر ڈرائیور نے رک کر مؤدبانہ معذرت طلب کی کہ کوئی نشست خالی نہیں، آپ نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ ان دنوں گاڑیوں کی آمد ورفت کم تھی اور دن

بھر میں اس سڑک پر ان کی تعداد دو تین سے زیادہ نہ تھی۔ چنانچہ یہ گاڑی آگے بڑھی اور عرطوز نامی گاؤں پہنچی جہاں ایک سوار کو اتارا۔ جیسے ہی ڈرائیور نے گاڑی کو دمشق کی جانب آگے بڑھایا، شیخ ابراہیم غلایینی چند میٹر کے فاصلے پر سڑک پر کھڑے پھر سے اسے رکنے کا اشارہ دے رہے تھے۔

آپ کے شاگردوں میں فرزند شیخ سید عبداللہ غلایینی، داماد شیخ طٰہٰ اطرش کے علاوہ شیخ عبداللہ بن شریف تقی، شیخ عبدالقادر سعید، شیخ محی الدین قادری، معہد جمعیۃ الفرقان دمشق کے مدیر شیخ بدرالدین عابدین اہم نام ہیں۔

۱۴؍شوال المکرم ۱۳۷۷ھ کو دمشق کی ایک مسجد میں نماز جمعہ ادا کی وہیں سے عالم جلیل وصوفی کامل شیخ محمد مکی کتانی سے ملاقات کے لیے چل نکلے۔ ان سے گفتگو کے دوران جسم مبارک میں رعشہ کی کیفیت پیدا ہوئی تو گفتگو روک دی۔ اسی وقت ایمبولینس کے ذریعے اسپتال پہنچائے گئے اور ملک کے صدر شکری قوتلی کے حکم پر علاج کا خاص اہتمام کیا گیا لیکن یہ کیفیت برقرار رہی حتیٰ کہ سترہ شوال کو وفات پائی۔ جس کی خبر اسی وقت ریڈیو شام نے نشر کی جس پر اعزہ واقارب، مریدین وشاگرد دور دراز سے امڈ آئے، اسی روز دمشق کی مرکزی مسجد بنوامیہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور قبرستان باب صغیر میں واقع اپنے استاد شیخ سید محمد بدرالدین حسنی کے مزار کے نزدیک قبر بنی۔

اس سانحہ پر ملک کے متعدد شعراء ماہنامہ تمدن اسلامی دمشق کے چیف ایڈیٹر شیخ محمد خطیب نیز شیخ حسین خطاب وغیرہ نے مراثی لکھے اور خطباء نے مساجد میں مناقب بیان کیے۔ علماء شام کی اہم جماعت "رابطة العلماء" نے مسجد بنوامیہ میں آپ کی یاد وتعزیت میں خاص تقریب منعقد کی۔

ایک تصنیف "**الموجز المبين فيما اختصره رسول الله صلى الله عليه وسلم من امور الدين**" مطبوع ہے۔

شیخ ابراہیم غلایینی کے تین فرزندان بھی عالم جلیل وعارف کامل تھے، جن کے نام یہ ہیں۔ شیخ محمد بدر الدین غلایینی (وفات ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء)، شیخ سعد الدین غلایینی، شیخ عبد اللہ غلایینی (۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء)، آخر الذکر یعنی شیخ عبداللہ غلایینی والد گرامی کی وفات سے چھ ماہ قبل قطنا کے مفتی تعینات کیے گئے نیز والد ماجد سے نقشبندی سلسلہ میں خلافت پائی۔

شیخ عبداللہ بن ابراہیم غلاینی نے حج وعمرہ وزیارت کے لیے حجاز مقدس کے ان گنت سفر کیے اور مدینہ منورہ میں مقیم مولانا ضیاء الدین سیالکوٹی قادری کے احباب میں سے تھے۔

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے سابق شیخ الحدیث وصاحب تصانیف کثیرہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری اور بہاء الدین زکریا لائبریری ضلع چکوال کے بانی حضرت پیر انور حسین شاہ نے شیخ عبداللہ بن ابراہیم غلاینی سے نقشبندی مجددی خالدی سلسلہ میں خلافت پائی۔ حضرت مجدد تک سند طریقت یہ ہے:

شیخ عبداللہ غلاینی عن شیخ ابراہیم غلاینی عن شیخ عیسیٰ بن طلحہ کردی عن شیخ قاسم الھادی عن شیخ حسن نورانی عن شیخ صالح شبلی عن شیخ خالد جزری عن مولانا ضیاء الدین خالد بن احمد کردی عن مولانا شاہ غلام علی عبداللہ بٹالوی دہلوی عن مولانا حبیب اللہ مرزا مظہر جان جاناں عن مولانا نور محمد بدایونی عن مولانا خواجہ سیف الدین سرہندی عن خواجہ محمد معصوم سرہندی عن شیخ احمد سرہندی فاروقی امام ربانی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

مآخذ:

۱......امداد الفتاح، ص ۳۲۷ تا ۳۲۸

۲......تاریخ علماء دمشق، جلد ۲، ص ۶۸۷ تا ۶۹۲، ۶۹۶، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۳۴ تا ۷۳۹، ۷۸۱، ۷۶۷، ۸۶۸، ۹۷۶، ۹۸۸، ۱۰۰۴، جلد سوم صفحہ ۲۶۳، ۲۶۵، ۳۵۵، ۳۶۴، ۳۶۸، ۴۸۸، ۵۴۷، ۵۵۳، ۵۶۱ تا ۵۶۲

۳......تتمۃ الاعلام، جلد ۲، ص ۲۱

۴......الجواہر الغالیہ، ص ۹

۵......الطریقۃ النقشبندیہ، ص ۵۷

۶......معارف رضا، شمارہ نومبر ۲۰۰۲ء، ص ۳۰ ودیگر

شیخ محمد ابوالخیر بن محمد میدانی

(۱۲۹۳ھ۔ ۱۳۸۰ھ/ ۱۸۷۵ء۔ ۱۹۶۱ء)

☆☆

دمشق کے محلہ میدان میں پیدا ہوئے اور وہیں کے محلہ عُقیبہ میں وفات پائی۔ ایک غریب گھرانہ کے

فرد تھے، مقامی مدارس میں تعلیم پانے کے بعد دار الخلافہ استنبول میں واقع ملٹری اکیڈمی میں داخلہ لیا۔ کچھ عرصے بعد رخصت پر وطن آئے تو ایک روز والدہ نے شرعی مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے مسجد توبہ کے امام وخطیب شیخ سلیم مسوتی کی خدمت میں بھیجا۔ جنہوں نے اس نوجوان کو دیکھتے ہی بھانپ لیا اور دینی تعلیم کے حصول کی طرف راغب کیا۔ جواباً عرض کیا گیا کہ والدہ راضی نہ ہوں گی کیونکہ وہ ملٹری اکیڈمی میں تکمیل کے بعد مجھے فوجی افسر دیکھنا چاہتی ہیں اور میں ان کی خواہش کو ٹال نہیں سکتا۔

شیخ سلیم مسوتی آپ کے گھر تشریف لے گئے اور والدہ کو یہ بشارت دیتے ہوئے رضا مند کیا کہ آپ کا یہ بیٹا ایک دن علماء شام کا سرتاج ہوگا۔

چنانچہ ۱۳۱۱ھ کو شیخ محمد ابو الخیر میدانی نے شیخ سلیم مسوتی سے دینی علوم پڑھنا شروع کیے حتیٰ کہ حدیث وفقہ وغیرہ علوم کی اہم کتاب اور فتوح الغیب پڑھیں۔ پھر ایک روز شیخ سلیم مسوتی نے شاگرد سے فرمایا، آج میرے پاس کوئی ایسا علم باقی نہیں رہا جو میں تمہارے سینے میں منتقل کروں۔ یہ کہہ کر آپ کو شیخ عبد الحکیم افغانی قندھاری مہاجر دمشقی کی خدمت میں بھیج دیا جن سے تقریباً چار برس تک فقہ حنفی پڑھی۔

شیخ سلیم مسوتی خلوتی کے توسط سے ہی نقشبندی مجددی خالدی سلسلہ کے مرشد کبیر شیخ عیسیٰ کردی سے تعارف ہوا جن سے ان کی وفات ۱۳۳۱ھ تک وابستہ رہے اور ظاہری و باطنی علوم حاصل کیے۔ شیخ عیسیٰ کردی اپنے شاگرد ومرید کے ادب واخلاص سے متاثر ہوئے اور ان کی شخصیت کی بھرپور تعمیر کی اور خلافت سے نوازا نیز اپنی بیٹی کی شادی کرائی۔

شیخ ابو الخیر میدانی کے علاوہ دیگر اساتذہ میں شہر کے اکابر علماء کرام شیخ محمد قطب، شیخ عبد الرحیم دبس و زیت، شیخ امین سوید، شیخ سلطان داغستانی مدنی، مفتی اعظم شام شیخ محمد عطاء اللہ کسم، شیخ عبد الرحمٰن برہانی کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ جبکہ تصوف کے علوم بطور خاص شیخ سلیم مسوتی، شیخ عیسیٰ کردی، شیخ امید سوید اور شیخ محمد سلیم خلف حمصی سے حاصل کیے۔

شیخ میدانی نے ترکی، فارسی، کردی، فرنچ، انگریزی زبانوں میں بھی کمال حاصل کیا۔ نیز طب، فلک، حساب، جبر، طبیعیات، جغرافیہ، خوابوں کی تعبیر، کونی علوم اور شاعری سے گہرا لگاؤ تھا۔ آپ ملک کے عالم جلیل محدث، فقیہ حنفی، مؤرخ، لغوی، صوفی کامل تھے۔

آپ شہر کے مختلف مدارس میں دینی ودنیاوی علوم پڑھانے لگے اور ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء تک شیخ سلیم مسوتی

نے وفات پائی تو مسجد توبہ میں حلقہ درس قایم کیا جہاں نماز فجر کے بعد ''حلیۃ الاولیاء'' کا درس دیا کرتے نیز محلّہ عقیبہ میں ان کی قایم کردہ خانقاہ آجری میں سالکین کی تربیت و رہنمائی کی ذمہ داری نبھانے لگے اور یہ معمولات اپنی وفات تک جاری رکھے۔

اعلیٰ اخلاق و شمائل کے نمونہ تھے اور قرآنی تعلیمات حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے اوامر بھی اپنے اوپر منطبق کرنے میں حریص تھے۔ آپ کی مجلس ذکر اللہ یا تعلیم و ارشاد سے خالی نہ ہوتی، بیک وقت جلال و جمال کا امتزاج تھے، تعلیم و تربیت کے دوران آپ سے کسی مرید نے یہ نہیں سنا کہ میں نے کہا، میں نے دیکھا، بلکہ ہر بات اکابرین کے حوالے سے بیان فرماتے کہ میرے فلاں شیخ نے یوں فرمایا۔ آپ کے گھر کا دروازہ دن رات کھلا رہتا حتیٰ کہ آرام کے وقت میں بھی ملاقات ممکن تھی۔ اہل خانہ کو حکم دے رکھا تھا کہ کوئی ملاقات کے لیے آئے تو مجھے جگا دیا جائے اور اگر معلوم ہو جاتا کہ آنے والے کو یہ کہہ کر لوٹا دیا گیا ہے کہ میں سو رہا ہوں تو سخت نالاں ہوتے اور فرماتے ''اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے نہ یہ کہ میں انھیں اپنے معمولات کے تابع بناؤں'' آپ کی مجلس میں اگر کوئی جاہل گفتگو کرتا تو خاموشی سے سنتے اور روکتے نہیں تاکہ دوسروں کے سامنے خجالت محسوس نہ کرے۔ تہجد کے پابند اور نماز تسابیح بکثرت پڑھتے، شریعت و حقیقت کا بلند و مضبوط مینار تھے، تصوف کی قدیم و جدید کتب میں سے کوئی ایسی نہ ہوگی جس سے استفادہ نہ کیا ہو۔ قرآن مجید کی تفسیر کے دوران ہر آیت کا سبب نزول، ناسخ و منسوخ، مقام نزول اور تفسیر بارے متقدمین کی آراء شرح و بسط سے بیان کرتے۔

تاریخ سے گہرا لگاؤ و عبور حاصل تھا، اہم تاریخی واقعات کے بارے گہری بصیرت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے کہ اسلامی دنیا پر دو ایسے کاری وار ہوئے جن کے نتیجہ میں اسلامی تاریخ کا دھارا بدل گیا۔ ایک حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا شہید کیا جانا اور دوسرا ۱۹۰۹ء کو عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید دوم کی معزولی۔ ان المناک واقعات کو بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے اور سامعین بھی روئے بغیر نہ رہتے۔

مزاج میں تواضع و انکساری کا مادہ حد درجہ تھا لیکن اسی کے ساتھ علم اور علماء کی فضیلت کے قائل تھے۔ ایک موقع پر علماء کے وفد میں ملک کے صدر سے ملاقات کے لیے صدارتی محل تشریف لے گئے تو دربان نے وفد کو ملاقات کے لیے مختص ہال میں پہنچا دیا۔ جہاں ضابطہ کے مطابق ایک نشست صدر کے لیے

مخصوص اور نمایاں تھی۔ شیخ محمد ابوالخیر میدانی بلا جھجک اس پر بیٹھ گئے اور آپ کی ہیبت کے آگے دربان کو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ صدر شام ہال میں داخل ہوئے اور دربان نے دوسری کرسی کھینچ کر آپ کے پہلو میں رکھ دی اور صدر اس پر بیٹھ گئے۔ محل سے باہر سے آنے پر ساتھیوں میں سے کسی نے پوچھا، آپ جانتے نہیں تھے کہ صدر کی نشست پر بیٹھ رہے ہیں، جواباً فرمایا اگر مجھے نشست بدلنے کو کہا جاتا تو میں سیدھا ہال سے باہر نکل آتا اور پھر کسی صورت واپس نہیں آتا، اس لیے کہ علم کی فضیلت سب پر فوقیت رکھتی ہے۔

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں علماء شام نے ''رابطۃ العلماء'' قایم کی تو اس کی بنیاد رکھنے والے ملک کے ستاسی علماء ومشائخ میں شیخ محمد ابوالخیر میدانی سب سے بڑھ کر فعال تھے اور آپ ہی اس کے اولیں صدر منتخب کیے گئے۔ یہ ملک کی سب سے اہم مذہبی جماعت ثابت ہوئی اور اس نے کئی امور بارے بھرپور آواز اٹھائی جیسا کہ ۱۹۵۰ء میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت شام سے ملک کا آئین اسلامی تعلیمات کے مطابق کرنے کا مطالبہ کیا اور ۱۹۵۷ء فرانسیسی استعمار کے ہاتھوں الجزائر میں قتل عام کی مذمت اور بین الاقوامی عدالتی تحقیق کرنے پر زور دیا۔

یہ جماعت ملک کی باگ ڈور نصیری حافظ الاسد اور سیکولر بعث پارٹی کے ہاتھوں میں جانے تک فعال رہی۔ مذکورہ حکومت نے اس جماعت کو ہی نہیں ملک بھر کے تمام مذہب پسند حلقوں کو روند ڈالا اور یہ صورت آج تک برقرار ہے۔

شیخ ابوالخیر میدانی کو پانچ بار حج وزیارت کی سعادت حاصل ہوئی جس دوران حرمین شریفین کے علماء کرام نیز وہاں پر اسلامی دنیا سے وارد ہونے والوں نے آپ سے سند روایت حاصل کی ان میں مکہ مکرمہ کے شیخ سید محمد امین کتبی اور شیخ سید علوی بن عباس مالکی شامل ہیں۔ علاوہ ازیں حمص، حماہ، حلب، بغداد، قاہرہ اور القدس الشریف کے دورے کیے۔

آپ سے متعدد کرامات ظاہر ہوئیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی رات کو شیخ عیسیٰ کردی نقشبندی کے گھر روانہ ہوتے تمام راستہ ایک نادیدہ آدمی فانوس تھامے آپ کے آگے ہوتا۔

شیخ عارف عثمان جو خود بھی ولی کامل تھے انھوں نے فرمایا، شیخ دیب حلبونی شام میں قطب کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، ان کے بعد شیخ محی الدین عانی کردی قطب کا رتبہ ملا پھر شیخ سلیم مسوتی مقام قطب تک پہنچے

، جن کے بعد قطبیت حسب ذیل تین اولیاء اللہ میں منقسم ہوگئی، شیخ امین سوید، شیخ ابوالخیر میدانی، شیخ حافظ حمصی نجار رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

تصنیفات:

☆......**رسالة فی سیرة الشیخ عیسیٰ الکردی**، مخطوطہ مخزونہ مکتبہ آجریہ دمشق، اسی صفحات

☆......**رسالة فی اصول الحدیث**، سوال وجواب کی طرز پر، نامکمل، پندرہ صفحات

مسجد بنی امیہ کے وسیع احاطہ میں شیخ ابوالخیر میدانی کی نماز جنازہ ان کے شاگرد شیخ محمود رنکوسی نے پڑھائی جس میں جم غفیر نے شرکت کی اور قبرستان دحداح میں قبر بنی۔ آپ کے حالات پر شیخ محمود رنکوسی نے کتاب "**القضاء الربانی بوفاة الشیخ ابی الخیر المیدانی**" لکھی جو دمشق سے چھپی نیز شیخ محمد ریاض صالح نے "**العلامة الشیخ ابو الخیر المیدانی**" تصنیف کی۔

مآخذ:

۱......امداد الفتاح، ص ۳۳۹ تا ۳۴۰

۲......تاریخ العلماء دمشق، جلد ۲، ص ۷۲۰ تا ۷۳۹

۳......تذکرہ حضرت محدث دکن، ص ۳۰۳

۴......تشنیف الاسماع، ص ۴۵۸ تا ۴۶۰

۵......الطریقة النقشبندیہ، ص ۱۳۷

۶......معجم المؤلفین، جلد ۳ ص ۲۸۱

شیخ محمد سعید بن عبد الرحمٰن برہانیؒ

(۱۳۱۱ھ-۱۳۸۶ھ / ۱۸۹۴ء-۱۹۶۷ء)

☆☆

دمشق میں پیدا ہوئے وہیں وفات پائی۔ قرآن مجید اور دیگر ابتدائی علوم اپنے والد گرامی کے علاوہ شیخ جمال الدین قاسمی سے پڑھے پھر کیڈٹ کالج استنبول میں تعلیم کے بعد ۱۹۱۸ء کو عثمانی فوج میں سیکنڈ لیفٹیننٹ ہوئے۔

یہ جنگ عظیم اول کے آخری ایام اور خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کا دور تھا چنانچہ اگلے برس ۱۹۱۹ء کو شامی افواج میں منتقل ہو گئے لیکن چند ہی روز بعد ملازمت کو خیر باد کہہ کر فرانسیسی استعمار کے خلاف عملی جہاد میں فعال ہوئے اور ۱۹۲۰ء کے مشہور معرکہ میسلون میں حصہ لیا۔

بعد ازاں محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے اور دمشق وغیرہ مقامات کے مدارس میں استاد رہے۔ جس دوران مزید دینی تعلیم کی جانب راغب ہوئے اور علماء دمشق محدث شام شیخ سید محمد بدرالدین حسنی، ماہنامہ الحقائق کے بانی وایڈیٹر شیخ عبدالقادر اسکندرانی، مفتی اعظم شام شیخ عطاء اللہ کسم، شیخ محمد قطب، شیخ محمود عطار، شیخ صالح حمصی، شیخ محمود یاسین سے مختلف علوم اخذ کیے نیز شیخ محمد ابوالخیر میدانی سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ میں اخذ کیا۔

۱۹۳۲ء میں والد نے وفات پائی تو ان کی جگہ دمشق کی مسجد توبہ کے امام وخطیب تعینات ہوئے، اس دوران شہر میں صوفیہ کے سلسلہ شاذلیہ کے مرشد کبیر وعالم جلیل شیخ محمد ہاشمی تلمسانی سے تعلق گہرا ہوا تو ان سے اوراد ووظائف کی اجازت پھر ان کی نگرانی میں چلہ کش ہو کر تربیت پانے کے بعد شاذلیہ وقادریہ سلسلہ میں خلافت پائی۔

۱۹۴۵ء کو محکمہ تعلیم سے سبکدوش ہوئے تو باقی عمر مریدین کی تربیت اور مسجد توبہ میں تدریس کے لیے وقف رہی اور ۱۹۶۱ء کو شیخ محمد ہاشمی نے فات پائی تو اپنا سجادہ نشین مقرر فرما گئے۔

شیخ محمد سعید برہانی، عظیم محدث، مفسر، فقیہ حنفی، صوفی کامل، مجاہد اور دمشق میں شاذلی سلسلہ کے روح رواں ہوئے۔ والدہ ماجدہ سے حد درجہ محبت واحترام سے پیش آتے، جب گھر سے باہر جانا ہوتا تو ان کی قدم بوسی کر کے رخصت ہوتے اور واپس آنے پر یہی عمل دوہراتے۔ مریدین سے بھی محبت وانس کا معاملہ کرتے۔ علماء واولیاء کرام سے دلی محبت تھی اور شام ہی نہیں عراق ومصر کے لگ بھگ تمام مزارات پر حاضر ہوئے۔ زندگی کے آخری ستائیس برس مسلسل حج وزیارت کے لیے حجاز مقدس کے سفر کیے۔

نماز فجر اور مغرب کے بعد مسجد توبہ میں، ظہر کے بعد دمشق کی سب سے بڑی مسجد بنوامیہ میں اور عصر کے بعد شہر کی دیگر مساجد یا کسی طالب علم کے گھر پر حلقہ درس منعقد کرتے۔ جس میں فقہ حنفی، تفسیر، حدیث اور تصوف کی اہم کتب بالخصوص **الهداية العلايه، حاشية الطهاوی علی مراقی الفلاح، حاشيه رد المحتار، مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر، حاشيه الصاوی علی تفسير جلالين،**

تفسیر ابن عجیبة البحر المدیه، فیض القدیر، صحیح بخاری، الانوا ر المحمدیة، المتن والعهود، الطبقات الکبریٰ للشعرانی، الوصایا الاکبریه، مشارق الانوار للعدوی، حمرة الحان شرح رسالة ارسلان اور الفتح الربانی وغیرہ کتب شامل ہیں۔

شیخ محمد سعید برہانی دعوت وارشاد، درس وتدریس کی مصروفیات کے ساتھ شیخ ابوالخیر میدانی کی سرپرستی میں فعال علماء شام کی جماعت ”رابطۃ العلماء“ کی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ علاوہ ازیں شیخ عارف عثمان نے دمشق بھر میں محافل درود شریف کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا تو آپ بھرپور معاونت کرتے رہے اور شیخ عبدالوہاب دبس وزیت نے فقراء ومساکین کی مالی وغذائی مدد کے لیے تنظیم ”**جمعیة العقیبة الخیریة**“ کی بنید رکھی تو آپ معاون ہوے۔

آپ کے تلامذہ وخلفاء میں فرزندان کے علاوہ حمص کے عالم جلیل شیخ عبدالغنی عیون الاسود، حماہ کے شیخ سعدالدین مراد، شیخ صالح حمودی، دمشق سے شیخ احمد عبدالدائم، شیخ اسماعیل صباغ، ڈاکٹر شیخ عبدالحمید بن محمد ہاشمی، شیخ عبدالرحمٰن شاغوزی، جامع غواص میدان کے امام وخطیب شیخ سلیم حمامی، مسجد سروجیہ کے امام شیخ احمد عادل خورشید، شیخ بشیر قھوجی، مفتی دوما شیخ احمد شامی جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔

علاوہ ازیں مشہور مفکر واہل نجد کے امام شیخ ناصر البانی نے آپ سے فقہ حنفی وغیرہ کتب میں ابتدائی تعلیم پائی۔

آپ کی وفات پر فرزند شیخ محمد ھشام برہانی جانشین ہوے جو ملک کے جید عالم، صوفی کامل، مبلغ، مصنف اور اجداد کے اعمال حسنہ کو بخوبی جاری رکھے ہوے ہیں۔ دوسرے فرزند شیخ محمد جہاد برہانی مسجد توبہ کے امام وخطیب رہے جنہوں نے ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء کو وفات پائی۔

تصنیفات:

عوام کے عمومی فائدہ ورہنمائی کے لیے اپنے عزیز دوست فقیہ حنفی وصوفی کامل قاری شیخ عبدالوہاب دبس وزیت کے ساتھ مل کر چھے کتابچے تالیف کر کے شائع کرائے جن کے نام یہ ہیں:

☆...... **رسالة الصلوٰة**

☆...... **رسالة الزکوٰة**

☆...... **رسالة الصوم**

☆......رسالة الحج

☆...... رسالة المعاملت

☆...... رسالة فی العقیدة

جبکہ شیخ محمد سعید برہانی نے تنہا مزید کتب بھی تالیف کیں جن کے نام یہ ہیں۔

☆...... ادعیة الحج، مطبوع

☆......ادعیة والذکار، مطبوع

☆......تعلیقات علی درر المباحة فی الحظر و الاباحة

☆......رسالة فی البلاغة

☆......رسالة فی المنطق

☆......شرح الحدایة العلائیة، فقہ حنفی، بارہا شائع ہوئی

☆......مجموعة فی اسماء الرجال الحدیث

☆......مجموعة فی موانع الصرف

☆......المواسم المبارکه

☆......الوصیة الموجزة

وفات کے روز تقریباً تمام عزیز و اقارب کے ہاں جا کر ملاقات کی اور مغرب سے کچھ پہلے واپس گھر پہنچے اور نماز کی تیاری کرنے لگے۔ جیسے ہی وضو مکمل کیا، روح اقدس پرواز کر گئی۔ شیخ عبد الوہاب دبس وزیت نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں پندرہ ہزار کے قریب افراد شریک تھے۔ قبرستان دحداح میں اپنے مشائخ شیخ ابو الخیر میدانی و شیخ محمد ہاشمی تلمسانی کے پہلو میں قبر واقع ہے۔ تدفین کے مرحلہ پر دمشق کے اکابر علماء و مشائخ نے خطاب میں خراج تحسین پیش کیا۔

آپ کے حالات پر شیخ احمد عال خورشید نے کتاب ''محمد سعید البرہانی'' لکھی جو دمشق میں طبع ہوئی اور شیخ محمد ریاض صالح نے ''اربعون عاماً فی محراب التوبة'' لکھی جو ۱۳۸۷ھ کو دمشق سے چھپی۔

☆......☆......☆

ماٰخذ:

۱......الاعلام، ج ۲، صفحہ ۱۴۵

۲......تاریخ علماء دمشق، جلد ۲، ص ۷۹۴ تا ۸۰۴

۳......تذکرۃ حضرت محدث دکن، ص ۳۰۲

۴......الطریقۃ النقشبندیۃ، ص ۱۴۲ تا ۱۴۳

۵......معجم المؤلفین، جلد ۳، ص ۳۲۵

۶......ماہنامہ نور الحبیب، شمارہ مارچ ۲۰۰۰ء، ص ۵۸

چودھویں صدی ہجری کی عرب دنیا بالخصوص اردن، بحرین، سعودی عرب، شام، عراق، لبنان، مصر میں بکثرت علماء و مشائخ صوفیہ کے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے وابستہ تھے جن کے حالات کا ایک مضمون میں احاطہ ممکن نہیں بلکہ اس موضوع پر ضخیم اردو کتاب کی ضرورت و گنجائش باقی ہے۔

فہرست ماٰخذ:

عربی کتب، غیر مطبوعہ

۱......اعلام العلم والادب فی مدینۃ سید العجم والعرب شیخ ابو عمر صالح عبد الکریم بشیر بن صالح بن مبارک، مخطوطہ بخط مصنف کا عکس

۲......رسالۃ المسجد فی سوریۃ، ڈاکٹر شیخ عبد المجید بیانونی، مقالہ ڈاکٹریٹ، کمپوز شدہ کا عکس

عربی کتب، مطبوعہ

۳......اتحاف الاخوان باختصار مطمح الوجدان فی اسانید الشیخ عمر حمدان، شیخ محمد یاسین بن محمد عیسیٰ فادانی، طبع دوم ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۵ء دار البصائر دمشق

۴......آثار آل الوتری العلمیۃ، ڈاکٹر منیر محمود وتری، طبع ۱۹۷۴ء مطبع الامۃ بغداد

۵......اعلام من ارض النبوۃ، شیخ انس یعقوب کتبی، جلد اول طبع اول ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء جلد اول طبع دوم ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء مطابع دار البلاد جدہ

۶......الاعلام الشرقیۃ فی المائۃ الرابعۃ عشر الھجریۃ، شیخ محمد زکی بن محمد مجاہد، طبع دوم ۱۹۹۴ء دار الغرب الاسلامی بیروت

۷......الاعلام، قاموس تراجم لاشہر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، شیخ خیر الدین محمود زرکلی، طبع ششم ۱۹۸۴ء، دار العلم للملایین، بیروت

۸......امداد الفتاح باسانید ومرویات الشیخ عبد الفتاح، شیخ محمد بن عبد اللہ الرشید، طبع اول ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء مکتبہ امام شافعی ریاض

۹......تاریخ علماء دمشق فی القرن الرابع عشر الہجری، شیخ محمد مطیع الحافظ وشیخ نزار اباظہ، طبع اول، جلد اول ودوم ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء جلد سوم ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء دار الفکر دمشق

۱۰......تتمۃ الاعلام للزرکلی، شیخ محمد خیر رمضان یوسف، طبع اول ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء دار ابن حزم بیروت

۱۱......تشنیف الاسماع بشیوخ الاجازۃ والسماع۔ شیخ محمود سعید ممدوح، طبع اول غالباً ۱۴۰۴ھ دار الشباب للطباعۃ قاہرہ

۱۲......الجواہر الغالیۃ من الاسانید العالیۃ، مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری، طبع دوم ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء مؤسسۃ الشرف لاہور

۱۳......الحدائق الوردیۃ فی حقائق اجلا النقشبندیہ، شیخ عبد المجید بن محمد خانی، طبع ۱۳۰۸ھ عبد الوکیل دروبی جامع درویشیہ دمشق

۱۴......حلیۃ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشرہ، شیخ بد الرزاق بن حسن بیطار، تحقیق شیخ محمد بہجت بن محمد بہاء الدین بیطار، طبع اول ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء مجمع اللغۃ العربیہ دمشق

۱۵......حمص، دراسۃ وثائقیۃ، شیخ محمود عمر سباعی وشیخ نعیم سلیم زہراوی، جلد اول طبع اول ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء مطبع الروضۃ حمص

۱۶......الدر اللطیف فی فضائل الختم الشریف، شیخ حسین بن محمد خطیب طیبانی، طبع ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۶۴ء مطبع فتی الشرق حمص

۱۷......الدلیل المشیر الی فلک اسانید الاتصال بالحبیب البشیر صلی اللہ علیہ وآلہ ذوی الفضل الشہیر وصحبہ ذوی القدر الکبیر، شیخ سید ابوبکر بن احمد حبشی علوی، طبع اول ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، مکتبہ مکیہ مکہ مکرمہ

۱۸......الرحلۃ السامیۃ الی الاسکندریۃ ومصر والحجاز والبلاد الشامیۃ، شیخ محمد بن عزوز، طبع اول ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء دار ابن حزم بیروت

۱۹......الطریقۃ النقشبندیۃ واعلامہا، ڈاکٹر محمد احمد درنیقہ، سنہ اشاعت درج نہیں جبکہ مقدمہ کتاب ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء کو لکھا گیا، جروس پریس طرابلس لبنان

۲۰......علماء وادباء البحرین فی القرن الرابع عشر الہجری، شیخ بشارت بن یوسف الحادی، طبع اول ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء بیت

البحرین للدراسات والتوثیق بحرین

۲۱......فتح المجید فی مدح الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم، شیخ عیسیٰ بن حسن بیانونی، طبع اول ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء دار طوق النجات، بیروت

۲۲......فہرست المخطوطات دار الکتب المصریۃ، مصطلح الحدیث، شیخ فواد بن سید عمارۃ، جلد اول ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ھ دار الکتب المصریۃ قاہرہ

۲۳......فہرس الفہارس والاثباۃ ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات، شیخ سید محمد عبد الحی بن عبر الکبیر کتانی، تحقیق ڈاکٹر احسان عباس، طبع دوم ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء دار الغرب الاسلامی، بیروت

۲۴......الفہرس المختصر لمخطوطات مکتبۃ الحرم المکی الشریف، شیخ محمد بن احمد مطیع الرحمٰن و شیخ عادل بن جمیل بن عبد الرحمٰن عید، جلد اول تا سوم، طبع اول ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء جلد چہارم طبع اول ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء مکتبۃ شاہ فہد ریاض

۲۵......معجم الادباء الاسلامیین المعاصرین، شیخ احمد الجدع، طبع اول ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء دار الضیاء عمان اردن

۲۶......معجم الشیوخ، شیخ عبد الحفیظ بن محمد طاہر فاسی، تحقیق شیخ عبد المجید خیالی، طبع اول ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء دار الکتب العلمیۃ بیروت، کتاب کے مزید دو نام ریاض الجنۃ، المدہش المطرب

۲۷......معجم المطبوعات العربیۃ والمصریۃ، یوسف بن الیان سرکیس، سنہ اشاعت درج نہیں، طبع جدید دار صادر بیروت

۲۸......معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم المکی الشریف، شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن معلّمی، طبع اول ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء مکتبۃ شاہ فہد ریاض

۲۹......معجم المؤلفین تراجم مصنفی الکتب العربیۃ، شیخ عمر رضا کمالہ، طبع اول ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

۳۰......معجم المؤلفین العراقیین فی القرن التاسع عشر والعشرین، کورکیس عواد، طبع اول ۱۹۶۹ء مطبع ارشاد بغداد

۳۱......معجم الموضاعات المطروقۃ، فی التالیف الاسلامی وبیان ماالف فیھا، شیخ عبد اللہ بن محمد حبشی، طبع ۲۰۰۰ء کلچرل فاؤنڈیشن ابوظہبی

۳۲......نزھۃ الفکر فیما مضی من الحوادث والعبر فی تراجم رجال القرن الثانی عشر والثالث عشر، شیخ احمد بن محمد حضراوی ہاشمی، تحقیق محمد المصری، طبع اول ۱۹۹۶ء وزارت ثقافت دمشق

۳۳......نفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات، شیخ علی بن حسین واعظ کاشفی ہروی کی ''رشحات عین الحیاۃ'' کے فارسی سے عربی ترجمہ پر تکملہ از شیخ محمد مراد بن عبد اللہ قازانی، جو اس کے حاشیہ پر مطبوع ہے، سنہ اشاعت درج

نہیں، دار صادر بیروت

اردو کتب:

۳۴......تذکرہ حضرت محدث دکن، ڈاکٹر مولانا ابو الخیرات محمد عبد الستار خان، طبع اول ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء، الممتاز پبلی کیشنز لاہور

۳۵......تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل، مولانا غلام دستگیر قصوری، نوری کتب خانہ لاہور

اردو رسائل، ماہنامہ:

۳۶......سوئے حجاز، لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۹۹ء

۳۷......معارف رضا، کراچی، شمارہ جنوری، فروری، جون، نومبر ۲۰۰۲

۳۸......نعت، لاہور، شمارہ فروری ۲۰۰۵ء، مولانا خیر الدین اور ان کی نعت گوئی، خاص شمارہ

۳۹......نور الحبیب، بصیر پور، شمارہ مارچ ۲۰۰۰ء

☆......☆......☆

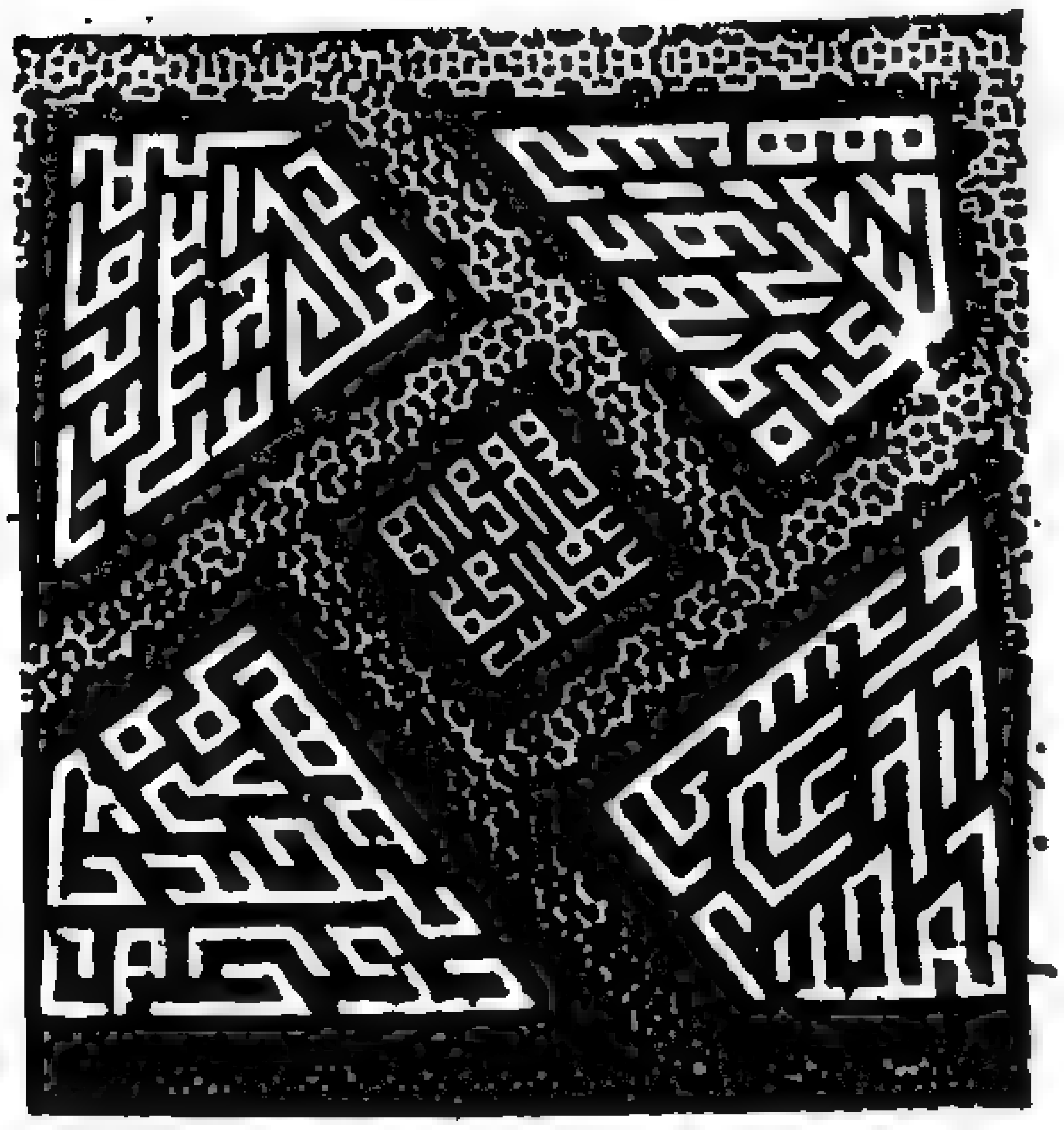

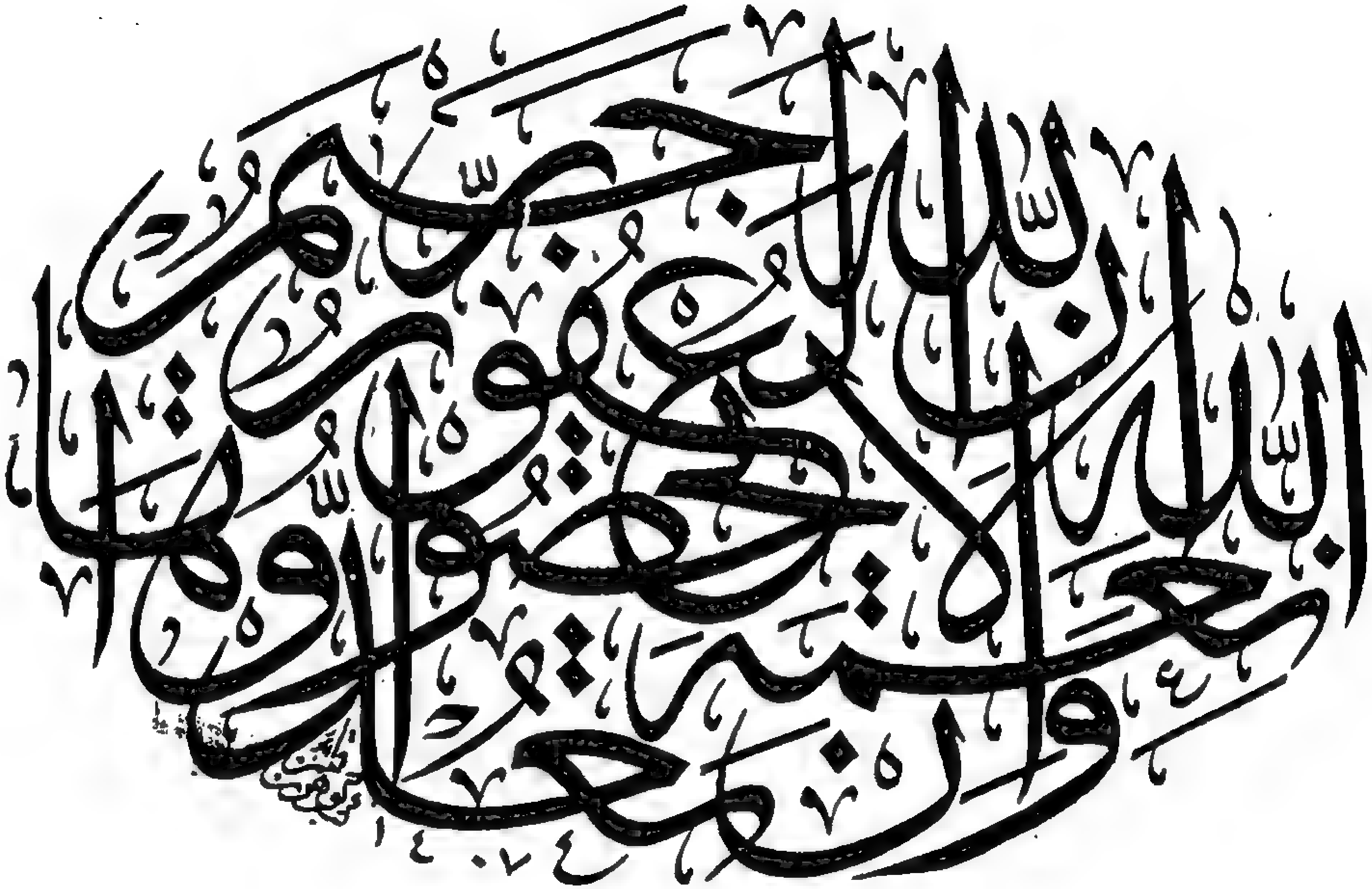
وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها إن الله لغفور رحيم
١٤٠٧

كلما سطرت سطراً ❁ ضاع من عمري سطر ❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

وسط ایشیا میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا عروج مجددی مشائخ اور خلفاء کی نظر سے

(۱۶ویں تا ۱۸ویں صدی عیسوی میں)

پروفیسر ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی (کینیڈا)
تلخیص و ترجمہ: سید جمیل احمد رضوی
(ریٹائرڈ چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور)

☆☆

ہم ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی کے مقالے کی اہمیت کی وجہ سے یہ تلخیص و ترجمہ شامل کر رہے ہیں، ترجمہ و تلخیص ایک مشکل کام ہے جو اس ترجمہ سے ظاہر ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام ترجمہ بامحاورہ نہ ہونے کے باوجود اس سے استفادہ کریں گے۔ (مرتبین)

ماوراء النہر کے علماء و مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے حقوق ہم دور افتادہ اور پس ماندوں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر اس قدر ہیں کہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد اور آراء صائبہ کے موافق اعتقاد کی درستی اور علماء حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کے بموجب عمل کی صحت انہی بزرگواروں کی تدقیقات و تحقیقات سے حاصل ہوئی ہے اور طریقہ علیہ صوفیہ قدس سرہم کا سلوک بھی اس ملک میں اسی مکان شریف سے میسر ہوا ہے۔ شیخ احمد سرہندی[1]

اس طرح سلسلہ نقشبندیہ کی مجددیہ شاخ کے بانی نے وسط ایشیا سے ہندوستان میں نقشبندیہ سلسلہ کی منتقلی (شجرکاری) کے بارے میں ذکر کیا۔ شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے خاندانی اور روحانی اخلاف آنے والی صدیوں میں اپنی وسطی ایشائی میراث پر مسلسل فخر کرتے رہے ہیں اور تحریروں میں اپنی پسماندگی کا اعتراف بھی کرتے رہے ہیں۔

تصوف کا نقشبندیہ سلسلہ جو جنوبی ایشیا میں قدرے بعد میں آنے والی شاخ ہے، ۱۶ ویں صدی کے شروع میں مغلوں کے ساتھ یہاں آیا۔ اس سلسلے کی مجددیہ شاخ کو جس نے ہندوستان میں ترقی کی، وسطی ایشیا کے ساتھ اپنے روابط کا اعتراف کرنے میں کبھی ناکام نہیں ہوئی۔ دوسرا بڑا عامل جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے رشتہ کو وسطی ایشیا کے ساتھ مضبوط بنانے میں خدمات سرانجام دیں وہ ترک اسلامی میراث تھی جس نے ہند اسلامی معاشرہ تشکیل دیا۔ محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء) کے اخلاف جنہوں نے ہندوستان کی سرزمین میں ترک اسلامی میراث کے بیج بوئے، لیکن مغلوں کے آنے سے یہ اپنے عروج پر پہنچی جو مغل وسطی ایشیاء فاتح امیر تیمور لنگ (عہد حکومت ۷۷۱-۸۰۵ھ/ ۱۳۷۰-۱۴۰۵ء) کے اخلاف تھے اور مغلوں کے زوال کے بعد یہ (میراث) کافی دیر تک موثر رہی۔ یہ زوال ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء میں شروع ہوا تھا۔[۲]

اصل مقالہ انگریزی زبان میں ہے۔ اس کی تلخیص اُردو زبان میں شائع کی جا رہی ہے۔ یہ مقالہ درج ذیل کتاب میں شائع ہوا:

Reason and Inspiration in Islam,......Theology, Philosophy and Mysticism in Muslim Thought: Eassays in Honour of Hermann Landolt. Edited by. tod lawson, (London: I.B. Tauris Publisher's 2005), PP. 418-431

نقشبندیہ اور نقشبندیہ مجددیہ نے جدید دور میں کچھ عالمانہ اور فاضلانہ توجہ حاصل کی ہے لیکن وسطِ ایشیا میں نقشبندیہ مجددیہ کے بارے میں زیادہ نہیں لکھا گیا۔ اس مطالعہ کے لیے دو تازہ مقالات متعلقہ ہیں جن کو Buehler اور Foltz نے لکھا ہے۔ بیولر Buehler مغلیہ ہندوستان میں وسطی ایشائی مجددیہ میراث کی موجودگی کا سراغ لگاتا ہے اور ان عوامل کی نشاندہی کرتا ہے جنہوں نے سلسلہ نقشبندیہ کو ہندوستان اور وسط ایشیا میں ہردل عزیز بنایا[۳]۔ فولٹز (Foltz) کا مقالہ وسطی ایشائی مجددیہ

کے مغل حکمرانوں کے ساتھ تعلقات کا خاکہ پیش کرتا ہے۔[4] زیر نظر مطالعہ (مقالہ) ان دو مقامات کا تتمہ ہے اگرچہ یہ صرف ابتدائی اور اکتشافی نوعیت کا ہے اور اس کا انحصار بعض اہم ہندوستانی مجددیہ تحریروں پر ہے۔

شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے، انہوں نے اس حقیقت پر فخر کیا کہ نقشبندیہ صوفی سلسلہ نے برصغیر میں وسط ایشیا سے جڑ حاصل کی اور ۱۷ویں صدی عیسوی میں مجددی شاخ کی عظیم اصلاح کے ساتھ وسط ایشیاء میں لوٹ گیا۔ شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ ایک روحانی پیر، ایک روحانی مرشد اور ایک مکمل زندہ صوفی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات (قیوم۔ قطب الاقطاب) کی حمایت کا کام سونپا تھا جن کے معاصرین کی اکثریت ان کا بہت ادب و احترام کرتی تھی اور بعض نے ان پر تنقید بھی کی تھی۔ بعد میں آنے والی نسل (اخلاف) ان کو ہندوستان میں اجتماع ضدین کی اُبھرتی ہوئی لہر کے سامنے سرمایۂ اسلام۔ سرمایۂ ملت کا نگہبان سمجھتی ہے۔[5]

ایک معاصر افاضل، عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ......۱۶۵۷ء) نے شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کو ''مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ'' کا لقب دیا۔ شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے پوتے عبدالاحد (م ۱۷۱۴ء) نے وسطی ایشیائی اسلام پر اپنے دادا کے اثرات کو ان کے مجدد ہونے کے ایک شاہد کی حیثیت سے دیکھا۔ انھوں نے اپنے دادا کی شعوری کوشش کو سراہا جو اُنھوں نے مشرق اور مغرب میں اپنے خیالات کی ترویج و اشاعت کے لیے کی جس سے بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور ان ہزاروں مسلمانوں کی مذہبی رسوم اور عقائد کی اصلاح ہوگئی۔

باہمی جماعتی روابط (The Networking)

تمام دستیاب ماٰخذ شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے اتحاد عالم اسلامی کے پیغام کی اپیل اور مجددی طریقہ کی اشاعت کے لیے ان کے خلفاء کے باہمی روابط کے نظام پر زور دیتے ہیں: تجدید کے ۱۴ویں سال ستر خلفاء ترکستان اور قپچاق کی طرف محمد خان طالقانی کی قیادت میں بھیجے گئے۔ چالیس یمن، شام اور روم (ترکی) کی طرف فرخ حسین کی نگرانی میں بھیجے گئے اور شیخ احمد برکی نے توران، بدخشاں اور خراسان کی جانب تین بڑے خلفاء کی راہنمائی کی۔

مکتوبات کی پہلی جلد جس کو شیخ یار محمد طالقانی نے مرتب کیا تھا، کی تکمیل کے بعد اس کے بہت سے نسخے تیار کیے گئے اور ان کو ایران، توران اور بدخشاں میں پھیلایا گیا جس سے اچھا اثر ہوا[6] یہاں پر دی گئی خاص تفاصیل ثانوی آخذ سے ماخوذ ہیں جن کی جانچ پرکھ مشکل ہے، لیکن یہ شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے سوانح نگاروں کی آراء سے مماثلت و مطابقت رکھتی ہیں۔ قابل اعتماد بنیادی ماخذ میں دو سوانح حیات ہیں زبدۃ المقامات اور حضرات القدس[7] جن کو شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے دو نہایت ممتاز خلفاء نے علی الترتیب لکھا ہے۔ محمد ہاشم کشمی (۱۰۵۴ھ/۱۶۴۴ء)[8] اور بدرالدین سرہندی (زندہ در ۱۰۴۸ھ/۱۶۴۸ء)[9] عہد مغلیہ کے ہندوستان کی سوانح نگاری کے رواج کے مطابق وہ شیخ سرہندی کے افغانستان اور وسط ایشیاء میں بڑے بڑے خلفا کے مفصل حالات تحریر کرتے ہیں۔ زبدۃ المقامات میں کشمی نے چھوٹے بڑے تینتالیس خلفاء شامل کیے ہیں (شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے بیٹوں کے علاوہ)۔ ان میں سے تیرہ ہندوستان سے باہر کے ہیں[10] حضرات القدس میں انیس[11] میں سے نو اور بعد کے کم قابل اعتبار (ماخذ) روضۃ القیومیہ میں ستائیس خلفاء میں سے چودہ غیر ہندوستانی تھے[12]۔ ہندوستان میں آنے والوں میں سے جو رُوحانی طور پر امتیازی حیثیت حاصل کر لیتے تھے انکو خلافت دی جاتی تھی اور لوگوں سے بیعت لینے اور ان کی تربیت کرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ بعض اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور دوسروں نے ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ ان باہمی روابط سے شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات مغلیہ ہندوستان سے باہر پھیل گئیں۔ خلفاء اپنے شیخ سے مکتوبات کے ذریعے رابطہ رکھتے تھے۔ شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات کی تین جلدیں جن میں ۵۳۶ مکتوبات ہیں، مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے فلسفے کے بڑے ماخذ ہیں، ایک ایسا ذریعہ جس سے شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کی میراث پھیلی اور سب سے بڑھ کر ایک ایسا مخزن جس سے صوفیانہ، دانش ورانہ اور اپنے عہد کی معاشرتی زندگی کی تشکیل جدید ہوئی، پہلی بار تیسری جلد کے مرتبین علی الترتیب یار محمد جدید طالقانی اور محمد ہاشم کشمی بدخشانی کا تعلق وسط ایشیا سے تھا جیسا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہے۔

شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کی خط کتابت کے نمونے

شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے قریباً بانوے خطوط وسط ایشیا اور افغان خلفاء کو لکھے۔ میر مومن بلخی کے نام دو خطوط میں سے ایک میں شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ نے ماوراء النہر کے لوگوں کے لیے اپنی محبت اور احترام کا اظہار کیا۔ اس مکتوب کو کسی قدر طوالت کے ساتھ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ وسطی ایشیائی

نقشبندی صوفیہ اور ہندوستان کے مجددی صوفیہ (مجددیہ) کے تعامل (باہمی عمل) پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس مکتوب کا پہلا پیرا مقالے کی ابتداء میں اقتباس کی صورت میں دیا گیا ہے:۔

> مقامات جذبہ وسلوک وفنا وبقاء اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ جو مرتبہ ولایت خاصہ سے وابستہ ہیں، ان کی تحقیق اسی مبارک جگہ کے بزرگوں کے فیوض سے پہنچتی ہے......
>
> اللہ تعالیٰ سید السادات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل اس جگہ کو اور وہاں کے رہنے والوں کو آفات وبلیات سے محفوظ رکھے، وہ یار (دوست) جو وقتاً فوقتاً اس بلند ملک سے اس پست ملک میں آتے ہیں، وہاں کے حضرات صاحب برکات کا لطف وکرم اور خاص کر ارشاد و ہدایت پناہ وافادت و افاضت دستگاہ سلمہ اللہ تعالیٰ یعنی جناب کی شفقت ومحبت اس حقیر کی نسبت ظاہر کرتے ہیں کہ وہ شرافت کے نشان والے عالی جناب فقیر کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور فقیر کے بعض ان علوم ومعارف کو جو لکھے گئے ہیں مطالعہ کرتے اور پسند فرماتے ہیں...... چونکہ انہی دنوں میں ازسر نو شیخ ابوالمکارم صوفی نے آکر آپ کے لطف وکرم کا اظہار کیا اور مہربانی فرمائی[۱۳]۔ اس لیے آپ کے کرم پر بھروسا کر کے یہ چند کلمے لکھ کر آپ کو تکلیف دی اور اپنی یادآوری کی طرف آپ کو توجہ دلائی۔ چونکہ اس فقیر کے بعض مسودوں کی نقل مرتبہ برادرم محمد ہاشم، جو مخلص دوستوں میں سے ہے صوفی مشارٌ الیہ کے ہمراہ ارسال کر دی ہے۔ اس لیے اس پر کفایت کی گئی ہے اور اس طائفہ علیہ کے علوم ومعارف کی کوئی بات اس خط میں درج نہیں کی۔ جناب کی شفقت وعنایت سے امید ہے کہ خاص خاص وقتوں میں فقیر کو سلامت خاتمہ کی دُعائے خیر سے یاد فرماتے رہا کریں گے......حضرات عالی درجات یعنی شرافت ونجابت کی پناہ والے اور اہل اللہ کے جائے پناہ

> جناب سید میرک شاہ بخاری اور افادہ کے مرتبہ والے جہان کے علامہ جناب مولانا حسن اور شریعت کے ناصر اور ملت کے حافظ قاضی تولک ادام اللہ برکاتھم کی خدمت میں اس فقیر کی فقیرانہ دعوت پہنچادیں اور فقیر زادوں کی طرف سے مخدوم زادوں کی خدمت میں سلام عرض کر کے دُعا کی التماس کریں۔[۱۴]

بدرالدین نے حضرات القدس میں بعض وسطی ایشائی صوفیہ کو شامل کیا جو ہندوستان نہ آسکے۔ لیکن انہوں نے شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ سے التماس کی کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی جانب روحانی توجہ فرمائی جائے۔ انہوں نے یہ بھی تحریر کیا کہ سیّد میرک شاہ، میر مومن بلخی، حسن قبادیانی اور قاضی مولانا تولک نے شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ایک درویش کے ہاتھ تحائف بھیجے جو ہندوستان آرہا تھا۔ اس درویش نے ان کے خطوط دیے اور اپنے شیخ، میر محمد بلخی، کا پیغام دیا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر بڑھاپا اور طویل سفر دونوں مانع نہ ہوتے تو میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر شیخ ۔۔۔۔۔ کے اعلیٰ مقامات نور سے استفادہ کرتا۔ میر محمد بلخی نے شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ سے التجا کی کہ ان کی عدم موجودگی میں اپنی روحانی توجہ سے نوازیں۔ ملاقات کرنے والے درویش نے اپنے شیخ کی طرف سے بیعت بھی کی۔ روانگی سے پہلے درویش نے شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ سے درخواست کی کہ وہ بلخ کے لوگوں کے لیے بھی ایک پیغام لکھ دیں کیونکہ وہ شیخ سرہندی کے ادراک عرفان سے بہت متاثر ہیں۔ انہوں نے اپنی نیک خواہشات کو چند الفاظ میں لکھ کر اس کی التجا کو پورا کردیا۔[۱۵]

(شیخ) احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کا پیغام

وسط ایشیا کے لوگوں اور افغانوں کو بھیجے گئے مکتوبات صرف تصوف سے متعلقہ مسائل تک محدود نہیں ہیں۔ شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ ایک فاضل عالم تھے، ایک صوفی جن کی بصیرت بہت گہری تھی۔ انہوں نے خود بھی سنت پر عمل کیا اور اس کو ہر دلعزیز بنایا، مذہب میں بدعت کو روکا دینی اور روحانی معاملات میں قیادت فراہم کی اور اپنے مضبوط عقائد پر قائم رہے اور ان کی سیاسی دباؤ اور دھمکی سے حوصلہ شکنی نہیں ہوئی۔ وہ اس کے قائل تھے کہ نقشبندیہ کی تعلیمات اور معمولات خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ موثر ہیں۔ جو دوسرے صوفی سلاسل میں منزل مقصود ہوتی ہے وہ نقشبندیہ میں نقطۂ آغاز ہوتا ہے کیونکہ اس سلسلہ

کے دو بنیادی اصول ہیں: سنت کی مضبوطی سے پیروی اور بدعت سے احتراز کرنا۔ اُنہوں نے محمد اشرف کابلی کو لکھا۔[۱۶]

> یہ سلسلہ سماع رقص اور تواجد سے احتراز کرتا ہے کیونکہ یہ چیزیں پیغمبر ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں رائج نہ تھیں، اُنہوں نے خواجہ محمد قاسم املنگی[۱۷] اور میر سید حسین کو خبردار کیا: اس سلسلہ میں خود نظمی روح کو زیر نگیں کرنے کے لیے، جو نفس امارہ کو اُبھارتی ہے، شرعی احکام پر عمل کرنے اور سنت کے لازم پکڑنے سے حاصل کی جاتی ہے۔[۱۸]

شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کی تربیت ایک عالم کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ اس لیے وہ علماء بہ حیثیت ایک جماعت کی اہمیت سے خوب واقف تھے اور ان سے توقع رکھتے تھے کہ وہ ہند کے اسلامی معاشرے میں ایک مرکزی کردار ادا کریں۔ انہوں نے قطعی طور پر کہا کہ شریعت میں نسخ اور تبدیلی نہیں ہے اور یہ علماء ہی ہیں جن کو پیغمبر ﷺ کے وصال کے بعد ان کے فرض کو ادا کرنا ہے۔[۱۹] اُنہوں نے معاصر علماء کی بے حسی اور بدعت کے خلاف کام نہ کرنے پر تاسف کا اظہار کیا[۲۰]۔ اُنہوں نے احمد برکی کے نام مکتوب میں کہا کہ ان کو اپنے علاقے برک[۲۱] میں شریعت کی اشاعت وترویج کرنی چاہیے، فقہی احکام کو پھیلانا چاہیے اور علماء کے گروہ میں شامل ہو جانا چاہیے۔ ان کو چاہیے کہ افراد کو دینی علوم کی تعلیم دیں اور فقہی احکام کو عام کریں کیونکہ یہ دونوں چیزیں (اس سلسلے کا) اصل مقصود ہیں۔ ان پر افراد کی روحانی ترقی اور نجات کا دارومدار ہے۔[۲۲]

ہم شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے خلفاء کے ساتھ قریبی رابطے اور علاقے میں ان کی فلاح و بہبود کی حساسیت کو معلوم کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر احمد برکی کی وفات پر اپنے تعزیتی مکتوب میں ان کی وفات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اُنہوں نے مولانا حسن کو نیا خلیفہ مقرر کیا، ان کی نئی ذمہ داریوں کا خاکہ پیش کیا اور حسن کے پیروکاروں/مریدوں سے کہا کہ وہ ان کی اپنے روحانی پیشوا کی حیثیت سے عزت کریں۔[۲۳]

یہ زیادہ اہم ہے کہ نقشبندیہ مجددیہ صوفیہ نے وسط ایشیاء میں تجدید کے پیغام کی سرگرمی سے اشاعت و ترویج کم سے کم دو سو سال تک کی۔ شیخ احمد سرہندی م ۱۶۲۴ء تا شاہ غلام علی م ۱۸۲۴ء یہ مظہر مکتوبات اور ملفوظات کے اس ادب میں تحریر کیا گیا ہے جو برصغیر میں لکھا گیا۔ اس ادب سے بعد میں آنے والی نسلوں کی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ اور ان کی تحریروں سے دلچسپی کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔

اختتامی تبصرہ

مجددیہ کی بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ ملحوظ خاطر رہے کہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کا وسط ایشیا کے ساتھ ناطہ صرف مجددیہ تک محدود نہ تھا۔ اس رابطہ کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ آج بھی، اس کے باوجود کہ درمیان میں پر آشوب صدیاں گزر چکی ہیں، وہ آداب مجلس، لباس، کھانے پینے کا طریقہ اور مختلف پھلوں کے اصل نام موجود ہیں جن کو برصغیر میں ترک سلاطین اور مغل شہنشاہوں نے متعارف کرایا۔ یہ سب کچھ آج بھی دانشوروں، عام لوگوں اور اردو فارسی ادب، علاقائی زبانوں اور لوک ادب میں پایا جاتا ہے۔

بیسویں صدی کے سب سے زیادہ نمایاں فلسفی شاعر محمد اقبال (م ۱۹۳۸ء) نے اس مضبوط رشتے کا حوالہ دیا:

اگر چہ زادۂ ہندم، فروغِ چشم من است
زخاکِ پاک بخارا و کابل و تبریز![۲۴]

ایک اور شعر میں شاعر نے جنوبی اور وسط ایشیا میں کوئی سرحد نہیں دیکھی:

ایک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تاخاک بخارا و سمر قند![۲۵]

(شیخ) سرہندی علیہ الرحمۃ کی میراث کو فروغ دینے کی آبرو ان کے خاندانی اور روحانی اخلاف اور ان کے مریدین اور خلفاء ہیں۔ جدید علمی دنیا میں اور اہم بنیادی مآخذ (جن میں مکتوبات مظہر جان جاناں اور ان کے کثیر التصانیف خلیفہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی م ۱۸۱۰ء اور شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری م ۱۷۵۱ء)[۲۶] کی اشاعت سے شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ متحرک اسلام کے مجدد کی حیثیت سے ابھرتے ہیں جن کے پیغام نے ان کے روحانی اخلاف اور خلفاء اور مریدین کے علم و فضل سے وسعت حاصل کی۔[۲۷] انہوں نے مریدین کے طرز عمل کے لیے دستور العمل لکھے اور مجددی مشائخ کے ملفوظات اور مکتوبات کو مرتب کیا۔ شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے روحانی خلف، مولانا خالد نے مرید بھائی، شاہ ابو سعید مجددی، کو شیخ احمد سرہندی کے اتحاد اسلامی کے اثر و رسوخ (Pan-Islamics way) کے بارے میں لکھا۔ ان کے مطابق ترکی، عرب دنیا، حجاز، عراق، ایران (عجم) کے بعض علاقے اور تمام کردستان میں لوگ ارفع و اعلیٰ مجددی طریقہ کے

لیے جذبہ اور احساس رکھتے ہیں اور رات دن ان کے محامد سماجی ماحول، اجتماعات، مساجد اور مدارس میں ادنیٰ و اعلیٰ دونوں سے بیان کیے جاتے ہیں۔ [۲۸]

آج بھی مجددی روایت بہت سے ناموں کے ساتھ تروتازہ ہے: ڈھاکہ سے پشاور، کابل سے استنبول، بغداد سے بوسنیا، مغربی جاوا سے شمالی سماٹرا یورپ سے شمالی امریکہ تک۔

حواشی

۱...... شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ مکتوبات امام ربانی، اردو ترجمہ عالم الدین (لاہور: اللہ والے کی قومی دکان۔ س۔ ن) جلد۳، مکتوبات ۹۹: ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ اس مکتوب کا باقی متن اس حصے کے تحت دیا جاتا ہے: ''شیخ احمد سرہندی کی خط کتابت کے نمونے''

۲...... تیموریوں کے چغتائی قبیلے کی شناخت کے لیے دیکھیے:۔

1. Beatrice, Forbes, Manz, The Development and Meaning of Chaghaty "Identity, in Jo-Ann Gross, ed. Muslims in Central Asia: Expressions of Identity and Change (Durham and London, 1992). pp.27-45. Re. Timurid influence, the Emperor Jahangir for instance is referred to as illuminator of the Gurgan's lamp". [Gurgan was Timur's title, meaning the royal (Chingis Khans) son-in-law because timur married a chingissid princess].

2. Sajida S. Alvi, ed, and tr. Advice on the Art of Governance: Mauza-i-Jahangiri, An Indo-Islamic Mirror for Princes (Albany, NY. 1989), p.43, Persian text, p.144, Jahangir's son, Shahjahan (r. 1037-1068/1627-1657) who built the Taj Mahal adopted Timur's title, Sahib-qiran, and was referred to as Sahib-qiran-e-Sani (the second lord of the Auspicious Planetary conjuncion, i.e pillar of the world and religion).

3. Arthur Buehler, "The Naqshbandiyya in Timurid India: the Central Asian legacy, " JIS, 7 (1996), pp.208-228.

4. Richard Foltz, the Central Asian Naqshbandi Connections of the Mughal Emperors." JIS, 7 (1996), pp.229-239

۵......دیکھیے مثال کے طور پر محمد اقبال کی نظم: پنجاب کے پیرزادوں سے بال جبریل مشمولہ کلیات اقبال (لاہور، ۱۹۷۳ء) ص۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ پوری نظم کا انگریزی میں ترجمہ کے لیے دیکھیے

V.G. Kiernan, ed., To the Punjab Pirs, Poem from Iqbal (London, 1958), p.58.

میں اس کو اپنے مقالے میں زیر بحث لاتی ہوں:

ISlamic Renewal and Reform in the Seventeenth and Eighteenth Century Northern India: Discourses of the Naqshbandi Mujaddidis in their Sociopolitical Context, in Bruce B.lawrence, ed,. Pearls Beyond Measure: the life and lagacy of Professor Khaliq Ahmad Nizami (Gaineville, forthcoming)

۵......(الف) خواجہ عبدالاحد وحدت سرہندی، سبیل الرشاد، مرتبہ غلام مصطفیٰ خان (حیدرآباد سندھ، ۱۹۷۸ء) ص ۷۔۸ کے لیے دیکھیے۔

Sajida Alvi, the Mujaddit and Tajdid Tradition Indian in the Sub Continent: An Histroical Overview JTS, special Issue, Annemaire Schimmel Festschrift, 18 (1994), pp. 4-5.

۶......محمد نور بخش توکلی، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ (گجرات س۔ن)، ص......۲۲۵

۷......ان بنیادی مآخذ کے تقابلی مطالعہ کے لیے دیکھیے:

خورشید حسین بخاری، زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کا تقابلی مطالعہ، نور اسلام (حضرت مجدد الف ثانی نمبر۔ حصہ ۲)۔ جلد ۲۳، شمارہ ۱، ۲ (۱۹۸۸ء) ص۔ ۸۳۔۱۰۱

۸......ہاشم کشمی، بدخشاں سے آئے اور ہندوستان میں عالم شباب میں آباد ہوگئے۔ انہوں نے شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات کی جلد سوم مرتب کی۔ ان کی اغلباً تاریخ وفات بدرالدین سرہندی کی کتاب حضرات القدس (سیالکوٹ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء)، جلد ۲، ص ۴۱۵ سے لی گئی ہے۔

۹......بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، تعارف، ص۔ ۱۲

۱۰......خواجہ محمد ہاشم کشمی بدخشانی، زبدۃ المقامات (لاہور، ۱۹۶۹ء) ص ۲۸۶۔ ۳۳۹۔ اس میں تینتالیس خلفاء میں سے تیس کے مفصل حالات دیے گئے ہیں۔ مصنف کے مطابق اختصار کے پیش نظر باقی خلفاء کے نام سے نشاندہی کی گئی ہے، زبدۃ المقامات۔ ص ۳۳۹۔ میں نے غیر ہندوستانی خلفاء کی نشاندہی ان کے اصل مقام سے کی ہے: بدخشی ربدخشانی، سمرقندی، شادمانی، رومی وغیرہ۔ یہ طے کرنے کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہے کہ کتنے گھر کو لوٹ گئے اور کتنے ہندوستان میں آباد ہو گئے

۱۱......بدرالدین سرہندی، حضرات القدس۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۰۔ ۴۴۷

۱۲......محمد احسان مجددی۔ روضۃ القیومیہ، مرتبہ اقبال احمد فاروقی (لاہور ۱۹۸۹ء) جلد ۱، ص ۵۰۹۔ ۵۵۲

۱۳......ابوالمکارم کے نام ایک ہی مکتوب ہے، جس میں شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ نے ان کی سخاوت اور لطف و کرم اور حاجت مندوں کی جائے پناہ ہونے کی وجہ سے تعریف کی۔ مکتوبات۔ جلد ۳، مکتوب ۱۱۶: ۳۰

۱۴......شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ، مکتوبات، جلد ۳، مکتوب ۹۹: ۱۵۰۔ ۱۵۱

۱۵......بدرالدین، حضرات القدس، ۲، ص ۶۴۔ ۶۵

۱۶......شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ مکتوبات، جلد ۱، مکتوب ۱۳۱، ۲۴۰

۱۷......ایضاً، مکتوب ۱۶۸: ۲۸۵

۱۸......ایضاً، مکتوب ۲۲۱: ۳۷۵

۱۹......ایضاً، مکتوب ۲۰۹: ۳۴۶

۲۰......ایضاً، مکتوب ۳۳: ۸۵۔ ۸۷، نیز دیکھیے مکتوب ۵۳: ۱۲۵۔ ۱۲۶، اور مکتوب ۲۱۳: ۳۵۶۔ ۳۵۷

۲۱......بدرالدین کہتے ہیں کہ احمد برکی وادی میں پیدا ہوئے جو کہ قندھار اور کابل کے درمیان واقع ہے۔ بعد میں ان کے والد نے کنکریت عرف برک میں نقل مکانی کرلی۔ حضرات القدس، ۲، ۳۷۸، محمد یوسف مجددی کہتے ہیں کہ برک، کابل اور قندھار کے درمیان واقع ہے، جواہر نقشبندیہ (فیصل آباد، ۱۹۹۰) ص۔ ۵۶۷

۲۲......شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ، مکتوبات، جلد ۱، مکتوب ۲۷۵: ۵۶۹

۲۳......ایضاً، جلد ۲ مکتوب ۶۱: ۲۱۷۔ ۲۲۰

۲۴......(علامہ) محمد اقبال، پیام مشرق مشمولہ کلیات اقبال: فارسی (لاہور ۱۹۷۳ء)، ص۔ ۳۳۹

۲۵......(علامہ) محمد اقبال، ضرب کلیم مشمولہ کلیات اقبال: اردو (لاہور۔ ۱۹۷۲ء)، ص۔ ۴۸۵

26. See Sajida S. Alvi, Qazi Sana Allah Panipati, An Eighteenth Centruy Sufi-'Alim: A Study of His Writings in Their Sociopolitical

Context," in Wale B. Hallaq and D.P. Little, ed,. Islamic Sudies Presented to Charles J. Adams(Leiden, 1991), pp.11-25.

۲۷...... ایک مخصوص اجتماعی اجلاس کے لیے دیکھیے:

رؤف احمد، درالمعارف، ۴۷:۱۵۸۔۱۵۹)۔ تین آداب مریدین کی تفصیل کے لیے دیکھیے میرا جلد ا چھپنے والا مقالہ "Islamic Renewal and Reform"

۲۸...... توکلی نے تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص ۳۲۰۔۲۳۱ میں کسی حوالے کے بغیر نقل کیا۔ مولانا خالد کی عام اور وسیع مقبولیت جس کی تصدیق بغداد میں برطانوی باشندہ C.J. Rich نے کی جو اس وقت کردستان کا سفر کر رہا تھا۔ دیکھیے:

Albert Hourani, "Shaikh Khalid and the Naqshbandi Order", in S.M Stern, Albert Hourani and Vivan Brown, ed., Islamic Philosophy and Classical Tradition: Essays Presented by His Friends and Pupils to Richard Walzar on His Seventieth Birthday (Columbia, 1972),P.97 for his legacy in Kurdistan, see Ferhad Ghakely "The Naqshbandi Sheikhs Hawraman and the Heritage of Khaliddiyya-Mujaddidiyya in Kurdistan," in Elisabeth Ozdalga, ed., Naqshbandis in Western and Central Asia: Change and Continuity (Istanbul, 1999), pp.89-100.

بشکریہ ماہنامہ نور اسلام (شرقپور شریف) گولڈن جوبلی نمبر (حصہ دوم) ۲۰۰۰ء، ص ۱۵۔۲۴

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کردستان میں سلسلۂ نقشبندیہ کے آخری تاجدار

شیخ محمد معصوم

رؤف نقشبندی (امریکہ)

ترجمہ: ڈاکٹر صفی الدین مسعودی

☆☆

تصوف کی تاریخ کا سب سے عظیم اور اثر انگیز سلسلہ نقشبندیہ ہے جو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی نسبت سے موسوم ہے۔ کردستان میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ میں شاہ عبداللہ دہلوی سے فیض لے کر آنے والوں میں ان کے خلیفہ خاص شیخ مولانا خالد کردی، اور پھر شیخ اعظم عثمان سراج الدین اور پھر ان کے صاحبزادے شیخ عمر ضیاء الدین شامل ہیں۔ شیخ عمر ضیاء الدین نے بیارا کا مشہور مدرسہ قائم کیا جس کے فیض سے بیارا ایک ایسے روحانی مرکز میں تبدیل ہوگیا جہاں سے روحانیت کا نور چہار سو پھیلا۔ تین نسلوں پر محیط خلفاء اور جانشینوں نے کردستان اور اطراف میں روحانیت کو معجزانہ ترقی دی۔ لاکھوں سالکین طریقت، کرامات کی جستجو میں نہیں بلکہ قرآن وسنت پر سختی سے کاربند رہتے ہوئے روحانی ترقی کے حصول کے لیے اس سلسلے میں داخل ہوئے اور روحانی تسکین سے سیراب ہوئے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ذریعے شریعت اور اسلام کی اصل روح کا احیاء ہوا جس کی بنا پر اس سلسلے کو سارے عالم میں مقبولیت اور کامرانی نصیب ہوئی۔ نقشبندی مشائخ کی علمیت اور روحانی بالیدگی نے علماء میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ بالخصوص شیخ عمر ضیاء الدین کے دور میں ان کے مدرسہ ء بیارا سے فارغ التحصیل سیکڑوں طلبہ اپنے وقت کے ممتاز علماء اور فضلاء قرار پائے۔

نقشبندی مشائخ نے بے شمار سالکین کی روحانی تربیت کی، مصیبت زدوں کی مشکل کشائی کی، حاجت مندوں کی حاجت روائی کی اور مایوس دلوں کی امید بن گئے۔ انہوں نے اپنے لیے کوئی مال و متاع نہ جمع کیا۔ جب انہوں نے پردہ فرمایا تو ان کے ورثا کو ترکہ میں کوئی دولت نہ مل سکی تاہم انکی حکومت تو دلوں پر تھی جس نے انکو بقائے دوام عطا کیا۔

شیخ عمر ضیاالدین کے پوتے اور اس روحانی نسب کے آخری تاجدار، شیخ محمد معصوم بیارا میں تولد ہوئے۔ انہوں نے اپنے دور کے ممتاز ترین علماء سے اسلامی علوم حاصل کیے۔ ۱۹۴۲ء میں فارغ التحصیل ہونے پر انہیں ''اسلامی علوم کے مدرس'' کی سند عطا ہوئی، اب سے کچھ عرصے قبل شیخ محمد معصوم کا بانوے برس کی عمر میں وصال ہوا جس کے باعث پیدا ہونے والے خلا کو کبھی پر نہ کیا جا سکے گا۔ وہ ایران کے مغربی علاقے میں ماہا آباد کے چھوٹے سے قصبے میں رہائش پذیر تھے۔ وہ اپنے آباء واجداد کی طرح ایک قدآور روحانی شخصیت تھے اور اسی راہ پر استقلال کیساتھ گامزن رہے۔ انہیں دنیاوی دھن یا عیش و آرام کی طلب نہ تھی بلکہ وہ دوسروں کی خیرخواہی میں مگن تھے۔ انہوں نے تصادم کے بجائے امن و آشتی اور غصہ کے بجائے تحمل و خیرخواہی کو اختیار کیا۔ میں نے ان سے ہونے والی چند ملاقاتوں میں انکو انتہائی حلیم الطبع، منکسر المزاج اور اعلیٰ کردار کا حامل پایا۔ دوسروں کے بارے میں رائے کا اظہار کرنے میں انتہائی محتاط تھے اور اپنے مخالفین کے لیے بھی دعا گو رہتے۔

کردستان (ایران) کے عوام میں انکو انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ وہ ہر خاص و عام کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے۔ وہ شکستہ دلوں کی تسکین اور غمزدوں کی آس تھے۔ انہوں نے اپنے مریدوں کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور رحمت کی طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے دنیوی اسباب اور غیر اللہ کو قابل مذمت قرار دیا۔ ۱۹۹۱ء میں آپ امریکہ منتقل ہو گئے جہاں آپ نے روحانی پیشوا کے طور پر لوگوں کو اسلام کے عالمگیر پیغام سے روشناس کیا۔ ضعیف العمری میں بھی آپ نے روحانی سفر جاری رکھا جبکہ آپ اپنے ملک (کردستان) کے لوگوں کی حالت زار سے سخت مایوس تھے۔ علالت کی بنا پر عمر شریف کے آخری چند برس آپ نے عوامی اجتماعات میں شرکت نہ کی تاہم اپنا مشن جاری رکھا۔ اپنی روحانی بالیدگی کی بنا پر آپ نے نازک امور پر بھی متعدد علماء و فضلا کی رہنمائی کی۔ انہوں نے اپنے آباء واجداد کے درمیان دفن ہونے کی وصیت کی۔ لائق تحسین ہیں انکی اولاد کہ جس نے انکی آخری آرام گاہ ان کے محبوبوں کے درمیان بنانے کی کاوش کی۔

بلاشبہ شیخ معصوم کے وصال سے پیدا ہونے والا خلا کبھی نہ پُر ہوگا۔ ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ وہ نفس مطمئنہ کے حامل ایسے شخص تھے۔ جو ہمیشہ دوسروں کی مدد و رہنمائی کرتے رہے۔ مسلمانوں کے مختلف گروہوں کا اتحاد انکا وسیع تر مقصد تھا اور وہ سلطنت الٰہی میں بسنے والے تمام مذاہب کے لوگوں کو آتشی وہم آہنگی کا درس دیتے رہے۔ شیخ معصوم اپنے خاندان کے غالباً آخری چراغ تھے جو سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج واشاعت کررہے تھے۔

☆......☆......☆

صلی اللہ علیہ وسلم
۱۴۰۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

انگلستان میں مشائخِ نقشبندیہ مجددیہ

منیر حسین مسعودی
(برمنگھم۔ یوکے)

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بین الاقوامی شخصیت کے حامل ہیں، آپ کی شخصیت اور حالات وافکار پر دنیا کے دس ممالک کی یونیورسٹیوں میں ۱۲ افضلاء و محققین ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں اور دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں مزید تحقیقات ہو رہی ہیں۔ عالمی سطح پر ہر ملک میں نقشبندی مجددی مشائخ موجود ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے شکاگو، امریکہ میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے جلیل القدر ولی کامل شیخ محمد معصوم نقشبندی مجددی کا وصال ہوا۔ میں عرصہ دراز سے انگلستان میں مقیم ہوں، الحمد للہ وہاں بھی مشائخ نقشبندیہ مجددیہ بڑے فعال ہیں۔ اور اسلام کی تبلیغ اور مسلک اہلسنت و جماعت کی ترویج میں ہمہ تن مصروف ہیں یہاں چند حضرات کے نام پیش کروں گا۔ تفصیلی تعارف بسیط مقالہ میں پیش کیا جائے گا۔

انگلستان میں مندرجہ ذیل مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ اور مسلک اہلسنت و جماعت کی خدمت میں مصروف ہیں۔

۱۔ صاحبزادہ محمد حبیب الرحمٰن نقشبندی مجددی

آپ بریڈفورڈ میں ہوتے ہیں۔ عالم وفاضل ہیں۔ آپ نے ایک علمی مرکز ”صفوۃ الاسلام“ کے نام سے قائم کیا۔

۲۔ صاحبزادہ پیر سید محمد منور حسین شاہ جماعتی نقشبندی مجددی

آپ برمنگھم میں ہوتے ہیں آپ نے ”امیر ملت سینٹر“ کے نام سے ایک علمی مرکز قائم کیا ہے۔

۳۔ خواجہ صوفی محمد نقشبندی مجددی

آپ بلیک برن میں ہوتے ہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی اشاعت میں بڑے سرگرم ہیں۔

۴۔ علامہ پیر علاء الدین صدیقی نقشبندی مجددی

پاکستان میں آپ کی بڑی خدمات ہیں، آپ نے برمنگھم میں ”جامعہ مُحی الاسلام صدیقیہ“ قائم کیا ہے۔

۵۔ صوفی عبدالرزاق خان نقشبندی مجددی

آپ بھی برمنگھم میں ہوتے ہیں اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آپ نے ”دارالعلوم اسلامیہ“ قائم کیا ہے۔

۶۔ علامہ پیر محمد عبدالوہاب نقشبندی مجددی

آپ Corentry میں ہوتے ہیں۔ آپ اور آپ کے صاحبزادگان مسلک اہلسنت و جماعت کی خدمت میں مصروف ہیں۔

۷۔ علامہ مولانا قاری حیدر علی مجاہد نقشبندی مجددی

آپ ہڈرز فیلڈ میں مرکزی جامع مسجد رضا اسلامک سینٹر کے خطیب ہیں۔ عرصۂ دراز سے انگلستان میں مسلک اہلسنت و جماعت کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آپ صفر المظفر کے ہر دن حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے محافل قائم کرتے ہیں۔ اور مکتوبات امام ربانی پر بڑا عبور رکھتے ہیں۔ یہ ہے ایک سرسری جائزہ انگلستان میں بعض حضرات نقشبندیہ مجددیہ کا......

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا پیغام دنیا کے ہر گوشے میں پھیل رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گیارھوں صدی ہجری کے بعد آنے والے تمام علماء و مشائخ اہلسنت و جماعت پر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احسان عظیم ہے۔ اگر آپ اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کی تحریک کو ناکام نہ بناتے تو پھر مستقبل میں آنے والے علماء و مشائخ کس زمین پر کام کرتے۔ بلاشبہ حضرت مجدد الف ثانی ”مجدد اعظم“ ہیں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور اہلسنت و جماعت کے لیے مینارہ نور ہیں۔

آخر میں میں امام ربانی فاؤنڈیشن کے سرپرست اعلیٰ، چیئرمین، بانی اور تمام اراکین ومعاونین کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور خراج عقیدت پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے ''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' کی صورت میں ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا دنیا کے سامنے پیش کیا جس کے متعلق وکٹوریہ یونیورسٹی نیوزی لینڈ کے پروفیسر آرتھر بیولر کے یہ ریمارکس حرف بہ حرف صحیح ہیں۔

''دنیا کے کسی ولی پر، کسی زبان میں اتنا عظیم وضخیم کام نہیں ہوا''

اللہ تعالیٰ اس کام کی برکت سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔

☆……☆……☆

السلام قبل الکلام

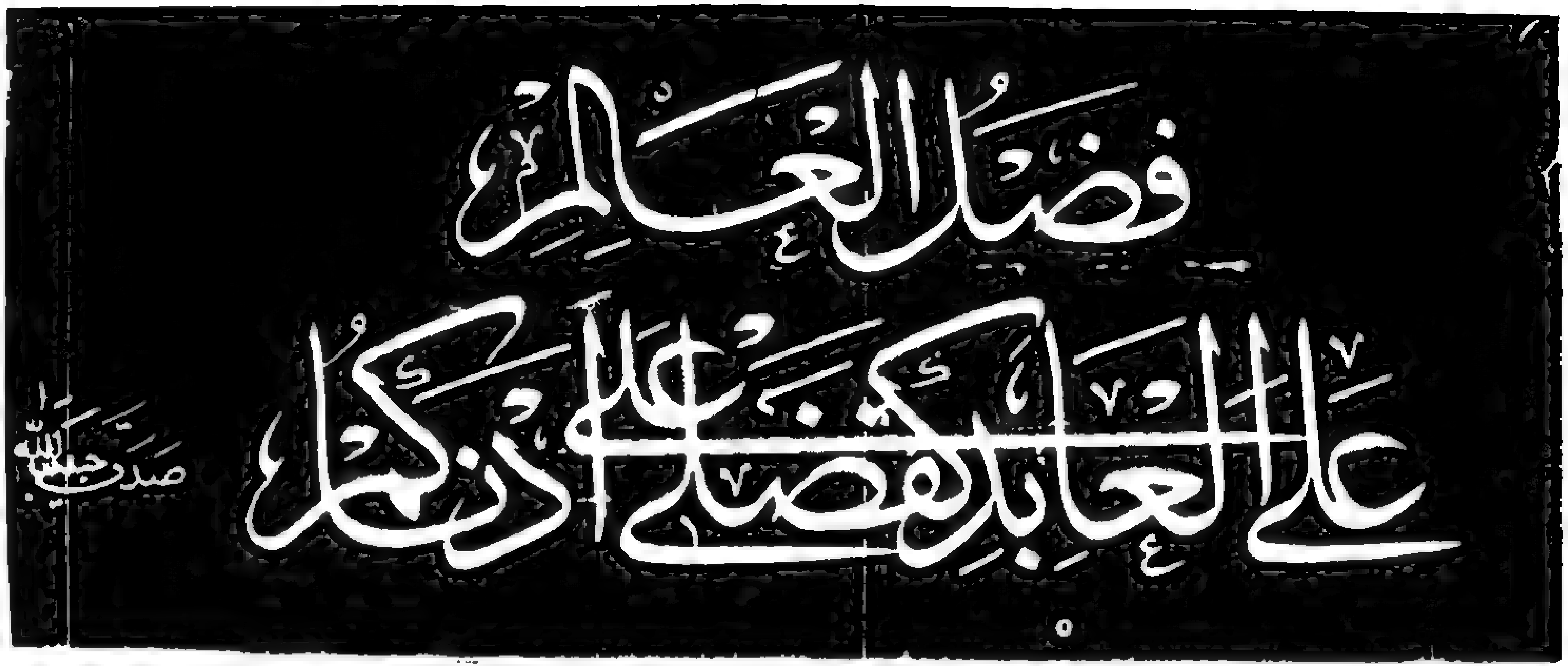

فضل العالم

على العابد كفضلي على أدناكم

صدق حبيب الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

لاہور کے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ

محمد عبد الستار طاہر مسعودی

☆☆

۱...... حضرت خواجہ محمد طاہر بندگی، میانی صاحب
۲...... حضرت سید خواجہ خاوند محمود المعروف حضرت ایشاں، بیگم پورہ
۳...... حضرت شیخ ابو محمد نقشبندی، میانی صاحب
۴...... حضرت عبد الواحد نقشبندی، لاہور
۵...... شیخ سعدی بلخاری، سعدی پارک مزنگ
۶...... حضرت پیر زُہدی نقشبندی، میانی صاحب
۷...... حاجی محمد سعید نقشبندی، ٹیمپر روڈ
۸...... حضرت سید میر جان کابلی، بیگم پورہ
۹...... سید منور علی شاہ، میانی صاحب
۱۰...... سید محمود شاہ نقشبندی، گھوڑے شاہ
۱۱...... سیّد سیّد محمود آغا کابلی، بیگم پورہ
۱۲...... حضرت شیخ محترم نقشبندی، سوامی نگر
۱۳...... خواجہ غلام مرتضٰی نقشبندی، عثمان گنج
۱۴...... پیر عبد الغفار نقشبندی، میانی صاحب
۱۵...... خواجہ نور محمد نقشبندی، عثمان گنج
۱۶...... سید دیدار علی شاہ نقشبندی، دہلی دروازہ
۱۷...... حاکم علی نقشبندی، پکی ٹھٹھی

۱۸...... خواجہ خدا بخش نقشبندی، کوٹ خواجہ سعید

۱۹...... خواجہ محمد بخش، لکھن شریف

۲۰...... مولانا محمد نبی بخش حلوائی، کوتوالی دہلی دروازہ

۲۱...... مہر محمد صوبہ نقشبندی، میانی صاحب

۲۲...... پیر سید چراغ علی شاہ نقشبندی، پیر کالونی والٹن

۲۳...... حافظ سید محمد ارشاد حسین شاہ، والٹن

۲۴...... صاحبزادہ سید محمد انیس المجتبیٰ

۲۵...... مولانا فتح محمد اچھروی، اچھرہ

۲۶...... مولانا محمد عمر اچھروی، اچھرہ

۲۷...... حکیم مولانا غلام محمد ترنم، میانی صاحب

۲۸...... مولانا محمد احمد قریشی مظہری، ٹاؤن شپ

۲۹...... قاضی صفدر حسین صدیقی مظہری، سُنت نگر

۳۰...... مولانا سید محمد الیاس زیدی مظہری، کاہنہ نو

۳۱...... الحاج مولانا باغ علی نسیم

۳۲...... صوفی حاجی فضل احمد

۳۳...... صوفی محمد اللہ دتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

لاہور کے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ

☆☆

برصغیر پاک و ہند میں یوں تو اولیاء کرام کی آمد کا سلسلہ مسلمان فاتحین کی آمد کے ساتھ ہوا ان کی فتوحات کا سلسلہ تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے آغاز پر ہوا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس سے قبل صحابہ کرام برصغیر پاک و ہند میں قدم رنجہ فرما چکے تھے۔

۴۰۵ھ میں ہندوستان پر غزنوی خاندان کی حکومت قایم ہوگئی یہ پہلی مسلمان حکوت تھی جو اس خطہء پاک و ہند میں قایم ہوئی غزنوی خاندان کا دور ۴۰۵ھ تا ۴۸۲ ہجری تک رہا۔ اس خاندان کے پہلے فرمان روا سلطان محمود غزنوی تھے۔

غزنوی خاندان کے بعد غوری خاندان کی حکومت قایم ہوئی۔ اس خاندان کے پہلے حاکم محمد شہاب الدین غوری تھے اس دور میں خاندان غلاماں بھی حکومت میں رہا۔ یہ دور ۵۸۲ھ سے ۶۸۹ھ تک رہا۔

اس کے بعد خلجی خاندان کا دور ہے یہ بتیس سال پر مشتمل ہے۔ یہ دور ۶۸۹ھ تا ۷۲۱ھ پر محیط ہے۔ اس کے پہلے حکمران فیروز شاہ دوم تھے۔ پھر ۷۲۱ھ تا ۸۱۵ھ تغلق خاندان کا دور ہے اس کے پہلے حاکم غیاث الدین تغلق تھے۔ تغلق خاندان کے بعد ۸۱۷ھ تا ۸۵۲ھ خاندان سادات کا دور آیا۔ خضر خان اس خاندان کا پہلا حکمران تھا۔ اس کے بعد لودھی خاندان برسر اقتدار آیا۔ بہلول خاں لودھی اس خاندان کا پہلا حکمران تھا۔ یہ حکومت ۸۵۲ھ سے ۹۳۲ھ تک قایم رہی۔ ابراہیم لودھی کے بعد شاہان دہلی کی حکومت ختم ہوگئی اور بابر نے مغلیہ سلطنت کی بناڈالی۔

ان شاہان دہلی کا دور حکومت پانچ سو سالہ تھا اس دور میں بے شمار اولیاء کرام لاہور تشریف لائے۔ زیادہ تر بزرگان دین کا تعلق لاہور سے باہر کا تھا۔ جو تبلیغ دین کے لیے یہاں جلوہ افروز ہوے اور یہیں آسودہ خاک ہوے۔ ان صوفیہء کرام کی مساعی جمیلہ اور اخلاق حسنہ سے بہت سے غیر مسلم متاثر ہو کر

دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔

ان حکومتی عمل داریوں کے مطابق صوفیہء کرام کو تین ادوار کے حوالے سے ذکر کیا جاتا ہے۔

دور اول کے صوفیہء عظام:

جو غزنوی دور سے لے کر لودھی دور میں ہوے۔ غزنوی دور میں سب سے پہلے حضرت سید میراں حسین زنجانی، چاہ میراں میں تشریف لائے۔ غوری دور میں سے سب سے پہلے حضرت عزیز الدین پیر مکی، راوی روڈ تشریف لائے۔ خاندان غلاماں کے دور میں سب سے پہلے آنے والے حضرت پیر بلخی ہیں، جو کشمیر بازار میں رونق افروز ہوے۔ پھر تغلق خاندان کے دور میں حضرت اسحٰق گازرونی وارد لاہور ہوے۔ جن کا مزار اندرون مسجد وزیر خان ہے۔ لودھی دور حکومت میں سب سے پہلے حضرت شاہ کاکو چشتی تشریف لائے آپ کا مزار مسجد شہید گنج لنڈا بازار میں ہے۔[1]

دور ثانی کے صوفیہء کرام:

یہ دور مغلیہ خاندان کی حکومت پر محیط ہے جو بابر سے شروع ہو کر عالمگیر دوم پر مشتمل ہے۔ ظہیر الدین بابر ۱۵۲۴ء تا ۱۵۳۰ء حکمران رہا۔ بابر کے بعد ۱۵۳۰ء تا ۱۵۴۰ء نصیر الدین ہمایوں حکمران رہا۔ پھر جلال الدین اکبر کا دور حکومت پچاس سال تک رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نور الدین جہانگیر تخت نشین ہوا۔ جہانگیر کے بعد شہاب الدین شاہجہان حکمران ہوا۔ اس کا دور حکومت ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ اکتیس سال رہا۔ اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر ۱۰۶۸ھ تا ۱۱۱۸ھ کی حکومت پچاس سال رہی۔[2]

مغلیہ دور حکومت میں چاروں سلاسل کے بزرگ تشریف لائے انھوں نے فروغ اسلام کے لیے اپنے اپنے انداز میں خدمات انجام دیں۔

دور ثالث کے اولیائے کرام:

مغلیہ سلطنت کے بعد احمد شاہ درانی کا دور آتا ہے جو ۱۷۵۲ء تا ۱۷۹۹ء پر مشتمل ہے۔ پھر سکھوں کا دور حکومت ہے جو ۱۷۹۹ء سے ۱۸۴۹ء پر مشتمل ہے۔ جو تقریباً پچاس سال پر محیط ہے۔ سکھوں کے بعد ۱۹۴۷ء تک انگریز راج رہا۔ پھر پاکستان وجود میں آگیا۔ ان حکومتی عمل داریوں میں اولیائے کرام فروغ دین کے لیے سرگرم عمل رہے، دور ثالث انہی کے اذکار پر مشتمل ہے۔[3]

عہد مغلیہ میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ لاہور میں زیادہ فروغ نہ پاسکا۔ لیکن اس دور میں حضرت خواجہ خاوند محمود ایشاں اور حضرت خواجہ محمد طاہر بندگی کی خدمات لائق ستائش ہیں۔ ان دو جلیل القدر بزرگوں کے علاوہ پیر زُہدی، عبدالواحد نقشبندی اور ابو محمد نقشبندی بھی اسی دور میں ہوئے ہیں۔ [۴]

مغل عہد حکومت کے بعد دور ثالث میں بہت سے نقشبندی بزرگ لاہور میں ہوئے ان میں سید منور علی شاہ، حضرت سید میر جان کابلی، سید محمود آغا، خواجہ غلام مرتضیٰ، پیر عبدالغفار شاہ، سید دیدار علی شاہ، شاہ حاکم علی، خواجہ خدا بخش، محمد نبی بخش حلوائی، مہر محمد صوبہ وغیرہ شامل ہیں۔ [۵]

۱...... حضرت خواجہ محمد طاہر بندگی میانی صاحب (۱۵۷۶ء - ۱۶۳۵ء):

حضرت ملا محمد طاہر بندگی ابتدائی زمانے میں قادری سلسلہ میں حضرت خواجہ سکندر کیتھلی علیہ الرحمۃ کے زیر تربیت رہے۔ خواجہ سکندر کیتھلی وہ قادری بزرگ ہیں جنھوں نے حضرت مجدد الف ثانی کو سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے تبرکات کی امانت سے نوازا تھا۔ اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ان تبرکات غوثیہ کو وصول کرتے وقت اپنی گردن جھکا کر **قدمی ھذہ علی رقبة کل ولی اللہ** کی شہادت دی تھی۔

حضرت ملا محمد طاہر بندگی لاہور میں ایک جید عالم دین اور روحانی رہنما کی حیثیت سے مانے جاتے تھے۔ آپ ایک طرف حضرت خواجہ سکندر کیتھلی علیہ الرحمۃ سے سلسلہ قادریہ میں مرید تھے اور دوسری طرف خواجہ محمد آدم بنوری (مدفون جنت البقیع، مدینہ منورہ) کے جلیس زاویہ روحانیت تھے۔ ان دونوں بزرگان دین نے حضرت ملا طاہر بندگی علیہ الرحمۃ کی قادری سلسلہ میں تربیت بھی کی اور ہم نوائی بھی کی۔ اور آپ کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت ملا محمد طاہر بندگی حضرت مجدد الف ثانی کے پاس سرہند حاضر ہوئے وہاں چند روز آپ کی خدمت میں رہے۔ آپ نہ صرف حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے پہلے ہی واقف تھے بلکہ علم و روحانیت کی راہوں میں یکساں رواں تھے۔ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کے مقامات کو ملاحظہ کیا تو آپ سے بیعت کی التجا کی۔ اور سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس جوہر قابل کو اس قدر چمکایا کہ وہ قطب لاہور کے مقام پر فائز ہو گئے۔ پھر ان کے علمی و روحانی مقامات کے باعث حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے لاہور کو دارا لارشاد قرار دیا۔ اپنے دو صاحبزادوں

(خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم) کو آپ کی عملی تربیت میں دیا۔ اس طرح حضرت ملا طاہر بندگی اپنے پیرو مرشد کے صاحبزادگان کے استاد بھی تھے اور سلسلہ مجددیہ کی خانقاہ کے سربراہ بھی تھے۔

حضرت خواجہ محمد طاہر بندگی لاہور کے اندرونی علاقہ (جہاں اب چونا منڈی اور اعظم کلاتھ مارکیٹ ہے) کے محلہ اسحاق میں ایک بہت بڑے درس کے سربراہ تھے۔ آپ کے ایک شاگرد رئیس حافظ جان محمد لاہور سے باہر (جہاں اب میانی صاحب کا قبرستان ہے) اپنے باغ میں مسجدی مدرسہ اور خانقاہ کی تعمیر اور ترویج پر کمربستہ رہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خصوصی تربیت سے حضرت خواجہ محمد طاہر بندگی نے لاہور کو بقعہء نور بنا دیا۔ ہزاروں شاگرد تربیت پا کر نکلے۔ آپ کے پانچ خلفاء اپنے وقت کے سالکان طریقت تھے۔

- ......ابو محمد قادری (مدفون میانی صاحب، لاہور)
- ......سید صوفی (مدفون، دہلی)
- ......خواجہ آدم بنوری (مدفون جنۃ البقیع، مدینہ منورہ)
- ......لکھن مست (مدفون موری دروازہ، لاہور)
- ......شیخ ابوالقاسم (مدفون، جدہ شریف)

سکھوں نے اپنے دور اقتدار میں حضرت ملا طاہر بندگی کی خانقاہ، مدرسہ، مسجد اور عظیم الشان کتب خانے کو برباد کر دیا۔ حضرت خواجہ طاہر بندگی علیہ الرحمۃ کا مزار قبرستان میانی صاحب لاہور میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔ آپ کے مزار کے وسیع احاطے میں چار ہزار حفاظ کرام آسودۂ خاک ہیں، جن میں خاصی تعداد نقشبندی مجددی، قادری اولیاء اللہ کی ہے[6]۔

مشہور ہے کہ آپ کے مزار پرانوار کے ارد گرد جس قدر قبور ہوں گی ان سب پر رحمت الٰہی نازل ہوگی۔ یہ بات بھی ابتداء سے مشہور چلی آ رہی ہے کہ چبوترۂ مزار جس پر حضرت کی قبر ہے تابش آفتاب سے سردی تو سردی، گرمی کے موسم میں بھی گرم نہیں ہوتا۔ دھوپ کیسی ہی شدت کی کیوں نہ ہو چبوترہ ہمیشہ سرد رہتا ہے۔[7]

آپ کی دو بیبیاں تھیں لیکن اولاد کسی سے نہیں ہوئی۔ پہلی شادی ماہ خانم دختر مرزا احسان اللہ اور دوسری شادی عصمت النساء دختر سید عبداللہ سے کی۔[8] دونوں کی قبریں آپ کے مقبرہ میں گنبد کے نیچے

موجود ہیں۔ آپ کے خلیفہ ابو محمد قادری لاہوری کا مزار آپ کی چاردیواری کے گوشہ جنوبی میں ایک چبوترہ پر ہے۔ ایک اور خلیفہ شیخ لکھن مست یا کھلن مست کی قبر موری دروازہ کے باہر میونسپل باغ کے اندر ہے۔ یہ قبر نواب غلام محبوب سبحانی رئیس لاہور نے تیار کرائی تھی۔ واضح رہے کہ ابو محمد قادری اپنے والد حافظ جان محمد کے بعد رئیس میانی قرار پائے تھے۔ ان کی وفات ۱۰۵۰ھ میں ہوئی۔[9]

شیخ محمد طاہر لاہوری قادری نقشبندی کے اشاروں کی برکت سے ہزاروں لوگ مراتبِ عالیہ پر پہنچے۔ آپ تمام عمر کسی دولت مند کے پاس نہ گئے اور نہ ان کو اپنے دربار میں بار دیا۔ حضرت کتب احادیث و تفسیر کی کتابت کرتے اور ہدیہ کر کے گزر اوقات کرتے، اور رات بھر خدام کی تلقین اور عبادت الٰہی میں گزارتے۔ یہ بزرگ سلسلہ قادریہ میں اپنے عہد کے قطب وقت تھے کوئی سائل دین و دنیا کا جوان کے دروازے پر آیا خالی ہاتھ نہ گیا۔

ان کی وفات بروز پنج شنبہ وقت چاشت آٹھویں ماہ محرم ۱۰۴۰ھ میں ہوئی اور عمر چھپن برس کی پائی۔ حضرت فرماتے تھے کہ:

> ''میری وفات کے بعد جو شخص میرے احاطہ مزار میں مدفون ہوگا، میں نے خدا سے مانگا ہے کہ وہ جنتی ہو''[10]

۲...... حضرت سید خواجہ خاوند محمود المعروف حضرت ایشاں، بیگم پورہ:

آپ کا اصل نام خاوند محمود تھا لیکن آپ کو جامع کمال اور صاحب حال وقال ہونے کی وجہ سے حضرت ایشاں کہاں کہا جاتا تھا۔ آج بھی آپ تاریخ میں اپنے اصل نام کی بجائے اسی نام سے مشہور ہیں۔ ''آں شاں'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''وہ شان'' یعنی بڑی شان والا۔ جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کو اکثر مقامات پر آں حضرت کے خطاب سے مزین کیا جاتا ہے اسی طرح آپ کے عقیدت منداور مرید آپ کو ادب واحترام کے لحاظ سے حضرت ایشاں کے نام گرامی سے پکارتے ہیں۔

آپ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے ہم عصر ہیں۔ آپ کے والد گرامی میر سید شریف بن خواجہ ضیاء بن خواجہ میر محمد بن تاج الدین حسین بن خواجہ علاء الدین عطار[11] شہنشاہ بن نقشبند حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے داماد اور خلیفہ تھے۔ حضرت ایشاں نے لاہور میں نقشبندی سلسلہ کی ایک زبردست

خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ یہ خانقاہ آج بھی آپ کے مزار کے ساتھ بیگم پورہ نزد باغبان پورہ کے قریب ایک بہت ہی وسیع جگہ پر مشتمل بلند و بالا روضہ کے ساتھ واقع ہے۔

آپ کے صاحبزادے نے اس خانقاہ کی رونق کو برقرار رکھا۔ پھر آپ کے خلفاء خاص ملا میر جاہ کابلی اور محمد آغا کابلی نے نقشبندی فیضان کو عام کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ آپ نے لاہور میں سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ دیا تو مغل شہزادیاں سلطانہ بیگم (بابر کی نواسی) اور گل رخ بیگم (بابر کی بیٹی) نے نہایت عقیدت سے بیعت حاصل کی، اور یوں شاہی خاندان کی مستورات میں سلسلہ نقشبندیہ کو پھیلایا۔ شاہی خاندان کے اکثر امراء سلطان خسرو، مرزا عزیز کوکہ، خانِ اعظم جیسے امراء آپ کے عقیدت مند تھے۔ آپ کی وفات ۴؍نومبر ۱۶۴۲ء/۱۲؍شعبان ۱۰۵۲ھ بعہد شاہجہانی لاہور میں ہوئی۔[12]

حضرت خواجہ سید خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں ۹۶۵ھ کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ خواجہ بہاء الدین نقشبند کے خلیفہ اویسی تھے۔[13] خواجہ ابو اسحاق سفید کی سے بیعت ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دینیہ بخارا میں حاصل کی۔ ممالک اسلامیہ کی سیاحت کی۔ دوران سفر کشمیر جنت نظیر تشریف لائے تو مغل شہنشاہ نے اکتساب فیض کیا۔ آپ دہلی، لاہور اور آگرہ میں اکبری امراء کو دعوت رشد و ہدایت دیتے، شیعہ رافضی آپ سے بڑے ہراساں تھے۔ کشمیر میں تدریسی علوم اسلامیہ کا مرکز قایم کیا، امراءِ مغلیہ کی تحریک پر لاہور تشریف لائے اور یہاں تبلیغ و تدریس کا کام شروع کیا۔[14]

حضرت ایشاں بڑے عابد، زاہد، متقی، ولی اور قطب وقت تھے اور بزرگ ایسے تھے کہ اپنے وقت میں ثانی نہ رکھتے تھے...... آپ نے مدرسہ سلطانی بخارا میں علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور ایسے طاق ہوئے کہ یگانۂ آفاق ہوئے۔ علماء میں آپ کا فتویٰ مشہور تھا دور دور آپ کا شہرہ کرامت تھا۔ بادشاہ بخارا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سرفراز ہوتا تھا۔

ہنوز بارہ برس کی عمر میں پہنچے تھے کہ آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور چودہ برس کی عمر میں آپ کل علوم کے حافظ ہو گئے۔ علمائے عہد سے کسی کو طاقت نہ تھی کہ ان کے سامنے علمیت کا دم مارے۔ آخر چندے وہاں رہ کر بہت لوگوں کو اپنی ارادت سے مستفید کیا۔ وہاں کا حاکم شاہ زمان مرزا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی...... وہاں سے آپ ہرات آئے اور ہرات سے قندھار اور قندھار سے کابل تشریف لائے۔ ان شہروں میں ہزاروں ہزار مریدان ارادت مند آپ کی بیعت سے سرفراز ہو کر کمال کو پہنچے اور صاحب

خوارق وکرامت ہوئے۔ غرض کہ دو سال تک حضرت وہیں رہے اور اپنے خلفاء ملک روم، شام، عراق وکوہ غور کی طرف مامور کیے۔ وہاں سے خطہء دلپذیر کشمیر کا عزم ہوا اور پہاڑ کے راستے سے کشمیر پہنچے۔ لوگ جوق در جوق آ کر مرید ہوئے۔

کشمیر سے آپ لاہور تشریف لائے، جہاں آپ کا روضہء مطہرہ ہے۔ حضرت کا باغ اور خانقاہ تعمیر ہو رہی تھی، یہاں تشریف لا کر سکونت پذیر ہوئے...... لاہور میں آنے کے بعد نو برس تک حضرت تشریف فرما رہے، اس ثناء میں بہت سے لوگ فیض یاب ارادت ہو کر سعادت دنیا وآخرت سے بہرہ یاب ہوئے۔[۱۵]

حضرت ایشاں کے جب ایام وفات قریب پہنچے تو رحلت سے پندرہ روز قبل بعد نماز عصر اپنے مرید نواب افتخار خان عالی جاہ سے فرمایا:

"پندرہ روز کے بعد دار البقاء کو رحلت ہوگی"

جب سولھواں روز ہوا تو بروز شنبہ نماز مغرب کے بعد چند بار آپ نے مولانا جامی کا یہ شعر پڑھا:

الٰہی! غنچہء امید بہ کشا
گلی از روضہء جاوید نما

اور عشاء سے پہلے سجدہ ریز ہوئے اور جان عزیز جان آفرین کے سپرد کی۔ نعش مبارک کو جب غسل کے لیے تختہء صندلین پر دراز کیا تو قضارا تہ بند کی گرہ ڈھیلی ہوگئی اور قریب تھا کہ کھل جائے غسال اس سے غافل تھا مگر خواجہ نے دونوں ہاتھ بڑھا کر تہ بند کی گرہ کو مضبوطی سے پکڑا اور کشف عورت نہ ہونے دیا، یہ حال دیکھ کر سب حاضرین نے اقرار کیا کہ

ان اولیآء اللہ لایموتون
"اللہ کے ولی نہیں مرتے"

شاہجہان بادشاہ کی طرف سے جو اس وقت لاہور میں تھا میراں سید جلال الدین صدر الصدور آپ کی تجہیز وتکفین کے اہتمام کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت ایشاں کی نعش کو لحد میں رکھنے کے بعد زیارت کے لیے روئے مبارک سے پردۂ کفن اٹھایا تو دیکھا کہ لب ہائے مبارک جنبش میں ہیں، گویا کچھ پڑھ رہے ہیں۔ تدفین کے بعد نواب سعید خان نے مزار پُر انوار پر گنبد عالی تعمیر کرایا۔[۱۶]

حضرت ایشاں کے چھ فرزند تھے۔ اول خواجہ تاج الدین خاوند کہ جامع علم وعمل وحال وقال تھے اور

تمام عمر گناہ کبیرہ کے مرتکب نہ ہوئے۔ دوسرے حضرت خواجہ خاوند احمد جو پدر بزرگوار کے سجادۂ مشیخت پر بیٹھے اور ولایت میں مقامات بلند کے مالک ہوئے۔ تیسرے خواجہ خاوند محمد، چوتھے خواجہ معین الدین احمد، جامع ''کتاب رضوانی'' جو علم حدیث و تفسیر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے شاگرد اور طریقت میں اپنے والد بزرگوار سے فیض یاب تھے۔ پانچویں خواجہ خاوند قاسم اور چھٹے خواجہ بہاء الدین خاوند جو اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد منصب شاہی کو ترک کر کے مزار پُر انوار کے مجاور ہو گئے اور تا حیات مجاوری مزار پر حاضر رہے۔[۱۷]

آپ کے سولہ خلفاء ہیں جو بعد تربیت و تکمیل مختلف اقالیم دور دراز پر ہدایت خلق کے لیے حسب الارشاد مامور ہوئے:

۱.....فرزند خواجہ خاوند محمود
۲.....خواجہ عبدالرحیم نقشبندی، جو خواجہ حسن عطار بن علاء الدین عطار کی اولاد سے تھے۔
۳.....خواجہ سید یحییٰ جو شجاعت کرمانی کی اولاد سے تھے۔
۴.....خواجہ محمد امین وحیدی
۵.....خواجہ عبدالعزیز وحید
۶.....خواجہ ترسون المعروف بہ خواجہ باقی
۷.....خواجہ شادمان کابلی
۸.....مرزا ہاشم برادر خواجہ دیوانہ بلخی جو سبحان قلی خان بادشاہ بلخ کے پیر تھے۔
۹.....خواجہ لطیف درخشی
۱۰.....خواجہ ابوالحسن سمرقندی
۱۱.....مرزا ابراہیم برادر میر نعمان جو شیخ احمد مجدد الف ثانی کے اعاظم خلفاء سے تھے۔
۱۲.....خواجہ باندی کشمیری
۱۳.....خواجہ حاجی طوسی
۱۴.....حاجی ضیاء الدین
۱۵.....مولانا پائندہ حارثی

۱۶...... خواجہ معین الدین احمد خاوندفرزند دلبند حضرت ایشاں مؤلف ''کتاب رضوانی'' رحمۃ اللہ علیہم اجمعین[۱۸]

مزار پرانوار حضرت ایشاں لاہور سے مشرقی جانب شالامار باغ کے متصل واقع ہے۔

بتاریخ وصالش ابن حامد ''چراغ انجمن افروز گفتا'' (نامی)[۱۹]

...... ۱۶۴۲ء......

گنبد مزار کے اندر چبوترے پر تین قبریں ہیں۔ پہلی قبر حضرت ایشاں کی ہے، دوسری قبر حضرت میر جان نقشبندی کی ہے اور تیسری قبران کے چھوٹے بھائی سید محمود آغا کی ہے۔ اسی گنبد کے جنوب مشرقی کونے میں حضرت ایشاں کے صاحبزادے خواجہ بہاء الدین خاوند کی قبر ہے...... مزار کے غرب رویہ ایک مسجد ہے جو قدیم زمانے کی بنی ہوئی ہے۔[۲۰]

۳...... حضرت شیخ ابو محمد نقشبندی، میانی صاحب:

مغلیہ دور میں قدیم لاہور سے تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا جس کی زیادہ تر آبادی بڑے بڑے علماء وفضلاء پر مشتمل تھی۔ اس زمانہ میں علماء کے لیے پنجابی میں لفظ میاں استعمال کرتے تھے، اس لیے علماء کی یہ بستی عوام الناس میں میانی (یعنی علماء کے رہنے کی جگہ) کے نام سے مشہور ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس بستی کے رہنے والے عالم کسی نہ کسی طرح شاہی دربار سے منسلک رہتے تھے۔ اس لیے سرکاری طور پر اس گاؤں کا نام شاہ پور تھا۔

حضرت شیخ ابو محمد نقشبندی قادری کے والد اسی گاؤں کے ایک رئیس تھے۔ ان کا نام حضرت حافظ جان محمد تھا۔ آپ اس گاؤں کی آمدنی وصول کرتے تھے اور پھر علماء اور فضلاء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ شیخ ابو محمد اسی گاؤں میانی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد بذات خود قرآن پاک کے حافظ تھے۔ لہٰذا انھوں نے اپنے صاحبزادے کو سب سے پہلے قرآن پاک ناظرہ پڑھایا۔ اس کے بعد دیگر علوم کی تعلیم میانی کے علماء سے دلائی۔ میانی ان دنوں علماء کی آبادی تھی، اس لیے آپ کو علماء وفضلاء کا ماحول میسر آیا تو آپ نے بہت جلد علوم ظاہری حاصل کر لیے۔

آپ نے حضرت خواجہ محمد طاہر بندگی کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد خلافت پائی۔ حضرت خواجہ محمد طاہر بندگی نے میانی میں مدرسہ قایم کر رکھا تھا۔ مرشد کریم کے وصال ۱۶۳۰ء کے بعد خلیفہ نامدار کی

حیثیت سے آپ اس مدرسہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ قریب ہی حضرت سید خیر شاہ کی قبر بھی ہے جو آپ کے بعد اس مدرسہ کے مہتمم تھے۔ ۲۱

عہد شاہجہانی میں آپ مشائخ لاہور میں ایک بلند مقام رکھتے تھے، آپ یہاں کے رئیس مقرر ہوئے، آپ کی ذات اقدس علوم باطنی میں یگانۂ آفاق تھی۔ کسی وجہ سے علماء کا آپ سے اختلاف ہوگیا۔ اس نزاع سے بہت سے علماء اس بستی کو چھوڑ گئے، یہاں تک کہ صرف آپ کا خاندان رہ گیا۔ اس طرح آمدنی بھی بہت کم ہوگئی۔ کچھ مدت کے بعد مکھڈ کے ایک بزرگ عالم میر علی شاہی حکم کے مطابق اس گاؤں میں آکر سکونت پذیر ہوئے ان کا اور حضرت ابو محمد کا اتفاق رائے ہوگیا۔ میر علی نے اپنے پانچ بزرگوں کے صندوق مکھڈ سے منگوا کر یہاں دفن کیے اور ان کی قبریں بنوائیں۔ ان لوگوں کی وجہ سے یہ گاؤں ''میانی پنج ڈھیڑا'' کے نام سے مشہور ہوگیا۔ پنجابی میں قبر کو ڈھیڑی کہتے ہیں۔

آپ کا مزار حضرت خواجہ محمد طاہر بندگی علیہ الرحمۃ کی چاردیواری کے جنوبی گوشہ میں ایک پختہ چبوترے پر واقع ہے۔ ۲۲

۴......حضرت عبدالواحد نقشبندی، لاہور:

حضرت مولانا عبدالواحد نقشبندی ایک بلند پایہ عالم دین تھے۔ علوم ظاہری کے حصول کے بعد باطنی علم کے حصول کے لیے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن انھوں نے آپ کو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ آپ انہی کے مرید ہوئے اور کافی عرصہ اپنے مرشد کی خدمت میں رہے۔ تکمیل سلوک کے بعد خرقۂ خلافت عطا ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ لاہور تشریف لائے، یہاں پر تشریف لا کر سلسلۂ رشد و ہدایت شروع کیا، مسجد میں لوگوں کو درس دیتے، جس سے بے شمار لوگوں نے آپ سے باطنی رہنمائی حاصل کی۔ ۲۳

آپ صاحبِ علم وفضل تھے، عبادت و ریاضت نہایت خشوع وخضوع اور ذوق شوق سے کرتے۔ نماز میں ایک مرتبہ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مولانا محمد ہاشم کشمی جامع کتاب ''زبدۃ المقامات'' سے فرمایا:

''بہشت میں نماز ہوگی یا نہیں''

انھوں نے جواب دیا:

''بہشت دار الجزاء ہے نہ کہ دار العمل، اس لیے وہاں نماز کہاں''

آپ نے ایک سرد آہ کھینچی اور کہا:

''بغیر نماز و بندگی کے وہاں کیا مزا آئے گا''

کسب حلال کے لیے آپ کا معاشی سلسلہ تجارت تھا۔ آپ حسب معمول بخارا میں اپنا مال لے کر تشریف لے گئے۔ عشاء کی نماز کے بعد ایک مسجد میں نوافل پڑھ رہے تھے کہ خادم مسجد نے کہا:

''مسجد کا دروازہ بند ہونے والا ہے نفل گھر جا کر پڑھو''

آپ چلے آئے، رات کو حضرت خواجہ باقی باللہ خادم کے خواب میں آئے اور ارشاد فرمایا:

''وہ درویش کہ سوداگر ہندی ہے ہمارے دوستوں سے ہے، اس سے
جا کر معذرت کرو''

چنانچہ اس نے آپ سے معافی مانگی۔

''مکتوبات امام ربانی'' میں آپ کا تذکرہ ہے۔ مکتوب نمبر ۷۰ اور ۳۰۷ آپ ہی کے نام ہیں۔ جس سے آپ کی عظمت اور تقدس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کا مزار شریف لاہور میں تھا لیکن انقلابات زمانہ کی نذر ہو گیا۔[۲۴]

۵...... شیخ سعدی بلخاری، سعدی پارک، مزنگ:

شیخ محمد عمر پشاوری جو شیخ سعدی کے اصحاب و احباب میں سے ہیں، انھوں نے شیخ کے احوال و اقوال میں کتاب ''جواہر السرائر'' لکھی ہے جس میں آپ کے روز تولد سے یوم وفات تک کے حالات اور بے شمار خوارق و کرامات درج کیے ہیں۔ شرف الدین کشمیری مجددی صاحب کتاب ''روضۃ السلام'' نے بھی اپنی کتاب میں حضرت شیخ سعدی کے بے شمار مناقب و خوارق بیان کیے ہیں، چنانچہ اس میں سے کچھ تحریر کیا جاتا ہے:

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ میں آٹھ سال کا تھا کہ ایک روز اپنے گاؤں سے باہر آ کر ایک کنویں پر وضو کر رہا تھا، مولانا حاجی سعد اللہ وزیر آبادی جو شیخ آدم بنوری کے خلفاء میں سے تھے اور عازم بنور تھے، اس راستے سے گزرے، انھوں نے مجھے باحتیاط تمام وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے یاروں سے فرمایا کہ:

''دیکھو اس چھوٹی عمر میں یہ لڑکا کس احتیاط سے وضو کر رہا ہے''

وہ ایک لمحہ میری طرف متوجہ ہو کر وہاں سے چل دیے، میں نے ان کے بعض ہمراہیوں سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کا کیا نام ہے، کہا کہ:

''یہ حاجی سعد اللہ ہیں اور بنور کا قصد رکھتے ہیں کہ اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں حاضر ہوں''

پس جاذب حقیقی کے جذب سے میں بھی ان کے پیچھے ہولیا۔ راستے میں ان کے کسی فقیر سے اختلاط و آمیختگی نہ کی، بے خور و خواب ان لوگوں سے علیحدہ مشغول رہتا تھا۔ بنور پہنچے اور حضرت شیخ کے شرف ملازمت سے مشرف ہوئے تو شیخ نے مولانا حاجی سے ہر ایک کا حال جدا جدا دریافت فرمایا۔ آخر جب میری باری آئی تو مولانا نے عرض کیا کہ:

''یہ بچہ ہمارے ہمراہ آیا ہے اور حال غریبہ ولباس عجیبہ رکھتا ہے''

شیخ نے فرمایا کہ:

''ایسا نہ کہو کہ یہ بچہ ہمارے ہمراہ آیا ہے بلکہ یوں کہو کہ ہم اس لڑکے کے ہمراہ آئے ہیں۔ یہ بچہ سعادت مند ازلی اور مقبول لم یزل ہے۔ اگر بروز حشر ونشر حق سبحانہٗ وتعالیٰ تم کو بخش دے تو اس بچے کے طفیل جاننا''

اس کے بعد شیخ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ:

''اے پسر! تیرا کیا نام ہے؟''

عرض کیا: سعدی! انھوں نے مبارک باد دے کر فرمایا کہ:

''جہاں بھی ہوگے اور جس جگہ بھی جاؤ گے سعدی ہوگے، دنیا میں سعدی اور عقبیٰ میں بھی سعدی''

چرخ تا سال عمر او بشمرد
سعدِ اختر ز تو سعادت بُرد

یعنی ''چرخ پیر نے عمر بھر دیکھا کہ سعد ستارے نے تجھ ہی سے

سعادت حاصل کی‘‘

پھر بہت عنایت وتلطف اور اپنے ہمراہ حرم محترم کے پاس لے گئے اور ان سے بھی مخاطب ہوکر فرمایا کہ:

> ’’آج ایک کمسن لڑکا صاحبِ کمال ہمارے پاس آیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر النساء فاطمۃ الزہراء نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا ہے‘‘

تب انھوں نے اپنی بیعت سے مشرف فرمایا اور خدمات خاص پر مامور فرمایا۔

مولانا محمد یحیٰ زنگی علیہ الرحمۃ جو شیخ آدم بنوری علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں سے ہیں اور ’’سر الاعظم‘‘ کے خطاب سے مخاطب تھے، اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ آدم نے مدینہ منورہ میں وفات پائی تو حضرت شیخ سعدی ایمائے ربانی سے لاہور تشریف لائے اور یہیں توطن اختیار کر کے ہدایت خلق میں مصروف ہو گئے اور ہزاروں طالبانِ خدا کو خدا تک پہنچایا بلکہ خود فرماتے تھے کہ:

> ’’ہمارے مرید آسمان کے ستاروں کے مانند حیطہء شمار میں نہیں آسکتے ان میں سے سیکڑوں تکمیل کامل سے اجازت وارشاد کے رتبہ پر پہنچ گئے‘‘

حضرت کے چاروں فرزندان ارجمند:

☆……خواجہ محمد سلیم ☆……خواجہ محمد غنی
☆……خواجہ محمد یوسف ☆……خواجہ محمد عارف

نے جو چاروں خانہ دین متین کے چار ستون تھے، والد بزرگوار کی دستگیری سے اس قدر کمالات ظاہری وباطنی حاصل کیے کہ تمام مشائخ متاخرین سے گوئے سبقت لے گئے۔[۲۵]

لاہور کے بزرگان نقشبندیہ میں سے یہ بزرگ صاحب کمال مشہور ہیں…… تکمیل ظاہری وباطنی پائی اور پیر روشن ضمیر کے ہمراہ حرمین شریفین کو گئے۔ چند سال وہاں بسر کیے۔[۲۶]

حضرت شیخ سعدی ۲۰؍ اکتوبر ۱۶۹۶ء تین ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ بروز چہار شنبہ بعہد عالم گیر بادشاہ رحمت حق سے پیوست ہوئے اور موضع مزنگ متصل مدفون ہوئے۔[۲۷] اب آپ کا مزار موضع مزنگ کے

پاس سعدی پاک میں ترمذی اسٹریٹ کے اندر متصل محلہ عزیز پیر واقع ہے۔ [۲۸] آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی قبر پر گنبد تو نہ بنایا گیا مگر احاطہ مزار میں اور بہت سی مکلف عمارتیں تعمیر کرائی گئیں۔ خصوصاً ایک وسیع باغ جو احاطہ قبر کے گرد کافی دور تک پھیلا ہوا تھا، اس جگہ کو بہت رونق دی۔ اب صرف مزار اور اس کی چاردیواری باقی رہ گئی ہے۔ [۲۹]

کتاب ''تذکرہ مناقب سید آدم بنوری'' میں لکھا ہے کہ آسیب زدہ پر ان کا توجہ کرنا نہایت مؤثر ثابت ہوتا تھا جب آسیب زدہ ان کے روبرو لائے جاتے تو باثر نظر فیض اثر وہ آسیب زدہ فی الفور اچھا ہو جاتا تھا اور بعض دفعہ ایسا بھی فرمایا کرتے تھے کہ آسیب زدہ کے کان میں جا کر کہہ دو کہ:

> ''شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ اگر خیریت مطلوب ہے تو یہاں سے چلا جا''

چنانچہ یہ عمل کرتے ہی وہ آسیب زدہ اچھا ہو جاتا تھا...... حل مشکلات کے لیے آپ کی دعا نہایت مؤثر ہوتی تھی۔ یعنی جو کوئی اہل مشکل آتا تھا حضرت کی دعا سے اس کی مشکل حل ہو جاتی تھی۔

آپ اپنے مرشد کے حسب الارشاد لاہور میں رہے اور چالیس سال تک لاہور میں رہ کر خلق خدا کو ہدایت کرتے رہے۔ [۳۰]

صاحب روضۃ السلام حاجی محمد امین بدخشی مجددی کی کتاب کے حوالے فرماتے ہیں کہ شیخ سعدی مادر زاد ولی تھے اور حضرت سید الانام کے اویسی۔ لڑکپن ہی میں ہر مشکل توجہ سے حل فرماتے...... اولیاء میں سے جس کی روحانیت کی طرف توجہ کرتے وہ فی الفور حاضر ہو کر کفایت فرماتے۔ [۳۱]

۶...... حضرت پیر زُہدی نقشبندی، میانی صاحب:

آپ کا اصل نام وجیہ الدین تھا آپ نے اتنا زہد و تقویٰ اور مجاہدہ کیا کہ آپ بجائے اصل نام کے زُہدی (زُہد کرنے والا) کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ لاہور ہی کے رہنے والے تھے اور ابتدائی تعلیم یہیں پر حاصل کی۔ جوانی کے عالم میں حصول معرفت کا ایسا شوق پیدا ہوا کہ تلاش حق میں گھومتے رہتے۔

آپ اپنے دور کے مشہور بزرگ شیخ سعدی بلخاری کے مرید ہوے۔ پیر و مرشد کی وفات تک ان کی صحبت میں باطنی فیض حاصل کیا۔ ابھی آپ کی روحانی منازل کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ آپ کے پیر و مرشد فوت ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے فیض طریقہ عالیہ سہروردیہ میں شیخ محمد جان سہروردی لاہوری سے حاصل کیا۔

شیخ جان محمد کی وفات کے بعد آپ لاہور سے دنیا کی سیر و سیاحت کے لیے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، نجف اشرف، کربلائے معلی، بیت المقدس اور بغداد شریف میں تشریف لے گئے۔ وہاں پر مقدس مقامات کی زیارت کی، طویل سیر و سیاحت کے بعد آپ واپس لاہور تشریف لائے۔ یہاں اپنی روحانی تربیت گاہ بنا کر لوگوں کو مستفیض فرمانا شروع کر دیا۔

واپسی پر حضرت میراں شاہ بھیکھ چشتی علیہ الرحمۃ سے خرقہ حاصل کیا...... نیز حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوری سے سلسلہء قادریہ میں کلاہ حاصل کی۔ آپ شیخ کامل تھے، لوگ آپ کی بے انتہا عزت و تکریم کرتے تھے۔[۳۲]

آپ کی زندگی نہایت متوکلانہ تھی۔ لہٰذا جو بھی حاصل ہوتا اسے کھا لیتے...... آپ کے بارے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ابتداء میں آپ نے اپنے نفس کی خواہشات کو کم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ شہر میں گزرتے ہوئے اگر کھانے کی کوئی چیز گری ہوتی تو اسے اٹھا کر صاف کر کے کھا لیتے۔ لیکن بعد میں آپ نے یہ طریقہ ترک کر دیا۔ آخری عمر میں آپ کی بے انتہا شہرت ہوئی۔

آپ کی وفات ۱۱۴۰ھ بمطابق ۱۷۲۷ء لاہور میں ہوئی۔ آپ کو میانی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار آج بھی زیارت گاہِ خلق اللہ ہے۔ کسی زمانہ میں آپ کی قبر پر گنبد تھا، جو انقلاب زمانہ کے باعث گر گیا۔ آپ کے مزار پر لوگ نمکین اور شیریں روٹیاں بطور نذر و نیاز لے جاتے ہیں۔[۳۳]

۷...... حضرت حاجی محمد سعید نقشبندی، نیپئر روڈ:

حاجی محمد سعید لاہور کے مشہور بزرگ اور متوکل تھے آپ ۱۰۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ طریقت میں آپ نے مختلف حضرات سے کسب فیض کیا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ حافظ سعد اللہ مجددی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ انہی سے آپ نے معرفت حاصل کی۔ تکمیل سلوک پر آپ کو خلافت نقشبندیہ سے نوازا گیا۔

صاحب کتاب ''تشریف الشرفا'' فرماتے ہیں کہ حاجی محمد سعید کو خرقہء خلافت قادریہ سید محمود بن سید علی حسین کُردی سے ملا جن سے آپ کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی اور وہاں ہی آپ سے بیعت فرمائی۔

حاجی محمد سعید علیہ الرحمۃ دو دفعہ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور شرف حج و زیارت روضہ مطہرہ نبوی سے مشرف ہوئے۔ بہت سے مشائخ طریق سے فائدہ عام اور فیض تام حاصل کیا۔ آپ کی بیعت کا سلسلہ خاندانِ عالیہ قادریہ سے چند درمیانی واسطوں سے سید عبدالقادر گیلانی رضی اللہ عنہ سے اس طرح پہنچتا ہے

کہ:

> ''آپ مرید شیخ محمود کردی کے (جن سے مکہ معظمہ میں بیعت ہوے) اور یہ (سید محمود) سید جلال الدین کے اور یہ مرید سید شہاب الدین کے اور یہ سید جمال الدین کے اور یہ شمس الدین ابوالعرفا کے اور یہ شہاب الدین احمد کے اور یہ سید قاسم کے اور یہ سید عبدالباسط کے اور یہ سید بہاء الدین ابوالعباس کے اور یہ سید بدرالدین ابوالحسن کے اور یہ سید علاء الدین کے اور یہ سید شرف الدین یحییٰ تاتاری کے اور یہ مرید سید ابو صالح نفر کے اور یہ مرید قطب الآفاق سید عبد الرزاق بن غوث الاعظم محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے''[۳۴]

اطراف عالم کی سیر و سیاحت کے بعد جب آپ لاہور تشریف لائے یہاں آپ نے محلہ ولا داڑی میں رہائش اختیار فرمائی۔ لوگوں کو درس وتدریس اور رُشد وہدایت کی تعلیم دینے لگے۔ آپ کی قیام گاہ کے پاس عالی شان مسجد تھی۔ لوگ اس میں حاضر ہوتے۔ صبح سے نماز ظہر کے بعد تک آپ درس وتدریس میں مشغول رہتے اور نماز عصر کے بعد علم باطن کی تعلیم دیتے اور ذکر وفکر کرتے۔

آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ جس کرامت سے آپ کا چرچا ہوا وہ یہ ہے کہ جب احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر پہلی مرتبہ حملہ کیا اور صوبہ لاہور کو شکست ہوئی لاہور کے لوگ قتل وغارت کے خوف سے ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوے۔ آخر محلہ لکھی اور عبداللہ داڑی کے رہنے والے آپ کی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کی ''سب لوگ بھاگ گئے ہیں اور ہم آپ کے بھروسے پر ابھی تک اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں'' فرمایا

> ''ہاں ہم نے اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کی ہے کہ ہماری سکونت کا محلہ غارت گری سے محفوظ رہے تم کھلے دروازے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو''

آخر جب شہر فتح ہو گیا اور افغان شہر میں لوٹ مار کرنے لگے تو احمد شاہ ابدالی جو شاہدرہ میں مقیم تھا، نے

پوچھا کہ:

''اس شہر میں کوئی صاحب شریعت وطریقت ہے؟''

لوگوں نے حضرت کا نام لیا تو بادشاہ محلہ عبداللہ داڑی میں آپ کی خدمت حاضر ہوا اور بعد از زیارت حکم دیا کہ دونوں محلوں میں غارت گری نہ ہو، بلکہ وہاں اپنی سپاہ مقرر کر دی...... سید محمد لطیف مصنف ''ہسٹری آف لاہور'' نے احمد شاہ ابدالی کی تیسری مہم کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ نے ابدالی کو خط لکھا تھا کہ جس سے وہ بہت متاثر ہوا اور خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تھا۔ نقل ہے کہ احمد شاہ ابدالی آپ کا مرید ہو گیا تھا۔ لوگ آپ کو ''پیر افغاناں'' کہنے لگے۔

آپ نے ایک شادی کی۔ اولاد میں دو صاحبزادیاں تھیں جن سے اولاد آگے بڑھی۔ ایک صاحبزادی کا نام بیوی صاحب جان اور دوسری کا نام رحمت بیوی تھا۔ صاحب جان تو حافظ محمد مقیم لاہوری سے اور رحمت بیوی حافظ محمد مراد صوفی سے بیاہی گئی۔

آپ پانچ ربیع الاول ۱۱۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ آپ کا مزار کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج متصل میو ہسپتال کے قریب نیپئر روڈ پر ایک احاطے میں واقع ہے۔ جو گوروں کے قبرستان کے متصل ہے۔[۳۵]

- محمد سعید آں سعید زماں　　که بیرون است وصفش زگفت وشنید
تاریخ ترحیل آں شیخ دیں　　نداشد۔۔۔واصل سعید [۳۶]

قطعہ تاریخ وفات از مفتی غلام سرور لاہور

۸......حضرت سید میر جان کابلی نقشبندی، بیگم پورہ:

آپ سلسلہ نقشبندیہ کے جامع شریعت وطریقت بزرگ تھے۔ آپ کا اصل نام سید میر جان تھا لیکن آپ بڑے پیر صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ کابل سے تعلق ہونے کی وجہ سے کابلی کہلاتے تھے۔ والد کا نام سید میر حسن بن عبیداللہ تھا۔ سلسلۂ نسب ننھیال کی طرف سے حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد عرصہ سے کابل میں آباد تھے۔ آپ اپنے اسی آبائی وطن میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کابل ہی میں حاصل کی۔ قرآن پاک ناظرہ پڑھنے کے بعد عربی اور فارسی پڑھی۔ اس کے بعد دینی علم کی طرف رجوع کیا اور اس زمانے کے اکابر علماء سے تحصیل علم کیا۔ تفسیر حدیث اور فقہ پر آپ کو

عبور حاصل تھا۔

تحصیل علم سے جب فارغ ہوئے تو ہدایت خلق اور تبلیغ دین اسلام میں مصروف ہو گئے۔ تمام احوال و مقامات کو شرعی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جو کچھ بیان کرتے قرآن و حدیث سے اسناد کرتے۔ حصول معرفت کا جذبہ آپ میں ابتدائے بلوغت سے موجزن ہو چکا تھا۔ لیکن صوفیہ ء کے اصول کے مطابق سلوک میں قدم رکھنے سے شرعی علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ پہلے آپ نے حصول علم میں کمال پیدا کیا، پھر آپ سوات میں حضرت اخوند صاحب قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہونے کی التجا کی۔ انھوں نے باطنی نگاہ سے دیکھ کر بتایا کہ:

’’آپ پنجاب میں امرتسر جائیں وہاں سے فیض حاصل ہوگا‘‘

چنانچہ آپ کابل سے نکل کر پشاور آئے اور وہاں سے امرتسر پہنچے۔ وہاں پر اس دور کے مشہور نقشبندی بزرگ حضرت مولانا سید احمد یار بخاری اوچی کے مرید ہو گئے۔ سید احمد یار بخاری اپنے دور کے نامور صوفی تھے۔ بیعت کے بعد حضرت میر جان کابلی نے سلسلہ نقشبندیہ کے اوراد کے مطابق بے حد مجاہدہ کیا اور ذکر و فکر سے روحانی منازل عبور کیں۔ خدمت مرشد میں رہ کر مقاماتِ سلوک کی تکمیل کی۔ آخر خرقہ ء خلافت و ارشاد ہدایت سے سرفراز ہوئے۔ آپ جامع کمالات صوری و معنوی اور کاشف اسرار شریعت و طریقت تھے۔ فقر اور استغناء میں بے نظیر و بے عدیل تھے۔ کتاب ’’مصباح الحقیقت‘‘ میں لکھا ہے کہ:

> ’’جب مولانا سید احمد یار نے خلافت نامہ تحریر فرمایا تو لکھا کہ جب میں نے حضرت میر جان کابلی کو سیر سلوک میں خوب آزمایا اور کئی بار مشائخ کرام کی طرف سے اجازت دینے کا حکم ہوا، تب میں نے اجازت نامہ لکھ کر ان کو دیا‘‘

آپ کا سلسلہ ء طریقت حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے یوں ملتا ہے:

> ’’حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی، عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم، حضرت خواجہ سیف الدین، حضرت سید نور محمد بدایونی، حضرت شمس الدین حبیب اللہ، حضرت

مرزا مظہر جان جاناں، حضرت شاہ غلام علی شاہ، حضرت شاہ ابو سعید،
حضرت مولوی محمد شریف قندھاری، حضرت مولوی احمد یار بخاری،
حضرت سیدنا و مرشدنا و ھادینا حضرت سید میر جان کابلی علیہم الرحمۃ''

لاہور تشریف لانے سے پہلے آپ نے دور دراز ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کی، اشاعت دین کی گراں بہا خدمات سرانجام دیں، سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ دیا۔ سیر و سیاحت کے بعد آپ لاہور تشریف لانے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ حضرت ایشاں سے خاندانی تعلق ہونے کے باعث آپ کی درگاہ کو رشد و ہدایت کے سلسلے کا مرکز بنایا۔ درگاہ سے ملحق مسجد کے محراب میں آپ جلوہ گر رہتے۔ طالبین حق و صداقت کا ایک اجتماع آپ کے اردگرد رہتا۔ آپ انھیں اتباع قرآن و سنت، ریاضت و عبادت، مراقبہ، ذکر و فکر، سماع سے اجتناب، غیر شرعی امور سے احتیاط کرنے اور اعلاء کلمۃ الحق کی ہدایت فرماتے۔ تقریباً تیس سال لاہور میں آپ کا فیضان جاری رہا۔ خلق کثیر نے آپ سے علمی و روحانی فیض کیا۔

اہل لاہور کے علماء و صلحاء میں سے حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اور مولانا غلام قادر خطیب بیگم شاہی مسجد لاہور عموماً جمعرات یا جمعہ کے روز تشریف لاتے۔ مسجد کے پاس ہی ایک عمارت جس کو نواب یحیٰی خان نے تسبیح خانہ کے نام سے تعمیر کرایا تھا اس میں فاتحہ خوانی اور ختم خواجگان ہوا کرتا تھا۔

گرمیوں کے موسم میں آپ اکثر اوقات کشمیر چلے جاتے، وہاں کے لوگوں کو رشد و ہدایت کی دعوت دیتے اور کشمیر کے میں قیام کے دوران آپ خصوصاً اہل تشیع کو صراط مستقیم کی طرف لانے کی کوشش کرتے۔ اس مقصد میں آپ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ اپنے حلقہء ارادت میں عموماً صوفیانہ مسائل پر بات چیت کیا کرتے تھے جس سے لوگ بہت محظوظ ہوتے۔ تصوف کے ایسے لطیف مسائل بیان کرتے کے سننے والے دنگ رہ جاتے۔ کشمیر آپ زیادہ تر خانقاہ ہمدان یا خواجہ خاوند معین الدین نقشبندی میں قیام فرماتے۔ کبھی کبھی اپنے مرید خاص میاں محمد حسین باغبان پوری جو ان دنوں کشمیر میں حکومت برطانیہ کی طرف ملازمت پر تھے، کے پاس تشریف لے جاتے اور قیام کرتے۔ کشمیر میں بھی عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے اردگرد رہتی اور ارشادات گرامی سے فیض حاصل کرتی۔ ان میں رئیس کشمیر خواجہ حسن شاہ نقشبندی بن خواجہ عبدالرسول شاہ مقبل قابل ذکر بزرگ ہیں۔

آپ نے طالبان علم و عقیدت مندوں کی رہائش کے لیے بہت سے حجرے بنوائے۔ ان کے ساتھ

ایک حویلی اور مسافر خانہ بھی تعمیر کروایا۔ قبرستان کے لیے زمین وقف کی جو ''قبرستان حضرت ایشاں'' کے نام سے مشہور ہے۔ دور دراز ممالک اسلامیہ کے مسافر اور طالب علم یہاں آ کر قیام کرتے تھے۔ آپ بالعموم مسجد کے شمالی حجرہ یا محراب میں تشریف رکھتے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد کافی تھی۔ مریدوں کو ہمیشہ اتباع شریعت کا درس دیا۔ اپنے وعظ و تلقین کے ذریعے سیرت کی پختگی، کردار و عادات کی بلندی اور جذبہ اخلاص و محبت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ غرض کہ اپنے علمی کمالات اور روحانی فیوضات سے سرزمین کشمیر، لاہور، بیگم پورہ اور باغبان پورہ کو مالا مال کیا۔

آپ پیر طریقت، واقف اسرار حقیقت، جامع علوم ظاہر و باطن، کاملان وقت و صاحب کرامات سے تھے۔ آپ علم اور حلم کا ایک حسین مرقع تھے۔ لوگوں سے بڑی شفقت سے پیش آتے۔ اپنے آپ کو خادم خلق سمجھا کرتے، لنگر وسیع تھا، جو کچھ آتا خرچ کر دیا کرتے، کئی بار حج کی سعادت حاصل کی۔

مصباح الحقیقت میں آپ کی شادی کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ہر سال حج کے لیے مکہ معظمہ اور زیارت نبی کے لیے مدینہ شریف تشریف لے جاتے۔ اسی دوران آپ نے ایک نیک خاتون سے نکاح کیا، اس سے اولاد بھی ہوئی۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ہندوستان واپسی پر زوجہ محترمہ اور صاحبزادے بھی ہمراہ تھے۔ جہاز کی تباہی کے سبب زوجہ محترمہ اور دونوں بچے سمندر میں ڈوب گئے۔ لیکن آپ ایک تختہ پر تین یوم تیرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے آپ کو صحیح سلامت بمبئی کے کنارے پر لگا دیا، وہاں سے آپ لاہور واپس تشریف لائے۔

آپ کا وصال یکم شعبان ۱۳۱۹ھ بمطابق ۱۳؍نومبر ۱۹۰۱ء میں ہوا۔ آپ کو حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ کے گنبد میں دفن کیا گیا۔ گنبد کے اندر داخل ہوتے ہوئے حضرت ایشاں کے پہلو میں دوسری قبر آپ کی ہے۔ اور تیسری قبر آپ کے چھوٹے بھائی کی ہے۔ آپ کا روضہ بیگم پورہ نزد باغبان پورہ لاہور میں مرجع خلائق ہے۔[۳۷]

۹..... حضرت سید منور علی شاہ نقشبندی، میانی صاحب:

سید منور علی شاہ کا تعلق سادات گیلانیہ سے تھا۔ آپ لاہور کے رہنے والے تھے، یہیں پرورش پائی اور یہاں ہی علم دین حاصل کیا۔ آپ کے والد گرامی کا نام سید صابر تھا۔ جو سلسلہ سہروردیہ میں میر عبدالرزاق کے خلیفہ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ سے ملتا ہے۔

آپ کو روحانی فیض طریقت کے دو سلسلوں یعنی نقشبندیہ اور سہروردیہ سے ہوا۔ سلسلہ سہروردیہ میں آپ اپنے والد صاحب کے ہاتھ پر روحانی نسبت رکھتے تھے۔ آپ کا شجرہ طریقت یہ ہے کہ:

''آپ اپنے والد سید صابر کے مرید تھے، اور یہ اپنے والد میر عبدالرزاق کے اور یہ اپنے پدر میر عبدالرحیم کے اور یہ اپنے والد میر صدرالدین کے، یہ اپنے والد میر حیدر کے اور یہ مرید شاہ نصیب الدین غازی کشمیری کے اور یہ شیخ داؤد خاکی کے، یہ مخدوم حمزہ کشمیری کے، یہ سید جمال الدین بخاری کے مرید تھے جو سید عبدالوہاب بخاری دہلوی کے بھائی تھے''

سلسلہ سہروردیہ کے علاوہ آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں بھی اکتساب فیض کیا۔ آپ اس سلسلہ کی طرف زیادہ مائل تھے۔ کیونکہ آپ دنیا اور دنیاداروں سے بچنے کی بہت کوشش کرتے، آپ کا نظریہ یہ تھا کہ:

''اہل طریقت کو اہل دنیا اور دنیا سے بالکل غرض نہ رکھنی چاہیے''

آپ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ حال قلوب آپ پر اس قدر مکشوف تھا کہ جو حاجت مند اور سائل حاضر خدمت ہوتا اسے اظہار حال کی ضرورت نہ پڑتی اور اپنے دلی سوال کے مطابق جواب پالیتا۔

سید منور علی شاہ جامع الکمالات کی وفات ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۸ء میں ہوئی۔ مزار مبارک شیخ محمد طاہر بندگی نقشبندی لاہوری کے مزار کی چاردیواری میں ہے۔

تاریخ وفات از مفتی غلام سرور لاہوری۔

پرتو افگن چو شد منور شاہ　　　در جناں ہم چو ماہ پارۂ نور
گشت تاریخ رحلتش روشن　　　از ''منور ولی ستارۂ نور'' [۴۸]

۱۰......سید محمود شاہ نقشبندی، گھوڑے شاہ:

آپ لاہور کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والدین نہایت صالح تھے۔ ان کی تربیت کا اثر تھا کہ آپ راہ سلوک کے طالب حقیقی بنے۔ آپ بڑے زاہد و عابد تھے۔

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت عبدالکریم مجددی کے مرید تھے۔ صحبت مرشد میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ عمر کا بیشتر حصہ گوشہ نشین رہے، اس عالم تنہائی میں آپ نے بے حد ریاضت و عبادت کی۔ آپ دنیاداروں سے الگ تھلگ رہتے۔ آپ ہر لحاظ سے پابند شرع تھے۔ ذکر اور نوافل پر بہت زور دیا کرتے

تھے۔ تکمیل سلوک پر آپ کے مرشد نے آپ کو خرقہ خلافت سے نوازا۔

آپ کوچہ کوٹھی داراں، کشمیری بازار میں رہتے تھے۔ خرقہ خلافت ملنے پر آپ لوگوں کو راہ حق پر لانے میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی دعا میں بے حد اثر تھا۔ لاہور میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ پھیلانے میں آپ نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ بے شمار لوگوں کو آپ کی ذات بابرکات سے دینی اور روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئیں۔ لاہور بیرون لاہور سے ہزارہا آپ کے عقیدت مند تھے۔

آخری عمر میں آپ کافی ضعیف ہو چکے تھے، جسمانی کمزوری کے باوجود بھی آپ خدمت خلق میں مصروف رہتے۔ آپ کا وصال ۱۲۸۰ھ بمطابق ۱۸۶۲ء میں ہوا۔ آپ کو شمالی لاہور میں مزار حضرت گھوڑے شاہ کے بالمقابل دفن کیا گیا۔[۳۹]

پیر غلام دستگیر نامی نے آپ کی تاریخ وفات پر یوں قطعہ کہا ہے:

بتاریخ او نامی خوش بیاں　　"سیادت نشاہ شاہ محمود" گفت
۱۲۸۰ھ
از نامی حامد زمانہ　　"تن بریاضت" است تاریخ
۱۸۶۲ء

حضرت سیّد سَید محمود آغا کابلی نقشبندی، بیگم پورہ:

آپ کا اصل وطن کابل تھا، آپ حضرت میر جان کابلی کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کی ولادت کابل میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم بھی وہاں حاصل کی۔ آپ نے فارسی زبان میں خوب مہارت حاصل کی۔ آپ کا بچپن ہی سے حصول معرفت کی طرف رجحان تھا۔

حضرت میر جان کابلی جب لاہور میں آ کر ہدایت خلق میں مصروف ہو گئے تو ان کے چھوٹے بھائی حضرت سید سَید محمود آغا ان کی تلاش میں کشمیر سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچے۔ خانقاہ حضرت ایشاں میں ملاقات ہوئی۔ بڑے بھائی کے پاس مستقل قیام نہ کیا۔ شالامار باغ میں شاہی حمام کے پاس والے برج میں رہنے لگے۔

آپ کا معمول تھا کہ زیادہ وقت اپنی قیام گاہ پر گزارتے اور دربار الٰہی میں مصروف رہتے۔ آپ پر عشق حقیقی حد درجہ غالب تھا، آپ اسی میں کھوئے رہتے۔ آپ دنیا کے دھندوں سے بے نیاز تھے، جو میسر

آتا اسی پر گزارا کرتے۔ اکثر اوقات فاقہ بھی ہو جاتا لیکن کسی سے سوال نہ کرتے۔ آپ زیادہ تر عالم استغراق میں محو رہتے۔ لیکن جب دل میں آتا تو اپنی قیام گاہ سے اٹھ کر اردگرد کے علاقے میں گھوم پھر لیتے۔ آہستہ آہستہ لوگ آپ کی بزرگی کے قائل ہوئے اور کچھ حضرات آپ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہوئے۔ آپ کے پاس جو بھی آیا، آپ نے اسے عشق حقیقی کا درس دیا اور اللہ کا راستہ بتلایا۔ گاہے بگاہے آپ خانقاہ حضرت ایشاں میں بھی تشریف لاتے اور اپنے بھائی سے ملتے۔

آپ فارسی کے نہایت عمدہ شاعر تھے۔ آپ کا تخلص تراب تھا۔ آپ کے کلام میں سوز و گداز، جوش عقیدت اور دردمندی ہے۔ بعض اشعار میں جذب مستی بھی بڑی نمایاں ہے۔ نمونہء کلام درج ذیل ہے:

بدہ دست یقیں اے دل کہ شاہ راہنما ایں جا
مے ایں جا، وحدت ایں، جا ساقی مشکل کشا، ایں جا
نہ تابم سر ازیں درگاہ برو اے مدعی ناداں
سر ایں جا، سجدہ ایں جا، بندگی ایں جا، خدا ایں جا
مکن گردن کشی باخود بزن چنگل بدامانش
محمد مشرب ایں جامہء یوسف لقا ایں جا
بخاکِ در گہش خوکن گر مقصود مے خواہی
تراب ایں جا، شراب ایں جا، کباب ایں جا، ہُدا ایں جا

اس دور کے امراء و رؤسا اکثر شالامار کی سیر کو آیا کرتے تھے۔ جب کبھی وہ شاہی حمام والے برج سے گزرتے تو اس مستغنی المزاج اور سادہ لباس درویش کو اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے حیرانی سے دیکھتے تو باغ کا انگریز نگران آپ کی موجودگی کو اس باغ کی خوشنمائی میں ایک دھبہ خیال کرتا۔ یہ عظیم یادگار شاہجہان بادشاہ نے نواب علی مردان خان اور خلیل اللہ خان کی نگرانی میں ایک سال چار ماہ اور پانچ دن مُں چھے لاکھ روپیہ کی لاگت سے تیار کروائی تھی ...... وہ انگریز ہمیشہ اس کوشش میں رہتا کہ اس دھبہ کو دور کرے۔ آخر آپ کو جگہ خالی کرنے پر مجبور کیا گیا۔ آپ نے تنگ آ کر شالامار باغ کو چھوڑ دیا اور اپنے بڑے بھائی کے پاس خانقاہ حضرت ایشاں میں چلے آئے۔

کچھ عرصے کے بعد امرتسر تشریف لے گئے اور مریدوں کے ہاں قیام کیا۔ اسی دوران میاں امین الدین باغبان پوری بیل خریدنے کی غرض سے میلہ مویشیاں بمقام امرتسر گیا، جب وہ بازار سے گزر رہا تھا، اتفاقاً آپ کی نظر اس پر پڑی، اپنے مریدوں میں سے ایک کو کہا کہ جاؤ اس مسافر کو میرے پاس لے آؤ۔ میاں امین الدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آداب بجالایا، آپ نے دعا فرمائی اور پوچھا ''شاہی حمام والے برج کا کیا حال ہے''؟

اس نے جواب دیا:

> ''یا حضرت آپ کے چلے جانے کے بعد وہ گر گیا، نگراں اور ناظم شالامار باغ دونوں سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ حکومت ان پر سختی کر رہی ہے، آپ ان کے بھلائی کے لیے دعا فرمائیں''

امرتسر سے واپسی پر آپ آخری دم تک درگاہ حضرت ایشاں پر رہے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے ۱۱رذی الحجہ ۱۲۹۱ھ بمطابق ۱۸۸۲ء میں وفات پائی۔ آپ نے ساری زندگی تجرد میں گزار دی، کیونکہ آپ نے ساری زندگی شادی نہیں کی۔

آپ کا مزار مبارک حضرت ایشاں کے گنبد کے اندر بیگم پورہ نزد باغبان پورہ میں واقع ہے۔ گنبد میں تین قبریں ہیں۔ تیسری قبر مبارک آپ کی مرجع خلائق ہے۔[۴۰]

۱۲...... حضرت شیخ محترم نقشبندی، سوامی نگر:

آپ اکبری دور کے اکابرین نقشبندیہ میں سے ہیں۔ آپ اکبر کے زمانہ میں باہر سے لاہور تشریف لائے۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں لاہور ہی میں آباد ہوگئے۔ آپ بڑے نیک اور صالح بزرگ تھے۔ بے شمار لوگ آپ کے عقیدت مند تھے، آپ نے قول و عمل کے ذریعے خلق خدا کے دل روشن کیے۔ اپنے پاس آنے والوں کو پابندی شریعت کا درس دیتے تھے۔ لاہور کے کئی متمول اور صاحب حیثیت حضرات آپ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہوے۔ آپ کے کردار میں تقویٰ اور خدا پرستی بہت نمایاں تھیں۔ حتیٰ کہ آپ نے لاتعداد حضرات کو دینی اور روحانی فیض پہنچایا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں ۱۶۹۰ء میں آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔

آپ کے مزار کا گنبد جی۔ ٹی۔ روڈ کو آپریٹو سٹور کی آبادی کے نزدیک سوامی نگر میں ہے۔ جی۔ ٹی روڈ

سے جہاں ایک سڑک گڑھی شاہو کے پل کو جاتی ہے وہاں شاذ و لیبارٹری کے اندر ایک گنبد ہے، جس میں آپ کا مزار تھا۔ چند سال قبل لوگوں نے اسے اپنے رہنے کی جگہ بنالیا۔ یہ فعل اہل اسلام کے لیے کسی طرح سے بھی مناسب و پسندیدہ نہیں...... عربی و فارسی کی کئی تحریر موجود نہیں، سفیدی سے ان عبارات کو مٹا دیا گیا ہے۔ افسوس صد افسوس!

کچھ عرصہ قبل یہ مقبرہ اندرون چار دیواری آ گیا ہے اس لیے اس تک پہنچنے کے سب راستے مسدود ہیں۔ آپ کے مقبرہ کا گنبد کسی زمانے میں بہت خوبصورت تھا اور بناوٹ کے لحاظ سے مغلیہ طرز کا۔

کنہیالال نے ''تاریخ لاہور'' میں آپ کے مقبرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''مقبرہ کی مربع عمارت پختہ چونہ گچ سقف کے برابر چاروں گوشوں پر چار گنبدیاں مربع، چاروں طرف چار در محرابی قالبوتی، درمیان ان کے مقبرہ کا گنبد عالیشان مدور نہایت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ مقبرہ کے چاروں طرف چار محرابیں ہیں۔ مقبرہ کی اندرونی عمارت میں چار محرابیں چاروں گوشوں میں بنائی گئی ہیں اور چار محرابی دروازے۔

دیواروں پر بخط عربی اور فارسی بہت سی آیات و اشعار منظوم لکھے ہیں۔ جن مین سے کچھ پڑھے جاتے ہیں اور کچھ نہیں پڑھے جاتے۔

ھادی سالکان راہ نجات
آن سلیمان دل و خرد آصف
سال تاریخ رحلتش جستم
گفت طبع سلیم نیک خلف
پنج بر چین زنخل و فق و بگو
قدس اللہ سر والا شراف''

ایسے ہی مولوی نور احمد چشتی کے دور میں ایسی عبارات تھیں جو پڑھی جاتی تھیں، انھوں نے لکھا ہے کہ درج ذیل مصرعہ جات ابھی پڑھے جاتے ہیں:

ایں سوختہ را چوں محترم

دروازہ غربی کے اوپر زیر محراب اتنا لکھا ہوا نظر آتا ہے

اللہ۔ محمد۔ علی۔ عثمان

اور باقی بوسیدہ ہو گیا ہے نیز یہ بھی لکھا ہوا ہے

افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یا اللہ یا اللہ...... یا محمد یا محمد بھی لکھا ہوا ہے۔

سید محمد لطیف ''ہسٹری آف لاہور'' میں لکھتے ہیں کہ درج ذیل کلمات بھی پڑھے جاتے ہیں:

اللھم اغفر لامۃ محمد   اللھم ارحم لامۃ محمد

برآستانِ تو اسرارادت ما

واللہ انیس متابین''

مقبرہ کے اندر تین قبور تھیں، ایک حضرت محترم نقشبندی کی اور دو آپ کے عزیزوں کی تھیں۔ انگریزی عہد میں اس مقبرہ کو ایک انگریز کی درخواست پر نیلام کیا گیا۔ انگریز مذکور نے خرید کر اس کے چاروں طرف برآمدہ بنا کر کوٹھی کی صورت بنالی، قبریں گرادیں...... بعد ازاں نارتھ ویسٹرن ریلوے کوآپریٹو سٹور نے اس میں سوڈا واٹر فیکٹری کھول لی، انگریزوں نے یہ مقبرہ نیلام کیا تھا کہ سرکاری نزول کے رجسٹر میں لاوارث ہونے کی وجہ سے اس کا اندراج تھا۔[۴۱]

۱۳...... خواجہ غالم مرتضٰی نقشبندی، عثمان گنج (بیرون شیرانوالہ دروازہ):

اس خانقاہ کے بانی حضرت خواجہ غلام مرتضٰی ۱۸۱۳ء میں موضع بھینی ضلع شیخوپورہ کے ایک آرائیں گھرانے میں پیدا ہوئے۔ عالم شباب میں بعض مصالح اور وجوہات کی بنا پر موضع قلعہ لال سنگھ میں مستقل رہائش رکھ لی۔ یہ گاؤں بھی ضلع شیخوپورہ میں واقع ہے اور آپ کی تشریف آوری سے ''قلعہ شریف'' مشہور ہوا۔ آپ نے بہاولپور جا کر تکمیل علوم متداولہ کی۔ حضرت میاں بدرالدین علیہ الرحمۃ (چوہنگ ضلع لاہور) کے دست اقدس پر بیعت وخلافت کی سعادت حاصل کی۔

زُہد وعبادت کو ذریعہ روزگار نہیں بنایا بلکہ اپنی اراضی خود کاشت کر کے پیٹ پالتے رہے۔ ۱۸۸۵ء میں بستی بیلہ رام (عثمان گنج) لاہور تشریف لا کر تبلیغ واشاعت سلسلہ عالیہ کا کام شروع کر دیا۔ ہزارہا مخلوق

فیض یاب ہوئی۔

آپ کے صاحبزادے خواجہ نور محمد اور خواجہ مہر محمد صوبہ علیہم الرحمۃ (مدفون میانی صاحب، لاہور) بہت معروف ہوے۔ آپ کی وفات ۲۱ر فروری ۱۹۰۳ء بمطابق ۲۲ر ذی قعد ۱۳۲۰ھ بروز ہفتہ عثمان گنج لاہور میں ہوئی جہاں مزار پُر انوار مرجع خلائق ہے۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ نور محمد سجادہ نشین ہوے۔ جن کی ولادت ۴ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو عثمان گنج لاہور میں ہوئی۔ مدرسہ حمیدیہ لاہور سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد یار (خطیب سنہری مسجد، لاہور) سے درس نظامی کی تکمیل کی، والد گرامی سے بیعت وخلافت تھی۔ علم وعرفان کی نہریں بہائیں ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرتسر (بھارت) میں آپ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

☆ حجت ربانی...... ☆ تحقیق الوجد...... ☆ حج فقیر بر آستانہ پیر

وغیرہ کتابیں بھی لکھیں۔ بد مذہبوں کو مناظرے میں شکست فاش دی۔ آپ کی رحلت یکم ذی القعدہ ۱۳۷۷ھ/۲۱ر مئی ۱۹۵۸ء بروز بدھ ہوئی۔ مزار مقدس محلہ عثمان گنج بیرون شیرانوالہ گیٹ دروازہ نزد ریلوے لائن (لاہور) واقع ہے۔ محکمہ اوقاف نے ۲۶ر فروری کو قبضہ میں لے کر انتظام سنبھال لیا۔[۴۲]

آپ کا شجرۂ طریقت چند واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے:

خواجہ غلام مرتضیٰ، خواجہ بدر الدین نقشبندی، حضرت غلام محی الدین قصوری، حضرت غلام علی (مدفون دہلی)، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز

صحبت مرشد سے فیض یاب ہونے کے لیے آپ پانچ سال تک روزانہ مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ آپ کے گاؤں اور مرشد کی جائے قیام کے دوران پانچ میل کا فاصلہ تھا۔ آپ بلا ناغہ رات کے وقت پچھلے پہر اپنے گاؤں سے روانہ ہوتے اور صبح کی نماز پیر ومرشد کی اقتداء میں جا کر ادا کرتے۔ پھر تھوڑا وقت خدمت مرشد میں گزار کر واپس اپنے گاؤں آجاتے اور حصول معاش میں مصروف ہو جاتے۔ اس دوران موسموں کے تغیر وتبدل کے اثرات کی آپ نے مطلق پروانہیں کی حتیٰ کہ اس صحبت مرشد کا آپ پر یہ اثر ہوا کہ آپ مرشد کی توجہ کا مرکز بن گئے۔

آپ کے مرشد نے ایک ویران مسجد میں چلہ کاٹنے کے لیے کہا۔ چنانچہ پہلے اس مسجد میں ایک چلہ کاٹا، روحانیت میں استقامت کے لیے کئی چلے کاٹے۔ یہ مسجد غیر آباد تھی، اس لیے وہاں رات دن عبادت

میں مشغول ہونا آسان تھا۔ اس چلہ کشی سے آپ منازل روحانیت کو طے کر کے درجہ تکمیل تک پہنچے۔ اس ریاضت وعبادت کے بعد آپ اپنے گاؤں واپس آ گئے اور مرشد کے حکم پر ازدواجی زندگی اختیار کر لی۔

جب آپ سلسلہ نقشبندیہ میں ہر طرح کامل ہو گئے تو خرقہ خلافت عطا فرما کر مرشد نے فرمایا:

''بیٹا جاؤ اب مخلوق خدا کی خدمت کرو''

اب آپ دن کا کچھ حصہ کاشتکاری میں گزارتے اور بقیہ وقت ارشاد و تلقین میں محو رہتے۔ رفتہ رفتہ آپ سے کئی لوگوں کو فیض پہنچنا شروع ہوا۔ موضع قلعہ لال سنگھ میں اس زمانے میں سکھ رہتے تھے۔ ان میں کئی سکھ آپ کے خُلق سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔ ایک بار آپ تین دن سے فاقہ مستی سے تھے آپ ہندوؤں کے ایک گاؤں گئے، وہاں آپ نے تین دن تک کچھ نہ کھایا۔ جب گھر واپس آئے تو آپ کی خدمت میں دو روٹیاں اور اچار پیش کیا گیا عین اس وقت جبکہ آپ لقمہ اٹھانے لگے تو ایک سائل آ گیا اس نے کہا کہ ''میں چار روز سے بھوکا ہوں مجھے کچھ کھانے کے لیے دو''

آپ نے وہ دونوں روٹیاں اور اچار اٹھا کر اللہ کی راہ میں دیدیں۔ بارگاہ رب العزت میں آپ کا یہ عمل بہت مقبول ہوا۔

۱۸۵۵ء میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں آپ اپنے گاؤں سے لاہور تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے مستقل قیام کر لیا، شروع میں آپ علاقہ عثمان گنج میں املی والی مسجد میں رہے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد آپ کے مرید مستری احمد بخش نے چار کنال اور ۱۳ مرلے زمین خرید کر آپ کی نذر کر دی۔ یہاں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج اور تبلیغ کے لیے قیام کر لیا۔

آپ کا ذریعہ معاش زمینداری تھا۔ ضلع شیخوپورہ میں آپ کی تقریباً تین مربع زمین تھی۔ اس کی آمدن سے اپنی گزر اوقات کرتے۔ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل یہ زمین اللہ کی راہ میں وقف کر دی۔ آپ کے ہم عصر بزرگوں میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، حضرت پیر سید جماعت شاہ اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہم الرحمۃ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ سے آپ کی بارہا ملاقات ہوئی۔

آپ کے خلفاء میں مہر محمد صوبہ (میانی صاحب)، آپ کے صاحبزادے خود نور محمد، مولانا چراغ شاہ کوٹلی لوہاراں، حضرت میاں قادر بخش تحصیل چونیاں اور مولوی نور دین امرتسری کے اسماء گرامی قابل ذکر

ہیں۔ آپ نے دو شادیاں کیں پہلی شادی اپنے والدین کے اصرار پر کی اور اس سے پانچ لڑکے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادے تو اللہ کو پیارے ہو گئے مگر صاحبزادیاں حیات رہیں۔ دوسرا نکاح رحمت بی بی المشہور راماں جی سے کیا جن کے بطن سے صاحبزادہ خواجہ نور محمد ولی کامل پیدا ہوئے۔

آپ نے بروز ہفتہ ۲۲ر ذی القعد ۱۳۲۰ھ بمطابق ۲۱ر فروری ۱۹۰۳ء کو وصال فرمایا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر نوے سال تھی۔ آپ کو آپ کی قیام گاہ محلہ عثمان گنج میں دفن کیا گیا۔ جو کہ ریلوے لائن کے بالکل ساتھ ہے۔ مزار پر ایک گنبد ہے۔ عمارت نہایت عالی شان ہے۔ آپ کا مقبرہ آپ کے مرید خاص مستری احمد بخش نے بنوایا تھا۔ گنبد کے اندر اور باہر نقاشی کا کام بے نظیر ہے۔[۴۳]

۱۴...... حضرت پیر عبد الغفار نقشبندی، باغ گل بیگم (میانی صاحب):

آپ کے خاندان کے جد امجد کشمیر کے رہنے والے تھے۔ آپ کے دادا حضرت پیر مصطفیٰ شاہ وہاں سے سیر و سیاحت کے لیے نکلے اور ہوتے ہوئے ملتان کے قریب ایک ویرانے میں آ کر مکین ہو گئے۔ پھر یہی علاقہ آپ کے دم قدم سے آباد ہو گیا اور وہاں ایک گاؤں بن گیا، آپ کے والد کا نام پیر احمد شاہ تھا۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ گیارہ سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھا اس کے بعد آپ کے والد ماجد گاؤں سے آ کر لاہور آباد ہو گئے۔ لاہور میں حصول علم میں آپ کو کافی سہولت میسر آئی۔ یہاں کے علمی ماحول میں دینی علوم کا حاصل کرنا بہت آسان تھا۔ اسی لیے آپ نے مروجہ دینی علوم حدیث، تفسیر اور فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور لاہور کے مختلف اہل علم و فضل اساتذہ سے استفادہ کیا۔

علم دینیہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مسجد حنفیہ تکیہ سادھواں میں امامت کے فرائض سرانجام دینے شروع کیے۔ آپ جمعہ کا خطبہ دیتے، آپ کے سامعین میں بڑے بڑے اہل علم بھی شامل ہوتے اور آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے۔

آپ ایک ماہانہ رسالہ ''وعظ'' بھی نکالتے تھے۔ درود شریف کے مجموعے چھاپ کر تقسیم کرتے رہے۔ آپ کے مرتبہ درود شریف کے دس حصوں کا نام ''عشرۂ کاملہ'' ہے۔ ''عشرۂ کاملہ'' کے دو ضخیم جلدوں میں درود شریف کا ایک مجموعہ ''خزائن البرکات'' مرتب کر کے نہایت خوش خط لکھوایا۔ اس کتاب کا دیباچہ آپ نے عربی میں لکھا۔ اس مجموعہ کی اشاعت کا موقع آنے سے قبل آپ کا وصال ہو گیا۔ علاوہ ازیں آپ نے وظائف اور تصوف کی متعدد کتابیں شائع کیں۔

تبلیغ وتدریس کے لیے ۱۹۰۰ء میں مسجد حنفیہ تکیہ سادھواں میں مدرسہ قایم کیا۔ اور اس کا نام مدرسہ غوثیہ رکھا۔ اس مدرسے کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں لاہور کے نہایت ہی قابل اور فاضل مدرس پڑھاتے تھے۔ اس مدرسہ میں مفتی عبدالقادر جہانگیروی ایک مدت تک صدر مدرس رہے۔ مولانا سید احمد علی شاہ بٹالوی اعزازی طور پر ہفتہ ترمذی شریف پڑھایا کرتے۔

آپ کا سلسلہ طریقت نقشبندیہ تھا۔ بے شمار لوگ آپ کے عقیدت مند تھے لیکن آپ نے چند ہی لوگوں کو مرید کیا۔ جنہیں مرید کیا ان کی اچھی تربیت کی۔ آپ کا وصال بروز بدھ ۱۷ر جمادی الآخر ۱۳۲۰ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار میانی صاحب کے قبرستان میں باغ بیگم کے نزدیک واقع ہے۔ [۴۴]

۱۵...... حضرت خواجہ نور محمد نقشبندی، عثمان گنج (شیرانوالہ دروازہ):

حضرت خواجہ نور محمد نقشبندی عاشق رسول مقبول تھے، ولایت میں فنا فی الرسول کے مقام فائز تھے۔ آپ خواجہ غلام مرتضیٰ نقشبندی کی دوسری بیوی رحمت بی بی سے تھے جو اماں جی کے نام سے معروف تھیں اور قلعہ لال سنگھ تحصیل شرقپور کی رہنے والی تھیں۔ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ کی پہلی بیوی سے تین صاحبزادیاں حیات رہیں، جو نرینہ اولاد ہوئی وہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔

حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ ایک روز اپنی زوجہ محترمہ رحمت بی بی کے پاس گئے تو اللہ سے دعا کی کہ اسے فرزند عطا فرما۔ بارگہ رب العزت میں دعا قبول ہوئی اور اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا:

> "جاؤ خدا بیٹا ایسا عطا فرمائے گا کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے
> مالا مال کرے گا، اور ولی اللہ ہوگا"

اللہ کے فضل و کرم سے ایسا ہی ہوا۔ حضرت خواجہ نور محمد نقشبندی جمعۃ المبارک ۱۳۱۳ھ بمطابق ۴ر ستمبر ۱۸۹۶ء کو موضع لال سنگھ شرقپور میں پیدا ہوئے۔ اماں جی بالعموم اپنے میاں کے پاس لاہور ہوتی تھیں، لیکن خواجہ نور محمد کی ولادت کے وقت اپنے میکہ قلعہ لال سنگھ تشریف رکھتی تھیں۔

آپ کے بچپن کا کچھ وقت والد گرامی کے زیر سایہ گزرا۔ لیکن جب آپ کی چھے سال سے زائد عمر ہوئی تو آپ کے والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا، لیکن آپ کے والد ماجد کی نگاہ شفقت وعنایت سے بچپن ہی میں ولایت وخلافت حاصل ہوگئی۔ انھوں نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کو اپنا روحانی جانشین مقرر کر دیا تھا۔

تعلیمی دور کے آغاز میں آپ نے کچھ عرصہ مدرسہ حمیدیہ سے عربی وفارسی کی تعلیم حاصل کی، بعدازاں مفتی اعظم حضرت مولانا یار محمد خطیب سنہری مسجد لاہور کی شاگردی اختیار کی۔ جوان ہونے پر آپ ایک عالم دین بن گئے۔ آپ کو اردو، فارسی، عربی اور پنجابی زبان پر پورا عبور حاصل تھا۔ تفسیر، حدیث، منطق، فلسفہ اور علم کلام میں پورا ادراک رکھتے تھے۔ مثنوی مولانا روم سے دلی لگاؤ تھا۔ ہوش سنبھالنے پر آپ نے اپنے والد ماجد کی چھوڑی ہوئی زرعی زمین کی خودنگرانی کی۔ آپ کی زمین موضع قلعہ لال سنگھ شرقپور میں تھی۔ اس کی آمدنی پر ہی گزر اوقات تھی۔ آپ زیادہ وقت اپنے والد ماجد کی خانقاہ میں ہی گزارتے۔

علوم ظاہری کی تکمیل پر آپ نے ۱۹۲۰ء میں درگاہ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ کے غربی سمت میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ چند سال بعد رہائش کے لیے دو حجرے بھی تعمیر کرائے۔ یہ حجرے مسجد سے ملے ہوئے تھے۔ خلق خدا پر رفتہ رفتہ آپ کی بزرگی کا چرچا ہوا تو بے شمار لوگ آپ کے حلقہء ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ بیعت کرنے میں کچھ تامل سے کام لیتے۔ طالب کو پہلے پابند شرع کرتے، صوم وصلوٰۃ، سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تاکید فرماتے۔ آپ فرماتے کہ سالک کے لیے شرع کی پابندی لازمی ہے۔

آپ جمعہ کے روز اپنی تعمیر کردہ مسجد میں خطاب فرماتے تھے۔ آپ کا یہ معمول آخر دم تک جاری رہا۔ آپ کا پسندیدہ موضوع عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ وعظ نہایت عالمانہ ہوتا۔ ہر موضوع قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرماتے۔

نماز جمعہ کے بعد مسجد میں محفل ذکر ہوتی، محفل میں ایک روحانی سماں ہوتا جس سے اکثر حاضرین وجد میں آجاتے۔ ذکر سے پہلے یا بعد میں نعت خوانی ہوتی۔ آپ کی دعا اور توجہ ایسی پُر تاثیر تھی کہ جسے چاہتے مقام حضوری تک پہنچا دیتے۔ جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ آپ کے زمانے میں بے ادب گروہوں نے شان رسالت میں گستاخیاں کیں تو آپ نے تحریر وتقریر سے ان کا رد فرمایا۔ وہابیوں، شیعوں، مرزائیوں اور غیر مقلدوں کے سخت خلاف تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطائی علم غیب کے انکار پر دو رسالے لکھے گئے:

☆...... تحفہ لاثانی از مولوی عبدالشکور، ایڈیٹر رسالہ النجم لکھنو

☆...... غیب دانی از مولوی حسین علی ضلع میانوالی

آپ نے ان دونوں رسائل کے جواب میں ”حجت ربانی“ کے نام سے مدلل کتاب رقم فرمائی۔ اس

کے علاوہ یہ نگارشات آپ کے قلم سے سینۂ قرطاس پر رقم ہوئیں:

☆......توثیق الابحاث شرح درود مستغاث

☆......تحقیق الوجد

☆......ظہور صفات فی جمیع الموجودات

☆......حج فقیر بر آستانۂ پیر

☆......قدم بوسی

☆......سرور عشق

☆......رد وھابیت

آپ پنجابی میں اشعار کہتے۔ جو کہ مدحتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آراستہ ہوتے۔ شب زندہ دار تھے۔ عمر بھر نمازِ تہجد کے پابند رہے۔ نماز کے بعد درود شریف پڑھتے، سورۂ مزمل، درود مستغاث، قصیدہ بردہ شریف آپ کے معمولات میں شامل تھے۔

آپ نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ لیکن کسی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی۔ آپ کی چہیتی اہلیہ غلام فاطمہ تھیں جن کی قبر آپ کے پہلو میں ہے۔ وصال سے پندرہ روز قبل اپنے بچپن کے دوست حکیم نور الٰہی کو اپنے وقت آخر سے مطلع کیا کہ اب شاید آپ سے دوبارہ ملاقات نہ ہو۔ وصال سے تین روز قبل مریدوں سے فرمایا ''اب ہمارا آخری وقت ہے۔ فقیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عمر نہیں چاہتا'' چنانچہ بدھ یکم ذیقعد ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۱ر مئی ۱۹۵۸ء کو آٹھ بج کر پچاس منٹ پر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کو والد ماجد کی پائینتی کی جانب دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار شیرانوالہ دروازہ کے باہر ریلوے لائن کے قریب محلّہ عثمان گنج میں واقع ہے۔[۴۵]

۱۶......سید دیدار علی شاہ نقشبندی، دہلوی دروازہ:

آپ کے آباؤ اجداد ایران کے مشہور شہر مشہد کے رہنے والے تھے۔ آپ کے پردادا سید خلیل شاہ مشہد کو خیر باد کہہ کر ریاست الور میں آباد ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام سید موسیٰ رضا سے ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام سید نجف علی شاہ تھا۔

سید دیدار علی شاہ الور کے محلّہ نواب پورہ میں بروز پیر ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ

اپنے عم بزرگوار سید نثار علی شاہ کی دعا سے پیدا ہوئے۔ انھوں نے آپ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ہی آپ کے والد کو بشارت دی تھی کہ:

”بیٹے کی پیدائش پر اس کا نام دیدار علی رکھنا“

آپ کے گھر کا ماحول دینی تھا۔ والد گرامی بذات خود عالم دین تھے۔ جب آپ نے کچھ ہوش سنبھالا تو حصول علم کا بہت شوق ہوا۔ ناظرہ قرآن مجید کے بعد ابتدائی دینی کتب پڑھیں۔ صرف ونحو کی کتب مولوی قمر الدین سے پڑھیں۔ مزید تعلیم کے لیے دہلی کا رخ کیا۔ وہاں مولانا کرامت اللہ خاں سے درس نظامی کا کچھ حصہ پڑھا۔ مولانا عبدالولی رام پوری، مولانا ارشاد حسین نقشبندی جیسے زعمائے علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان سے فقہ ومنطق کی تعلیم حاصل کی۔

اس زمانے میں سہارن پور میں مولانا احمد علی شاہ محدث سہارن پوری تدریس حدیث میں یگانہء روزگار مانے جاتے تھے۔ مولانا نے آپ ہی کے درس حدیث سے دورۂ حدیث پڑھا۔ ان دنوں آپ کے ہم سبق مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی تھے۔ دورۂ حدیث کے بعد معقولات کا بڑی وقتِ نظر سے مطالعہ کیا۔

دینی تعلیم کے حصول کے بعد سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے دست مبارک پر بیعت ہوئے انہی سے خرقہ خلافت پایا۔ بعد ازاں سلسلہ چشتیہ میں پیر سید علی حسین چشتی کچھوچھہ شریف اور سلسلہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ استاد مکرم مولانا ارشاد حسین کے ارشاد پر ”مدرسہ ارشاد العلوم رام پور“ میں مدرس اول مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں بمبئی چلے گئے وہاں ایک سال خدمات انجام دے کر الور تشریف لائے۔ یہاں مسجد دائرہ میں ”مدرسہ قوۃ الاسلام“ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ آپ کی زندگی کا سنگ اولین قرار دیا جاتا ہے۔

۱۹۱۷ء میں مولانا ارشاد حسین کے حکم پر شاہی مسجد آگرہ کے خطیب مقرر ہوئے۔ وہاں ۱۹۲۲ء تک خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۳ء میں دوسری بار لاہور تشریف لائے تو مسجد وزیر خاں کی خطابت آپ کے سپرد ہوئی۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ باقاعدہ دارالافتاء قایم کیا۔ جس سے بے شمار خلقت نے استفادہ کیا۔

اجتماعی زندگی کو اعتقادی رنگ دینے کے لیے ایک فعال ادارہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو ۱۹۲۴ء میں انجمن حزب الاحناف کی تشکیل کی۔ انجمن حزب الاحناف کے زیر اہتمام بلند پایہ دارالعلوم حزب الاحناف

۱۹۲۶ء میں قایم کیا گیا۔ یہ دارالعلوم مسجد وزیر خان میں قایم ہوا۔ اس ادارے نے تھوڑے ہی عرصے میں مرکزی علمی حیثیت اختیار کر لی۔ مولانا دیدار علی شاہ اور ان کے صاحبزادے علامہ سید ابوالبرکات سید احمد قادری، مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی، مولانا عبدالواحد ملتانی اعزازی مدرس مقرر ہوئے۔ بعد ازاں دارالعلوم جامع مسجد چنگڑ محلہ میں منتقل ہو گیا۔ اس دارالعلوم نے اپنی فعال کارکردگی سے غیر اعتقادی تحریک کے سیلاب کے سامنے ایک مضبوط بند کھڑا کر دیا۔ پنجاب میں بلند کردار وعظ، پُر اثر خطیب، جید مناظر اور قابل مدرس پیدا کیے۔

حضرت دیدار علی شاہ صاحب نے وعظ و تقریر کے ساتھ علمی خدمات بھی انجام دیں۔ فن مناظرہ کے بے مثال عالم تھے۔ ایک عمدہ شاعر ہونے کے باعث دو دیوان تحریر فرمائے۔ ایک دیوان اردو اور دوسرا دیوان فارسی۔ اس کے علاوہ آپ نے نثر میں مندرجہ ذیل کتب تصنیف فرمائیں۔

☆......تفسیر میزان الادیان
☆......رسول الکلام
☆......ہدایۃ الطریق
☆......علاماتِ وھابیہ
☆......فضائل رمضان
☆......ہدایۃ الغوی در رد روافض
☆......تحقیق المسائل
☆......سلوک قادریہ
☆......فضائل شعبان
☆......الاستغاثۃ عن اولیاء

آپ اتباع سنت اور اطاعت رسول کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ تقویٰ و ورع کا سچا نمونہ تھے۔ طبیعت میں خودداری اور بے نیازی تھی۔ ملنے والوں سے بڑے انکسار سے ملتے۔ طلبہ پر بڑی شفقت فرماتے۔ بالعموم بحث سے اجتناب کرتے۔ مناظروں کی حوصلہ شکنی کرتے۔

آپ کی اولاد میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ دو صاحبزادوں اور ایک صاحبزادی نے طویل عمر پائی۔ چھوٹے صاحبزادے سید احمد ابوالبرکات قادری استاذ العلماء تھے، جو کہ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ دارالعلوم حزب الاحناف کا انتظام و انصرام انہی کے ذمہ تھا۔ دوسرے صاحبزادے علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب جامع مسجد وزیر خان اور جمعیت العلماء پاکستان کے صدر تھے۔

آپ کا وصال ۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ کو ہوا۔ اندرون دہلی دروازہ دارالعلوم حزب الاحناف میں

آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔[۴۶]

۱۷......حاکم علی نقشبندی، پکی ٹھٹی:

آپ کے والدین کوٹلی ضلع گوجرانوالہ کے رہائشی تھے۔ والد ماجد کا نام شہاب الدین تھا۔ آپ ۱۲۹۷ھ میں کوٹلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن اور لڑکپن کا بیشتر حصہ اسی آبائی گاؤں میں بسر ہوا۔ آپ بلا کے ذہین تھے۔ نہایت چھوٹی عمر میں قرآن پاک ناظرہ پڑھ لیا۔ بعد ازاں حفظ کی سعادت سے بھی سرفراز ہوئے۔ پھر عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی، بارہ سال کی عمر میں آپ کے سر سے سایہء پدری اٹھ گیا۔ اس سانحہ سے حصول علم میں آپ کو قدرے دقت پیش آئی۔ آپ نے یہ معمول بنالیا کہ دن بھر محنت کر کے روزی کماتے اور رات کو دینی علوم پڑھتے۔ عالم شباب تک آپ ایک مکمل عالم دین بن گئے۔

تعلیم و تدریس کا پیشہ اختیار کر لیا۔ ساتھ ہی خوش نویسی کا شوق بھی پورا کرتے رہے۔ فارغ وقت یاد الٰہی میں گزارتے۔ آپ کے متعلق علامہ اقبال احمد فاروقی لکھتے ہیں کہ قرآن شریف سے آپ کی محبت اظہر من الشمس تھی۔ فرماتے تھے:

> ’’قرآن کریم میری خوراک، میری روح اور میرے دل کا سرور ہے۔ میں خوراک کے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں مگر اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا‘‘

کہتے ہیں کہ ایک دن آپ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ آپ کے صاحب زادے کی علالت میں حالت خراب دیکھ کر آپ کی اہلیہ نے فوری طور پر گھر آنے کے لیے کہلا بھیجا مگر آپ مقررہ منزل ختم کر کے ہی تشریف لائے۔ تب تک بچے کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ کی والدہ نے جو اس وقت حیات تھیں، کہا کہ اب کیا لینے آئے ہو۔ تم قرآن کے اور قرآن تمہارا۔

تلاش حق کے لیے ذوق و شوق بڑھا تو آپ نے کسی مرشد کامل کی بیعت کا ارادہ کیا۔ ان دنوں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ کا بہت چرچا تھا۔ جو ایک بلند پایہ ولی تھے۔ چنانچہ حاضر خدمت ہو کر دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ میاں صاحب کی نگرانی میں سلوک کی منازل طے کرنے لگے۔ آپ چونکہ اوائل عمری ہی سے عابد و زاہد تھے، چنانچہ جلد ہی صاحب کمال ہو گئے۔

حضرت میاں صاحب سے فیض یاب ہوتے ہی آپ نے لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔ اس زمانے

میں پکی ٹھٹھی کے گردونواح کا علاقہ ویران اور بنجر تھا۔ آپ نے ایک ویران جگہ میں قیام فرمایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ہزارہا کی تعداد میں خلق خدا آپ سے فیض یاب ہونے لگی۔

ایک دفعہ آپ کی زبان مبارک تین سال تک بند رہی۔ ان ایام میں آپ خاموشی سے تلاوت فرماتے رہے۔ اور لوگوں کو انگلی سے جو کچھ کہنا ہوتا تو لکھ کر بتا دیتے۔ جب آپ کی طبیعت میں سکون آیا تو آپ پھر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

آپ کا وصال بروز پیر ۲۲/ جنوری ۱۹۴۰ء بمطابق ۱۱/ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ میں رات کے ساڑھے بارہ بجے ہوا۔ جہاں آپ رہتے تھے اسی جگہ آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کا وصال بیماری کی وجہ سے ہوا۔ نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت والد الحاج میاں محمد حسین نقشبندی مجددی قادری (م۔ ۲۸/ دسمبر ۱۹۵۸ء) کو حاصل ہوئی۔ آپ کا مقبرہ ملتان روڈ پر دار الشفقت کے طبیہ کالج کے متصل پکی ٹھٹھی کو جانے والی سڑک کے دائیں جانب سبز گنبد میں واقع ہے۔ ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے۔ [۴۷]

۱۸...... خواجہ خدا بخش نقشبندی، کوٹ خواجہ سعید:

یکتائے زمانہ حضرت خواجہ خدا بخش نقشبندی عارف کامل تھے۔ آپ کا تعلق میانوالی سے تھا۔ جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ آپ کے والد ماجد ایک صالح انسان تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ میانوالی میں ہوئی۔

آپ نے قرآن پاک ناظرہ پڑھنے کے بعد مختلف اساتذہ سے دینی علوم حاصل کیے۔ آپ تفسیر، حدیث اور فقہ میں خاص درک رکھتے تھے۔ نیز عربی اور اردو زبان بخوبی جانتے تھے۔ لڑکپن کا عالم تھا کہ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے لاہور آئے۔ پھر یہیں عمر گزار دی۔ لاہور میں ابتدائی ایام بڑی تنگ دستی اور عسرت سے گزارے۔ خوش قسمتی سے آپ کی ملاقات حضرت سید جلال الدین سے ہوگئی جس سے آپ کی زندگی کا رخ بدل گیا۔

حضرت سید جلال الدین سلسلہ نقشبندیہ کے ایک صاحب روحانیت بزرگ تھے۔ جو حضرت مہر محمد صوبہ علیہ الرحمۃ سے فیض یاب تھے۔ خواجہ خدا بخش حضرت سید جلال الدین سے متاثر ہو کر ان سے بیعت ہو گئے۔ راہ سلوک طے کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے حکمت سیکھی اور ذریعہ معاش کے لیے حکمت کو اپنایا۔

آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ مسجد وزیر خان کے ایک حجرے میں گزرا۔ اسی حجرے میں آپ مطب کیا

کرتے تھے۔ آپ روزانہ مقررہ وقت پر مطب کھول دیتے۔ چند پیسے آجاتے جس سے دو وقت کا کھانا مل سکے پھر آپ مطب بند کر دیتے۔

مرشد کریم نے اجازت و خلافت سے نوازا۔ بے شمار لوگ آپ کے دامان فیض سے وابستہ ہوئے۔ حاضرین کو پابندی شرع و سنت کی تلقین و تاکید فرماتے۔ جس پر آپ توجہ خاص فرماتے اس پر اسرار ربانی ظاہر ہونے لگتے۔ ایک دفعہ مسجد وزیر خان میں نماز جمعہ کے دوران پاس کھڑے صوفی محمد علی [illegible] توجہ فرمائی اور انھیں خانہ کعبہ سامنے دکھلا دیا۔ ایسے ہی ایک بار صوفی محمد علی پر خاص توجہ فرما [illegible] انھیں مجذوب کر دیا۔ صوفی صاحب تین ماہ تک مجذوب رہے۔ صوفی محمد علی ہی آپ کے خلیفہ ہوئے، جنھوں نے [illegible] میں سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

آپ کا وصال بروز جمعہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ بمطابق یکم نومبر ۱۹۴۰ء کو ہوا۔ آپ کو شمالی لاہور میں کوٹ خواجہ سعید کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ حسب وصیت آپ کی قبر کو خام رکھا گیا۔ [۴۸]

۱۹......خواجہ محمد بخش، لکھن شریف (جلو موڑ):

خانقاہ لکھن شریف ضلع لاہور کے شیخ اول خواجہ محمد بخش بن ملک بلند خاں کی ولادت ۲۳ نومبر ۱۸۱۹ء کو موضع لکھن شریف نزد جلو موڑ ضلع لاہور میں ہوئی۔ بچپن سے ہی زہد و عبادت کے عادی تھے۔ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑہ شریف علیہ الرحمۃ (راولپنڈی) سے بیعت و خلافت تھی۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے فیض پایا۔ مریدوں کو شریعت کی پابندی پر خصوصی زور دیتے تھے۔ عام آدمی سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ تک فیض یاب ہوتے تھے۔

آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادے پیر محمد عارف حسین علیہ الرحمۃ سجادہ نشین ہوئے۔ انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا تو ان کے لخت جگر خواجہ پیر محمد سرور سلطان مسند آراء ہوئے، جو آج بھی سلسلہ رشد و ہدایت جاری رکھے ہوئے ہیں۔ [۴۹]

آپ کے والد گرامی موضع رمداس ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے۔ آپ نسباً راجپوت تھے۔ آپ کے دادا اور والد بزرگوار سکھوں سے تنگ آ کر تحفظ ایمان کی خاطر مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے موضع لکھن شریف تحصیل و ضلع لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔

آپ کی والدہ کا نام سلطان بی بی تھا۔ ابھی آپ کی عمر پانچ سال کی تھی کہ آپ کے والد کا انتقال

ہوگیا۔ آپ کے والد ایک مرتبہ دلی گئے اور وہاں جامع مسجد کے خطیب کے پاس تعلیم کے لیے آپ کو چھوڑ گئے۔ آپ وہاں گیارہ سال کی عمر تک رہے۔ پھر والد صاحب کے ہمراہ لکھن شریف واپس آگئے۔

آپ کے والد بیل گاڑی کے ذریعے بار برداری کا کام کرتے تھے۔ چنانچہ ذرا بڑے ہوئے تو آپ نے بھی والد کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ دنیاوی کاروبار کے ساتھ ساتھ آپ نماز پنجگانہ باقاعدہ ادا کرتے اور اللہ کی یاد میں محو رہتے ہوئے رزق حلال کماتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل و بصیرت کا ایسا خزانہ عطا کیا تھا جس سے ہر مشکل سے مشکل کام حل فرماتے۔ آپ کا ہر قول و فعل سنت رسول کے مطابق ہوتا۔ آپ کی شرافت اور زُہد کے باعث اوائل عمری سے آپ کو سائیں کہہ کر پکارتے۔ حضرت خواجہ صاحب بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی کرامات کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ ''تذکرہ حضرت خواجہ محمد بخش نقشبندی'' میں ہے کہ موضع گلیانہ ضلع گجرات میں ایک بوڑھی عورت آپ کی خدمت میں دودھ کا گلاس لے کر حاضر ہوئی۔ حاضرین میں اس کا خاوند بھی تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے دودھ کا گلاس چھین لیا۔ دودھ میں چینی ڈالنے کی غرض سے گھر گیا۔ جلدی میں چینی کی بجائے پسا ہوا نمک ڈال لایا۔ آپ نے دو گھونٹ پی کر باقی دودھ محفل میں پینے کے لیے دیا۔ ہر آدمی نے ایک ایک گھونٹ پیا۔ جس کا ذائقہ نہایت ہی میٹھا تھا۔ آپ کی روانگی کے بعد وہ شخص واپس گھر گیا۔ بیوی نے پوچھا تو نے چینی کون سے ڈبے سے ڈالی تھی۔ اس نے نمک والے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ نمک والا دودھ کیسے میٹھا ہوگیا۔

موضع گیال ضلع گجرات میں شاہ شرف نامی ایک بزرگ تھے۔ وہ دو تین مریدین کے ساتھ سفر میں تھے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ راستے میں ایک زمیندار گندم کی گہائی کر رہا تھا۔ اس نے کام کرنے والوں کے لیے روٹی کا انتظام کیا ہوا تھا۔ شاہ صاحب کا اپنے مریدین کے ساتھ ادھر سے گزر ہوا۔ آپ کو بہت بھوک لگ رہی تھی۔ آپ نے اس زمیندار سے کہا کہ میرے مریدین بھوکے ہیں، انھیں روٹی کھلاؤ۔ آپ نے تین بار اس سے کہا، اس نے تینوں بار ہی انکار کر دیا۔ آپ اپنے مریدین کو نزدیک کے درختوں کے نیچے لے گئے جہاں ایک چھوٹا سا جوہڑ تھا۔ شاہ صاحب درخت کا ایک پتا توڑتے اور جوہڑ سے تھوڑا سا مٹی کا گارا اٹھا کر اس پتے پر رکھتے، وہ فوراً ہی حلوہ بن جاتا۔ اسی طرح وہ اپنے مریدین کو دیتے رہے۔ ادھر زمیندار کی طرف بھی اعلان کرا دیا کہ جو روٹی کی خواہش رکھتا ہے ادھر آجائے۔ چند آدمی آپ کی طرف بھی

آئے اور خوب سیر ہو کر روٹی حلوہ کھایا۔ شاہ صاحب نے زمیندار کے انکار پر غصے میں بد عادی تھی:

> ''سوکھ جائے یہ زمین، یہاں کے لوگ اللہ کے لیے کچھ خیرات نہیں کرتے''

چنانچہ یہ بات ثابت ہے کہ اس علاقے میں بارہ بارہ میل تک پانی نہیں نکلتا۔ اس علاقے میں ہمارے ممدوح حضرت خواجہ محمد بخش کا خلیفہ مستری چراغ دین رہتا تھا۔ اس نے اپنے علاقہ میں کنواں لگانے کا ارادہ کیا۔ تقریباً سو فٹ سے زیادہ کھدائی کی، پانی نہ نکلا۔ مستری چراغ دین اپنے مرشد کا تصور کر کے پریشانی کے عالم میں رونے لگا۔ روتے روتے اونگھ آ گئی۔ اس اونگھ میں حضرت خواجہ محمد بخش صاحب نظر آئے اور فرمایا:

> ''مستری چراغ دین اس میں پانی نہیں ہے۔ ہمیں پانی دور سے لانا پڑا۔ اپنے بھائی باغ علی سے کہنا کہ وہ کل بعد نماز جمعہ بسم اللہ پڑھ کر کنویں میں ٹپا مارے۔ پانی بہت تیزی سے نکلے گا، اس کو رسوں سے کھینچ لینا''

انھوں نے حسب ہدایت کام کیا۔ اب اس کنویں سے وہ اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ اس کنویں کے سوا اس علاقے میں بارہ میل تک کوئی دوسرا کنواں نہیں۔ لوگ اسی کنویں کا پانی استعمال کرتے ہیں۔

آپ کا شجرۂ طریقت یوں ہے:

خواجہ محمد بخش مرید خواجہ نظام الدین کے، وہ مرید حضرت خواجہ سلطان کے، وہ مرید حضرت عبدالعزیز کے، وہ مرید حضرت عبدالمجید کے، وہ مرید حضرت خواجہ گل محمد کے، وہ مرید حضرت عبدالصبور کے، وہ مرید حافظ احمد کے، وہ مرید حضرت سید عنایت اللہ کے، وہ مرید حضرت سید عبداللہ کے، وہ مرید حضرت سید محمود کے، وہ مرید حضرت سید عبدالقادر کے، وہ مرید حضرت خواجہ عبدالباسط کے، وہ مرید سید حسین کے، وہ تابعت طریقت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے۔

آپ کا قد درمیانہ اور جسم مضبوط تھا، رنگ گندمی اور سر مبارک متوسط درجہ گول تھا۔ پیشانی پر چار لکیریں تھیں۔ جوانی میں لمبی زلفیں رکھیں۔ آپ اپنی زلفیں رات کو درخت سے باندھ کر عبادت کیا کرتے

تھے۔ تقریباً پچاس سال کی عمر میں زلفیں منڈوا دی تھیں۔

آپ نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کیں۔ پہلی بیوی کے فوت ہونے پر دوسری شادی کی۔ دوسری بیوی کے وصال پر تیسری شادی کی۔ تیسری اللہ کو پیاری ہوگئی تو چوتھی سے عقد کیا۔ دوسری بیوی سے چار بچے پیدا ہوئے۔ اور تیسری سے آٹھ پیدا ہوئے۔ ان میں چند بچے ابتداء ہی میں فوت ہو گئے۔

آپ کا وصال بروز ہفتہ ۲۷؍شوال ۱۳۶۳ھ/۱۴؍اکتوبر ۱۹۴۴ء میں ہوا۔ آپ کو لکھن شریف نزد جلو موڑ سپرد خاک کیا گیا۔ مزار مبارک پر ایک خوبصورت گنبد ہے۔[۵۰]

۲۰...... حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی (جامع مسجد کوتوالی، بیرون دہلی دروازہ):

مولانا محمد نبی بخش حلوائی مؤلف ''تفسیر نبوی'' کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے بیسویں صدی کے نصف اول میں پاک و ہند میں اعتقادی نشوونما میں شبانہ روز جدوجہد کی۔ انگریزی عہد میں نظریاتی کشمکش کی جو فضا پیدا کر دی گئی تھی وہ ہماری تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔

آپ لاہور میں ۱۸۶۰ء میں ایک آرائیں خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد میاں محمد وارث دہلی دروازے کے اندرونی محلے اکبری منڈی میں رہائش رکھتے تھے۔ ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھا۔ نولکھا گاؤں (ان دنوں فیض باغ کی ساری زمین نولکھا گاؤں میں تھی) میں دو کنویں اور کچھ زمین لاہور کے شمالی حصے میں تھی۔ جس میں سبزیاں بوتے اور منڈی میں لا کر بیچتے۔ مولانا کو دس سال کی عمر میں محلے میں ایک حلوائی کی شاگردی میں دے دیا گیا۔ آپ سحر سے رات گئے تک دکان پر کام کرتے۔ نیک دل استاد نے آپ کو قرآن پاک کی تعلیم کے لیے کچھ وقت کی اجازت دینا شروع کر دیا۔ آپ نزدیک ترین مسجد میں قرآن پاک پڑھتے، ذہانت اور محنت نے آپ کو اپنے ہم سبق طلبہ میں ممتاز بنا دیا۔

آپ نے قرآن پاک کے معانی ازبر کیے اور ساتھ ہی لاہور کے علماء کی مجالس میں شرکت کرنے لگے۔ ان دنوں علمائے کرام نظریاتی مباحث۔ اور مناظرے کے میدان میں اپنے مخالفین کو جواب دیا کرتے تھے۔ مولانا کو ان مباحث نے بڑا متاثر کیا۔ آپ اپنی ملازمت کے ساتھ ساتھ باقاعدہ عربی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ ان دنوں حافظ فتح محمد اچھروی کا مدرسہ اور پیر عبدالغفار کا مدرسہ غوثیہ، تکیہ سادھواں لاہور میں علمائے دین کا ایک مرجع تھا۔ مدرسہ نعمانیہ بھاٹی گیٹ، لاہور بھی اہل علم کے لیے چشمہ شیریں تھا۔ آپ بھی ان مدارس کے اساتذہ سے استفادہ کرتے رہے۔

علوم دینیہ سے فارغ ہو کر آپ کو تلاش مرشد کی فکر ہوئی، تو آپ کو اس دور کے ایک جید عالم دین، راسخ الاعتقاد، مبلغ سنیت اور مناظر اسلام حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ کی شخصیت نے بڑا متاثر کیا۔ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ (م سنہ ۱۳۱۴ھ) مولانا غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری (م۔ سنہ ۱۲۷۰ھ) کے خواہر زادے شاگرد اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں ان کے خلیفہ تھے۔ انھوں نے اپنے وقت کے تمام بد اعتقاد علماء کو میدان مناظرہ میں للکارا۔ حضرت مولانا نبی بخش حلوائی نے آپ کے آستانہ پر سر جھکایا۔ بیعت ہوئے اور علوم و سلوک کی منازل طے کرنے لگے۔ استاد کامل کی نگاہ نے جوہر کامل کو پرکھا اور شاگرد رشید کو محنتی، دانش مند اور راسخ العقیدہ پا کر ایسی تربیت دی کہ عوام الناس کے اعتقادی خرمن کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ مولانا نبی بخش حلوائی پنجاب کے ہر شہر پہنچے۔ غریب عوام میں تبلیغ کی۔ پھر ٹھیٹھ پنجابی میں تفاسیر و احادیث کی ضیاء پاشیوں سے لوگوں کے سینے منور کرنے لگے۔ فاضل مرشد نے پنجابی میں قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کا حکم دیا۔ آپ نے قرآن پاک کی پندرہ جلدوں میں منظوم تفسیر کی جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔

مولانا نبی بخش حلوائی کی زندگی کا یہ پہلو دوسرے علماء سے ممتاز ہے۔ آپ علی الصبح حلوہ تیار کر کے دہلی دروازے کے باہر آ بیٹھتے۔ صبح صبح ریلوے میں جانے والے مزدور حلوہ خریدتے اور کھاتے۔ آپ حلوہ فروشی کے ساتھ ساتھ لوگوں کو دین کی میٹھی میٹھی باتیں بھی ذہن نشین کرا دیتے۔ لاہور کا یہ امتیازی حلوائی خواص و عوام کی نظروں کا محبوب ترین حلوہ فروش تھا جو کام و دہن کی حلاوت کا سامان بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ ذہن و فکر میں اتر جاتا۔

حضرت مولانا نے ”تفسیر نبوی“ کے علاوہ بہت سی کتابیں لکھیں جن میں شفاء القلوب، رسالہ جمعہ، رسالہ اربعہ، اظہار انکار المنکرین من صلوٰۃ المحبین، الامتیاز بین الحقیقت والمجاز (تین ہزار صفحات)، النار الحامیہ لمن ذم المعاویہ، انواع نبوی، جامع الشواہد اور قصص المحسنین خاص طور پر مشہور ہوئیں۔

سینہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مالا مال تھا۔ ہر وقت درود پاک ورد زبان رہتا۔ اپنے زیر اثر لوگوں کو کثرت سے درود پاک پڑھنے کو کہتے۔ طلبہ کو نماز صبح کے بعد ہزاروں بار درود پڑھاتے۔ ختم خواجگان باقاعدگی سے پڑھاتے۔ گیارہویں کی مجالس ہر ماہ ہوتیں۔ عید میلاد النبی اور معراج شریف پر خصوصیت سے مجالس قائم کراتے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد حضرت پیر جماعت علی لاثانی علی پوری علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے۔ پنجابی میں اشعار کے بحر بے کراں ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی، عربی اور اردو میں خوب نعت کہتے۔

آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ تمام شہری جائداد فروخت کر کے مسجد کی تعمیر پر لگا دی یا تفسیر کی طباعت پر۔ ۱۹۴۴ء میں وصال ہوا۔ جامع مسجد کوتوالی کے پہلو میں آرام گاہ ملی۔ ۵۱

۲۱...... مہر محمد صوبہ نقشبندی، میانی صاحب:

۱۸۳۵ء کے لگ بھگ لاہور کے قدیمی محلہ کوچہ اللہ داد خان میں آرائیں خاندان میں ایک اللہ کا بندہ پیدا ہوا جس کے والد نام نظام الدین تھا جو پشت در پشت لاہور میں آباد تھا۔ کھیتی باڑی پر محنت کر کے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ نیک اور صالح تھا۔ مولیٰ کریم کو جانے اس کی کیا بات بھا گئی کہ اس کے گھر ایک صالح بچہ پیدا ہوا جس کا نام صوبہ رکھا گیا، جس کے پانچ بھائی تھے۔

والدہ کی تربیت میں عہد طفولیت گزرا، ذرا ہوش سنبھالی تو مسجد کی راہ لی۔ جہاں بچوں میں بیٹھ کر چند سال میں قرآن مجید پڑھا۔ بعد ازاں مسجد ہی میں اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ دین کی لگن نے شرع کا پابند کیا۔ تحصیل علم کے بارے میں آپ رقم طراز ہیں:

> ”جس دن خداوند کریم نے مجھے پیدا کیا وہ خاص فضل و کرم مجھ بندہ پر مبذول فرمائے اگر میرے ہر موئے تن میں ہزار ہزار زبان ہو تو پھر بھی اپنے مالک، اپنے رازق، اپنے مولائے کریم کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ جس خدا نے مجھ جیسے بے ہنر، بے کس، مفلس نادار و ناتواں، بے یار و مددگار، عاجز بندے کو ہزاروں ہزار نعمتیں دین و دنیا کی عطا فرمائیں جن کا میں کسی طرح بھی مستحق نہ تھا۔ ماں باپ وہ عطا فرمائے جو مجھ پر بہت ہی مہربان تھے۔ مادر مہربان کی گود شفقت میں پرورش پاتا رہا۔ باپ کے سایہ عاطفت میں بالغ ہوا۔ کسی طرح کی تکلیف نہ دیکھی، خدا ان کو غریق رحمت کرے“ ۵۲

اللہ کے اس بندے کی تحریریں کس قدر عجز و نیاز ہے۔ اور اب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا اثبات

شکر ہے پھر ایسے عاجز پر خدا کیوں کر نہ مہربان ہوتا۔

جب مہر محمد صوبہ نے عالم بلوغت کی بہاروں میں قدم رکھا تو والدین کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ تو کوئی اپنی والدہ کے سوا مادری محبت دے سکتا ہے اور نہ کوئی اپنے باپ کے سوا شفقت پدری دے سکتا ہے۔ آپ کو والدین کے دنیا سے جانے کا غم تو ہوا لیکن یادالٰہی نے سب کچھ بھلا دیا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد بھائیوں میں بڑا ہونے کے باعث فکر معاش ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ایک ملازمت اختیار کر لی۔ دوران ملازمت آپ کو اللہ اللہ کرنے کا شوق ہوا۔ آپ نے بذات خود وصیت نامہ میں تحریر فرمایا کہ:

> ''میں آغاز زمانہ بلوغت میں اوراد فتحیہ پڑھا کرتا تھا، اور میری یہ تین دعائیں تھیں۔ پہلی یہ کہ مجھے صحت عطا ہو، دوسری یہ کہ مجھے پیر کامل ملے اور تیری یہ کہ مجھے آبائی پیشہ میں سرفراز کیا جائے''

آپ کی یہ تینوں دعائیں قبول ہوئیں۔ آپ کی اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو حصول معرفت کا بڑا شوق تھا۔ اسی لیے مرشد کامل کے ملنے کے لیے اللہ کے حضور دعا گو رہا کرتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں شیرانوالہ دروازے کے باہر محلہ عثمان گنج میں حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ نقشبندی کا بہت چرچا تھا۔ حضرت غلام مرتضیٰ ایک ولی کامل تھے۔ بے شمار لوگ آپ کے حلقہء ارادت میں زیر تربیت تھے۔ ایک روز آپ بھی حاضر خدمت ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ مرشد کریم نے ذکر و فکر کی تلقین کی، بیعت ہونے کے بعد آپ کی کوشش ہوتی کہ روزانہ کم از کم ایک مرتبہ ضرور مرشد کریم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اسی لیے آپ مرشد کریم کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ آپ پر ایسی نگہ التفات ہوئی کہ آپ سلوک میں کامل ہو گئے۔ آپ کے پیر نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ اپنے وصیت نامہ میں مرشد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ایسا پیر کامل اعلیٰ عاشق رسول جن کا درجہ فنا فی الرسول تھا، خدا نے عطا فرمایا جس کی نظر عنایت نے دنوں جہان تار دیے۔ خداوند کریم نے ان کو مجھ پر ایسا مہربان کیا کہ تمام مریدین ماسلف و بعد پر اس عاجز کو اپنی کمال شفقت سے اس قدر ممتاز فرمایا کہ مجھے خلیفہ مقرر فرمایا۔ سیکڑوں اشخاص اس غریب عالم فاضل سید قریشی میرے ہاتھ

> پر بیعت ہوئے، ہر ایک شخص کو خداوند کریم نے حلاوت ایمان چاشنی عبادت عطا فرمائی۔ درد اور عشق رسول حاصل ہوا۔ یہ سلسلہ تا قیامت ان شاء اللہ حضرت صاحب کی عنایت سے جاری رہے گا''

آپ کی یہ خواہش تھی کہ ملازمت کی بجائے اپنا آبائی پیشہ زمینداری اختیار کروں۔ چنانچہ آپ اس کے لیے اللہ کے حضور ہمیشہ دعا گو رہتے۔ لاہور کے گردونواح میں آپ کے والدین کی زرعی زمین تھی لیکن رہن رکھی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے زمین کو رہن سے چھڑوا کر آپ کے حوالے کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی زمین پر کاشت کاری شروع کروا دی۔ بعدازاں آپ نے شراکت میں کچھ زمین ٹھیکے پر لے کر کاشت کروائی۔ شراکت میں مہر میراں بخش اور مہر محمد دین کاچھو تھے۔ گھوڑے شاہ کے گردونواح میں تمام زمین آپ کے زیر کاشت رہی ہے۔ اس کے علاوہ ڈپٹی برکت علی کی زمین بھی آپ کے پاس رہی۔

آپ نے زندگی میں سفر بہت کم کیا۔ نابھہ اور پٹیالہ میں چند بار جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں پر آپ کے ایک خلیفہ رجب علی خان تھے۔ ان کے کہنے پر آپ وہاں تشریف لے گئے۔ آپ کے پوتے میاں نذیر احمد راوی ہیں کہ وہاں پر کچھ غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے۔

آپ کو شعر و شاعری سے بے پناہ لگن تھی۔ نعتیہ کلام کے بہت ہی دلدادہ تھے۔ صوفیہ ء کا فارسی کلام پسندیدہ تھا۔ بے شمار فارسی اشعار آپ کو یاد تھے۔ آپ خود پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ آپ کے کلام کا مجموعہ سہ حرفی ملک سراج الدین پبلشر نے شائع کیا تھا۔

۱۹۱۹ء میں آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سفر میں آپ کا بیٹا کرم الٰہی اور بیٹی فاطمہ بھی ہمراہ تھے۔ آپ کا قد درمیانہ، جسم دبلا پتلا اور داڑھی مبارک مناسب تھی، زیادہ لمبی نہ تھی۔ لباس عموماً عبا کرتا اور کنارے والی لنگی تھا۔ سر پر نقشبندی ٹوپی، اس پر پگڑی باندھتے، کاندھے پر بالعموم رومال ہوتا۔ کبھی شلوار قمیص اور اچکن بھی پہنا کرتے۔

آپ کی شادی کاچھو آرائیں خاندان میں ہوئی۔ شریک حیات کا نام مہر النساء تھا جو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں۔ ان کی زمین موجودہ مال گودام اور اس کے گردونواح کے سارے علاقے پر مشتمل تھی۔ مہر محمد صوبہ کی اولاد میں دو صاحبزادے فضل الٰہی اور کرم الٰہی اور ایک صاحبزادی غلام فاطمہ ہوئے۔

آپ کے خلفاء یوں تو بے شمار ہوئے لیکن ان میں میاں کرم الٰہی، شیر علی خان، رجب علی خان اور حاجی

چراغ دین کا نام قابل ذکر ہے۔

آپ کا وصال بروز جمعرات ۲۴ رصفر المظفر ۱۳۶۴ھ / ۸ رفروری ۱۹۴۵ء کو ہوا۔ آپ کو کوٹ خواجہ سعید کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ساڑھے پانچ سال کے بعد آپ کے چند عقیدت مندوں نے رات کی تاریکی میں آپ کا جسد مبارک وہاں سے نکالا اور قبرستان میانی صاحب میں موجودہ جگہ سپرد خاک کر دیا۔

آپ کا مزار قبرستان میانی صاحب میں بہاولپور روڈ سے مزنگ چونگی کو آتے ہوئے لب سڑک واقع ہے۔ آغا حشر کاشمیری اور مولانا احمد علی لاہوری کی قبور سے ذرا آگے سڑک کے دائیں جانب پر وقار مقبرہ ہے۔ جو ایک نہایت وسیع و عریض چبوترے پر عام سطح سے تقریباً دس بارہ فٹ بلند ہے۔ مقبرہ سے باہر آپ کے مریدین کی قبریں ہیں۔ خاص طور پر خلیفہ صادق حاجی چراغ دین (م۔ ۱۹۵۸ء) کی قبر ہے جنہوں نے یہ عالی شان مقبرہ بنوایا تھا۔[۵۳]

۲۲…… پیر سید چراغ علی شاہ، پیر کالونی والٹن:

پیر سید چراغ علی شاہ نجیب الطرفین سید تھے۔ والد ماجد سید حسن علی شاہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے صاحب مجاز بزرگ تھے۔ جو اپنی گوری اور سرخ رنگت کی وجہ سے سید بگے شاہ کے نام سے مشہور تھے۔

سادات کا یہ گھرانہ ہوشیار پور کے قصبہ بسی ولی داد خان میں آباد تھا۔ ۱۸۷۷ء میں آپ کے ہاں فرزند جلیل سید چراغ علی کی ولادت ہوئی، سلسلہ نقشبندیہ کے نامور بزرگ مخدوم سائیں توکل علی شاہ انبالوی نے آپ کو گھٹی بھی دی۔ نام چراغ علی رکھا اور خصوصی دعاؤں سے بھی نوازا۔

سید چراغ علی شاہ پانچ چھے برس کے تھے کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ تین سال بعد والد ماجد نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ یوں اوائل عمری میں شفقت پدری و مادری سے یکے بعد دیگرے محروم ہو گئے۔

سولہ سترہ سال کی عمر میں آپ کے تایا سید باغ علی شاہ نے اپنی بڑی صاحبزادی سے آپ کا نکاح کر دیا۔ حسن اتفاق از دواجی زندگی کے چند ہی سال گزر رہے تھے کہ آپ کی شریک حیات بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ نیک سیرت بیوی کی اچانک موت کے صدمہ نے آپ کے فکر و ذہن کو خاصا متاثر کیا۔[۵۴]

آپ بچپن میں نصابی تعلیم خاطر خواہ طریقے سے حاصل نہ کر سکے۔ مگر جوں ہی ہوش سنبھالا تو دینی علوم کے حصول کی طرف راغب ہوئے۔ آپ نے مختلف اوقات میں متعدد علماء کرام سے دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں کالو شاہ موضع چھین بھٹیاں ضلع گورداس پور اور میاں صدر الدین موضع جھاڑ

تحصیل کھاریاں، میاں محمد بخش موضع سوکڑا ضلع گجرات قابل ذکر ہیں۔

عالم جوانی میں آپ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی، سیالکوٹ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ مرشد کریم کے زیر نگرانی روحانی منازل طے کرنا شروع کر دیں۔ آپ نے بے پناہ ریاضت و عبادت کی۔ تکمیل سلوک پر حضرت ثانی صاحب نے خرقہ خلافت عطا فرمایا۔[۵۵]

۱۹۴۷ء میں مراڑہ شریف ضلع سیالکوٹ تشریف لے آئے۔ مئی ۱۹۵۴ء میں آپ ریلوے ٹریننگ اسکول، والٹن لاہور کے بالمقابل اپنی تعمیر کردہ مسجد میں تشریف لائے۔ ۱۹۶۴ء تک آپ یہاں گاہے بگاہے تشریف لاتے رہے۔ ۱۹۶۵ء میں یہاں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ زائرین و مریدین کو نیک کام کی تلقین فرماتے۔ نہایت ہی خلیق اور متواضع تھے۔[۵۶]

دنیاوی حاجات کے لیے آپ کے پاس بے شمار لوگ آتے جاتے تھے۔ آپ کی دعا نہایت ہی مؤثر تھی۔ کئی بے اولاد افراد آپ کو آپ کی دعاؤں سے اولاد کی نعمت نصیب ہوئی۔ کئی تنگ دست حضرات کی روزی میں برکت ہوئی۔[۵۷]

آپ کو تحریر کا بھی شوق تھا، آپ کی یادگار تصانیف میں ''تنویر لاثانی'' اور ''ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے'' معروف ہیں۔[۵۸]

احقر نے لڑکپن میں آپ کی زیارت کی ہے۔ آپ کھلے جسم کے دراز قامت تھے۔ رنگت سفید گوری، داڑھی مہندی سے رنگی ہوئی تھی۔ علالت ونقاہت کے سبب حجرے میں لیٹے ہوئے تھے۔

۱۶؍محرم الحرام ۱۳۸۹ھ/۴؍اپریل ۱۹۶۹ء بروز جمعۃ المبارک نماز جمعہ کے فوراً آپ نے وصال فرمایا۔ وقت وصال آپ کی عمر مبارک ۹۲ برس کی تھی۔ آپ کی نماز جنازہ تین بار ادا کی گئی۔ پہلی نماز جنازہ شیخ المشائخ پیر فضل عثمان مجددی کابلی علیہ الرحمۃ نے پڑھائی۔[۵۹]

پیر سید چراغ علی شاہ نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ پہلی زوجہ سے ایک بیٹی ہوئی، جو کم سنی میں فوت ہو گئی۔ دوسری زوجہ کے بطن سے چھے صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔

سید خادم حسین شاہ، سید نور حسین شاہ، سید مسعود حسین شاہ، سید فضل حسین شاہ، سید محمود حسین شاہ، حافظ سید گلزار حسین شاہ اور صاحبزادی سیدہ غلام فاطمہ

تیسری زوجہ سے چھے صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

سید مقبول حسین شاہ، سید محمد یعقوب حسین شاہ، سید امداد حسین شاہ، سید منور حسین شاہ، حافظ سید محمد ارشاد حسین شاہ، سید انیس المجتبیٰ ضیاء الحسن شاہ، سیدہ فیض رسول، سیدہ بنت رسول، سیدہ صغراں بی بی، سیدہ اعجاز بتول۔

آپ اپنے پیرومرشد کی خصوصی توجہ سے منازل سلوک بخوبی طے کرتے رہے۔ مرشد کریم کے وصال سے ایک سال قبل ان کی زیارت کے لیے علی پور شریف حاضر ہوئے ان دنوں حضرت لاثانی پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ نماز ظہر کے بعد شرف باریابی ہوا۔ سرکار لاثانی چارپائی پر آرام فرما رہے تھے۔ آپ ان کے قریب زمین پر مراقب بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد مرشد کریم نے بکمال محبت فرمایا:

''شاہ صاحب پہلے کیوں نہ آ گئے، چلو خیر ہے''

معاً مرشد کریم کے وجود سے نورانی شعاعوں کا ایک فوارہ پھوٹا، نور کے اس ہالہ نے آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مرشد کریم نے مرید باصفا کو اسرار و رموز خصوصی ودیعت کرتے ہوئے فرمایا:

''امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی طرف سے جو روحانی امانت سلسلہ در سلسلہ مجھ تک پہنچی تھی میں نے تمہارے سپرد کر دی ہے اب تم قطب مدار کے مقام پر فائز ہو''

آپ جونہی قطب مدار کے مقام ومرتبہ پر فائز ہوئے آپ کا فیض ہمہ گیر ہو گیا۔ معاصرین نے بھی آپ سے حاضر وغائب دونوں صورتوں میں استفاضہ کیا اور راہ سلوک میں مہربانیاں پائیں۔

آپ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا غایت درجہ اتباع فرماتے۔ زندگی کے تمام امور میں سنت کی اتباع کرتے، سادگی پسند تھے۔ آپ کو دوبار حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلی بار ۱۹۴۴ء میں، دوسری بار ۱۹۵۲ء میں دونوں مرتبہ حج اکبر کی سعادت میسر آئی۔

آپ نے بے شمار لوگوں کی روحانی تربیت فرمائی۔ آپ کے خلفاء میں صاحبزادہ حافظ سید ارشاد حسین شاہ اور صاحبزادہ سید انیس المجتبیٰ ضیاء الحسن شاہ کے علاوہ درج ذیل مشہور حضرات کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

☆......شیخ الحدیث سید محمد شاہسوار علی شاہ ناظم اعلیٰ جامعہ چراغیہ، گوجرہ

☆......مولانا غلام نبی گوجرہ

☆......غازی عطا محمد

☆......صوفی جلال الدین، موضع کالا، ضلع فیصل آباد

☆......میاں فضل دین بھوگن، ضلع فیصل آباد

☆......صوفی رحمت اللہ نمبردار چک مہرہ، ضلع فیصل آباد

☆......حکیم حاجی فضل دین، کانواں والی، ضلع شیخوپورہ

☆......بابا رمضان دین، موضع گھڑتل کلاں، ضلع فیصل آباد

☆......حاجی غلام حیدر، موضع گنہ، گوجرہ

☆......صوفی جمال دین، موضع ولہ ویرکا

☆......حافظ محمد صدیق، بہاولپور

☆......مولوی عبدالعزیز، موضع گھڑتل، ضلع فیصل آباد

☆......حاجی حسن دین، ڈجکوٹ، ضلع فیصل آباد

☆......صوفی محمد اسمٰعیل عرف مجنوں، رائے چک ضلع فیصل آباد

☆......حاجی خیر دین موضع زنڈا، بہاولپور

☆......حاجی مہر دین، سمندری، ضلع فیصل آباد

☆......چوہدری غلام علی، ملتان

☆......میاں محمد غوث، چک نواباں والا، ضلع فیصل آباد

☆......صوفی غلام علی، ڈجکوٹ ضلع فیصل آباد

☆......چوہدری فخر دین، ضلع سیالکوٹ

☆......صوفی عبداللطیف، موضع کٹیاں والی، ضلع شیخوپورہ

☆......صوفی عبدالکریم، گوجرہ

☆......مولوی خیر دین، موضع کٹیاں والی، ضلع شیخوپورہ

☆......حافظ محمد سلیمان، کوٹ سمابہ، ضلع رحیم یار خان

☆......حافظ نور محمد موضع مرید والا، ضلع فیصل آباد

☆......حکیم عنایت اللہ، ظفروال، ضلع سیالکوٹ

☆......شیخ الحدیث حضرت مولانا سید جلال الدین شاہ، بھکھی شریف، ضلع گجرات

☆......مناظر اسلام حضرت مولانا محمد عنایت اللہ، سانگلہ ہل، ضلع شیخوپورہ

☆......شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان نعیمی، گجرات

☆......حکیم محمد دین، فیصل آباد

☆......صوفی غلام علی، موضع سنگووال ضلع ہوشیار پور

☆......ملک عظمت علی، موضع سنگووال، ضلع ہوشیار پور

☆......صوفی دین محمد انصاری، چشتیاں ضلع رحیم یار خان

☆......ملک محمد مشتاق احمد، ایمن آباد، ضلع گوجرانوالہ

☆......خان غلام محمد، کالا افغاناں

☆......صوفی عبدالکریم، موضع بھٹیاں ضلع شیخوپورہ

☆......سائیں صادق علی، موضع کوڑے والٹن لاہور

☆......صاحبزادہ سید عاشق حسین شاہ سرہندی، شیخوپورہ

☆......صوفی محمد اشرف

☆......چودھری علی اکبر، ضلع فیصل آباد

☆......مستری غلام رسول، ضلع سیالکوٹ [۶۰]

آپ کا مزار مبارک پیر کالونی والٹن لاہور کینٹ میں برلب سڑک مرجع خلائق ہے اس پر شاندار گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ آپ کے پوتے صاحبزادہ سید سعید الحسن شاہ جو کہ آپ کے بڑے صاحبزادے حافظ ارشاد حسین شاہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ آج کل صوبائی وزیر مذہبی امور و اوقاف ہیں، صاحب مزار کو اپنے پوتوں میں سے سعید الحسن شاہ سے خصوصی پیار تھا۔ ایام طفولیت میں آپ انھیں اکثر اپنے پاس ہی رکھتے تھے۔ اور غایت درجہ مہربانی فرماتے تھے۔ [۶۱]

۲۳......صاحبزادہ حافظ سید محمد ارشاد حسین شاہ پیر کالونی والٹن:

آپ پیر سید چراغ حسین شاہ علیہ الرحمۃ کی تیسری بیوی سے پانچویں صاحبزادے تھے بچپن ہی سے

نیک خصلت اور خوش خصال تھے۔ نورانی بشرہ اور جمالی طبیعت تھی۔ تبسم سے معمور فراخ چہرہ تھا، حلیم الطبع تھے۔ گفتگو میں بڑی حلاوت اور اپنے والد بزرگوار جیسی شیرینی تھی۔ سینہ انوار قرآن سے روشن اور ہونٹ تلاوت قرآن سے معمور رہتے تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ قرأت میں بلا کی روانی اور یادداشت قابل رشک تھی۔ آواز میں اتنا سوز تھا کہ آپ کی قرأت سننے کے بعد شاید ہی کوئی دل متاثر ہوئے بغیر رہ سکتا۔ شاید ہی کوئی آنکھ ہو کہ اشکبار نہ ہوتی ہو۔

حافظ محمد عبداللہ صاحب، حافظ محمد ابراہیم اور حافظ محمد طفیل سے شرف تلمذ تھا۔ پرائمری تک باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ تقریباً بارہ برس کی عمر سے اپنے والد بزرگوار کی معیت وصحبت اختیار کی۔ ان کے وصال (۱۹۶۹ء) تک شب وروز خدمت ہی میں رہے۔ ساری اولاد سے بڑھ کر محبوب ومنظور نظر تھے۔ تقریباً تیس سال تک والد گرامی کی خدمت کا شرف حاصل رہا۔ ان کی ظاہری حیات میں اور وصال کے بعد آپ ہی مریدین میں سب سے زیادہ مقبول ومنظور نظر تھے۔

آپ واپنے والد گرامی کے فیضان سے علوم ظاہری وباطنی کے جامع تھے۔ حفظ قرآن مجید کی سعادت حاصل ہونے کے بعد ہر سال ۲۷ر رمضان المبارک (شب قدر) کو والد گرامی کی زندگی میں نماز تراویح میں قرآن مجید پڑھتے رہے۔ یہ سلسلہ ان کے وصال کے بعد بھی دربار عالیہ سے منسلک مسجد میں جاری رہا۔ اس کے علاوہ ۲۱ر رمضان المبارک کو مراڑہ شریف میں بھی شبینہ سناتے رہے۔ آپ پورا قرآن پاک ساڑھے تین گھنٹوں میں ایک ہی رکعت میں بآسانی پڑھ لیا کرتے تھے۔ آپ کا شبینہ سننے کے لیے لوگ بڑے شوق سے دور دراز کے علاقوں سے بھی آیا کرتے تھے۔ جس شب آپ امامت فرماتے، اس شب مسجد کی رونق بڑھ جاتی۔ عرصہ دراز سے ہر سال رمضان شریف میں اکسٹھ قرآن مجید ختم فرماتے تھے۔ رمضان المبارک کے علاوہ سفر ہو یا حضر، دو روز میں ختم قرآن کا معمول تھا۔

سادگی پسند، مہمان نواز، رقیق القلب، ملنسار اور متواضع تھے۔ اخلاق میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خیال فرماتے۔ صابر اور شاکر رہتے تھے۔ کبھی کسی کا شکوہ نہ کرتے۔ دوسروں کی زیادتی کا جواب حسن اخلاق اور مہربانی سے دیتے۔ شخصیت اخلاق جمیلہ سے مزین اور انتہائی پُرکشش تھی۔ بڑی مثبت سوچ رکھتے تھے۔ ہمیشہ تعمیری کردار ادا کرتے۔ نمود ونمائش سے دور رہتے تھے۔ امور دنیا سے استغنا حاصل تھا۔

آپ شکل سے، عمل سے ہر طرح سے اپنے والد گرامی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ کے والد گرامی

اکثر فرمایا کرتے میاں جتھے نکے آجان سمجھو میں ای آ گیاں آں۔

آپ اہل اللہ اور علماء کی نہ صرف قدر دانی کرتے بلکہ غایت درجہ تکریم بھی فرماتے تھے۔ طریقت میں درجہ بہت بلند تھا۔ پاکباز اور پاک باطن تھے۔ حضرت چراغ علی شاہ صاحب کے تمام خلفاء اس بات کا برملا اظہار کرتے کہ حافظ سید ارشاد حسین شاہ ہماری بزم کے چاند تھے۔[۶۲]

جب آپ کے والد گرامی نے آپ کو خلافت عطا کی تو فرمایا:

> ''یہ میری طرف سے ہے میں نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی عرض کر دی ہے کہ تمہیں وہاں سے بھی دستار عطا ہو، اور یہ عرض منظور ہو گئی ہے''

پیر سید چراغ علی شاہ صاحب کے وصال کے بعد موضع گڑھی شاہ حبیب ضلع گجرات کے نمبردار حاجی محمد عالم صاحب ایک دستار لے کر حافظ صاحب کی خدمت آئے اور کہنے لگے:

> ''میں روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے موقع پر مواجہہ شریف کے سامنے صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا تھا کہ ایک اجنبی شخص آیا اور اس نے مجھے یہ دستار دے کر کہا کہ یہ دستار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حافظ سید محمد ارشاد حسین کو پہنچا دو''

اسی طرح نارووال ضلع سیالکوٹ سے ماسٹر عنایت اللہ نے حج سے واپسی پر ایک جبہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور بیان کیا:

> ''یہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے لیے ملا ہے''

صاحبزادہ صاحب جب حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو حرمین شریفین میں آپ کا خصوصی اکرام واہتمام ہوا۔ آپ کے لیے مسجد نبوی میں کوئی اجنبی شخص پہلے ہی سے مصلیٰ بچھائے رکھتا۔ قیام مدینہ منورہ کے دوران ہر روز ایک قرآن پاک پڑھ کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرتے رہے۔ مشائخ مدینہ میں سے مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی (خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ) نے آپ کی نہ صرف مہمان داری کی بلکہ آخر تک اپنے ہاں قیام کے لیے مصر رہے۔ آپ کی یہ مقبولیت دیکھ کر اہل مدینہ بھی آپ کی دست بوسی کرتے۔

آپ کا حلقہء ارادت انتہائی وسیع ہے۔ آستانہ عالیہ چراغیہ کا وقار آپ کی بابرکت شخصیت سے مزید بلند ہوا۔ عوم الناس میں آپ ''حافظ جی سرکار'' کے نام سے جانے جاتے تھے۔ قلیل طعام و قلیل منام آپ کی عادت تھی۔ نعت شریف پڑھتے تو محفل میں ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ مریدین کے احوال سے باخبر رہتے، انھیں کسی غمی یا خوشی کے موقع پر تنہا نہ چھوڑتے۔ زندگی کے آخری ایام میں بیماری کے باوجود ہشاش بشاش نظر آتے۔ چہرے پر جاذبیت قابل رشک تھی جسے دیکھتے رہنے میں سکون و طمانینت حاصل ہوتی۔

مجلس میں بیٹھے باتوں ہی باتوں میں تربیت فرمادیا کرتے تھے۔ آپ انتہائی شفیق اور ہمدرد تھے۔ کشفی کیفیت بہت اچھی تھے۔ دلوں کے احوال جان لینا ان کا معمول تھا۔ باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کرنے کے باوجود عربی اور فارسی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ اردو اور انگلش زبان کے معاملے میں یہی حال تھا۔ اہم علمی اور فقہی نکات بڑے آسان پیرائے میں بیان فرمادیتے۔ مہمان نوازی نمایاں وصف تھا۔ ہر آنے جانے والے کا خیال ہمہ وقت رہتا۔

کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد ۹ رشعبان المعظم ۱۴۱۸ھ / ۱۰ ردسمبر ۱۹۹۷ء بروز بدھ بوقت صبح جناح ہسپتال لاہور میں واصل بحق ہوے۔ آپ کو والد گرامی کے مزار کے باہر (مشرق کی جانب) قدموں کی طرف دفن کیا گیا۔[۶۲]

۲۴...... صاحبزادہ سید محمد انیس المجتبیٰ ضیاء الحسن شاہ، پیر کالونی والٹن:

آپ پیر سید چراغ علی شاہ علیہ الرحمۃ کی تیسری بیوی سے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ بچپن ہی سے نیک فطرت اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ طبیعت میں نرمی، گفتار میں شیرینی اور لباس میں سادگی اور لبوں پر تبسم ان کی خصوصیت تھی۔

ابتداء میں ظاہری علوم کے حصول میں مصروف رہے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول ظفروال سے ۱۹۵۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسلامیہ کالج نارووال سے ۱۹۶۱ء میں انٹر کا امتحان پاس کیا۔ گریجویشن کے لیے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں داخلہ لیا۔ اسی دوران آپ کے عظیم والد محترم کا انتقال ہو گیا۔ یوں آپ سلسلہ تعلیم مزید جاری نہ رکھ سکے۔ زمانہ طالب علمی میں آپ اساتذہ اور طلبہ میں یکساں محبوب تھے۔

والد گرامی کے وصال کے بعد صاحبزادگان علی پور شریف و جملہ متوسلین آستانہ عالیہ کا صاحبزادہ سید ارشاد حسین شاہ کو مسند سجادگی پر بٹھانے کا خیال تھا۔ برادر گرامی قدر صاحبزادہ سید ارشاد حسین شاہ کے کہنے

اور جملہ صاحبزادگان کے اتفاق سے مسند سجادگی پر متمکن ہوئے۔ طبیعت پر اس کا مثبت اثر پڑا۔ صاحبزادہ صاحب نے اپنی تمام تر صلاحیتیں تبلیغ وارشاد کے لیے بروئے کار لانا شروع کر دیں۔ دنیاوی معاملات اور انتظامی امور کو بخوبی سمجھتے تھے۔ حالات کو سلجھانے کا خوب ملکہ رکھتے تھے۔ ہر کس و ناکس سے خوش اسلوبی سے پیش آتے۔ خدمت خلق کا جذبہ بدرجہء اتم موجود تھا۔ آستانہ عالیہ کے متوسلین اور دیگر اہل سنت کے احباب کی دینی اور دنیاوی مشکلات کو حل کرنے میں کوشاں رہتے۔

آپ ایک باہمت اور باحیا انسان تھے، مستقل مزاج، اچھے منتظم تھے۔ طبیعت پر جمالیت کا غلبہ تھا۔ عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخمور تھے۔ قرآن پاک اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی محبت تھی۔ حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبار مشرف ہوئے۔ جماعت اہل سنت کی بھرپور حمایت فرماتے رہے۔ آپ دینی اور روحانی اجتماعات کی رونق تصور کیے جاتے تھے۔ بہت ہی باہمت اور کمال اوصاف سے مزین تھے۔

آپ کا حلقہ ارادت وسیع تھا۔ روحانیت میں سریع الاثر تھے۔ جس پر نگاہ فرماتے اس کے دل کی دنیا بدل جاتی۔ اسی وجہ سے مریدین دل وجان سے آپ پر فدا تھے۔ آوارہ منش نوجوانوں کو نگاہ کرم سے پابند صوم وصلوٰۃ بنا دیا۔

والد گرامی پیر چراغ علی شاہ کی نسبت کا فیض تھا کہ بچپن ہی سے جاگتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے بالعموم مشرف ہوتے رہتے تھے۔ مخلوق خدا کی روحانی اصلاح کے لیے شب و روز متفکر اور سرگرداں رہتے۔ ہر دکھی کی مدد کے لیے ہمہ وقت مصروف رہتے۔ مجاہدات کی وجہ سے صحت تیزی سے خراب ہونے لگی۔ خرابی صحت عوام الناس کی دست گیری میں حائل نہ ہو سکی۔ بہت ہی بلند پایہ شخصیت کے حامل تھے۔

۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ ۱۶ر جنوری ۱۹۹۹ء بروز ہفتہ بعد نماز مغرب آستانہ عالیہ چراغیہ پیر کالونی والٹن ہی میں وصال فرمایا۔ آپ کو والد گرامی کے مزار اقدس کے اندر دائیں پہلو میں دفن کیا گیا۔

۲۵...... حضرت فتح محمد اچھروی، لاہور:

آپ بچپن ہی سے نابینا تھے۔ آپ ظاہری تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی سے بہرہ ور کیا۔ آپ کے والد ماجد کا نام میاں امام دین تھا۔ آپ لاہور میں پیدا ہوئے۔ والد ماجدہ

جہاں دیدہ انسان تھے۔ انھوں نے آپ کو ابتدائی تعلیم کے لیے اسکول میں داخل کروادیا۔ اس دوران آپ چیچک کا شکار ہو گئے جس سے آپ کی آنکھوں کا نور جاتا رہا۔ آپ نے مختلف اساتذہ سے عربی و فارسی اور اردو کی زبانی تعلیم حاصل کی۔ نیز آپ نے قرآن پاک بھی حفظ کیا۔

آپ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ عبدالرسول سے بیعت تھے۔ ذکر و اذکار کے علاوہ مرشد کی خدمت میں بھی مصروف رہے۔ آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ آپ ان کا کھانا اپنے گھر میں بوئی ہوئی سبزیوں سے تیار کرتے تھے۔ آپ نے منازل سلوک طے کر لیں، تو خواجہ عبدالرسول صاحب نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا۔ سلسلہ نقشبندیہ کے علاوہ آپ نے سلسلہ قادریہ میں مولوی نور عالم صاحب سے اکتساب فیض کیا۔

نابینا ہونے کے باوجود آپ نے بے شمار دینی خدمات انجام دیں۔ اچھرہ میں ایک دینی مدرسہ کا اجراء کیا۔ آپ وہاں بذات خود بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ ''جامعہ فتحیہ'' کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔ قرآن پاک کے علاوہ عربی کتب بھی آپ خود پڑھاتے تھے۔

تدریس کے علاوہ آپ حکمت میں بھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ لوگوں کی طبی خدمت بھی کیا کرتے آپ اخلاق حسنہ کے مالک تھے۔ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی بے حد قدر کیا کرتے تھے۔ طالب علموں کے ساتھ اپنے بچوں جیسا برتاؤ کرتے تھے۔

آپ ایک درویش کامل اور عارف باللہ تھے۔ آپ مجیب الدعوات تھے۔ بے شمار لوگوں کو آپ سے دینی اور روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئے۔ آپ نے ایک کتاب ''صلوٰۃ القرآن بمتابعت حبیب الرحمٰن'' شائع کرائی۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اور سائیں توکل شاہ انبالوی قدس سرہم آپ کے ہم عصر صوفیہ تھے۔ آپ نے ایک نیک خاتون سے شادی بھی کی۔ ان سے ایک صاحبزادے تولد ہوئے جن کا نام میاں مشتاق رکھا۔

آپ کا وصال بروز ہفتہ ۲۹ر شوال ۱۳۳۵ھ/ بمطابق ۱۶ر اگست ۱۹۱۷ء ہوا۔ آپ کو اچھرہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا، جہاں آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔[۶۳]

۲۶......مناظر اسلام مولانا محمد عمر اچھروی، اچھرہ:

سنیوں کے مایۂ ناز عالم دین، مناظر اور عوامی خطیب مولانا محمد عمر اچھروی علیہ الرحمۃ شیرو کا ہنہ نزد

قصور ضلع لاہور میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا کے والد مولوی محمد امین بن عبد المالک قریشی حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری کے خاندان میں سے تھے۔ قرآن پاک والد مکرم سے پڑھا۔ فارسی کتابیں مولانا صلاح الدین موضع چانوٹ (پاک پتن شریف سے پانچ میل کا فاصلہ ہے) سے پڑھیں۔ صرف ونحو اور اصول موضع لکھو کے فیروز پور میں مولانا محمد حسین اور عطاء اللہ لکھوی سے پڑھیں۔ منطق ومعقولات قصور کے مدرسہ فریدیہ میں پڑھیں اور پھر بعض کتابیں مولانا محمد عالم سنبھلی سے مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد، لاہور سے پڑھیں۔ کتب حدیث کے لِیے آپ دہلی کے مدرسہ رحمانیہ میں داخل ہوئے۔ مولوی محمد عبد اللہ امرتسری ثم روپڑی (وھابی) سے سند حاصل کی۔ مکرراً مولانا احمد علی میرٹھی جو محدث احمد علی سہارن پوری کے شاگرد تھے، صحاح ستہ کا مطالعہ کیا۔ آپ ۱۹۱۸ء میں فارغ التحصیل ہو کر قصور آئے۔

آپ نے ٹھیٹھ پنجابی زبان میں تقریر کا آغاز کیا۔ قرآن پاک خاص سادہ انداز میں پڑھتے تھے اور مناظرانہ انداز بیان سے دیہاتی عوام کے محبوب واعظ بن گئے۔ وھابی دیوبندی آپ سے ٹکر لیتے مگر منہ کی کھا کر میدان مناظرہ سے بھاگ جاتے۔ آپ ۱۹۳۴ء میں لاہور قیام پذیر ہوئے تو آپ کی شہرت پنجاب بھر میں پھیل گئی۔ آپ کے موضوعات دیوبندی، وہابی، شیعہ اور مرزائی عقائد پر برق بار تنقید تھے۔ اس فن میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ معاندین کی کتابوں کے حوالے آپ کو از بر تھے۔ اور نادر کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ آپ کے پاس رہتا۔ آپ بڑی جرأت سے میدان مناظرہ میں پہنچتے اور مخالف فریق کو للکارتے۔

آپ کی تصانیف میں سے ”مقیاسِ حنفیت، مقیاسِ مناظرہ، مقیاسِ خلافت، مقیاس نور، مقیاس الصلوۃ“ کے کئی اڈیشن چھپے۔ ”مقیاس وھابیت“ آپ کی وفات کے بعد چھپی۔ مقیاس توحید، مقیاس میلاد، مقیاسِ حیات، مقیاس اسلام ابھی تک مسودات کی شکل میں ہیں۔

آپ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اور آپ کی دعا سے ہر میدان میں فتح یاب ہوئے۔

بے باک مرد حق تھا، مجاہد دلیر تھا
وہ شرقپور کے شیر محمد کا شیر تھا

آپ نے ۱۵۰ر مناظرے جیتے اور اپنے عقائد کی فتح کے سکے بٹھا دیے۔ اچھرہ لاہور میں

دارالمقیاس تعمیر کیا۔ ماہنامہ "المقیاس" جاری کیا۔ جمعیۃ المسلمین قایم کی، المقیاس پریس لگایا۔ حضرت داتا گنج بخش کی مسجد میں سولہ سال تک خطابت فرمائی اور اپنے خطاب سے پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے سنی عوام کو زندہ کر دیا۔

آپ بڑے جری، بہادر اور فاضل مناظر تھے۔ آپ کے صاحبزادوں میں سے مولانا عبدالوہاب صدیقی مبلغ انگلینڈ، مولانا عبدالتواب، مولانا سلطان باہو، مولانا فقیر محمد اور محمد ظفر آپ کے علمی جانشین ہیں۔ آپ ۹/ ذی القعدہ ۱۳۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ مدفن اچھرہ لاہور میں ہے۔[۶۴]

۲۷...... حکیم غلام محمد ترنم، میانی صاحب:

مولانا غلام محمد ترنم امرتسر کے ایک غریب کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔[۶۵] ابتدائی دینی تعلیم مولانا پروفیسر عبدالرحیم (م۔ ۱۹۱۲ء) اور فقیہ عصر مولانا مفتی عبدالصمد خاں امرائی کشمیری علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۹۱۸ء/۱۳۳۴ھ) سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کے والد ماجد عبدالعزیز کشمیری نے قالین بافی کا ہنر سیکھنے پر لگا دیا۔ آپ نے اس فن میں خوب مہارت حاصل کی اور ایک اعلیٰ درجے کے ڈیزائنر بن گئے۔ بعد ازاں فطری میلان کے باعث تعلیم کی طرف دوبارہ راغب ہو گئے۔ مولانا غلام محمد حسین عرشی امرتسری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے اپنے مشاغل کی کثرت کی وجہ سے اظہار معذوری کرتے ہوئے انھیں اپنے استاد محترم حکیم علامہ فیروز الدین طغرائی (م۔ ۱۹۳۱ء) کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ حضرت طغرائی کی امداد و اعانت سے آپ نے منشی فاضل تک تعلیم حاصل کی۔ اگلے سال ادیب فاضل کے امتحان میں بھی کامیابی حاصل کر لی۔ فن شعر و شاعری میں بھی استفادہ کیا۔ اور فن طب کی تعلیم کی تکمیل بھی انہی سے کی۔ علامہ عرشی نے ہی آپ کا تخلص ترنم تجویز کیا۔[۶۶]

طغرائی مرحوم کے فیض صحبت نے آپ کی طبیعت میں بہت جلا پیدا کر دی۔ اور آپ کا شوق علم بہت بڑھ گیا۔ پھر آپ عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت مولانا مفتی عبدالصمد خاں امرائی کے پاس جانے لگے۔ آپ کو حضرت طغرائی کے فیض نے ترنم بنایا اور مفتی صاحب کے فیض نے مولانا۔[۶۷] دینی تعلیم سے فارغ ہو کر حکیم حاجی محمد علی، گوجرانوالہ اور حکیم محبوب عالم امرتسری سے فن طب کی آخری کتابیں پڑھیں۔ لاہور کے حکیم شہزادہ غلام محمد سے مطب کے اصول سیکھے۔

فارغ التحصیل ہو کر آپ نے ہال بازار امرتسر میں ۱۹۳۱ء میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی جس میں

فاضل عربی، فاضل فارسی اور فاضل اردو کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی کے سلیبس کے مطابق دی جاتی تھی۔ اس تعلیمی درس گاہ نے بہت ترقی کی اور لاتعداد نوجوان مسلم اس سے مستفیض ہو کر محکمہ تعلیم میں برسر روزگار ہوئے۔ [۶۸]

آپ امرتسر مسلم ہائی اسکول شریف پورہ میں دینیات کے مدرس تھے اور فارغ اوقات میں مطب بھی کرتے تھے۔ ساری زندگی سادگی میں گزاری۔ تبلیغی کاموں کو فی سبیل اللہ ہی کیا۔ تقسیم ملک کے بعد گوالمنڈی نزد امرت دھارا بلڈنگ لاہور میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں آپ کے تبلیغی مشاغل اور بھی بڑھ گئے جنہیں بڑی ہمت و استقلال سے نباہتے رہے۔ طباعت کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ جس سے قوت لایموت کا سامان میسر آتا۔ [۶۹]

آپ کا دل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت سے سرشار تھا۔ آپ کا نعتیہ کلام عشق رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منہ بولتا نمونہ ہے۔ مولانا کو اپنے مسلک سے جو والہانہ عشق تھا اس کی مثال بھی بہت کم ملتی ہے۔ موصوف ایک جادو بیان خطیب اور شعلہ نوا مقرر تھے۔ مولانا ظفر علی خان نے آپ کی نسبت لکھا:

ترنم چاند ہے اس شہر میں علم اور حکمت کا
درخشاں اس کے ھالے میں مسلمانان امرتسر [۷۰]

چند ہی سالوں میں آپ لاثانی خطیب بن کر عوام کے سامنے آئے اور مقبولیت میں یہ درجہ پایا کہ امرتسر کی تنگ، بوسیدہ اور غیر آباد مساجد صرف آپ کے ورود سے بڑی بڑی شان دار جامع مسجدوں میں تبدیل ہو گئیں۔ جامع مسجد شریف پورہ، رانی بازار اور جامع مسجد کوچہ قاصداں امرتسر کو آپ ہی کے اثر وعظ کے نتیجہ میں وسعت و رونق ملی۔ [۷۱]

امرتسر کے احناف نے ''انجمن تبلیغ الاحناف'' قایم کر رکھی تھی۔ مولانا اس کے روح رواں تھے۔ اس انجمن کے زیر اہتمام سیدنا حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا عرس مبارک ہر سال مسجد میاں جان محمد، ہال بازار میں نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا۔ اس مقدس عرس کے سہ روزہ جلسوں میں مقامی علماء کے علاوہ متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر علماء وفضلاء اور مشائخ عظام شمولیت فرما کر اپنے مواعظ حسنہ سے عوام کو مستفیض فرماتے تھے۔ [۷۲]

حکیم مولانا غلام محمد ترنم امرتسری تحریک پاکستان کے ایک سچے اور مخلص مجاہد تھے۔ ۱۹۳۵ء سے حضرت

مولانا اس تحریک میں شامل ہوے۔ مشرقی پنجاب میں آپ اور حضرت سید بوٹے شاہ رمداسی نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

تقسیم برصغیر کے بعد حضرت مولانا محمد ترنم نے لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے تبلیغی پروگرام کے تحت مسجد حضرت داتا گنج بخش میں وعظ و خطابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر مسجد حنفیہ موری دروازہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا کے عقیدت مندوں نے مسجد سول سیکرٹریٹ میں خطابت کی دعوت دی جو مولانا موصوف نے بخوشی قبول فرمالی۔ شروع میں یہ مسجد چھوٹی تھی۔ سردار عبدالرب نشتر کے علاوہ صاحب ثروت لوگوں نے لاکھوں روپے مسجد کی توسیع کے لیے دیے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ مسجد لاہور کی بہترین مساجد میں شمار ہونے لگی۔

مولانا ترنم نے قوم دشمن عناصر کو ملک میں دوبارہ سر اٹھاتے دیکھ کر اپنے رفقا کے ساتھ مل کر جمعیت العلماء پاکستان کی بنیاد ڈالی۔ آپ جمعیت العلماء پاکستان صوبہ پنجاب کے پہلے صدر منتخب ہوے۔ جماعت کی ملک گیر شاخیں قایم ہوئیں تو آپ ملکی سطح پر نائب صدر منتخب کیے گئے۔ اس سلسلہ میں ان کی سعی جمیلہ بلاشبہ قابل ستائش ہے۔[۷۳]

جمعیت العلماء کے زیر اہتمام جہاد کشمیر اور تحریک ختم نبوت میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کشمیر کی جنگ میں اگلے مورچوں پر گئے اور غازیان صف شکن کے دوش بدوش کھڑے ہو کر پیغام جہاد سناتے رہے۔ ختم نبوت کی تحریک میں قید و بند کی ساری عظمتیں آپ کے حصہ میں آئیں۔ اس ابتلائی دور میں آپ کے پایۂ استقلال میں ذرہ بھی لغزش نہیں آئی۔

آپ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری علیہ الرحمۃ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ سید علی حسین شاہ صاحب چشتی نظامی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ سے بھی روحانی استفادہ کیا۔ حضرت مولانا محمد عالم آسی علیہ الرحمۃ آپ پر بڑی شفقت فرمایا کرتے۔ مولانا ترنم شعر بہت کم کہتے تھے۔ ابتدائی دور میں مناجاتیں اور نعتیں لکھی تھیں۔ بطور نمونہ ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

میں نیاز مند حضور ہوں ، میں اسیر زلف جہاں نہیں
مجھے نام پاک سے ہے غرض ، کوئی فکر سود و زیاں نہیں

جو خدا کا خاص حبیب ہو ، جو خدا کے عین قریب ہو
کرے وصف اس کے بشر بیاں ، یہ مجال وتاب وتواں نہیں
جو حریق سوز رسول ہے ، وہی ذات حق کو قبول ہے
یہ ہے اک حقیقتِ مستقل ، کوئی اس میں وہم وگمان نہیں[۷۴]

حضرت مولانا غلام محمد ترنم کو وفات سے اڑھائی تین سال پہلے ذیابیطس کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ مرض بڑھتا گیا۔ جس سے دل اور جگر متورم ہو کر بڑھ گیا تھا۔ مرض کی شدت کے باعث وفات سے دو ماہ قبل آپ خطبہ جمعہ دینے کے قابل نہ رہے۔ لیکن بستر علالت پر بھی آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند رہے۔ آخر اسلامیان برصغیر پاک وہند کا یہ عظیم المرتبت راہنما مبلغ اسلام مورخہ ۱۷ر محرم الحرام ۱۳۷۹ھ/ ۲۴ر جولائی ۱۹۵۹ء جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو رحلت فرما گیا۔ آپ کی آخری آرام گاہ قبرستان میانی صاحب بہاولپور روڈ برلب سڑک لاہور بالمقابل مزار شریف حضرت مہر محمد صوبہ نقشبندی میں ہے۔[۷۵] حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری صاحب ناظم حزب الاحناف لاہور نے نماز جنازہ پڑھائی۔[۷۶]

۲۸...... مولانا محمد احمد قریشی مظہری، ٹاؤن شپ، لاہور:

آپ کے جد امجد قاضی فیاض احمد صاحب اہل دل تھے۔ دہلی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ابوالخیر نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے۔ والد ماجد نور احمد تجارت پیشہ تھے اور دہلی کے مشہور عالم حضرت شاہ کرامت اللہ سے کمال عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دو صاحبزادے بشیر احمد اور محمد احمد حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے۔

مولانا محمد احمد ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم کا آغاز حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی صحبت کیمیا اثر میں کیا اور کچھ فارسی کتابیں بھی پڑھیں۔ بعد ازاں مسلم ہائی اسکول مسجد فتحپوری، دہلی میں داخلہ لیا۔ جہاں سے میٹرک کیا۔

۱۹۴۱ء میں سرکاری ملازمت میں آئے ، رفتہ رفتہ ترقی کر کے بفضلہٖ تعالیٰ محکمہ ڈاک وتار میں آفیسر ہو گئے۔ برادر مکرم پروفیسر قاری حافظ محمد رفیق مسعودی رقم طراز ہیں۔

''حضرت مولانا محمد احمد علیہ الرحمۃ قرآن مجید کے حافظ تھے اور

> گریجویشن تک تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ تعلیم یافتہ، باشعور، بلند سوچ اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ انتہائی دیانت داری سے اپنے فرائض منصبی ادا فرماتے۔ کم گو، حق گو، نڈر، بے باک، مخلص اور باوفا انسان تھے۔ شرعی تقاضوں کا شدت سے خیال رکھتے اور کاربند رہتے۔
>
> سرکاری ملازمت میں بہت سے نشیب و فراز آئے مگر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر بھروسا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جان دینے کی تڑپ رکھتے ہوئے زندہ رہے اور قدم قدم پر اپنے مرشد کریم کی اجازت اور رضا جوئی کے حریص رہے۔ جن حضرات کو آپ سے اکاؤنٹس پڑھنے کا موقع ملا وہ آج بھی آپ کی عظمت و کردار کے گیت گاتے ہیں‘‘[۷۷]

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے مولانا قریشی صاحب کی بڑی شفقت و محبت سے تربیت فرمائی۔ آپ کے نام محررہ مکاتیب میں مختلف القاب سے مخاطب فرمایا۔ مولانا قریشی صاحب کو مرشد کریم کے خانوادۂ عالی سے بے انتہا محبت و عقیدت تھی۔ برادرم پروفیسر قاری محمد رفیق مسعودی بیان فرماتے ہیں:

> ’’مرشد کریم حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب سے رابطہ مولانا محمد احمد قریشی مظہری کی وساطت سے ہوا۔ آپ مرشد کامل کے عاشق صادق تھے۔ مرشد کامل کی تمام اولاد کا ادب و احترام انتہائی خلوص و عقیدت کے ساتھ کرتے تھے۔ حضرت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی جب لاہور تشریف لاتے تو مولانا محمد احمد قریشی مظہری قدس سرہ العزیز کے ہاں لازماً تشریف لاتے۔ وہ پُرکیف اور روحانی مناظر میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ مولانا محمد احمد قریشی مظہری قبلہ ڈاکٹر صاحب کی آمد پر تشریف آوری سے پہلے ہی انتہائی مسرور، شاداں، خوش و خرم نظر آتے جیسے کوئی عظیم نعمت ملنے والی ہو۔ لاہور ریلوے اسٹیشن پر انتہائی والہانہ انداز سے آپ کا خیر مقدم کرتے۔ قیام لاہور

> کے عرصہ میں آپ ساتھ رہتے۔
>
> ڈاکٹر صاحب کے مکاتیب اور ارشادات کا حد درجہ احترام بجا لاتے۔ بزم ارباب طریقت کے زیر اہتمام جلسوں اور ماہانہ سالانہ پروگراموں کی تفصیلات سے ڈاکٹر صاحب کو آگاہ کرتے اور بوقت ملاقات حد درجہ انکساری، خلوص اور عقیدت کا اظہار فرماتے۔ ان دو محبوبوں کے باہمی تعلقات اور پُر خلوص عقیدت کے مہکتے ہوے پھول احقر کے دل و دماغ کو لافانی مہک عطا کرتے'' ۷۸

مولانا قریشی صاحب کی شادی کا معاملہ بھی محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے۔ کسی محفل میں آپ نے ایک نعت پڑھی وہ نعت خواتین میں سے ایک خاتون کو بہت پسند آئی۔ وہ اللہ کی بندی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھی۔ انھوں نے کہا:

''میں اپنی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے کروں گی''

پھر وہیں شادی ہوئی۔ آپ نے تقریباً ۵۰ ر سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ اس خصوص میں کوئی آپ کا استاد نہ تھا۔ اکثر رمضان المبارک میں تراویح میں حفاظ کی اغلاط کی اصلاح کرتے۔

آپ کا وصال ماہ شوال میں ہوا۔ طویل علالت کے باعث نقاہت بہت تھی۔ باوجود ضعف اور معالجین کے منع کرنے کے رمضان المبارک کے روزے نہیں چھوڑے۔ نماز تراویح کا بندوبست رکھا۔ حالت یہ تھی کہ آپ کی غذا انتہائی کم تھی۔ سوائے نصف چپاتی کے اور افطاری کے وقت معمولی سا پان یا کچھ اور۔

آپ فنافی الشیخ تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وفات سے قبل رات کو اپنے بھانجے کو بلا کر کہا کہ مجھے حضور قبلہ علیہ الرحمۃ خواب میں ملے ہیں اور فرمایا کہ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اگلے دن ۲۷ ر شوال المکرم ۱۴۰۷ھ / ۲۵ ر جون ۱۹۸۷ء کو طویل علالت کے بعد شیخ زید ہسپتال، لاہور میں وصال فرمایا۔ نماز جنازہ بعد نماز عشاء ہوئی اور تدفین میانی صاحب میں نزد دربار حضرت خواجہ طاہر بندگی علیہ الرحمۃ ہوئی۔ ۷۹

۲۹...... قاضی صفدر حسن صدیقی مظہری، سنت نگر:

قاضی صاحب کی دہلی میں ولادت ہوئی۔ آپ نسباً صدیقی، مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی

ہیں۔ آپ کے والد ماجد قاضی حیدر حسن صدیقی بڑے نیک اور متقی تھے۔ آپ کے اسلاف میں بہت سے اولیاء اللہ گزرے ہیں۔ آپ کے نانا مولوی احمد دین علیہ الرحمۃ زبردست مقرر اور متورع انسان تھے۔ بمبئی کی کسی مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

قاضی صاحب کی تعلیم تو آئی کام تک تھی مگر تجربہ کافی تھا۔ ۱۹۳۴ء سے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔ دفتر ڈی سی پی اینڈ ٹی لاہور میں سٹینو گرافر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ قاضی صاحب ابتداء ہی سے حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز کے معتقد تھے اور اس گھرانے کا خاص احترام کرتے تھے۔ پانچ سال کی عمر سے ہی اپنے دادا مرحوم کے ساتھ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تھے۔ مگر حقیقی بیعت پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ قاضی صاحب ابتداء سے صوم وصلوٰۃ کے پابند تو تھے ہی مگر ظاہر شریعت کے مطابق نہ تھا۔ انگریزی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ لیکن جب بیعت سے مشرف ہوئے تو کایا ہی پلٹ گئی۔ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا سرشار کیا کہ انگریزی تہذیب کے لبادے کو اتار پھینکا اور اللہ کے رنگ میں رنگ گئے۔ سچ ہے کہ:

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنادیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانہ ء دل

قاضی صاحب چونکہ لاہور میں مقیم تھے اور مرشد کریم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ دہلی تشریف رکھتے تھے، اس لیے حضرت کے حکم سے مولانا عبد الغفور مدنی کے خلیفہ حضرت مولانا علاء الدین نے منازل سلوک طے کرائیں۔

۱۹۶۱ء میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ پاکستان پہلی بار تشریف لائے تو ایک محفل میں قاضی صاحب کو سفارتاً اجازت سے نوازا۔ قاضی صاحب کو حضرت مرشد کریم شاہ محمد مظہر اللہ اور خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے علاقہ خاص ہے۔ قاضی صاحب کے صاحبزادگان بھی قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے شرف بیعت رکھتے ہیں۔[۸۰]

۳۰ ...... مولانا سید محمد الیاس زیدی مظہری، کاہنہ نو لاہور:

آپ کا خاندان سادات حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتا ہے اور سلسلہ نسب ۳۲/ پشت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

آپ کے مورث اعلیٰ میر سید ابوالفراس علیہ الرحمۃ شہاب الدین غوری کے لشکر کے ہمراہ شہر واسط، غزنی سے ہندوستان تشریف لائے...... آپ کے واسط واپس جانے پر آپ کے فرزند میر سید مسعود علیہ الرحمۃ نے شہر سید شاہ پور آباد کیا جو کہ ریاست پاٹودی ضلع گڑگانواں میں واقع ہے۔

مولانا سید محمد الیاس زیدی کے والد گرامی سید ارشاد علی قصبہ سید شاہ پور سے قصبہ سید بہاء الدین نگر آ کر آباد ہوے۔ انھوں نے یہاں آ کر ایک مسجد تعمیر کرائی۔ اس کی امامت خود ہی کراتے تھے۔ معاشی سلسلے میں زمین داری سے گزراوقات ہوتی تھی۔

مولانا سید محمد الیاس زیدی صاحب کی ولادت ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں قصبہ بہاء الدین نگر میں ہوئی۔ یہ قصبہ دہلی سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس دور میں کوئی باقاعدہ اسکول نہیں تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے حاصل کی جو کہ بذات خود عالم تھے۔ ۱۹۴۴ء میں ناظرہ قرآن مجید قاری سید حفظ الرحمٰن علیہ الرحمۃ سے پڑھا۔ قاری صاحب مرشد کریم شیخ الاسلام مفتی شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ کے داماد تھے۔ مولانا الیاس ۱۹۴۴ء میں بعد نماز مغرب بیعت ہوے۔ درود شریف اور استغفار پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ۱۹۴۸ء میں نقل مکانی کر کے پاکستان آ گئے۔ ٹنڈو محمد خاں سندھ میں کچھ عرصہ رہ کر لاہور آ گئے اور کاہنہ نو آباد کیا۔ کاہنہ نو میں مسجد ''نور المساجد میواتیاں'' تعمیر کرائی۔ اس کی امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے لگے۔

۱۹۶۱ء میں مرشد کریم علیہ الرحمۃ پاکستان تشریف لائے تو آٹھ دس ہمراہیوں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوے۔ جن کو آپ نے بیعت فرمالیا۔ اور مولانا محمد الیاس کو سفارتی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ علالت کے باعث ۸ر جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ/ ۱۹ر ستمبر ۱۹۹۹ء بروز اتوار بوقت فجر مولانا الیاس وصال فرما گئے۔

حق مغفرت کرے بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں[۸۱]

۳۱...... الحاج مولانا باغ علی نسیم:

آپ حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی علیہ الرحمۃ کے مرید، شاگرد اور سچے جانشین تھے۔ آپ اپنے پیر و مرشد کے مدرسہ میں پڑھے۔ آپ کے مدرسہ، مکتبہ اور کتب خانہ کے مہتمم و منتظم رہے۔ آپ ۱۹۲۵ء میں ریاست جموں کے ضلع ریاسی کے ایک گاؤں پدمی میں ایک زمیندار خاندان میں پیدا ہوے۔ والد صاحب

چوہدری لہب الدین مرحوم مولانا نبی بخش حلوائی کے مرید خاص تھے۔ مولانا ریاست میں جاتے تو آپ کے ہاں قیام فرماتے۔ مولانا باغ علی صاحب نے مڈل پاس کیا تو ۱۹۳۸ء میں علم دین کی تحصیل کے لیے لاہور پہنچے۔ مولانا کے مدرسہ میں داخلہ لیا۔ حضرت نے آپ کو فارسی درسیات خود پڑھائیں۔ مثنوی مولانا روم سبقاً سبقاً پڑھی۔

انہی دنوں حضرت مولانا مہر الدین نے مسجد میں تمام طلبہ کو پڑھانا شروع کیا تو مولانا باغ علی صاحب ان کے اولین شاگردوں میں سے تھے جنھوں نے زانوئے ادب تہ کیا۔ صرف ونحو کا مطالعہ کیا۔ ۱۹۴۰ء میں دار العلوم حزب الاحناف میں داخل ہوے۔ مولانا منور الدین مرحوم سے صرف ونحو، مولانا محمد دین سے منطق، حافظ عطا محمد بندیالوی اور مفتی محمد حسین نعیمی سے فقہ، مولانا غلام نبی گورداس پوری سے بعض دیگر کتب کا مطالعہ کیا۔ استاذ العلماء ابو البرکات سید احمد قادری سے حدیث پڑھی اور ۱۹۴۶ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت مولانا حلوائی کے مدرسہ میں پڑھانے لگے۔ مولانا آپ کو اپنی تالیفات کی املا دیتے۔ چنانچہ ''الامتیاز بین الحقیقت والمجاز'' (تین ہزار صفحات)، پنجابی ترجمہ قرآن، انوار نبوی، میلاد النبی اور مجموعہ نعت کے مسودات آپ نے املا کیے۔ اظہار انکار المنکرین کا پہلا اڈیشن آپ کے اہتمام میں چھپا۔

آپ کے ہم سبق حافظ محمد عالم سیالکوٹی، صوفی غلام حسین گوجروی، غلام حسین نوری، مولوی غلام نبی مفتی جموں، حافظ محمد نواز نقشبندی اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا نبی بخش حلوائی کے وصال (۱۹۴۴ء) کے بعد مسجد، مدرسہ اور کتب خانہ کے انتظامات میں مصروف ہو گئے۔ بڑے متوکل، خدا ترس، کم گو اور محنتی عالم دین تھے۔ علماء کی قدر کرنے والے۔ ۱۹۵۲ء میں فاضل فارسی اور ۱۹۵۳ء میں عربی فاضل پاس کیا۔ ۱۹۶۴ء میں مکتبہ نبویہ کی بنیاد رکھی۔ پہلی کتاب ''الامتیاز'' (علم غیب، تصرف اولیاء اور استمداد) طبع کی۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کا ترجمہ قرآن پاک طبع کرایا۔ اور پھر اپنے دادا پیر غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ کی مشہور کتاب ''تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' کو بڑے خوبصورت انداز میں طبع کرایا۔ اس کتاب نے علماء سے داد و تحسین وصول کی اور مکتبہ کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ مولانا ۱۹۶۸ء میں مکتبہ نبویہ کو باقاعدہ جاری کرنے کے لیے گنج بخش روڈ

پر چلے آئے۔ مکتبہ نبویہ نے آپ کے زیر اہتمام بڑی بڑی اہم کتابوں کو زیور طبع سے آراستہ کیا۔ فتاوٰی رضویہ جلد پنجم (حصہ نکاح)، تکمیل الایمان، مرج البحرین، اولیاء چشت، اولیاء سہرورد اور پھر شواہد النبوۃ کے تراجم کے علاوہ بہت سی بلند پایہ علمی کتابیں طبع کرائیں ۱۹۷۴ء میں حج کیا۔ مولانا محمد ضیاء الدین مدنی اور علماء حرمین شریفین نے آپ کی نظریاتی خدمات کو بڑے اچھے انداز میں سراہا۔

آپ انتھک کام کرنے والے خاموش خادم دین اور مخلص ناشر کی حیثیت سے سنی ادب کو خوبصورت انداز میں پھیلانے میں کوشاں رہے۔ اور اس سلسلہ میں دوسرے سنی مطابع کو اچھی کتاب شائع کرنے پر آمادہ کرتے رہے۔ ان کی اس کوشش نے سنی مطابع کو اچھی کتابیں چھاپنے اور سنی قارئین کو دیدہ زیب کتابوں کے انتخاب کرنے کا ذوق بخشا۔[۸۲]

۳۲......حضرت صوفی حاجی فضل احمد، موہنی روڈ لاہور:

شیخ الطریقت حضرت حاجی فضل احمد لاہور میں اولیاء اللہ کے نقشبندی مجددی سلسلہ کی اس شاخ کے پھول تھے جو حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ سے ان کے خلیفہ حضرت صاحبزادہ حافظ محمد (بیربل شریف) کے واسطہ سے پھوٹی۔

آپ ۱۹۰۶ء میں قصبہ نور پور تھل ضلع خوشاب کے علمی اور دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔[۸۳] آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میاں ملوک علی ہے۔ طبیعت کی ازلی سلامتی اور گھر کے دینی ماحول نے مل کر سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ خود بیان فرماتے ہیں:

> ''میں نے آٹھ برس کی عمر میں نماز تہجد شروع کی اور الحمد للہ آخر دم تک کوئی نماز قضا نہیں ہوئی''

آپ نے ابتدائی تعلیم مقامی طور پر حاصل کی۔ قرآن حکیم حافظ نامدار صاحب اور اپنے رشتہ کے تایا بزرگوار حضرت مولانا میاں جی حافظ میاں محمد سے پڑھا۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے:

> ''میری طبیعت الحمد للہ! تصوف کے لیے موزوں تھی۔ چھے سات ماہ میں قرآن ختم کر لیا تھا اور بچپن ہی میں پختہ نمازی ہو گیا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ بچپن میں میری کوئی نماز قضاء ہوئی ہو اور میں عموماً مسجد میں رہا کرتا تھا''[۸۴]

ابتدائی درسی تعلیم کے بعد نور پور تھل میں ہی کچھ عرصہ مدرس رہے۔ پھر کبیر والا ملتان چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ کسب وطلب کے بعد لاہور تشریف لے آئے اور اچھرہ کے مشہور مدرسہ فتحیہ میں رہ کر درس نظامی کی تکمیل کی۔ ازاں بعد پنجاب یونیورسٹی اورنٹیل کالج سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات اعزازی حیثیت سے پاس کیے۔ جن نامور اساتذہ کے آگے آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں حضرت مولانا پروفیسر کریم بخش، مولانا ابو محمد احمد، مفتی عبداللہ ٹونکی کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ بعد میں سینٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے او۔ ٹی کی تربیت حاصل کی۔

اس کے بعد انجمن حمایت اسلام لاہور کے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں استاذ السنہء شرقیہ مقرر ہوے۔ کچھ عرصہ ھائی اسکول شیرانوالہ گیٹ میں تعینات رہے۔ پھر وطن اسلامیہ ہائی اسکول برانڈرتھ روڈ میں تبدیل ہو گئے اور وہیں سے ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہوے۔ ان تعلیمی اداروں میں آپ سے استفادہ کرنے والوں میں نامور علماء وادبا، سیاستدان اور دانشور حضرات شامل ہیں۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے مسند وعظ وارشاد کو بھی زینت بخشی اور جامع مسجد نور بیرون موری گیٹ لاہور میں خطبہ جمعہ دینے لگے۔ یہ سلسلہ بغیر کسی معاوضہ کے عرصہ ۳۷ رسال تک جاری رہا۔ اور اس وقت ختم ہوا جب آپ نے موہنی روڈ پر اپنی رہائش گاہ کے قریب ہی اپنے پیر ومرشد کے نام پر مسجد عمر تعمیر کرائی اور وہاں خطبہ جمعہ شروع کیا گیا۔ آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ پڑھنے اور آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہونے کے لیے دور دراز سے لوگ حاضر ہوا کرتے تھے۔ جن میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ممتاز ترین افراد ہوتے تھے۔

آثار سعادت اور انوار ولایت بچپن ہی سے آپ کے وجود باجود میں جلوہ گر تھے۔ اور آتش عشق حقیقی شروع ہی سے دل کو گرما رہی تھی۔ آپ تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ ساتھ تزکیہء باطن کے لیے بھی مختلف ارباب فن اور مشائخ طریقت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ آپ بہت چھوٹی سی عمر میں نقشبندیہ سلسلہ کے نامور بزرگ حضرت خواجہ غلام حسن سواگ (لیہ) کے دامن ارادت سے وابستہ ہو گئے۔ حضرت پیر سواگ علیہ الرحمۃ بہت بڑے صاحب جذب اور قوی الاثر بزرگ تھے۔ آپ کی حاجی صاحب کے حال پر خصوصی نظر کرم تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ہی فیضان نظر نے آپ کو آداب محبت میں راسخ کیا تھا۔ آپ کی استعداد باطنی کے فطری جوہر نکھارنے اور انھیں جلا بخشنے میں اہم کردار ادا کیا تھا جس کے نتیجے میں آپ کے دینی ذوق وشوق میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اسی اثناء میں آپ اپنے مرشد اول کی توجہ سے بے سروسامانی کے عالم میں ۱۹۳۷ء مین حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہء رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہرہ ور ہوے۔ واپسی پر ملتان کے ریلوے اسٹیشن پر حضرت پیر سواگ بنفس نفیس استقبال کے لیے جلوہ گر ہوے۔

یہ تعلق روز بروز بڑھ رہا تھا ابھی آپ مراحل سلوک کی تکمیل نہیں کر پائے تھے کہ اچانک حضرت پیر سواگ وصال فرما گئے۔ طبیعت سلیم اور استعداد بلند ہو تو یوں بہت کمی سی محسوس ہوتی ہے۔ ورنہ عمر بھر آدمی جہالت ومحرومی کی ظلمتوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے۔

حاجی صاحب ان ہر دو صفت سے پوری طرح متصف تھے۔ چنانچہ پیر سواگ کے وصال کے بعد آپ کسی مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے۔ اسی اثناء میں آپ کی ملاقات نقشبندیہ سلسلہ کے ممتاز بزرگ حضرت احمد گل صاحب سے ہوئی جو پہاڑ پور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے پہلی ملاقات میں ہی عنایتوں کی بارش کردی۔[۸۵] حاجی صاحب فرماتے ہیں:

> ''پیر صاحب نے چند اصطلاحات فقر بتلاکر فرمایا کہ تمہیں ولایت صغریٰ کی اجازت ہے...... پھر تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد بعض دوسری اصطلاحات نقشبندی سلسلے کی بیان فرمائیں اور سمجھانے کے بعد فرمایا تمہیں ولایت کبریٰ کی بھی اجازت ہے''[۸۶]

کچھ عرصہ کے بعد جن دنوں آپ کا قیام تاج پورہ لاہور میں تھا۔ ضلع ہوشیار پور کے ایک شخص شادی خان کے گھران کے پیر سائیں ہیرے شاہ تشریف لائے۔ چشتی سلسلے کے یہ مرد کامل قطب زماں حضرت میاں محمد خان بسی شریف والوں کے خلیفہء مجاز تھے، کے ساتھ مراسم محبت قایم ہوے۔ لیکن بیعت نہ ہوے۔

آپ کا دامن طلب ابھی گوہر مراد سے خالی تھا۔ بالآخر توفیق ایزدی شامل حال ہوئی اور آپ کی رسائی ایک ہستی تک ہوگئی جو شریعت وطریقت کا مجمع البحرین اور علوم قدیمہ وجدیدہ کا حسین سنگم تھی۔ ہماری مراد ترجمان حقیقت شیخ الطریقت صاحبزادہ محمد عمر (بیربل ضلع سرگودھا) سے ہے۔ جو خانقاہ بیربل شریف کے مسند نشین، سید الاولیاء حضرت اعلیٰ خواجہ غلام مرتضیٰ علیہ الرحمۃ کے نبیرہء معظم اور قطب زماں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ کے خلیفہء مجاز تھے۔ آپ سے حاجی صاحب کی ملاقات ۱۹۴۱ء میں شرق پور

شریف میں حضرت میاں صاحب کے سالانہ عرس کے موقع پر ہوئی۔ مرید و مراد اس تپاک سے ملے کہ "آمد آں یارے کہ ما می خواستیم" کی یاد تازہ ہو گئی۔ اس کے بعد محبت و شفقت کا یہ سلسلہ کچھ اس طرح سے قایم ہوا کہ زندگی بھر اس کی گرم جوشی میں ایک لمحہ کے لیے کمی نہیں آئی۔ قدرت کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا کہ:

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

حاجی صاحب کو اپنے مرشد برحق کے ساتھ محبت عشق کی حد تک تھی۔ فقیر و درویشی کے عالم میں بھی آپ نے اس وارفتگی کے ساتھ پیر و مرشد کی خدمت کی کہ اپنے تمام ساتھیوں اور برادران طریقت سے اس سلسلے میں سبقت لے گئے۔ ایک دن وہ بھی آیا کہ اسی خدمت کے باعث مخدومیت کا تاج بھی آپ کے سر پر سجایا گیا اور مرشد کریم نے کامل تربیت و تزکیہ کے بعد آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا۔

"انقلاب الحقیقت" میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ کا یہ ملفوظ درج ہے کہ:

"مرید صادق وہ ہے جو مرشد کامل پر اپنا جان و مال نثار کر دے"

حقیقت یہ ہے کہ اس کا عملی مظہر ہم نے حاجی صاحب کی ذات بابرکات کو ہی دیکھا۔ فقر و درویشی کے باوجود جو کچھ ہاتھ لگتا حضور کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیتے۔ اور آپ کے آرام و راحت کا پورا پورا خیال رکھتے۔ سفر و حضر میں مرشد گرامی کی رفاقت و معیت کا جس قدر شرف آپ کو حاصل ہوا ہے بہت کم کسی دوسرے کے حصہ میں آیا۔ فرماتے ہیں کہ حج تو میں نے اس سے پہلے بھی کیا ہے لیکن اس مرتبہ کا حج کا لطف کچھ اور ہی تھا، اور مرشد محترم کی برکت سے وہ کچھ دیکھنا نصیب ہوا جس کی آرزو معراج انسانیت ہے۔

نہ پوچھو ہم کہاں پہنچے اور ان آنکھوں نے کیا دیکھا
جہاں پہنچے وہاں پہنچے ، جو دیکھا دل کے اندر ہے

ممتاز عالم دین اور نامور محقق مولانا عبدالصمد صارم الازہری (مصنف کتب کثیرہ، استاد ادبیات عربی اورنیٹل کالج، لاہور) اپنے مضمون "پیر روشن ضمیر" میں لکھتے ہیں:

> "بات سے بات یاد آتی ہے کہ کتابوں میں پڑھا کرتا تھا کہ فنا فی الشیخ۔ مگر اس کا صحیح مفہوم تب ہی لوح دماغ پر مرتسم ہوا جب حاجی فضل احمد صاحب کو حضرت صاحب کی خدمت میں دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ لیلیٰ مجنوں ہیں یا ایک جان اور دو قالب۔ وہ کس محبت سے

> حضرت صاحب کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں تھامے رہتے تھے اور ہائے ہائے کرتے رہتے تھے۔ جیسے کوئی عاشق زار بڑی تمناؤں کے بعد اپنے معشوق سے بڑی مدت کے بعد ملا ہو۔ وہ سراپا نیاز نظر آتے تھے اور انھیں دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ حاجی صاحب بڑے بزرگ، سنجیدہ عالم اور صاف ستھرے بے تعصب خیالات کے مالک ہیں جیسے ان کے پیر صاحب تھے“
>
> (سلسبیل، شیخ الطریقت نمبر، شمارہ اگست ستمبر ۱۹۶۸ء)

مرشد عالی مقام کو آپ کے علم و فضل اور تحریر و تقریر پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب ۱۹۶۱ء میں ادارہ تصوف کی داغ بیل ڈالی گئی تو حاجی صاحب کو ہی اس کا پہلا صدر نامزد کیا گیا۔ بعد میں جب ادارہ کے زیر اہتمام رسالہ ”سلسبیل“ کا اجراء ہوا تو آپ ہی اس کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوے۔ بطور مدیر سلسبیل کا جو اداریہ ”گفتنی“ کے نام سے لکھتے رہے وہ علمی و دینی حلقوں میں بے حد مقبول ہوا۔ خود مرشد ارشد بھی گفتنی پر داد تحسین دیتے۔

حاجی صاحب فی الواقع ایک جید عالم دین، بلند پایہ مفسر قرآن، عالی مرتبت شیخ طریقت، صاحب طرز ادیب اور اثر آفریں خطیب تھے۔ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضری دینے والوں اور آپ کی تقریر و تحریر سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے ان میں متعدد جید اصحاب علم و فضل اور ارباب دانش و بینش کے ساتھ ساتھ زعماء اور اکابر قوم آپ کی خدمت میں ادب و نیاز مندی سے حاضری دیتے رہے ہیں۔ جن میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر عبدالغنی ملک، ڈاکٹر دل محمد قریشی، ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان، ڈاکٹر محمد یوسف چوہدری مظفر حسین، مولانا عبد الصارم الازہری، حکیم سید امین الدین احمد، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، قاضی محمد حمید فضلی، مولانا عبدالستار خان نیازی، جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، جسٹس سعید الرحمٰن، ڈاکٹر رانا سعید الزمان، جناب سید سرمد مقصود الحسینی، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، جناب ایم۔ اے لون، جناب محمد اقبال خان سنبل، جناب بریگیڈئر ڈاکٹر محمد ظفر خان، پروفیسر محمد اکبر خان سنبل، محمد حیات اللہ خان سنبل کے علاوہ نوائے وقت کے جناب عابد نظامی اور جناب عارف نظامی بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات کو گرامی مرتبت حضرت قبلہ حاجی صاحب کی دست بوسی کرتے بھی دیکھا ہے۔ ڈاکٹر

اگلے دن مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا عبدالستار خان نیازی نے مسجد عمر میں خطبہ جمعۃ المبارک دیا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ مسجد عمر میں ملحق مدرسۃ القرآن کے صحن میں یہ امانت الٰہی ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں اس خاک پاک کے سپرد کردی گئی جو ازل سے اس کی آخری آرام گاہ قرار پائی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔[۸۷]

نیازی صاحب رات گئے تدفین تک وہیں رہے اور دعائے مغفرت کروائی اور فرمایا کہ میں نے آج تک ایسا خوبصورت ولی اللہ نہیں دیکھا۔[۸۸]

آپ کی اعتراف خدمت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں مولوی صاحب لاہور والوں نے پیر بنایا ہے ورنہ ہمیں کون جانتا تھا۔ اس لحاظ سے آپ کا یہ ملفوظ اپنے اندر ایک بڑی حقیقت رکھتا ہے کہ جس طرح حضور قبلہ عالم کی طبع مبارک میں اخفاء اور نمود و نمائش اور ریاکاری سے نفرت تھی اگر حضرت قبلہ حاجی صاحب کا تعلق آپ سے نہ ہوتا تو اس عرصے میں جو کچھ حضور قبلہ عالم کے مقام اور مرتبے کا اظہار ہوا وہ بھی نہ ہوتا۔

ایک بار حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ مولوی صاحب لاہور والے ہمارے پاس بھرے بھرے آئے تھے یعنی بہت کچھ پہلے ان میں موجود تھا، ہمیں کم محنت کرنی پڑی۔۔ اسی طرح ایک خطبہ کے دوران رسول اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعلق اور محبت کی مثال دیتے ہوئے، فرمایا:

> "یہ ایسے ہی معاملہ تھا کہ جیسے میرے اور مولوی صاحب لاہور والوں کے درمیان ہے"

اس طرح گویا حضور قبلہ عالم نے حضرت قبلہ حاجی صاحب کو صدیقیت کے مرتبے پر خود سرفراز فرمایا۔ یہ ایک عظیم اعزاز تھا جو صرف قبلہ حاجی صاحب کے حصے میں آیا۔[۸۹]

۳۳......مناظر اسلام صوفی محمد اللہ دتہ، وسن پورہ لاہور:

عام طور پر یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو مناظر ہو وہ صوفی نہیں ہوتا اور جو صوفی ہو وہ مناظر نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ ان دونوں کمالات کے اندر فطری طور پر ایک فرق موجود ہوتا ہے لیکن پروردگار عالم نے حضرت صوفی محمد اللہ دتہ میں ان دونوں خوبیوں کو جمع کردیا۔ آپ جہاں فطری طور پر مناظر اسلام تھے وہاں طبعاً صوفی باصفا بھی تھے۔۔۔

محمد رفیع الدین مرحوم ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی پاکستان (جن کا شمار وطن عزیز کے ممتاز ترین محققین اور ماہرین تعلیم میں ہوتا ہے) مشہور دانشور و ادیب اور مفکر چوہدری مظفر حسین کے ہمراہ کئی مرتبہ حاضر خدمت ہوئے۔ پہلی مرتبہ حاجی صاحب کو دیکھا اور ان سے تبادلہ خیال کیا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ آپ بلاشبہ عصر حاضر کے مایہ ناز فلسفی صوفی ہیں۔ جو کچھ ہم دماغ سے سوچتے ہیں، یہ دل سے محسوس کر لیتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب نے سلسبیل کی ادارت کے علاوہ متعدد گراں قدر مقالات بھی لکھے اور کئی کتب تصانیف کیں۔ ''انوار الہدیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ'' علیہ التحیۃ والثناء آپ کے قلم کا شاہکار ہے۔ جس کی ملک کے ممتاز اہل علم وقلم کی طرف سے زبردست پذیرائی کی گئی۔

حضرت حاجی صاحب بلاشبہ اپنے مرشد اکمل کے مرید اصدق اور خلیفہ اعظم تھے۔ آپ شریعت و طریقت اور علم و عرفان میں اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے۔ عصر حاضر میں اسلام کے عظیم مبلغ اور تصوف اسلامی کے ممتاز شارح اور ترجمان کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ نے تصوف کے خلاف بعض معاصر اسلامی تحریکوں کی طرف سے پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا مضبوط علمی دلائل کے ساتھ محاسبہ کیا۔ آپ فقر و تصوف کو جان اسلام قرار دیتے تھے اور تبلیغ و دعوت اسلام کے سلسلے میں صوفیہ کرام کی خدمات جلیلہ کو قابل قدر اور لائق رشک سمجھتے تھے۔

حضرت حاجی صاحب کا عمل ان کے قول کا آئینہ دار تھا۔ آپ نے ایک فقیر گوشہ گیر کی بجائے علمی و عملی زندگی گزاری اور اپنے مرشد ارشد کے شانہ بشانہ تمام اہم قومی و دینی تحریکات میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ تحریک پاکستان کے پُرجوش حامیوں میں سے تھے اور ایک ایسے علاقے میں جو کہ کیمونسٹوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا بلاخوف لومۃ لائم اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ سرانجام دیا۔ اور قیام پاکستان کے بعد اصلاح احوال کی ہر جدوجہد میں ساتھ دیا۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء اور تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء میں آپ کے محررہ اداریوں نے بالخصوص روحانی حلقے میں ذہن سازی کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے آخر دم تک مرشد کامل کی جلائی ہوئی شمع علم و عرفان کو فروزاں رکھا۔ بالآخر خلوت وجلوت میں اور تحریر و تقریر کے ذریعے اللہ کے راستے کی طرف دعوت دینے والا یہ عظیم مرد حق بروز جمعۃ المبارک ۱۴ رجمادی الاول ۱۴۱۲ھ/ ۲۲ رنومبر ۱۹۹۱ء کو بعد نصف شب واصل بحق ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

صوفی اللہ دتہ علیہ الرحمۃ کو بفضلہٖ تعالیٰ یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں تھا۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ وہ اپنے خداداد علم کے مطابق عمل کرتے اور ان کا ہر عمل محض رضائے الٰہی کے لیے ہوتا تھا۔ اتباع رسول کی منہ بولتی تصویر، اکابر کے نقش قدم پر چلنے کا نادر نمونہ اور سنت رسول کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔۔۔ حق و صداقت کو بیان کرنے سے کوئی خطرہ انھیں روک نہیں سکتا تھا۔ اس سلسلے میں غیروں کی مخالفت تو رہی ایک طرف وہ اپنوں کی ناراضگی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ محترم صوفی صاحب کی تقریر ہو یا تحریر وہ احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے تھی۔[۹۰]

خاندانی پس منظر:

حضرت مولانا صوفی محمد اللہ دتہ نسباً آرائیں، مسلکاً حنفی مشرباً نقشبندی مجددی مولداً لدھیانوی تھے۔ آپ کے والد ماجد میاں مہر الدین ہندوستان کے مشہور شہر لدھیانہ محلہ چھاؤنی کے خوشحال اور متوسط آرائیں خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کی ولادت ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۲۹ء میں لدھیانہ محلہ چھاؤنی میں ہوئی۔ میٹرک تک تعلیم آریہ ہائی اسکول لدھیانہ میں حاصل کی۔ پھر دینی تعلیم کے حصول کے لیے اپنے شیخ طریقت کے حکم سے حضرت مولانا مہر محمد خان ہمدم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں چھانگا مانگا حاضر ہوئے۔ مولانا ہمدم سے ابتدائی دینی کتب پڑھیں بعد ازاں دینی علوم کی تکمیل کے لیے جامعہ نعیمیہ، لاہور میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ کو وقت کے خلیق و شفیق اساتذہ کرام سے استفادہ کا موقع ملا۔ ان میں فقیہ عصر مفتی محمد اعجاز ولی خان قادری، علامہ قاضی محمد عبد النبی کوکب، استاذ القراء قاری محمد یوسف صدیقی اور مفتی محمد حسین نعیمی کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔

فن مناظرہ کی تربیت:

صوفی صاحب نے فن مناظرہ کی تعلیم پاک و ہند کے مشہور عالم دین اور شہرۂ آفاق مناظر حضرت علامہ مولانا محمد عمر اچھروی علیہ الرحمۃ سے حاصل کی۔ صوفی صاحب کو استاذ مکرم کے معتمد علیہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ صوفی صاحب اور حاجی محمد یوسف نگینہ کے سوا مولانا اچھروی کے کتب خانے میں جانے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔

آغاز خطابت:

دینی علوم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد استاد گرامی مفتی محمد حسین نعیمی کے حکم سے آپ نے خطابت کا آغاز جامع مسجد حنفیہ غوثیہ آرائے بازار سے کیا۔ پھر کچھ عرصہ جامع مسجد مزنگ بازار میں بھی خطابت فرمائی۔

۱۹۵۸ء میں جامع مسجد حنفیہ وسن پورہ، لاہور میں تشریف لے آئے۔ تادم مرگ اسی مسجد میں امام و خطیب رہے۔ صوفی صاحب تقریباً ۲۸ برس تک وسن پورہ میں رشد وہدایت کا سرچشمہ بنے رہے۔ آپ کی خدمات نے جو اثرات چھوڑے وہ ایک کرامت سے کم نہیں۔ آپ نے ہزاروں طالبان علم ویقین کی ایمانی وعملی اصلاح فرمائی۔ جہالت، بدعقیدگی، لادینیت اور بے راہ روی کی پستی میں گرے ہوئے بے شمار انسانوں کو سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شیدائی بنایا۔ خوش نما پردوں میں چھپے ہوئے دینی راہزنوں اور فتنوں کی نشاندہی، ان کی اعتقادی وعملی خرابیاں اور ان کے موذی اثرات سے بچاؤ آپ کی تعلیمات کے خاص موضوعات تھے۔ آپ کا سارا زور بیان اولاً عقائد کی درستگی پر تھا۔ اعمال کی درستی کی حیثیت ثانوی تھی۔

معاشی مشاغل:

آپ کے والد گرامی چونکہ تجارت پیشہ تھے اس لیے تعلیم کے بعد ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ علاوہ ازیں کچھ عرصہ محکمہ ٹیلی فون میں ملازم رہے۔ ہجرت کے بعد قلعہ دیدار سنگھ کے قریب والد محترم کے ساتھ کاشتکاری کرتے رہے۔

پاکستان ہجرت:

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان پر اپنے خاندان کے ہمراہ پاکستان تشریف لائے۔ قصبہ قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ کے قریب موضع ڈیوڑھی وڑائچ میں سکونت اختیار فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد ضلع شیخوپورہ میں تشریف فرما ہوئے۔

میلان طبع:

بچپن ہی سے خاموش طبع اور متین تھے، اولیائے کرام سے خصوصی لگاؤ اور محبت کے باعث دہلی، متھرا،

سرہند شریف واجمیر شریف پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

ضلع شیخوپورہ میں شہر کے مشہور خطیب اور جید عالم دین مفتی عبدالمجید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مفتی صاحب نے نگاہ ولایت سے آپ کے میلان طبع کے باعث اپنے پاس رکھ لیا۔ یہیں آپ کو حاجی محمد اکبر کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

بیعت وارادت:

حاجی محمد اکبر صاحب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم بزرگ تھے۔ آپ عرصہ دراز تک امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے آستانہ عالیہ سرہند شریف کے کلید بردار رہے تھے۔ مفتی عبدالمجید صاحب کے ہاں حاجی صاحب کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا تو صوفی صاحب کی قلبی کیفیات یکسر بدل گئیں۔ صوفی صاحب نے دیکھتے ہی دیکھتے شیخ طریقت کا لباس واطوار اختیار کر کے صوفی کا لقب پایا۔

ایک شام مفتی صاحب نے حاجی صاحب کے حضور صوفی صاحب کو بیعت کرنے کی سفارش کی۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ ”بیعت کیا ہے تو ایسی حالت ہے“ پیرومرشد حاجی محمد اکبر صاحب کی خدمت میں مسلسل ساڑھے تین سال رہے۔ شیخ طریقت کا آستانہء عالیہ ہنجروال ملتان روڈ پر واقع ہے۔

درس قرآن:

صوفی صاحب جامع مسجد حنفیہ وسن پورہ میں روزانہ فجر کی نماز کے بعد درس قرآن دیا کرتے تھے۔ چھبیس سال تک درس قرآن کو عقیدت مندوں نے آٹھ سو کیسٹوں میں محفوظ کیا۔

وفات:

گردوں کے دیرینہ عارضے کے باعث ضعف کا غلبہ ہو چکا تھا۔ ۲۵ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۱۵ر جون ۱۹۸۵ء شب گیارہ بج کر پینتیس منٹ پر کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔ آپ کی عمر ۵۶ برس تھی۔ جنازے میں ایک جم غفیر تھا۔ آپ کی تدفین جامع مسجد حنفیہ المعروف صوفی صاحب والی مسجد وسن پورہ لاہور کے صحن سے متصل جگہ پر ہوئی۔ احقر نے آپ کے مزار پُرانوار کی زیارت کی ہے۔

اولاد وامجاد:

آپ کی اولاد میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی عالم شیر خوارگی میں انتقال کر

گئے۔ بڑے صاحبزادے محمد اکبر مدرسہ عالیہ بھکی شریف ضلع گجرات سے فارغ التحصیل ہیں۔ چھوٹے صاحبزادے محمد عمر زیر تعلیم ہیں۔

رشتۂ قرطاس وقلم:

دائمی مریض رہنے کے باوجود نے آپ نے متعدد تحقیقی کتابیں لکھیں۔ ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء میں بغرض ترویج واشاعت ادارہ اشاعت العلوم قائم کیا۔

آثار علمیہ:

۱......الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام
۲......تنویر الخواطر بتحقیق الخاطر والناظر
۳......تحسین الخواطر
۴......بھیڑ نما بھیڑیے
۵......امت وہابیہ کی بدحواسی
۶......دستور جماعت اسلامی کا تنقیدی جائزہ
۷......دین اسلام کے خدوخال
۸......کتاب الولایت
۹......تنبیہ الاغبیاء فی کمالات اولیاء
۱۰......نبی الانبیا چودھویں صدی کے ایک سیاسی لیڈر کی نظر میں
۱۱......اسلام کے بدترین دشمن
۱۲......حدیث مجدد اور مودودی صاحب
۱۳......سواد اعظم اور ابن سبیل مکی
۱۴......علمائے اہل سنت کی نظر میں یزید
۱۵......مروجہ حسنات
۱۶......کاشف کید الثعلب فی ایمان ابی طالب
۱۷......الرد علی الغبی فی ظہور الامام المہدی

۱۸......دفع الاشتباہ عن قول نظام الدین اولیاء

۱۹......ایقاظ الافہام

۲۰......القول السدید فی لبس الصفر والرصاص والحدید

اشتہارات:

۱......اذان سے قبل تعوذ وتسمیہ وصلوٰۃ وسلام مسنون ومشروع ہے

۲......وہابیان پاکستان اور فتاوٰی عالمگیری

۳......ابن عبدالوہاب کی تمام ذریت کو چیلنج

۴......پاکستان کی سربراہی کا خواب دیکھنے والے انسانو!

۵......ملک وملت کے دشمن گستاخ وہابیو! تمہارا چیلنج ہمیں قبول ہے۔[۹۱]

☆......☆......☆

حواشی:

۱......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۔۲۱ ملخصاً

۲......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۱۲۷۔۱۳۰ ملخصاً

۳......ایضاً، ص ۳۷۲

۴......ایضاً، ص ۱۳۰

۵......ایضاً، ص ۳۷۳

۶......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: پنجاب کی نقشبندی خانقاہوں پر ایک طائرانہ نظر، مشمولہ جہان امام ربانی، جلد ۶، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء

۷......محمد الدین فوق، منشی: یادرفتگاں، مطبوعہ لاہور

۸......محمد الدین فوق، منشی: مآثر لاہور، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء

۹......غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاولیاء، مطبوعہ لاہور

۱۰......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء

۱۱......اخلاق احمد، میاں: تذکرہ حضرت ایشاں، مطبوعہ شاد باغ لاہور

۱۲......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: پنجاب کی نقشبندی خانقاہوں پر ایک طائرانہ نظر، مشمولہ جہان امام ربانی، جلد ۶، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء

۱۳......اصطلاح تصوف میں اویسی اسے کہتے ہیں جس نے کسی بزرگ کی وفات کے بعد اس کی روح سے فیض پایا ہو۔ (طاہر)

۱۴......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۲۸۹، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۱۵......محمد لطیف ملک: اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

۱۶......غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ لاہور

۱۷......غلام دستگیر نامی، مولانا پیر سید: بزرگان لاہور، مطبوعہ لاہور

۱۸......ایضاً

۱۹......ایضاً

۲۰......اخلاق احمد، میاں: تذکرہ حضرت ایشاں، مطبوعہ شاد باغ لاہور

۲۱......رسالہ نقوش لاہور نمبر، لاہور، ص ۴۹۸

۲۲......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۲۳......محمد الدین فوق، منشی: تذکرہ علمائے لاہور، مطبوعہ لاہور

۲۴......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۲۵......غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ لاہور

۲۶......غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاصفیاء، مطبوعہ لاہور

۲۷......غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ لاہور

۲۸......محمد لطیف، ملک: اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

۲۹......غلام سرور لاہوری، مفتی: مآثر لاہور، مطبوعہ لاہور

۳۰......محمد لطیف، ملک: اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

۳۱......غلام دستگیر نامی، مولانا پیر: بزرگان لاہور، مطبوعہ لاہور

۳۲......نور احمد چشتی، مولوی: تحقیقات چشتی، مطبوعہ لاہور

۳۳......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۳۴......غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاصفیاء، مطبوعہ لاہور

۳۵......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۳۶......غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ لاہور

۳۷......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۳۸......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۳۹......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۴۰......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۴۱......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۴۲......محمد صادق قصوری: تکملہ پنجاب کی نقشبندی خانقاہیں، مشمولہ جہان امام ربانی، جلد ۶، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء

۴۳......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۴۴......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۴۵......عالم فقری، علامہ: تذکرہ ادلیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۴۶......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۴۷......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۴۸......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۴۹......محمد صادق قصوری: تکملہ پنجاب کی نقشبندی خانقاہیں، مشمولہ جہان امام ربانی، جلد ۶، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۵ء

۵۰......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۵۱......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت وجماعت لاہور، ص ۲۹۰_۲۹۵ ملخصاً

۵۲......نذیر احمد، میاں: وصیت نامہ حضرت مہر محمد صوبہ

۵۳......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۵۴......ریاض احمد، مرزا: نجم الہدیٰ، مطبوعہ لاہور، اشاعت دوم ۲۰۰۳ء

۵۵......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۵۶......ریاض احمد، مرزا: نجم الہدیٰ، مطبوعہ لاہور، اشاعت دوم ۲۰۰۳ء

۵۷......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۵۸......ریاض احمد، مرزا: نجم الہدیٰ، مطبوعہ لاہور، اشاعت دوم ۲۰۰۳ء

۵۹......ایضاً

۶۰......ایضاً

۶۱......ایضاً

۶۲......ریاض احمد، مرزا: نجم الہدیٰ، مطبوعہ لاہور، اشاعت دوم ۲۰۰۳ء

۶۳......عالم فقری، علامہ: تذکرہ اولیاء لاہور، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۶۴......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۳۸۶۔۳۸۷

۶۵......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۳۰۴

۶۶......محمد حسین بدر، حکیم: سات ستارے، ص ۹۶ مطبوعہ لاہور جمادی الاول ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۶۷......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۳۰۵

۶۸......محمد حسین بدر، حکیم: سات ستارے، ص ۹۷ مطبوعہ لاہور جمادی الاول ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۶۹......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۳۰۵

۷۰......محمد حسین بدر، حکیم: سات ستارے، ص ۹۷ مطبوعہ لاہور جمادی الاول ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۷۱......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۳۰۵

۷۲......محمد حسین بدر، حکیم: سات ستارے، ص ۹۷ مطبوعہ لاہور جمادی الاول ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۷۳......محمد حسین بدر، حکیم: سات ستارے، ص ۱۰۱، مطبوعہ لاہور جمادی الاول ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۷۴......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۳۰۸

۷۵......محمد حسین بدر، حکیم: سات ستارے، ص ۱۰۴، مطبوعہ لاہور جمادی الاول ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۷۶......اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۳۱۰

۷۷۔۔۔۔۔محمد رفیق مسعودی، پروفیسر حافظ قاری: خودنوشتہ سوانحی مقالہ مشمولہ خلفائے مسعودی، مرتبہ محمد عبدالستار طاہر

۷۸۔۔۔۔۔ایضاً

۷۹۔۔۔۔۔محمد عبدالستار طاہر: خلفائے مظہری، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۴ء

۸۰۔۔۔۔۔محمد عبدالستار طاہر: خلفائے مظہری، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۴ء

۸۱۔۔۔۔۔ایضاً

۸۲۔۔۔۔۔اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علماء اہل سنت وجماعت لاہور، ص ۳۵۳۔۳۵۴

۸۳۔۔۔۔۔محمد اسلم، پروفیسر: شیخ الطریقت حضرت حاجی فضل احمد، مشمولہ ماہنامہ سلسبیل لاہور شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰۲ء حضرت حاجی فضل احمد نمبر

۸۴۔۔۔۔۔فضل احمد، حاجی: میرا روحانی سفر، مشمولہ ماہنامہ سلسبیل لاہور شمارہ نمبر نومبر دسمبر ۲۰۰۲ء

۸۵۔۔۔۔۔محمد طفیل سالک، ڈاکٹر: پیر طریقت حضرت مولانا حاجی فضل احمد، ماہنامہ سلسبیل لاہور شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰۲ء حضرت حاجی فضل احمد نمبر

۸۶۔۔۔۔۔فضل احمد، حاجی: میرا روحانی سفر، مشمولہ ماہنامہ سلسبیل لاہور شمارہ نمبر نومبر دسمبر ۲۰۰۲ء

۸۷۔۔۔۔۔محمد طفیل سالک، ڈاکٹر: پیر طریقت حضرت مولانا حاجی فضل احمد، ماہنامہ سلسبیل لاہور شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰۲ء

۸۸۔۔۔۔۔مشتاق احمد، ملک: کانہ ھو، مشمولہ سلسبیل لاہور شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰۲ء

۸۹۔۔۔۔۔ایضاً

۹۰۔۔۔۔۔محمد عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری، علامہ: پیش لفظ تذکرہ رسول، مرتبہ شہزاد احمد، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۹۱۔۔۔۔۔شہزاد احمد: تذکرہ عاشق رسول، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

☆……☆……☆

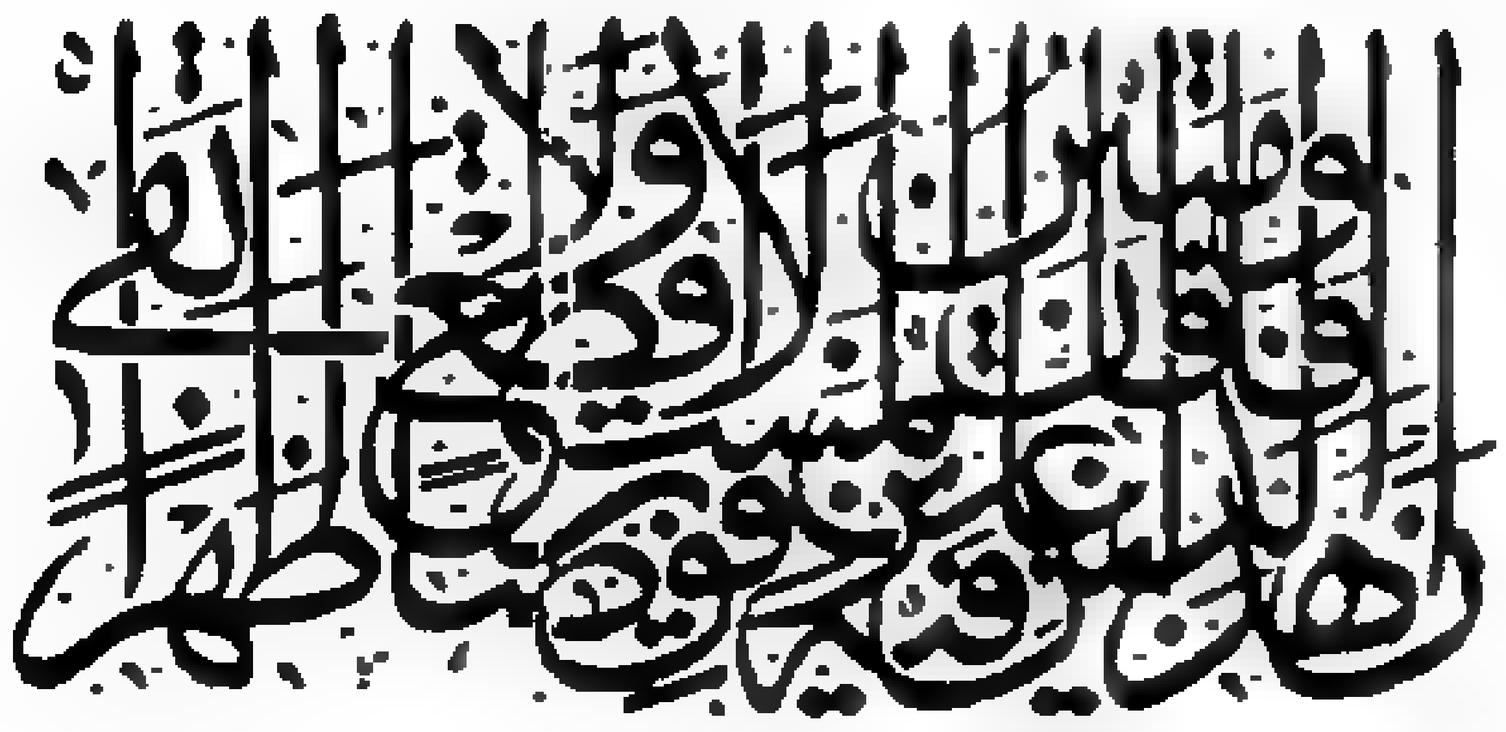

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ اور اقبال

مکتوب شمیم ہاشمی، سابق رکن پارلیمنٹ راجیا سبھا، بھارت،
بنام ڈاکٹر طارق اسلام، عم زاد سید محمد عمران نقشبندی، کراچی
(نبیرہ سید وزیر علی نقشبندی)

☆☆

محترمی و مکرمی حضرت ڈاکٹر طارق صاحب...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سلسلہ نقش بندیہ کے اور اپنے بزرگ خاندان کے اولیاء کرام کے سلسلہ میں آپ کچھ یادداشت قلمبند کر رہے ہیں، اس لیے ایک دفعہ جو ۱۹۶۲ء میں ہمیں بہار یونیورسٹی کے صدر شعبہ اردو (مظفر پور) جناب پروفیسر سید اختر قادری مرحوم ومغفور جو گیا ضلع کے رہنے والے تھے اور ایک بلند پایہ شاعر کے علاوہ سخت پابند صوم صلوٰۃ بھی تھے۔ خصوصیت سے علامہ ڈاکٹر اقبال حکیم امت کے وہ شیدائی تھے ان کا عشق اقبال کے ساتھ جنون کی حد تک تھا۔ ایک دن میں نے اُن سے دریافت کیا کیا اقبال روحانی دنیا کے بھی آدمی تھے۔ یہ لفظ ہم نے عام اصطلاح میں استعمال کیا تھا اور زندگی کے ان ابتدائی دنوں میں ہماری کوئی خاص جانکاری بھی روحانیت کے اثر واسرار کے بارے میں نہیں تھی۔ بہرحال اسوقت انہوں نے اقبال کے سلسلہ میں ایک بزرگ ہستی سے انکی وابستگی کا قصہ سنایا، چونکہ وہ بزرگ ہستی آپ کے پردادا مرحوم ومغفور حضرت سید وزیر علی نقشبندی تھے۔ لہٰذا ہم اس واقعہ کی جانکاری آپ کو تحریر کر رہے ہیں جو ہمیں پروفیسر سید اختر قادری مرحوم ومغفور نے سنائی تھی۔

اصل میں وہ اقبال کی ایک نظم سمجھا رہے تھے، یا گفتگو کر رہے تھے اس سلسلہ میں انہوں نے بتایا کہ یہ خضر جانتے ہو کون ہیں، حضرت خضر کے سلسلہ میں جو عام روایت مشہور ہے میں نے بتایا کہنے لگے اقبال

کے خضران کے مرشد حضرت سید وزیر علی صاحب تھے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ ایک رات فتن پر حضرت وزیر اقبال کو لیکر راوی کے کنارے پہنچے پھر گھنٹوں راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں، پھر مرشد کے ساتھ تہجد کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت سید وزیر علی صاحب نے اقبال کو سینے سے لگایا اور سینہ سے سینہ ملا کر دابتے رہے، اور پھر اقبال کا جتنا ظرف تھا مرشد نے ان کو اتنا عطا کیا۔ بس کل گفتگو جو آج سے ۳۸ برس قبل مظفر پور میں ایل۔ ایس۔ کالج، مظفر پور کے کمپاونڈ کے اندر بنے پروفیسروں کے کواٹرز سے انکے کواٹر میں ہم سے ہوئی تھی۔ اب اسکے معنی و مفہوم کیا ہوئے یہ تو بزرگ ہی سمجھتے ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری اہلیہ اور میرا بڑا لڑکا ریحان آپ کے والد ماجد سید شفیق الرحمٰن صاحب کے ہاتھ پر مرید ہوئے اور میرا منجھلا لڑکا روحان، چھوٹا لڑکا عمران میری بڑی منجلی بہوئیں۔ بڑی بیٹی عنبرین آپ کے ہاتھ پر مرید ہیں اس سے ایک اندازہ ہوگا کہ آپ کے خاندان سے کتنی گہری وابستگی بزرگوں سے رہی ہے۔ آپ کے والد صاحب کی بے شمار یادیں اور عقل میں نہ آنے والے واقعات جو میرے ذاتی تجربے و مشاہدے میں رہے ہیں، اگر آپ کی ان باتوں کی جانکاری کے لیے دلچسپی ہوگی تو کسی فرصت میں ان شاء اللہ تحریر میں لاؤں گا۔

☆……☆……☆

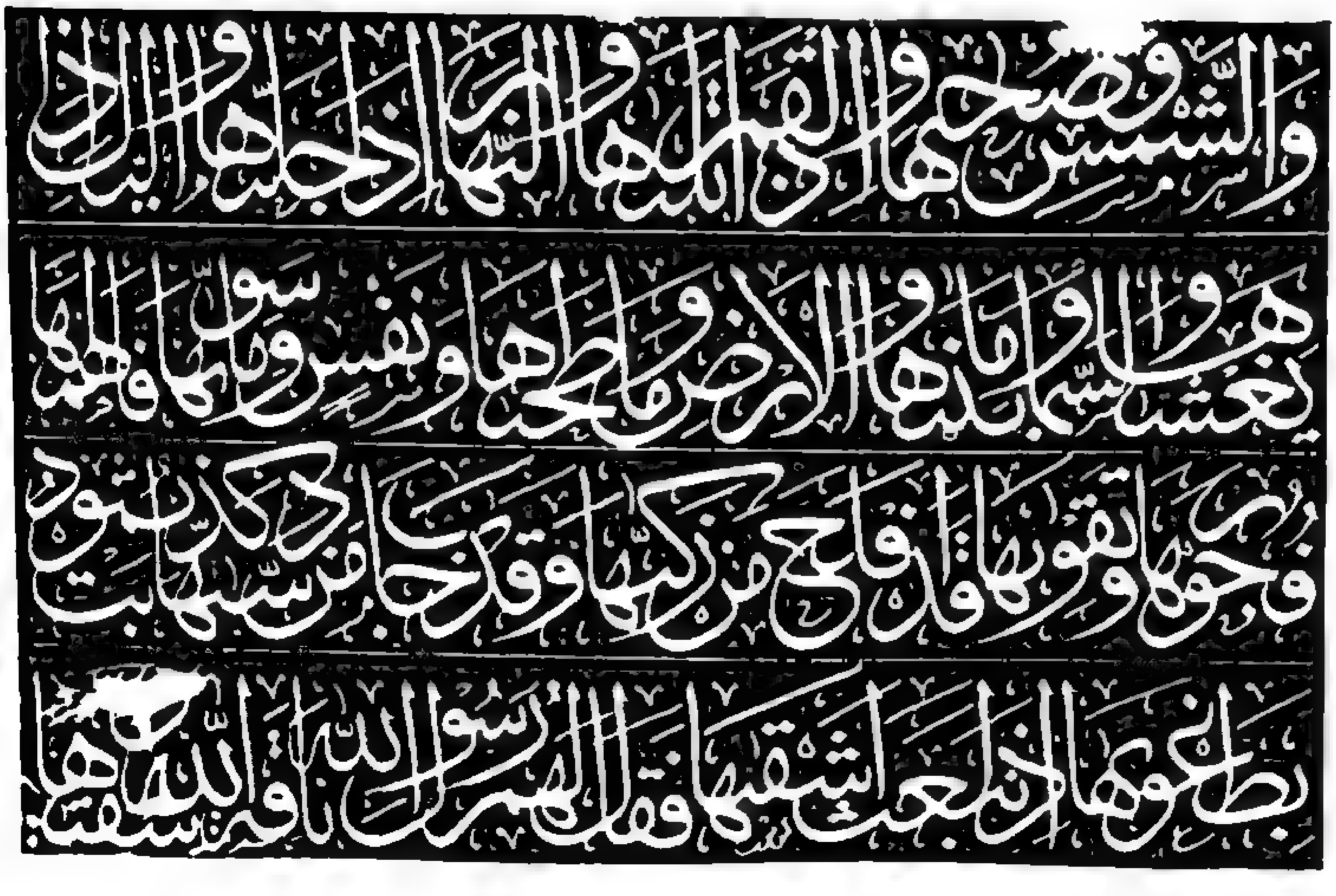
والشمس وضحىها والقمر اذا تلىها والنهار اذا جلىها والليل اذا
يغشىها والسماء وما بنىها والارض وما طحىها ونفس وما سوىها فالهمها
فجورها وتقوىها قد افلح من زكىها وقد خاب من دسىها كذبت ثمود
بطغوىها اذ انبعث اشقىها فقال لهم رسول الله ناقة الله وسقيىها

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حافظ سید وزیر علی شاہ نقشبندی

چودھری نبی احمد

☆☆

بروایت جناب شمیم ہاشمی ممبر پارلیمنٹ (راجیہ سبھا) بقول پروفیسر سید اختر قادری، اقبال کے کلام میں 'خضر' سے مراد ان کے مرشد سید وزیر علی نقشبندی مجددی تھے جو ایک بار اقبال کو راوی کے کنارے لے گئے گھنٹوں راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ تہجد کی نماز بھی ساتھ ہی پڑھی پھر سید وزیر علی نے اقبال کو سینے سے لگایا اور جوان کا حصہ تھا، عطا فرمایا...... یہ واقعہ پروفیسر اختر قادری نے شمیم اختر کو ۳۸ سال قبل مظفر پور میں سنایا۔ سید وزیر علی کے مزار پر اقبال کا یہ شعر بھی کندہ ہے۔

تیری لحد کی زیارت، ہے زندگی دل کی
مقام خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

(مرتبین)

ولادت ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ (عمر ۱۰۸ سال)، وفات ۵/ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ (دسمبر) ۱۹۲۹ء

حافظ وزیر علی شاہ ابن عنایت علی شاہ بن احد اللہ شاہ بن بسم اللہ شاہ بن مزمل شاہ بن اکرام شاہ بن مکرم شاہ بن حاجی عبدالعزیز اپنے وقت کے زبردست صوفی، درویش کامل اور سیاح تھے آپ کا تمام خاندان درویشوں کا خاندان ہے جس میں بڑے بڑے صوفی صافی، خدارسیدہ درویش گزرے ہیں۔ آپ

کے اجداد میں مزمل شاہ علیہ الرحمۃ و بسم اللہ شاہ علیہ الرحمۃ سلسلہ خاندان قادریہ و چشتیہ کے بزرگ تھے۔ آپ کے والد ماجد عنایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نسبت چشتیہ رکھتے تھے۔ بسم اللہ شاہ کے بعد سے نسبت قلندریہ بھی آ گئی حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت سید صوفی گل قدس سرہٗ آندری کابلی سے بیعت تھی اور خلافت حاصل تھی۔ حضرت صوفی گل قدس سرہٗ اپنے وقت کے مشائخ کبار میں سے تھے اور لوگوں کی نگاہوں سے اپنے حالات و کمالات کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے کاسہ گری کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے اور برتن گدھوں پر بار کر کے بازار بیچنے لے جاتے تھے جب وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہرات تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں ہزاریوں نے ان کو شہید کر دیا۔

حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کی ولادت با سعادت ۱۸ ذی الحجہ یوم پنجشنبہ بوقت ۸ بجے صبح ۱۲۴۰ھ کو سندیلے میں ہوئی۔ آپ حافظ کلام ربانی تو تھے ہی لیکن فارسی زبان پر بھی دسترس حاصل تھی آپ کے ان خطوط سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے جو آپ نے اپنے خلفاء خاص مریدین اور ارادت مندوں کو تحریر فرمائے ان خطوط میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ الاطہر کے خطوط کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان خطوط کی نقلیں مولوی چودھری حسن جان مرحوم متبنیٰ حافظ مولوی شوکت علی مرحوم اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ عربی استعداد قریب قریب عالمانہ تھی آیات قرآنی کے معنی و مطالب نہایت خوبی سے علماء کے سامنے بیان فرما دیتے جب امامت فرماتے تو آیات ترغیب و ترہیب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ پر جذب طاری ہو گیا ہے اور مقتدیوں پر بھی ایک کیف طاری ہو جاتا۔ چنانچہ مولانا مقیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ نے جو آپ کے خلیفہ تھے ایک کتاب ”روح نماز“ آپ کے حسب ارشاد لکھی تھی جو کئی بار طبع ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو حضرات حقیقت الصلواۃ کی چاشنی سے باخبر تھے وہ دور دور سے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے آتے جب آپ کی نسبت کا سلسلہ اطراف پنجاب میں پھیلا تو وہاں بھی نماز میں گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

آپ نے مستقل طور سے آبادی سے باہر ایک ٹیلے پر سکونت اختیار کر لی تھی جو شیریں حوض کے نام سے آج بھی مشہور ہے (وہیں آپ کا مزار ہے) متعلقین سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اور شب و روز مسجد کے کمرے میں بسر فرماتے صبح کو فجر کی اذان خود دیتے۔ آواز میں اتنا سوز لحن تھا کہ عام سننے والوں پر بھی ارتعاش طاری ہو جاتا تھا۔ تنہائی کے وقت ٹہلتے اور کبھی یہ شعر پڑھتے

کس نیست در جہاں کہ کند ناز من قبول
یارب قبول کن تو منِ نا قبول را

رمضان شریف کے روزے باوجود کبرسنی نہیں چھوڑے جب آپ پر سُکر کی سی کیفیت طاری ہونے لگی تو روزے سے معذور ہو گئے۔ آپ کی بیداری اور خواب میں امتیاز اکثر مشکل ہوتا۔

آپ اپنے پیرومرشد کے حکم کے مطابق اشاعت نسبت میں سرگرم رہے اس سلسلے میں آپ نے اپنے چند مریدین خاص اور خلفاء کے ہمراہ بنگال، بہار، آسام، پنجاب اور سرحدی علاقوں میں دور دور جا کر اپنے سلسلے کی اشاعت کی چنانچہ موضع چورانواں ضلع چھپرا صوبہ بہار میں عرصے تک آپ کا قیام رہا وہاں بیشتر آبادی علماء اور حفاظ کی ہے ان میں بیشتر حضرات نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اس طرح ضلع چمپارن کے علماء اور حفاظ آپ کے مرید ہوئے۔ بتیا ضلع چمپارن واطراف بتیا کے سیکڑوں اشخاص آپ کے حلقۂ ارادت میں آ گئے، پنجاب اور صوبہ سرحد کی طرف آپ بارہا تشریف لے گئے۔

آپ ہر سال شیریں حوض پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کا ۲۶/۲۷/۲۸ صفر کو عرس کراتے جس میں پنجاب اور سرحدی علاقے کے علماء ومشائخ نہایت ذوق وشوق سے شرکت کرتے اور اپنے ہمراہ خشک میوؤں کے بورے کے بورے لاتے یہ میوہ مٹی کی پیالیوں میں تقسیم کر دیا جاتا، ان تین شبانہ روز میں قرآن خوانی اور وعظ وتقریریں ہوتیں۔ آخری روز لنگر ہوتا آپ خود بہ نفس نفیس سب کو کھانا کھلاتے اور تقسیم بھی کر دیتے۔

تاریخ شیریں حوض

رہبرِ اہل طریقت پیشوائے سالکاں
خانقاہِ خوش نما تعمیر شد در شیریں حوض
از رہِ ایثار کردہ وقف بہرِ طالباں
خانقاہِ طالباں احقاف وقفِ طالباں
(۱۳۳۹ھ)

دیگر:

نقشبند کن فکاں نگراں نگہباں آں مکاں

مولانا مقیم الدین کی تصنیف ''فیضان حضوری'' میں لکھا ہے۔

> ''حضور کو اشعار مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ اور خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ اور شمس تبریز علیہ الرحمۃ اور ضرب الامثال بھی بہت یاد تھیں اگر کوئی علمی مجلس والا آجاتا جیت نہیں سکتا تھا۔ رات بھر گزر جاتی بشرطیکہ طبیعت حاضر ہوتی منافق اور مخالف کے آنے سے طبیعت حضور کی خراب ہوجاتی تھی۔''

انتقال سے ۱۵ روز پہلے آپ کو نمونیہ کی شکایت ہوئی۔ ڈاکٹری علاج ہو رہا تھا سردی کی وجہ سے پلنگ کے نیچے آگ رکھ دی گئی تھی کسی طرح لحاف کا ایک سرا لٹک کر نیچے آگ پر آگیا اور آگ لگ گئی جس کے باعث آپ بھی جل گئے تیمارداروں کو خبر نہ ہوئی چنانچہ اسی حالت میں ۱۰۸ سال کی عمر ۵ر جمادی الثانی ۱۳۴۸ کو صبح ۴ بجے آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حکیم مولانا محمد عثمان صاحب کو آپ کا جانشین قرار دیا گیا۔

آپ کی دو شادیاں ہوئیں پہلی شادی دختر شیخ سالم علی خاندان بردہا سندیلہ میں ہوئی ان کے بطن سے ایک صاحبزادی تھیں جن کی شادی خیرآباد میں ہوئی تھی ان سے صاحبزادے حکیم سید انظار الحسن عرف اچھن میاں تھے۔

پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ کی دوسری شادی دختر شیخ امان اللہ سے ہوئی۔ جن کے بطن سے دو صاحبزادے حکیم مولوی محمد عثمان صاحب مرحوم اور مولانا محمد صدیق عرف بھیا صاحب مرحوم اور دو دختر ہوئیں ایک صاحبزادی شیخ ظہیر الدین بن شیخ ریاض الدین مرحوم سے منسوب تھیں جو لاولد فوت ہوئیں۔ دوسری کا حال معلوم نہیں۔

آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی شاہ محمد عثمان صاحب مرحوم آپ کے جانشین، ماہر طبیب اور عالمانہ استعداد کے مالک تھے ایک اچھے واعظ وصوفی بامذاق، خوش اوقات، متین اور بردبار بزرگ تھے۔ برسوں پنجاب اور سرحدی علاقوں میں سرگرم اشاعت نسبت رہے۔ فارسی کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ اس خاندان میں ہمیشہ سے فارسی کا چرچا رہا ہے۔ آپ نے بمرض سرطان ۱۹۵۴ء میں انتقال فرمایا اور اپنے والد ماجد کے مزار کے قریب

سپردِ خاک ہوئے آپ کے دو صاحبزادے اور ایک دختر ہیں۔ بڑے فرزند مولوی محمد غفور شاہ ایک اچھے واعظ، خوش الحان خوش خلق انتہائی متواضع اور سادگی پسند شخص ہیں۔ چھوٹے فرزند محمد غفران شاہ کراچی میں ہیں۔

حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا شاہ محمد صدیق عرف بھیا صاحب مرحوم تھے جو انتہائی خلیق، خاموش طبع، مہذب، شائستہ، پاکباز، خوش رو، فاضل شخص اور خاص خلفاء میں تھے ۲۷ر اپریل ۱۹۴۱ء میں بمقام بیتا ضلع چمپارن (بہار) انتقال فرمایا۔ ان کے تین صاحبزادے تھے جن میں بڑے فرزند مولوی محمد رفیق شاہ کا جوانی میں انتقال ہو گیا منجھلے فرزند الحاج، مولوی محمد شفیق شاہ عرف چھوٹے میاں اپنے والد ماجد کے جانشین ہیں اور ان ہی جملہ اوصاف سے متصف ہیں جو ان کے والد ماجد میں تھیں ان کو اپنے دادا سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔ مغتنمات میں سے ہیں زیادہ تر صوبہ بہار میں قیام رہتا ہے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد عتیق شاہ ہیں واعظ و عالم اور خوش اوقات جوان ہیں چند سال ندوۃ میں سال تعلیم پائی۔

حضور حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کے خلفاء اور مریدین کی بڑی کثیر تعداد ہے۔ جن میں بڑے بڑے صوفی، عالم فاضل، طبیب، حافظ، مفتی واعظ گزرے ہیں حسب ذیل خلفاء اور مریدین خصوصی طور سے قابل ذکر ہیں۔

۱۔ مولانا مقیم الدین صاحب دامانی علیہ الرحمۃ خلیفہ

۲۔ مولوی حاجی مہرداد صاحب سرحدی، خلیفہ

۳۔ مولانا حکیم نواب علی صاحب برق پرنسپل مدرسہ الٰہیات کان پور (مرید خاص)

۴۔ مولانا قاضی حبیب اللہ صاحب متوطن چترال (خلیفہ)

(ماخوذ مشاہیر سندیلہ از چودھری نبی احمد مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ)

☆......☆......☆

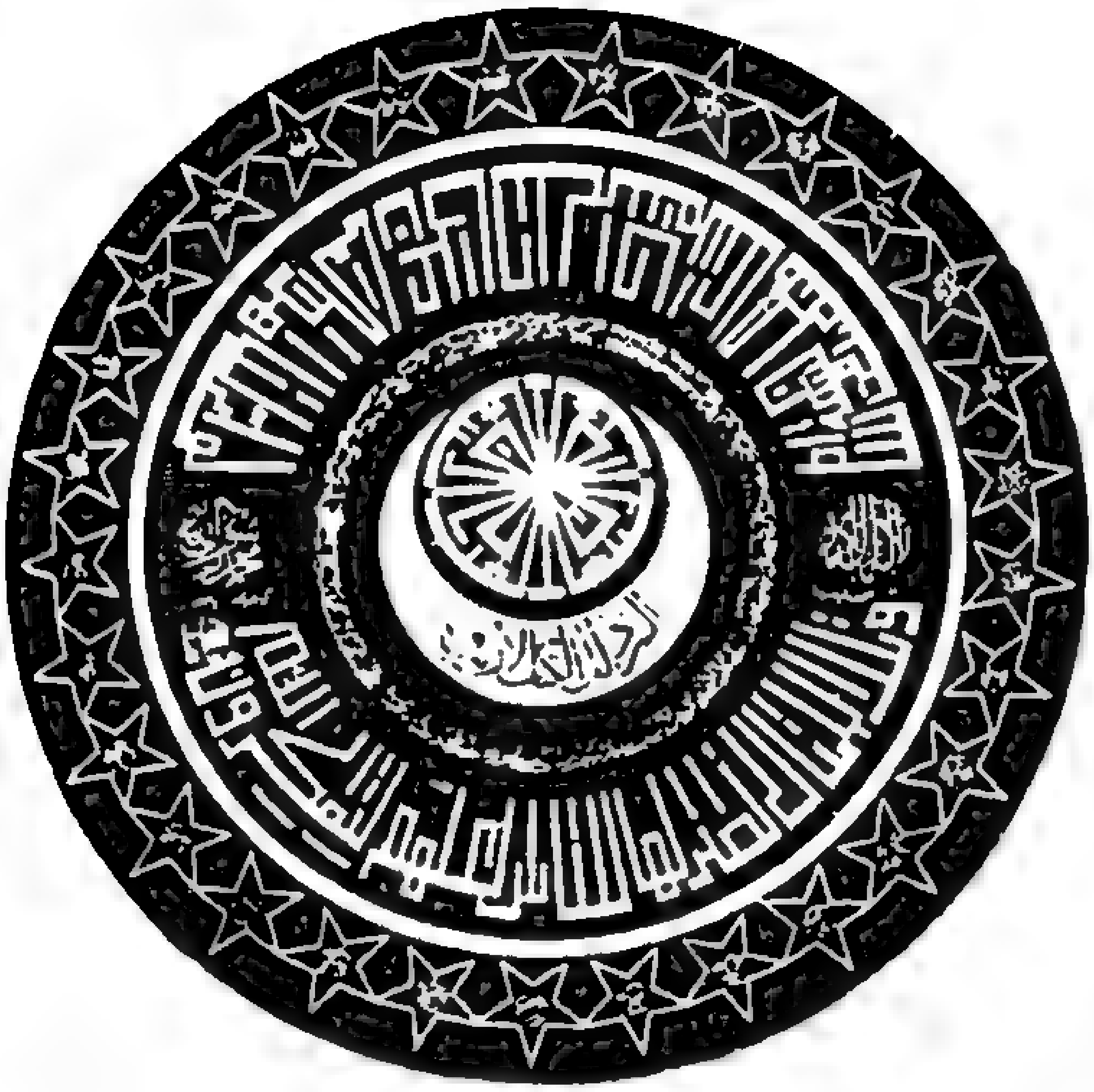

نقش قرآن ۔ بیرونی حاشیہ ۳۰ ستارے تیس پارے
اندرونی حاشیہ "عظمت قرآن پر آیت، کرۂ سماوی
چاند کے اندر "فاتحہ" چاروں قل، گرد کلمہ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی مجددی توکلّی

(۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء___۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء)

پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہرؔ

☆☆

(i)۔ احوال زندگی:

حضرت خواجہ محمد مصطفیٰ محبوب عالم بن رکن عالم بن فیض عالم کا نسب ۳۵، ۳۶ واسطوں سے حضرت عباس علمدار بن امیر المومنین حضرت علی تک منتہی ہوتا ہے۔ اس لیے آپ ہاشمی کہلاتے ہیں۔ آپ کا خاندان ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں بغداد پر ہلاکو خان کے حملہ کے بعد ہجرت کر کے وہاں سے برصغیر پاک وہند میں آگیا اور دہلی میں آباد ہوا۔ مغل حکمران شاہ عالم ثانی کے دورِ حکومت (۱۷۶۰ء___۱۸۰۶ء) میں آپ کے اجداد میں سے مولانا درویش محمد کے ایک بڑے بھائی مولانا لطیف اللہ کو پرگنہ (اب قصبہ) پانڈو وال تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین کا قاضی مقرر کیا گیا اور اسّی (۸۰) بیگھہ زمین عطا ہوئی۔ مولانا درویش محمد تین بھائی تھے۔ مولانا لطیف اللہ، مولانا عبدالباری اور مولانا درویش محمد۔ یہ تینوں بھائی زہد و تقویٰ اور ولایت میں خاص درجہ رکھتے تھے۔ ان کی قبور اب بھی قصبہ پانڈو وال میں زیارت گاہ عوام وخواص ہیں۔ مولانا درویش محمد کی اولاد میں سے خواجہ فیض عالم نقشبندی مجددی یہاں سے ترک سکونت کر کے موضع سیّدا تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین میں بہ سلسلۂ امامت آ کر مقیم ہوئے۔

چنانچہ حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی کی ولادت موضع سیّدا شریف تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہالدین میں ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں ہوئی۔ آپ کی تین بہنیں تھیں جن کی شادیاں ان کے ددھیال قصبہ پانڈو وال میں ہوئی تھیں اور آپ دو بھائی تھے۔ محبوب عالم اور نور عالم۔ نور عالم آپ سے بہت چھوٹے

تھے۔ آپ علیہ الرحمۃ کے والد گرامی حضرت مولانا رکن عالم عارف باللہ اور فقیہ تھے اور آپ کے دادا حضرت مولانا فیض عالم نقشبندی مجددی (م ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) بھی جید عالم دین اور برگزیدہ ولی اللہ تھے۔ یہ دونوں بزرگ لِلّہ شریف (تحصیل گوجرخان ضلع جہلم) کے مشہور نقشبندی بزرگ حضرت مولانا غلام نبی لِلّٰہی (۱۸۱۹ء/۱۲۳۴ھ۔۱۸۸۹ء/۱۳۰۶ء) کے مرید تھے۔ حضرت مولانا خواجہ محبوب عالم کی ولادت سے پیشتر آپ کے والد ماجد نے خواب میں دیکھا کہ ان کے پیٹ سے ایک آنت نکلی اور اس نے ایک بہتے ہوئے دریا کے دہانے پر منہ رکھ دیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارا پانی پی لیا۔ انہوں نے یہ خواب اپنے شیخ طریقت کو سنایا۔ شیخ نے مبارک دی اور ایک سعادت مند فرزند کی پیدائش کی بشارت دی جو علم و عرفان کے دریا کو نوش کرنے والا ہوگا۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سیّدہ مریم بی بی (م ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء) اسم بامسمّٰی، متقی اور باکرامت خاتون تھیں۔ آپ کے داداجان حضرت مولانا فیض عالم نقشبندی مجددی (م ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آپ نے ان سے ''پند نامہ''، ''نام حق'' اور ''کریما'' وغیرہ فارسی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ جب آپ کی عمر دس سال ہوئی تو وہ ۱۳۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں فوت ہو گئے۔ آپ کا دل طلب علم میں بے تاب تھا اس لیے والدین سے اجازت لے کر حصول علم کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

یہ وہ دور تھا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پورے برصغیر میں برطانوی حکومت مستحکم ہو گئی تھی۔ علماء کی دارو گیر سے مدارس ویران ہو گئے تھے۔ اکابر علماء مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے اور جو بچ گئے تھے وہ اپنے اپنے علاقے میں دبک گئے تھے۔ دور دور تک ہو کا عالم تھا اور کہیں کہیں کوئی چراغ ٹمٹماتا تھا اور کوئی عالم دین دو چار بچوں کو کوئی چھوٹی موٹی کتاب پڑھا دیتا تھا۔ باقاعدہ درس و تدریس کی بساط لپٹ چکی تھی۔ مسجدوں میں تالے لگ چکے تھے یا وہ بارود خانوں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ خصوصاً جامع مسجد نیلا گنبد لاہور اور شاہی مسجد لاہور۔ اس صورت حال میں حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی تلاش علم میں قصبہ بھابڑہ ضلع سرگودھا پہنچے اور استاذ العلماء قاضی سلطان محمود نقشبندی مجددی لِلّٰہی سے عربی صرف و نحو کی ابتدائی کتب پڑھیں اور ''الکافیہ'' پڑھی۔ ازاں بعد قاضی صاحب وہاں سے کسی اور جگہ چلے گئے تو آپ مڈھ رانجھا (ضلع سرگودھا) تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے "شرح جامی" تک پڑھا یہاں اس سے آگے تعلیم کا کوئی استاد نہ تھا چنانچہ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں مدرسہ رحیمیہ (واقع جامع مسجد نیلا گنبد) لاہور آ گئے جس کو ایک مسلمان سوداگر رحیم بخش نے اسی سال انگریزوں سے واگذار کروا کے

یہاں اپنے نام پر مدرسہ قائم کر دیا تھا۔ یہاں حضرت مولانا احمد الدین بگوی نقشبندی مجددی (م ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء) سے قریباً ایک سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر مولانا احمد الدین بگوی اپنے گاؤں بگہ ضلع سرگودھا چلے گئے۔ اس ایک سال کے دوران درس میاں وڈا لاہور کے سجادہ نشین حضرت مولانا حافظ احمد دین سہروردی (م ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء) سے قرآن مجید بھی حفظ کیا جہاں آپ کے قیام وطعام کا بندوبست تھا۔ ازاں بعد لاہور سے چل پڑے اور ۱۸۶۵ء میں لدھیانہ کے مشہور مدرسہ عربیہ (واقع دومنزلی مسجد، محلہ موج پورہ) میں مجاہد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانوی (م ۱۲۸۷ھ/۱۸۶۰ء) کے جانشین ان کے بڑے صاحبزادے اور مہتمم مدرسہ عربیہ حضرت مولانا شاہ محمد لدھیانوی (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کی خدمت میں جا پہنچے اور ان سے موقوف علیہ کی اکثر کتب پڑھیں۔

۔۔۔۔آپ کسی مرد کامل کی تلاش میں دہلی آ گئے کہ دہلی کسی دور میں بھی اولیاء اللہ سے خالی نہ رہی تھی اور وہاں ربیع الاوّل ۱۳۰۲ھ/جنوری ۱۸۸۵ء سے مدرسہ حسین بخش نزد بادشاہی جامع مسجد محلہ شاہ جہاں آباد دہلی میں بطور شیخ الحدیث وصدر المدرسین فرائض تدریس انجام دینے لگے۔ قریباً دو سال بعد بیتابی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر دہلی کو بھی خیر باد کہہ دیا اور شوال ۱۳۰۴ھ/جون ۱۸۸۷ء میں کرنال چلے گئے۔ وہاں آپ مدرسہ علوم عالیہ اسلامیہ کرنال میں بھی بطور شیخ الحدیث وصدر المدرسین اپنے فرائض انجام دینے لگے۔ یہاں آئے ہوئے ابھی آپ کو ایک سال پورا نہ ہوا تھا کہ آپ نے انبالہ شریف کے ایک بزرگ حضرت خواجہ سیّد محمد توکل شاہ نقشبندی مجددی (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) کی ولایت کا شہرہ سنا تو ان کی خدمت اقدس میں ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ/دسمبر ۱۸۸۷ء کو موسم سرما میں حاضر ہوئے، بیعت ہوئے اور باطنی تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد خلافت پائی اور اپنے شیخ طریقت کی وفات ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء تک تقریباً گیارہ سال ان کے آستانے پر بسر کیے۔ اس دوران ان کے حکم سے وہاں:

(i)۔ مدرسہ علوم عالیہ اسلامیہ توکلیہ جاری کیا،

(ii)۔ شہر انبالہ کے مفتی اعظم رہے اور

(iii)۔ وہاں کی مرکزی جامع مسجد "مسلم مسجد" کے خطیب بھی رہے۔ آپ نے انبالہ شریف میں اپنے قیام کے دوران اپنے پیشوا کے زیر ہدایت:

(iv)۔ ریاضات اور مجاہدات بھی کیے،

(v)۔ اسلام کی اشاعت اور طریقہ نقشبندیہ مجددیہ تو کلیہ کی تبلیغ بھی کی

(vi)۔ مولانا عبدالحق حقّانی انبالوی ثم دہلوی مصنف تفسیر حقانی (۱۸۵۱ء/۱۲۶۷ھ۔ ۱۹۱۷ء/۱۳۳۵ھ) کے ساتھ مل کر مرزا قادیانی (۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء۔ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) آریہ سماجیوں اور عیسائی پادریوں سے کامیاب مناظرے بھی کیے۔

پھر پیشوائے گرامی کی وفات ۴ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ/۴ اگست ۱۸۹۷ء کے بعد آپ پر ان کے فراق اور جدائی میں بیقراری اور غم والم کا دور آیا جس میں آپ نے دومرتبہ بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی۔

۱۔ پہلی مرتبہ آپ جنوری ۱۸۹۸ء میں براستہ افغانستان ترکی پہنچے اور سلطان عبدالحمید ثانی (۱۸۷۶ء/ ۱۹۰۹ء) کی افواج میں کرنل کے عہدہ پر فائز ہو کر ترکی کے علاقہ ازمیر/سمرنا کے مقام پر یونان کے خلاف جاری جنگ میں شریک ہوگئے۔ یہ جنگ بحر متوسط (Mediterranean Sea) میں کریٹ (Crete) اور تھیسلے (Thessaly) کے جزائر کے مسئلہ پر تھی۔۔۔ آپ مستعفی ہو کر سکندریہ چلے آئے اور وہاں سے بحری جہاز کے ذریعے جدہ سے ہوتے ہوئے برصغیر واپس آگئے اور بمبئی میں قیام پذیر ہوئے۔

۲۔ بمبئی میں چند ماہ قیام کے بعد پھر شیخ طریقت کے وصال کے درد فراق میں بیقراری غالب آئی تو آپ بمبئی ہی سے حاجی محمد قاسم نقشبندی مجددی مالک حاجی محمد قاسم شپ کمپنی کے ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر بصرہ جا پہنچے اور وہاں سے خشکی کے راستے بغداد شریف حاضر ہوئے۔ اس وقت وہاں سجادہ نشین رنقیب الاشراف حضرت سیّد عبدالرحمٰن ظہیر الدین المحض القادری الجیلانی تھے۔ جن کا دور نقابت ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء سے ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء تک تھا۔ حضرت غوث اعظم کی روح مبارک کے حکم پر جوان کو ایک خواب میں ہوا تھا انہوں نے آپ کی خوب میزبانی کی۔ چنانچہ بغداد شریف میں قیام کے دوران:

۱۔ آپ حضرت غوث اعظم کے روضہ شریف پر دو سال معتکف رہے اور درجہء نیابت پر فائز ہوئے۔

۲۔ آپ نے دریائے دجلہ کے کنارے درج ذیل کتب کے قریباً تمام بڑے بڑے چلّے کاٹے۔

i۔ امام احمد بن علی البونی م ۶۲۲ھ کی کتاب شمس المعارف الکبرٰی ولطائف العوارف

ii۔ ابن الحاج التلمسانی المغربی محمد بن محمد العبدری م ۷۳۷ھ کی کتاب شموس الانوار وکنوز الاسرار

iii۔ امام عبداللہ بن اسعد الیافعی م ۷۶۸ھ کی کتاب الدر النظیم فی فضائل وخواص القرآن العظیم اور ان کی کتاب "دائرہ نعیم"

iv۔ احمد بن محمد بن عیاد الشافعی کی کتاب المفاخر العلیہ فی المآثر الشاذلیہ

۳۔ آپ نے بغداد کے مقامی مشائخ سے ان کے سلاسل طریقت مثلاً قادریہ اور شاذلیہ وغیرہ کی اجازات لیں اور وہاں کے ممتاز علماء سے ان کی اسناد حدیث حاصل کیں۔

۴۔ اور بغداد شریف کے بعض اکابر علماء اور مشائخ کی رہنمائی میں حضرت محی الدین ابن عربی (۵۶۰ھ/۱۱۶۴ء ___ ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کی کُتب کا مطالعہ کیا اور ان کی کتب کے جدید ایڈیشن اپنے ساتھ لائے۔

۵۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ حنفی، تصوف اور دیگر اہم اسلامی موضوعات پر نادر اور نایاب کتب کا ایک ذخیرہ خرید کیا اور اسے اپنے ساتھ اپنے وطن لائے اور پھر ایک روز حضرت خواجہ سیّد محمد توکل شاہ کی روح اقدس نے واپسی کا حکم دیا تو آپ افغانستان کے راستے واپس برصغیر آ گئے۔

یہ دور فراق وسیاحت ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء سے ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء تک قریباً سات سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ آپ برصغیر واپس آ کر اپنے پیشوا کی روح مبارک کے حکم سے اپنے گاؤں سیّدا شریف تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین میں متمکن ہوئے۔ یہاں آپ نے:

۱۔ مدرسہ علوم عالیہ اسلامیہ توکلیہ جاری کیا جس کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث آپ خود تھے۔

۲۔ دار الافتاء قائم کیا۔ چنانچہ یہاں آپ کے فتوے لاہور، گجرات، گوجرانوالہ اور جہلم کے علاقہ جات میں نہایت وقیع ہوئے۔

۳۔ متوسلین سلسلہ عالیہ کی تربیت کے لیے خانقاہ قائم کی۔

۴۔ طلبہ علوم عالیہ اسلامیہ کے لیے اور مریدین خانقاہ کے لیے: (۱) باقاعدہ لنگر جاری کیا، (۲) گندم کی پسوائی کے لیے خراس لگوایا اور (۳) میٹھے پانی کا کنواں بنوایا۔

۵۔ دار التصنیف قائم کیا اور گراں قدر کتب تصنیف فرمائیں۔

۶۔ مولانا فتح محمد جالندھری کے اردو ترجمہ قرآن مجید بنام "فتح الحمید" پر ان کی درخواست پر نظر ثانی کی۔ ازاں بعد اسے تاج کمپنی لاہور نے طبع کیا۔

۷۔ نادر و نایاب اور جدید کتب کی ایک قیمتی اور ضخیم لائبریری قائم کی جس کی مثال اس زمانے میں لاہور کی پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور پنجاب پبلک لائبریری میں بھی نہیں تھی۔

۸۔ تبلیغ اسلام اور اشاعت طریقت کے لیے صوبہ سرحد، متحدہ پنجاب اور سارے ہندوستان کے تبلیغی دورے ترتیب دئے۔

۹۔ اخلاف کے لیے وسیع رقبہ پر جدید مکانات تعمیر کیے اور ان کے لیے دو مربع زرعی زمین خرید کی۔ اپنے برادر اصغر مولانا نور عالم نقشبندی مجددی کو بھی مکان بنا کر دیا اور زمین خرید کر دی۔

اس طرح آپ نے اپنے مستقر سیّدا شریف میں ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء سے اپنی وفات ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء تک چودہ سال تدریس، تبلیغ، تربیت اور تصنیف کے میدان میں گراں قدر اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ کثیر خلقت نے آپ سے توسل طریقت کی دولت حاصل کی اور بیشمار سالکوں نے بلند مقامات پائے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق کم و بیش ایک لاکھ چالیس ہزار لوگ بیعت ہوئے اور قریباً اسی (۸۰) اصحاب نے خلافت پائی۔ یہ تعداد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کے موقع پر میدان عرفات میں موجود عام صحابہ کرام اور کبار صحابہ کرام کی تعداد کے مطابق ہے۔

۲۲ رمضان ۱۳۳۵ھ/۱۳ جولائی ۱۹۱۷ء کو آپ جمعہ کے دن سحری کے ختم ہونے پر صبح ۳:۳۰ بجے واصل باللہ ہوئے۔

حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی کے وصال کے بعد آپ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا نور العین واعظ اسلام نقشبندی مجددی محبوبی نے "قصیدہ فراق محبوب" کے عنوان کے تحت ۱۵۶ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا جس کے آخری شعر میں آپ کی تاریخ وصال بھی درج کی جو حسب ذیل ہے۔

گفت ہاتف از پئے تاریخِ آں قدسی نہاد
راہنمائے نقشبنداں رفت سوئے حرم یار
۵ ۳ ۳ ۱ ھ

راقم نے حضرت مولانا مفتی خواجہ محمد مصطفےٰ محبوب عالم نقشبندی کی درج ذیل دو تواریخ وصال کہی ہیں۔

۱۔ آہ فیاض عظیم

۱۹۱۷ء

۲۔ بودہ "وما ارسلنٰک الّا مبشّراً و نذیراً"

۱۹۱۷ء

آپ اپنے گاؤں سیّد اشریف تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین میں دفن ہوئے یہاں آپ کا مزار پر انوار نہایت شاندار تعمیر ہوا ہے اور زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔ سیداشریف جیسی دور افتادہ بستی میں اپنے وجود بابرکت کے بارے میں آپ نے ایک شعر کہا تھا جو درج ذیل ہے:۔

سیدے دی اس بستی اندر نور وگائے بیڑے
نور دے وچ قصور نہ کوئی، قدر نہ کر دے بھیڑے

یہاں ہر سال ۲۶ رجب کو سالانہ عرس مبارک ہوتا ہے جس پر بہت ہجوم خلائق ہوتا ہے۔ آپ کے پوتے صاحبزادہ محمد احمد صاحب ایم ایس سی (کیمسٹری) سجادہ نشین ہیں۔

(ii)۔ ازواج واولاد:

آپ نے مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر چار شادیاں کیں:

۱۔ دہلی میں شادی:

مدرسہ علوم عالیہ اسلامیہ حسین بخش (جہاں آپ تدریس کرتے تھے) کے اساتذہ کے اس اصرار پر کہ آپ جیسے فاضل استاد کو غیر شادی شدہ نہیں رہنا چاہیے، آپ نے ۱۸۸۴ء میں دہلی کی ایک بزرگ سیّد شخصیت کی دختر نیک اختر سے جن کا نام محفوظ نہیں پہلی شادی کی۔ یہ بزرگ شخصیت اس وقت فراش خانہ دہلی کی جامع مسجد کے خطیب اور مفتی شہر تھے۔ حضرت خواجہ محبوب عالم کی عمر مبارک اس وقت ۳۵ سال تھی اور آپ کی یہ زوجہ محترمہ مقبول بارگاہ خدا تھیں اور صاحب ولایت اور باکرامت تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جو ۲۵ سال کی عمر پا کر ۱۹۱۰ء میں فوت ہو گئے۔ ان کی قبر سیداشریف ہی میں ہے۔ جبکہ آپ کی یہ زوجہ محترمہ بھی شادی کے دوسال بعد ۱۸۸۶ء میں فوت ہو گئیں اور دہلی ہی میں مدفون ہوئیں۔

۲۔ پانڈووال میں شادی:

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم بی بی نے اپنے آبائی علاقے موضع پانڈووال تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین میں اپنے خاندان کی ایک خاتون حضرت آمنہ بی بی م ۱۹۳۹ء سے آپ کی یہ دوسری شادی جون ۱۸۹۷ء میں کی۔ ان زوجہ محترمہ سے چار صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ صاحبزادی صاحبہ صالحہ بی بی/ سائیں	سال ولادت: ۱۸۹۸ء	وفات: ۲۱ اگست ۱۹۸۶ء
۲۔ صاحبزادی صاحبہ سکینہ بی بی	سال ولادت: ۱۹۰۴ء	وفات: ۱۷ اگست ۱۹۹۲ء
۳۔ صاحبزادی صاحبہ حلیمہ بی بی	سال ولادت: ۱۹۰۷ء	وفات: ۸ مئی ۱۹۶۳ء
۴۔ صاحبزادی صاحبہ معصومہ بی بی	سال ولادت: ۱۹۱۵ء	وفات: ۳ فروری ۱۹۷۴ء
۵۔ صاحبزادہ صاحب شیر عالم	سال ولادت: ۱۹۱۶ء	وفات: ۲۵ دسمبر ۱۹۷۹ء

۳۔ بغداد میں شادی:

۱۸۹۹ء میں آپ نے بغداد کے خاندان بنو ہاشم کے ایک برگزیدہ اور صالح گھرانے میں تیسری شادی کی۔ آپ کی ان زوجہ محترمہ کا نام بھی محفوظ نہیں ہے اور ان سے ہونے والی اولاد کا بھی علم نہیں ہے۔ جب آپ بغداد شریف سے برصغیر واپس آ گئے تھے تو اپنی وفات تک ہر مہینے بذریعہ منی آڈر باقاعدگی سے اپنی ان زوجہ محترمہ کو اخراجات بھیجتے تھے۔

۴۔ شاہ آباد کرنال میں شادی:

حضرت خواجہ سیّد محمد توکل شاہ صاحب انبالوی کی روح مبارک کے حکم سے آپ نے صالح اولاد نرینہ کے لیے یہ چوتھی شادی ضلع کرنال تحصیل شاہ آباد کے حضرت پیر جی سیّد علی حسین شاہ نقشبندی مجددی توکلی کی دختر نیک اختر حضرت سیّدہ بشیر النساء بیگم (ولادت ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء) سے ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں کی۔ اس وقت ان زوجہ محترمہ کی عمر ۱۷ سال تھی۔ ان سے صرف ایک فرزند حضرت مولانا صاحبزادہ سیّد صدیق احمد شاہ صاحب ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے وہ صاحبزادہ شیر عالم سے چھ ماہ بڑے تھے۔ اور وہ درگاہ عالیہ کے پہلے سجادہ نشین ہوئے۔ وہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ/ ۱۰ مئی ۱۹۷۴ء کو جمعہ اور ہفتہ کی

درمیانی رات گیارہ (۱۱) بجے کے قریب فوت ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں سیدا شریف تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاءالدین میں اپنے والدگرامی حضرت مولانا مفتی خواجہ محبوب عالم نقشبندی کے روضہ شریف کے اندر دفن ہوئے۔ انہی کی اولاد سیدا شریف میں آج گدی نشین ہے۔ یہ زوجہ محترمہ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ/۱۳ستمبر ۱۹۶۵ء کو ۶۷ سال کی عمر پا کر فوت ہوئیں۔ قبر مبارک سیدا شریف میں ہے۔

(iii)۔ تصانیف :

۱۔ ذکر خیر/صحیفۂ محبوب/مطبوع

۲۔ خیرالخیر/مرغوب السلوک/مطبوع

۳۔ ذکر کثیر/محبوب السلوک/مطبوع

۴۔ خیر کثیر (قلمی موجود فی خزانۃ الکتب پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہر)

۵۔ **تنویر الابصار لمن اراد ان یتمسّک بجنود الابرار**/مطبوع

۶۔ شب حسیں برعرش بریں/**الاسراء الجمیل الی الرب الجلیل**/لمعات احمدی مطبوع

۷۔ حیٰوۃ الروح/ **مرغوب القلوب فی اقوال المحبوب**، مرتب: صوفی محمد صادق الاسلام شاہ آبادی، بالتقدیم حضرت صاحبزادہ صدیق احمد/مطبوع

۸۔ رسالہ نوادر آثار، تحقیق و ترتیب پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہر یہ رسالہ آپ کے دو مکتوبات اور ایک فتوٰی کی متنی تحقیق پر مشتمل ہے۔

۹۔ **رسالہ فی خواص و دعوۃ حسبنا اللہ و نعم الوکیل با مؤکل** (قلمی موجود فی خزانۃ الکتب پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہر)

۱۰۔ **رسالہ فی خواص و دعوۃ حسبی اللہ لا الہ الاھو ، علیہ توکّلت وھو ربّ العرش العظیم با مؤکل** (قلمی موجود فی خزانۃ الکتب پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہر)

۱۱۔ **رسالہ فی خواص و دعوۃ سورۃ و الشمس با مؤکل** (قلمی موجود فی خزانۃ الکتب پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہر)

۱۲۔ **رسالہ فی خواص و دعوۃ سورۃ الاخلاص بامؤکل** (قلمی موجود فی خزانۃ الکتب پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہر)

(iv)۔ حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی کے خلفاء:

حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی نے اپنے مریدین اور خلفاء کے بارے میں ایک مرتبہ اپنے خلیفہء اعظم حضرت مولانا سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندی سے فرمایا تھا کہ ہمارے مریدین کی تعداد حضرت نبی کریم ﷺ کے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں موجود عام صحابہ کی تعداد (تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار) کے برابر ہے اور خلفاء کی تعداد اس موقع پر موجود کبار صحابہ (تقریباً اسّی) کی تعداد کے برابر ہے۔ مگر ہمیں اب تک آپ کے صرف ۳۰ خلفاء کے نام دستیاب ہو سکے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا نور عالم نقشبندی برادر اصغر حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی موضع سیدا شریف تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین

۲۔ حضرت مولانا اصغر علی رادوروی المعروف بہ حضرت جرنیل صاحب قصبہ رادور شریف تحصیل تھانیسر ضلع کرنال (بھارت)

۳۔ حضرت مولانا رحمت علی شاہ قصبہ میہم ضلع رہتک (بھارت) مدفون قصبہ تلمبہ تحصیل خانیوال ضلع ملتان

۴۔ حضرت مولانا عبداللہ خان موضع پٹی ضلع امرتسر

۵۔ حضرت مولانا خلیفہ عبدالکریم شاہ صاحب موضع کھبا راجپوتاں ضلع امرتسر (بھارت)

۶۔ قطب الارشاد حضرت مولانا سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندی محلہ نیو مسلم آباد شہر گجرات (پنجاب)

۷۔ حضرت مولانا پیر جی سیّد علی حسین شاہ نقشبندی مجددی توکلی موضع شاہ آباد ضلع کرنال (بھارت) (آپ کے فرزند بزرگ حضرت مولانا صاحبزادہ صدیق احمد صاحب کے نانا)

۸۔ حضرت مولانا حکیم سیّد محمد محمود اختر نقشبندی مجددی توکلی موضع شاہ آباد ضلع کرنال ثم قادر آباد تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین (آپ کے فرزند بزرگ حضرت مولانا صاحبزادہ صدیق احمد صاحب کے ماموں)

۹۔ حضرت مولانا خواجہ اللہ رکھا صاحب موضع خاص پور ضلع امرتسر (بھارت)

۱۰۔ حضرت مولانا سیّد عین الدین شاہ موضع بھگوان پور تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال

۱۱۔ حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ ساکن موضع بوہت تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین

۱۲۔ حضرت مولانا خلیفہ برکت علی صاحب موضع چونڈہ دیوی امرتسر (بھارت)

۱۳۔ حضرت میاں حسن علی قریشی "بابارتی داڑھی والے "موضع چونڈہ دیوی ضلع امرتسر (بھارت)

۱۴۔ حضرت میاں حسین علی قریشی ''باباچٹی داڑھی والے'' موضع چونڈہ دیوی ضلع امرتسر (بھارت)

۱۵۔ حضرت مولانا حافظ فضل احمد موضع رسول نگر تحصیل و ضلع گوجرانوالہ

۱۶۔ حضرت مولانا حافظ جمال الدین سابق صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور، مدفون کٹھالہ شیخاں تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین

۱۷۔ حضرت مولانا حکیم حافظ احمد اسلام موضع شاہ آباد ضلع کرنال (بھارت)

۱۸۔ حضرت مولانا خلیفہ عالم شاہ صاحب موضع سجادہ ضلع امرتسر (بھارت)

۱۹۔ حضرت مولانا منشی کرم الٰہی صاحب موضع رسول نگر ضلع گوجرانوالہ

۲۰۔ حضرت مولانا منشی غلام جیلانی صاحب موضع راہوالی ضلع گوجرانوالہ

۲۱۔ حضرت مولانا حکیم حافظ سیّد محمود علی شاہ گیلانی کہروڑ پکا ملتان

۲۲۔ حضرت مولانا فتح محمد خان جالندھری مترجم اردو ترجمہ قرآن مجید بنام "فتح الحمید" شہر جالندھر (بھارت)

۲۳۔ حضرت مولانا چودھری مردان علی خان راجپوت موضع بنڈالہ تحصیل و ضلع بھمبر آزاد کشمیر

۲۴۔ حضرت مولانا منشی صوفی محمد کریم صاحب چھٹے والے

۲۵۔ حضرت مولانا محمد نور العین صاحب ساکن موضع پھلراں سیداں ضلع جہلم سابق صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور

۲۶۔ حضرت مائی عمرٰی مجذوبہ لاہور

۲۷۔ حضرت مولانا صوفی محمد صادق الاسلام شاہ آبادی جامع اقوال و ملفوظات محبوبیہ بنام حیٰوۃ الروح

۲۸۔ حضرت مولانا عمر بخش مست المعروف ''مست عمرا''

۲۹۔ حضرت مولانا حافظ فتح محمد رئیس ذیلداران و بانی مدرسہ عربیہ جامعہ فتحیہ ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور

۳۰۔ حضرت ملائے رولا (ان کے خلیفہ خواجہ ادولک تھے۔ ان کے خلیفہ محمد شاہ عالم تھے۔ ان کے خلیفہ فیض محمد خان تھے۔ جو کانجو سوات میں ہوئے۔ انکے خلیفہ حضرت میاں عبدالرشید توکلی عرف نوٹاں والی سرکار سرگودھا میں ہوئے۔ جو ۲۳ جولائی ۱۹۹۴ء کو گولی لگنے سے شہید ہوئے۔ حضرت

میاں عبدالرشید کے حالات پر خالد مراد صاحب نے "تیرے پراسرار بندے تذکرہ حضرت میاں عبدالرشید قلندر المعروف نوٹاں والی سرکار" کے نام سے ایک اچھی سوانح حیات تحریر کی ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۹۹۸ء میں طبع ہوئی ہے۔)

۳۱۔ حضرت بابو فیروز دین سابق پوسٹ ماسٹر شہر گوجرانوالہ م ۱۹۵۶ء، محلّہ اسلام آباد سٹریٹ نمبر ۴

ضروری وضاحت

بادی النظر میں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی توکلی علیہ الرحمۃ نے چوں کہ دارالعلم دیوبند میں تعلیم حاصل کی ہے اس لیے شاید وہ مسلکاً دیوبندی ہوں، ایسا نہیں ہے۔ چوں کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کوئی قابل ذکر دارالعلوم نہ تھا اس لیے دارالعلوم دیوبند میں پڑھا۔ اساتذہ سے محبت یہ ایک فطری امر ہے لیکں چوں کہ وہ نقشبندی مجددی تھے (جب کہ علماء دیوبند چشتی تھے) اس لیے ان کے افکار وعقایہ وہی تھے جو اہل سنت وجماعت کے ہیں اور جس کی تفصیل مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی میں شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے۔

(مرتبین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری

میر عبدالغفور

☆☆

آفرینش آدم سے انسان کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاء کا سلسلہ بالآخر خاتم النبیّن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا لیکن دین اسلام کی تبلیغ کا یہی فریضہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا گیا۔

ورثۃ الانبیاء دراصل انہی اولیائے کرام کا گروہ ہی ہے جو تا ابد ضیاء باریوں سے مردہ دلوں کو زندگی عطا فرماتا رہے گا۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار انہی عارفان کاملین میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے نور ولایت سے تاریک دلوں کو تابندگی بخشی اور تاریکی میں ڈوبی خلق خدا کو عالم نور میں لا کھڑا کیا۔

آپ مادر زاد ولی تھے۔ ولادت سے قبل آپ کے ہونے والے پیر و مرشد بابا امیر الدین سال بہ سال شرقپور آتے اور آپ کی گلی میں سونگھ سونگھ کر سانس لیتے لوگوں کے استفسار پر فرماتے یہاں اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ روح آنے والی ہے۔ میں اس کی تاک میں ہوں کہ اسے دام میں لوں اور نسبت نقشبندیہ پاؤں اور آپ کے والد بزرگوار میاں عزیز الدین کے گھر کا پتا دیتے۔ ایسے واقعات بیشتر اولیائے کاملین سے منقول ہیں جن کی آمد سے پہلے ان کی ولادت کی خبریں ان کے پیر و مرشد دیتے رہے۔ حضرت میاں صاحب کی ولادت باسعادت ۱۸۶۵ء میں ہوئی۔ بچپن ہی سے نور ولایت آپ کی پیشانی میں ضوفگن تھا۔ مروجہ اسکولوں میں آپ کا دل نہ لگتا آپ مسجد میں تنہا جا بیٹھتے۔ جن حضرات کو اللہ ازل ہی سے مخلوق کی رشد و ہدایت کے لیے منتخب فرما لیتا ہے ان کی تربیت کسی دنیاوی درسگاہ کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ حضرات علوم باطنیہ کے امین ہوتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم ظاہری و باطنی کے وارث، اللہ تعالیٰ نے جس کو پڑھایا ہو اور پڑھانا کیا جانے۔

اپنے شیخ طریقت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے امین خواجہ امیر الدین (کوٹلہ پنجو بیگ، ضلع شیخوپورہ) کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ ابتداء میں جذب و سکر کی کیفیت رہتی۔ کبھی آگ کے انگارے پکڑ پکڑ کر

منہ میں ڈالتے کبھی کٹے ہوئے کھیت میں لوٹن پوٹن ہوتے۔ کبھی اٹھتے، کبھی بیٹھتے، کبھی لیٹتے کبھی تڑپتے۔

تماشا دید کے قابل ہے تیرے بے قراروں کا

یہی تڑپ حضرت اقبال اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے رہے۔

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضٰی سوز صدیق دے

آپ نے اپنے پیرو مرشد کی بہت خدمت کی۔ ایک موقع پر چائے کی تیاری کے لیے بطور ایندھن اپنی دستار مبارک سے کام لیا۔ آپ ولایت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تو تھے ہی۔ پیرو مرشد نے فرمایا:

''تم مجھ سے بڑھ گئے ہو خلق خدا کو ہدایت کا راستہ دکھاؤ''

آپ فرماتے:

''میں بندہ بننے کے لیے مرید ہوا تھا نہ کہ پیر بننے کے لیے''

کئی سال اسی انکار میں گزر گئے۔ آپ عجز وانکسار اور فنا کے بلند مقام پر تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا حضور آپ کا فلاں مرید سلام عرض کرتا ہے۔ معاً ریش مبارک ہاتھ میں لی اور فرمایا ''یہ ہستی پیر بننے کے لائق ہے؟'' مخلص یار عرض گزار ہوئے حضور آپ تو اپنی نفی میں رہیں اور مخلوق خدا جعلی پیروں اور گمراہ فرقوں کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہے، اس پر آپ کو فکر دامن گیر ہوئی اور بطیب خاطر قبول فرمانا شروع کیا۔

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے وارث شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسبان اور شدت سے اتباع سنت کے پابند تھے۔ فرماتے ہم فقیری و قیری نہیں جانتے۔ ہم تو اتباع سنت جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا جاگنا، معاملات غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہی دین ہے اور یہی اسلام۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

خلاف شریعت اور خلاف سنت امور پر بے اختیار جھپٹ پڑتے۔ فرماتے مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو خلاف سنت دیکھے تو ایسا ہو جائے جیسے بھوکا بھیڑیا بھیڑوں پر جھپٹتا ہے۔ مسلمانوں کی خلاف سنت وضع قطع سے سخت بیزار ہوتے۔ انگریزی طرز معاشرت اور بود و باش سے نفرت فرماتے۔ بعض اوقات قمیص کے کالر اور کف تک پھاڑ دیتے۔ ایک مرتبہ اکھڑے درخت کے گڑھے سے مٹی اٹھائی اور فرمایا اس سے بھی انگریزیت کی بو آتی ہے۔ مال و دولت کے لیے جنگ و جدال پر مادہ پرست لوگوں کو خوب سرزنش فرماتے۔

بت والے پیسے کو جوتے لگاتے۔ فرماتے اس نے ہمارا دین برباد کر دیا ہے۔ فرماتے تم لا الہٰ پیسہ رسول اللہ کہا کرو۔ تم انگریز رسول اللہ کہا کرو۔

میاں سر محمد شفیع وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ فرماتے خالہ! کیسا خسا بیٹا جنا ہے۔ اس کے چہرے پر داڑھی ہوتی اور وائسرائے کی کونسل میں بیٹھا ہوتا تو اسلام اور مسلمانوں کا رعب ہوتا۔ افسوس! مسلمان قیدیوں کی بھی جیل میں داڑھی مونڈ دی جاتی ہے۔ ہمارے سکھ بھائی اپنے گرو کے حکم کے کتنے پابند ہیں۔ انگریزوں کو بھی پتا چل گیا ہے مسلمان اپنے دین کے کچے ہیں۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اللہ کی محبت مرد قلندر علامہ اقبال کو بھی آپ کی خدمت میں لے گئی۔ سر شفیع کی رفاقت کا سہارا ڈھونڈا۔ سر شفیع عرض کرتے رہے۔ آپ فرماتے ''میں نہیں جاندا تیرے ڈاکٹر واکٹر نوں''۔ آخری وقت آ گیا۔ حاضر ہوئے خلاف شریعت چہرہ سامنے آیا۔ ادھر خفگی کے آثار نمودار ہوئے۔ ادھر بھی تو رومیٔ عصر اور رمز آشنائے روم و تبریز۔ عرض کیا حضور آپ کو میرے گناہوں سے تو نفرت ضرور ہے لیکن گناہگاروں سے تو نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو شفیع المذنبین ہیں۔ یہ کلمات سنتے ہی فرمایا۔ ''ایہ ڈاکٹر وچوں تاں ول اے''

علامہ کا ظاہر تو خلاف شریعت لیکن باطن بلاشبہ حقیقت شریعت سے آراستہ تھا۔ راقم الحروف کا تو وجدان ہے کہ دور غلامی میں جب مسلمان تہذیب فرنگی میں غرق ہوا جا رہا تھا اور داڑھی والے مسلمان خصوصاً علماء کی بات سننے کو تیار نہ تھا رحمت خداوندی جوش میں آئی اور امت مسلمہ کی بیداری کے لیے داڑھی منڈے کی صورت میں حضرت اقبال کو منتخب فرمایا۔

ڈپٹی کمشنر گجرات ملک مہدی خاں کرزن فیشن بال، داڑھی چٹ، سر پر ہیٹ دیکھتے ہی جذبۂ غیرت تھپڑ کی صورت میں نمودار ہوا۔ ہیٹ دور جا پڑا۔ ادھر ندامت کے آنسو بہہ نکلے، موتی سمجھ کر شان کریمی نے چن لیے۔ نقشہ پلٹ گیا تقدیر بدل گئی۔ ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ۔

ایک ریلوے سپرنٹنڈنٹ حاضر ہوا پوچھا تنخواہ؟ بولے ہزار بارہ سو۔ فرمایا جنت میں رشوت دے کر چلے جاؤ گے۔ فرمایا دیکھو اس دین کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کتنی تکلیفیں اٹھائیں۔

کچھ بھی پیغام محمد (ﷺ) کا تمہیں پاس نہیں
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں

الغرض طریقہ اصلاح احوال میں کبھی صفت جلالی جلوہ گر ہوتی اور کبھی صورت جمالی ابریشم کی طرح نرم، گرم دم جستجو، نرم دم گفتگو۔ انسان تو انسان چرند و پرند اور حیوانات پر بھی شفقت کا یہ عالم۔ سخت سردی کا موسم تشریف لائے۔ فرمایا حلوہ تیار کریں۔ گرم اور نرم اور کھلے برتن میں ڈال دیں۔ باہر ایک کتیا مع بچوں کے لا رہے ہیں۔ بچوں والی کتیا انسان کو کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ لیکن بے زبان جانور کو بھی خالق نے دوست اور دشمن کی تمیز سکھائی ہے۔ کتیا اور بچے کھا رہے ہیں اور آپ کے چہرۂ اقدس پر طمانینت کی لہر دوڑ رہی ہے۔ فرما رہے ہیں کھاؤ مزے سے کھاؤ تم ساری رات سردی سے ٹھٹھرتے رہے ہو۔ ایک اور موقع پر سخت سردی کا موسم۔ فرمایا مجھے سردی لگ رہی ہے کمبل دیا گیا لیکن سردی بدستور لگ رہی ہے۔ فرمایا مہمان خانے کے باہر بندھے گھوڑے کی سردی جب تک ختم نہیں ہوگی میری سردی ختم نہ ہوگی۔

ایک مرتبہ گدھے کی ٹانگیں دبانا شروع کر دیں۔ فرمایا سوہنیا تو تھک گیا ہونویں گا۔ کون ہوگا جو ان واقعات کو حضرت بایزید بسطامی کے اس واقعہ سے کم جانے جو تنگ گلی میں کتے کو آتا دیکھ کر اپنے مریدین سمیت الٹے پاؤں لوٹ گئے۔ تا آنکہ وہ کتا وہاں سے گزر گیا۔ استفسار پر فرمایا کہ اس کتے نے زبان حال سے پکار کر کہا تھا کہ اے بایزید تو اللہ کی بارگاہ میں کیا سنوارا تھا کہ تجھے سلطان العارفین بنا دیا اور مجھے کتا بنا دیا۔ یہ سن کر میرے پاؤں خود بخود پیچھے کو چل دیے۔ یہ ہے عرفان نفس۔

جود سخا اور فقر و استغنا کا یہ عالم کہ جو آیا راہ خدا میں لٹا دیا۔ فرماتے ہمارے پاس صبح کو لاکھ روپیہ آئے اور شام تک ایک دمڑی بھی ہمارے پاس رہ جائے تو کہیں۔ بظاہر حج بیت اللہ کے لیے بوجہ عدم استطاعت تشریف نہ لے گئے لیکن حجاج کرام قسمیں کھا کھا کر بتلاتے کہ ہم نے میاں صاحب کو میدان عرفات میں اپنے درمیان پایا۔ آپ بیک وقت لاہور مزار داتا گنج بخش پر ہوتے اور پلک جھپکتے شرقپور۔ مثالی صورت میں طے ارض اہل اللہ کے لیے محال نہیں جبکہ مادی ترقی آج ہمیں ہزاروں میل سے چلتے پھرتے مناظر دکھا رہی ہے۔

حاجی نواب دین سکنہ میر محمد (نزد قصور) زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش لیے حاضر ہوے۔ آپ نے بعد از نماز عشاء چار سو دفعہ درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ حاجی صاحب کہتے ہیں چند دن ہی گزرے تھے کہ مصلے پر اونگھ آ گئی۔ اپنے آپ کو بیت اللہ شریف کے سامنے پاتا ہوں۔ ساتھ میرے حضرت میاں صاحب ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام تشریف فرما ہیں۔ زیارت پاک سے

مجھ پر عجیب کیفیات طاری ہوئیں۔ جی بھر کر دیکھ لیا۔ تو فرمایا میرے پاؤں پر اپنے پاؤں رکھو، پلک جھپکنے میں لاہور کا ریلوے اسٹیشن۔ آپ شرقپور روانہ ہو گئے۔ بندہ راجہ جنگ کی ٹکٹ لیے گاڑی میں سوار اتر کر گاؤں جا رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ وہی مکان وہی مصلی۔

کشف و کرامات اگرچہ ولایت کے لیے شرط نہیں لیکن کرامات کا اظہار ان کے ہاتھوں بے اختیار ہو جاتا ہے جو امر الٰہی سے ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کے قلوب آئینہ کی مانند شفاف ہوتے ہیں۔ حجابات اٹھ جاتے ہیں اور وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں۔ حضرت میاں صاحب کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جن کا احاطہ یہاں مشکل ہے فیروز پور سے چند نوجوان عازم شرقپور ہوے۔ شاہی مسجد لاہور کے بیرونی گیٹ سے ایک بس چلا کرتی تھی۔ چند ثانیے کے لیے بدنام زمانہ قریبی بازار سے محظوظ ہوتے ہوے خدمت اقدس میں پہنچ کر دو زانو باادب بیٹھ گئے۔ آپ تشریف لائے۔ سر پر ہاتھ رکھے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا۔ ''اوتھے کی کردے آئے اوتے ایتھے بن کی بنے بیٹھے او''۔ یہ مارے ندامت کے زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ حکیم احمد علی قصوری آپ کی خدمت میں بیٹھے اچانک ڈر گئے۔ فرمایا خیر ہے چوٹ نہیں لگی۔ حکیم صاحب قصور پہنچے تو پتا چلا عین اسی وقت ان کی بیگم صاحبہ سیڑھی سے گر پڑی تھیں لیکن چوٹ نہیں لگی۔

قیام پاکستان سے قبل شاہ عالمی دروازہ کے باہر چلتے چلتے رک کر فرمایا۔ یہ مکان کب تباہ ہوں گے۔ ہمراہی ڈر گئے کہ کوئی سن ہی نہ لے۔ تقریباً چالیس سال بعد قیام پاکستان کے ہندو مسلم فسادات میں ہندوؤں کی زبردست تجارتی مارکیٹ شاہ عالمی کی تباہی جن آنکھوں نے دیکھی وہ گواہ ہیں سالوں تک تباہ شدہ ملبہ اٹھایا جاتا رہا۔ جس جگہ اب شاہ عالم مارکیٹ تعمیر ہوئی ہے۔ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ (حدیث)

القصہ ایک نہیں ایسی بے شمار کشف و کرامات ظہور پذیر ہوئیں۔ آپ کے دو صاحبزادے تولد ہوے ایک کو گود میں لیے فرمایا ''بھائیا جے نیک بننا ای تے رہو نہیں تاں جدھروں آیاں ایں'' دونوں وفات پا گئے۔

خلفائے کرام میں اکثر گمنام ہی رہے۔ معروف حضرات میں سے سید نور الحسن شاہ صاحب کیلیانوالے، سید محمد اسماعیل صاحب کرمانوالے، صاحبزادہ محمد عمر صاحب بیربل شریف، میاں رحمت علی کھنگ والے اور آپ کے برادر حقیقی ثانی لاثانی میاں غلام اللہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

بالآخر یہ شیر یزدانی قطب ربانی شیخ عالم ہادی راہ صفا عمر عزیز کی ۶۳ منزلیں طے کر کے رشد و ہدایت کی موسلا دھار بارش برسا کر ۳ر ربیع الاول ۱۹۲۸ء کو دار فانی سے رخصت ہو گیا۔ آپ کا مزار مبارک قبرستان ڈاہرانوالہ شرقپور (پنجاب) میں منبع فیوض و برکات اور مرجع خلائق ہے۔

آپ کا جنازہ دیکھ کر حکیم علی احمد نیر واسطی نے سوز دل یوں بیان کیا ہے۔

شان و شوکت سے یہ کس دولہا کی آتی ہے برات
تھر تھراتے ہیں فرشتے کانپتی ہے کائنات
کس جنید وقت کی میت چلی آتی ہے یہ
قدسیوں کو عصمت و عفت میں شرماتی ہے یہ
لوگ کہتے ہیں ہوا شیرِ محمد کا وصال
اٹھ گئے گویا ابوذر ہو گئے رخصت بلال
اب یہ شکلیں پھر نہ دکھلائے گی دنیا دیکھ لو
مصطفیٰ کے عاشقوں کی شکل زیبا دیکھ لو
اے زمین شرقپور شیر الٰہی کی کچھار
دفن ہوتا ہے تیری مٹی میں شیر کردگار
ہے دعا نیر کی برسے تجھ پہ بدلی نور کی
نور افشاں ہی رہے تجھ پر تجلی طور کی

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مرقعات مشائخ نقشبندیہ

(بخارا، ازبکستان)

☆

شیخ صبور احمد محمودی
(مینجنگ ڈائریکٹر: کراچی کیمیکل انڈسٹریز، کراچی)

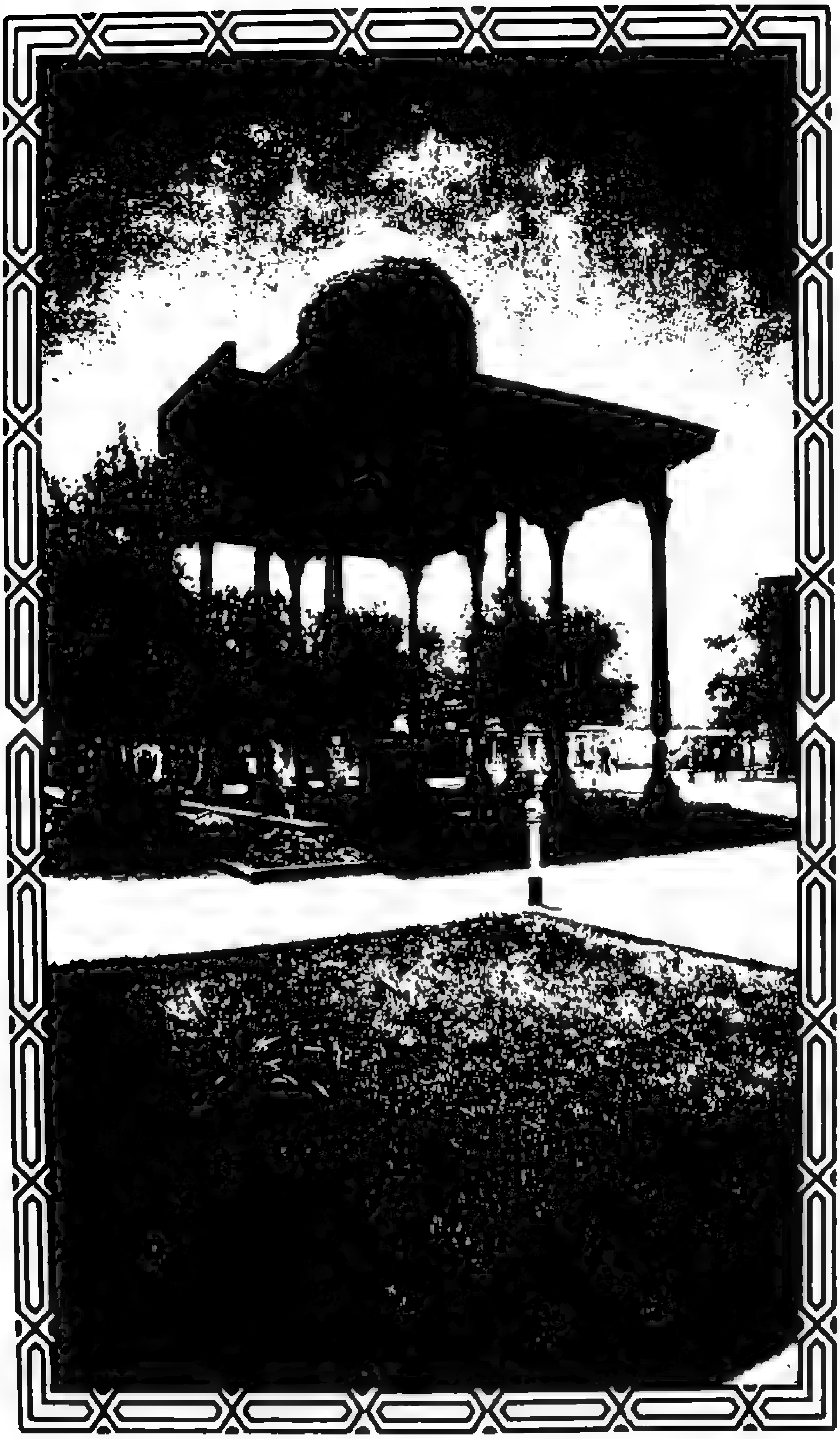

مزار مبارک شیخ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمۃ (م۔ ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء)
مرشد کریم خواجہ محمد عارف ریوگری علیہ الرحمۃ ...... بخارا، ازبکستان

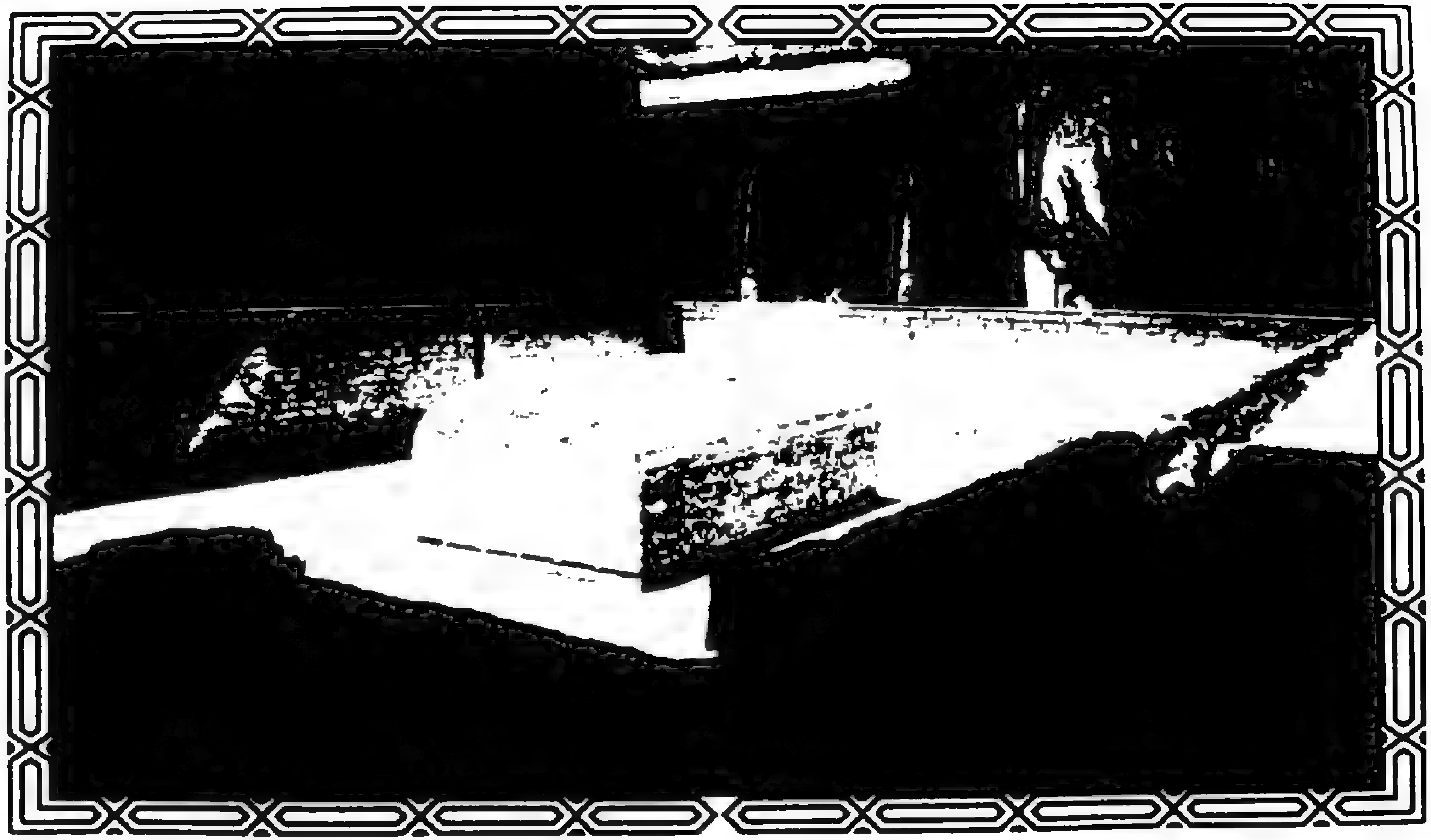

مزار مبارک خواجہ محمد عارف ریوگری علیہ الرحمۃ (م۔ ؁۶۱۶ھ/ ؁۱۲۱۹ء)
مرشد کریم خواجہ محمود انجر فغنوی، بخارا، ازبکستان

مزار مبارک خواجہ محمود انجر فغنوی علیہ الرحمۃ (م۔ ؁۷۱۱ھ/ ؁۱۳۱۱ء)
مرشد کریم خواجہ علی رامتینی ...... بخارا، ازبکستان

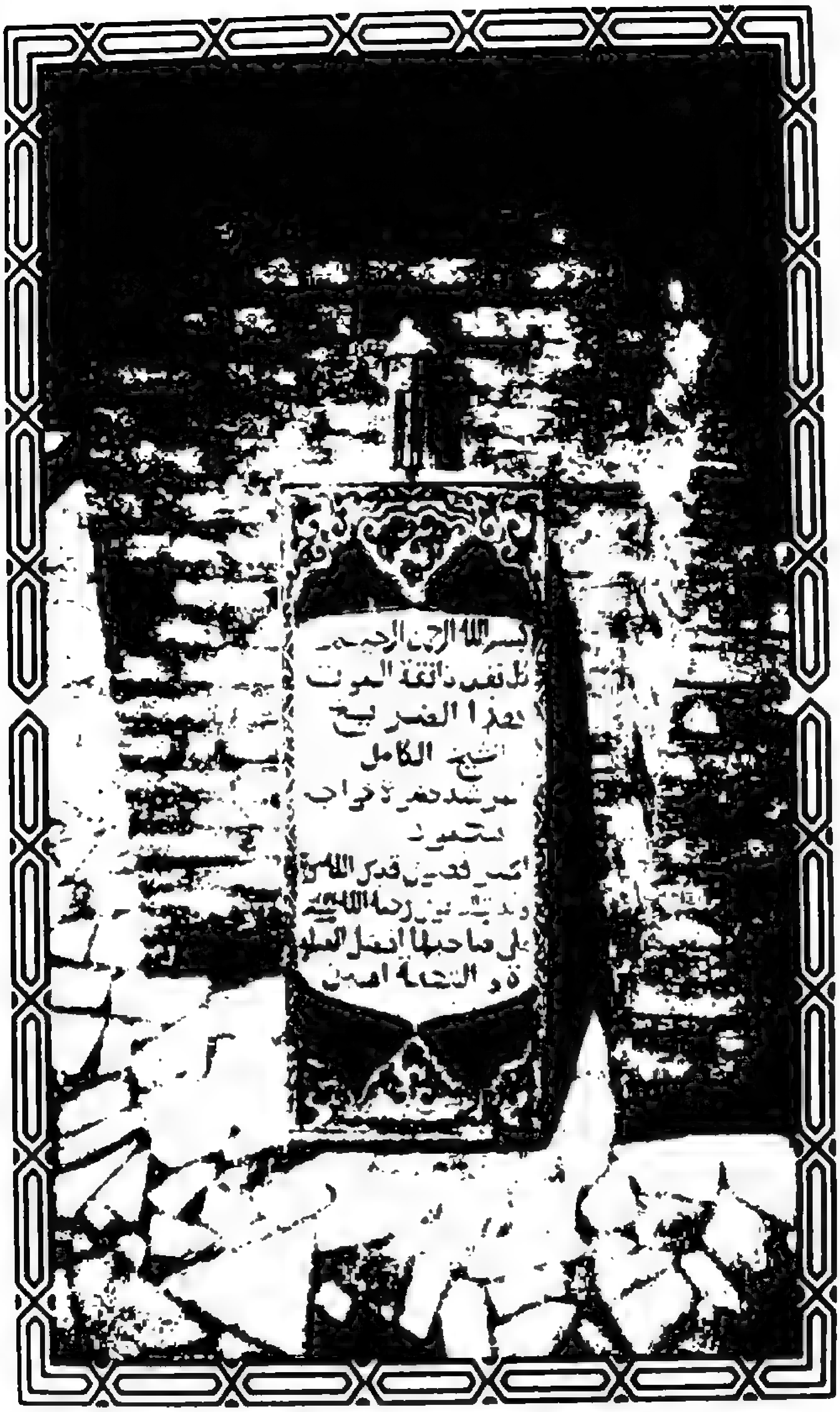

بسم الله الرحمن الرحیم
کل نفس ذائقة الموت
هذا القبر
الشیخ الکامل
مرشد حضرة خواجه
محمود
قدس الله سره
رحمة الله علیه
علی صاحبها افضل الصلو
ة و التحیة امین

کتبہ مزار مبارک خواجہ محمود انجر فغنوی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۱۷ھ/ ۱۳۱۱ء)

بخارا، ازبکستان

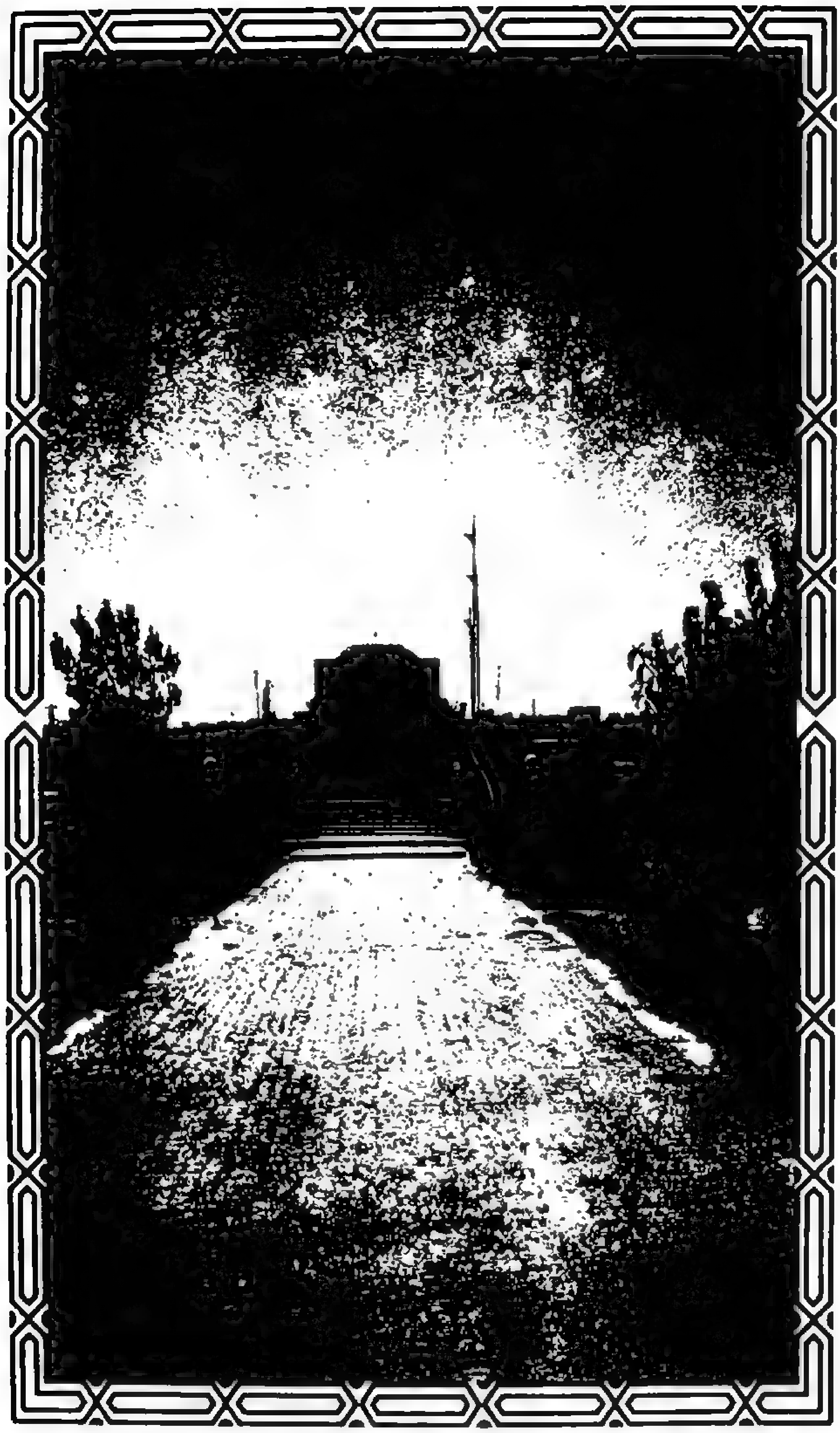

روضہ خواجہ علی رامتینی علیہ الرحمۃ (م۔ ۷۱۵ھ/ ۱۳۱۶ء)
مرشد کریم خواجہ محمد بابا سماسی علیہ الرحمۃ...... بخارا، ازبکستان

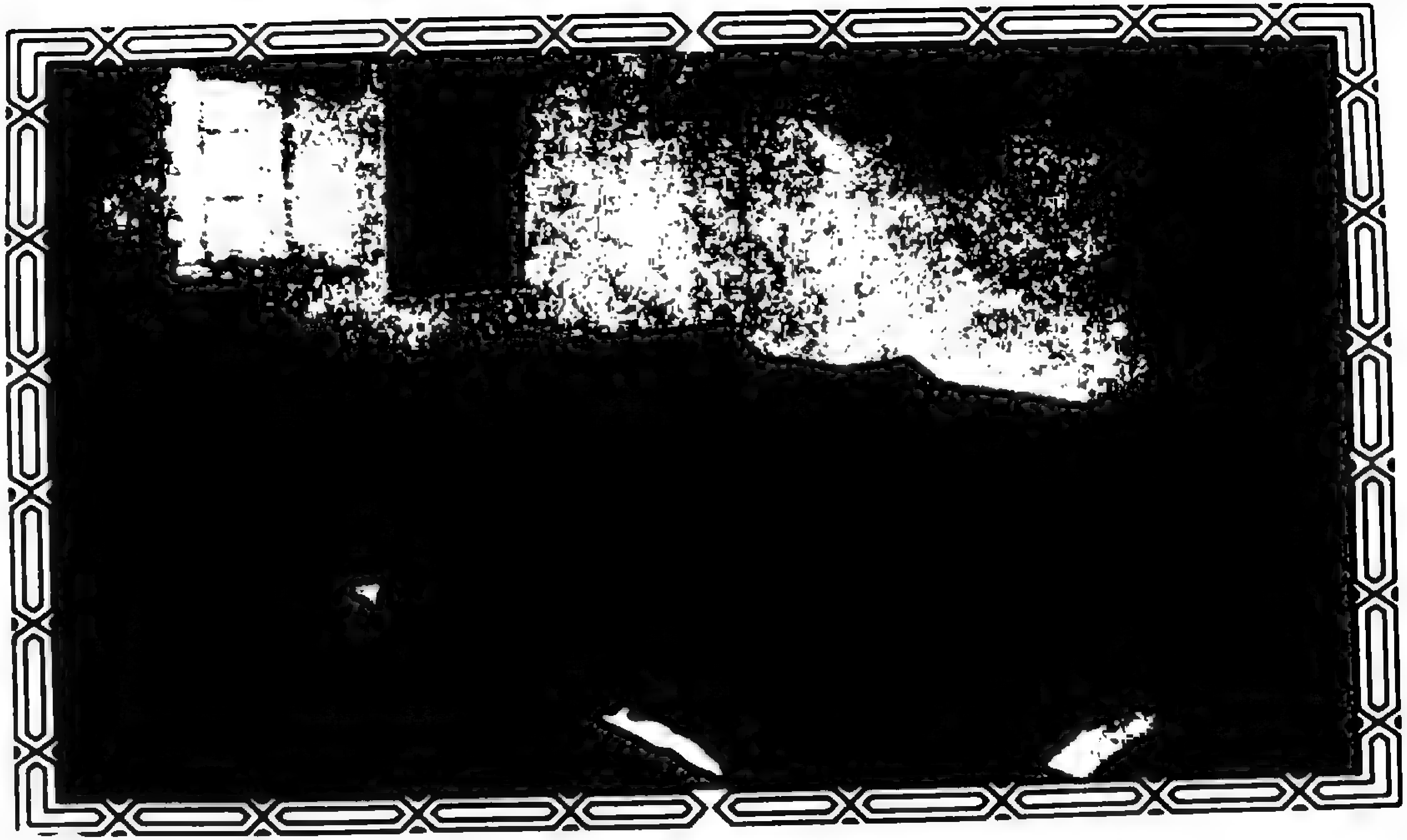

مزار مبارک خواجہ علی رامتینی علیہ الرحمۃ
(م۔ ۷۱۵ھ/ ۱۳۱۶ء) بخارا، ازبکستان

روضہ شریف خواجہ محمد بابا سماسی علیہ الرحمۃ (م۔۷۵۵ھ/ ۱۳۵۴ء)
مرشد کریم سید امیر کلال علیہ الرحمۃ ...... بخارا، ازبکستان

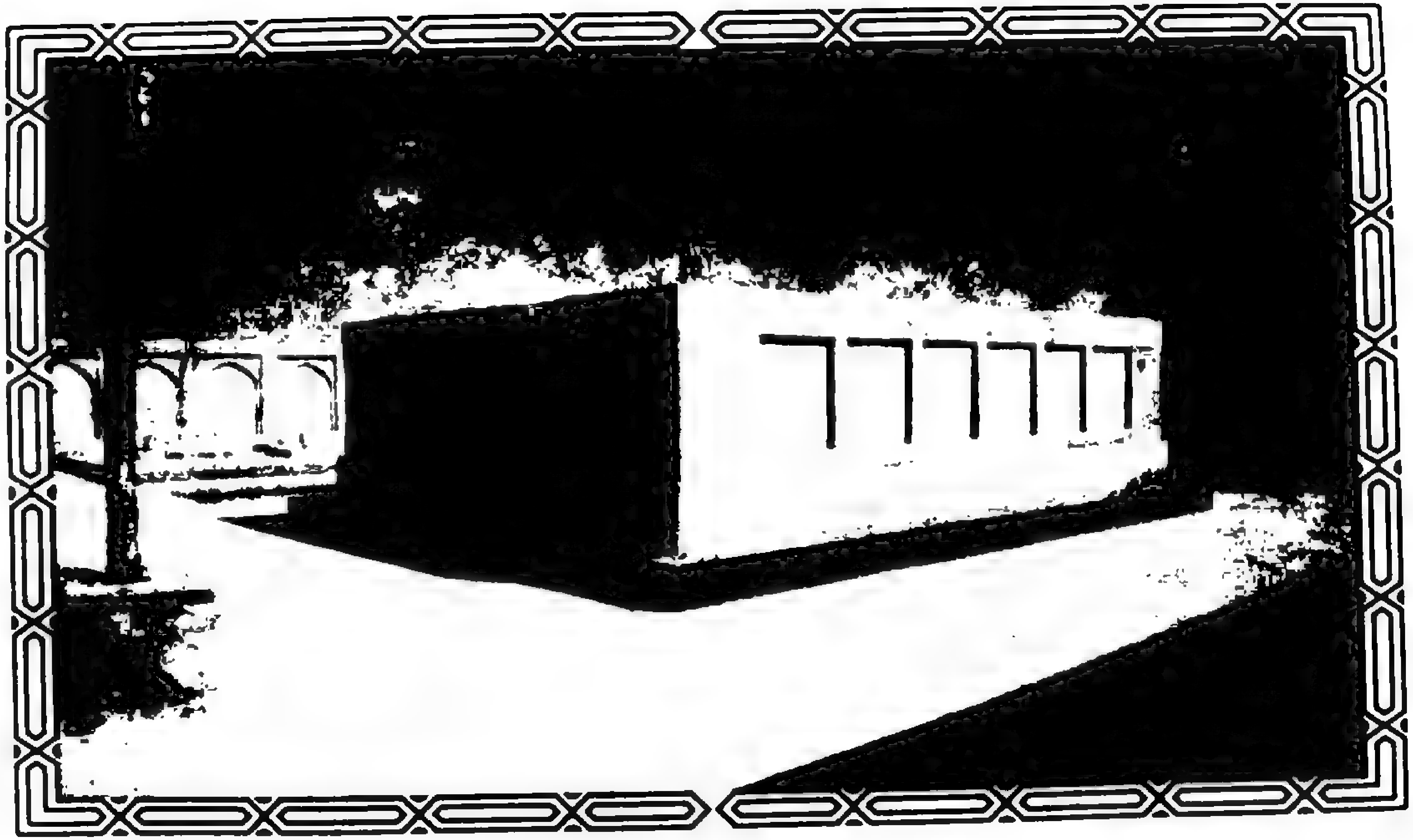

مزار مبارک خواجہ محمد بابا سماسی علیہ الرحمۃ

(م۔ ۷۵۵ھ/ ۱۳۵۴ء) بخارا، ازبکستان

روضہ شریف خواجہ سید امیر کلال علیہ الرحمۃ (م۔ ۷۷۲ھ/ ۱۳۷۰ء)
مرشد کریم خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ...... بخارا، ازبکستان

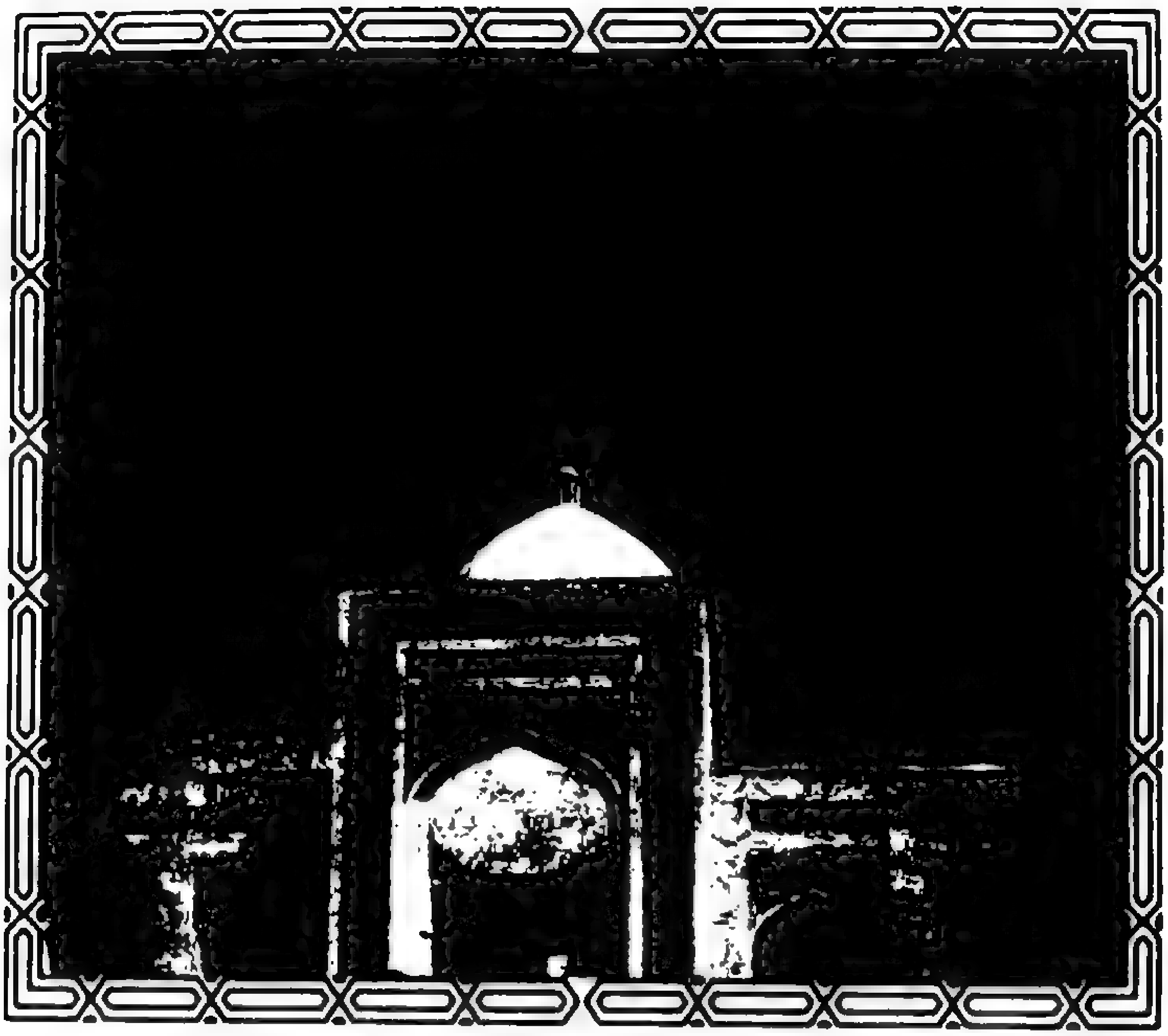

دروازہ مزار مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ
(م۔ ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء)..... بخارا، ازبکستان

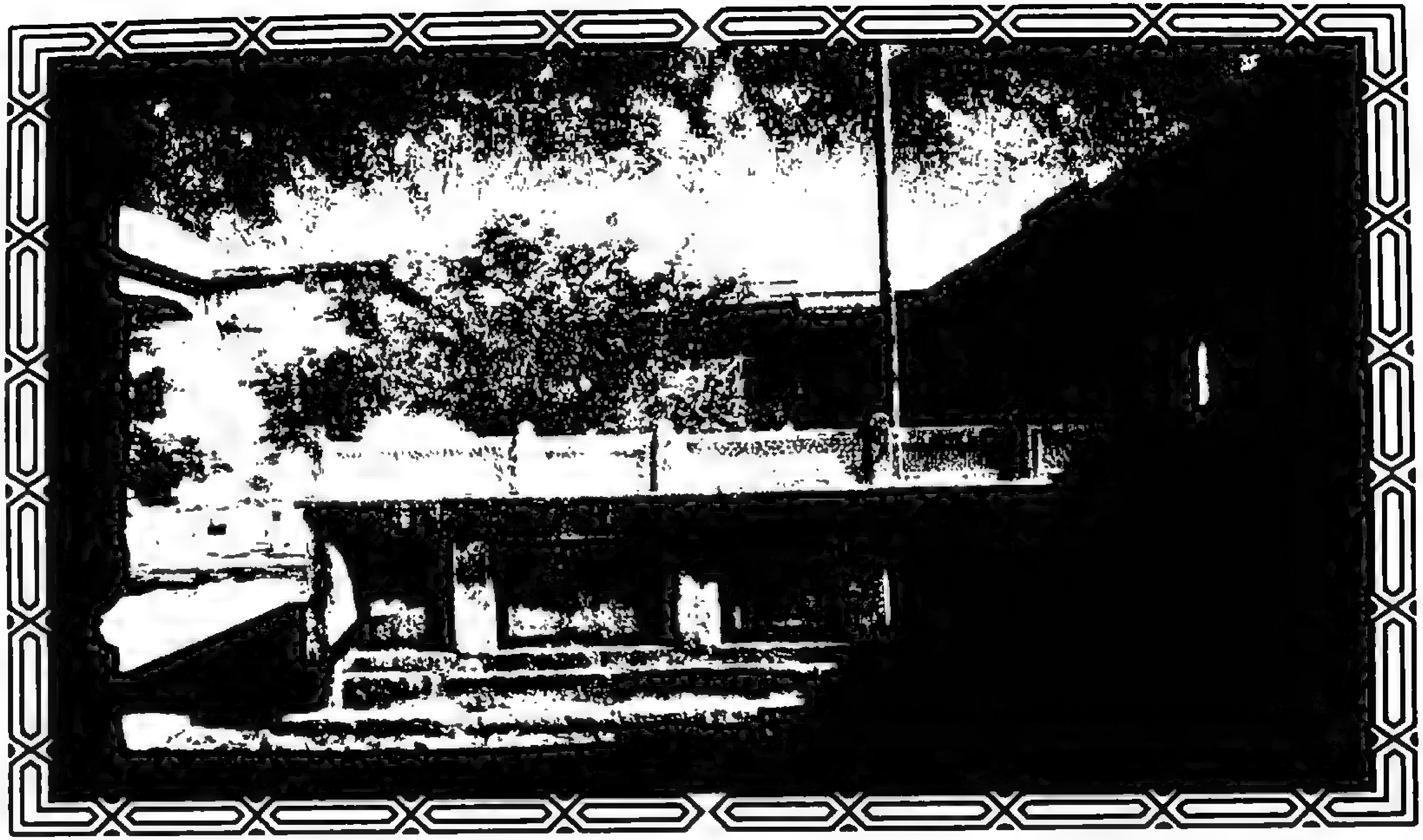

مزار مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ
(م سنہ ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء)......بخارا، ازبکستان

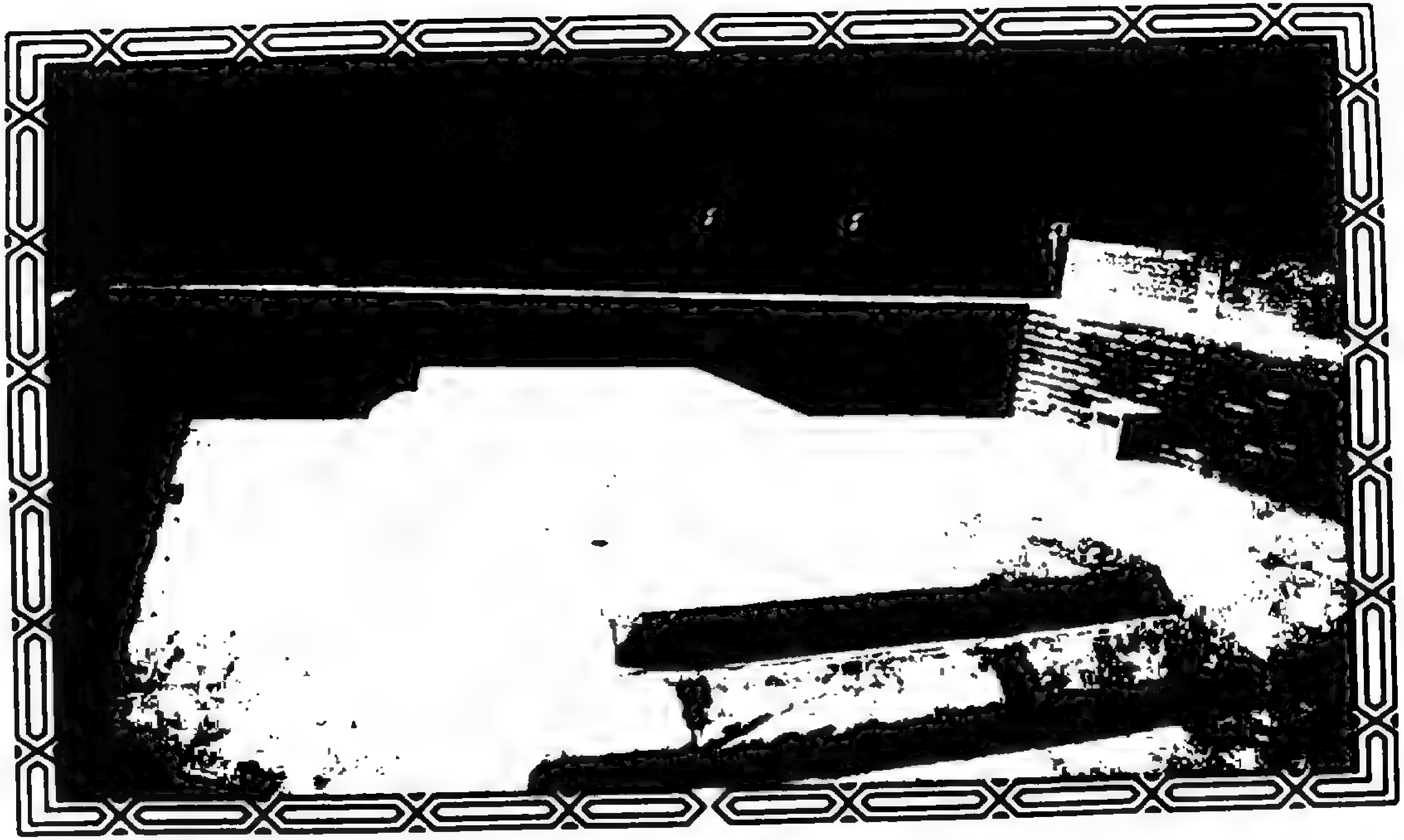

قبر مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ
(م۔ ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء) بخارا، ازبکستان

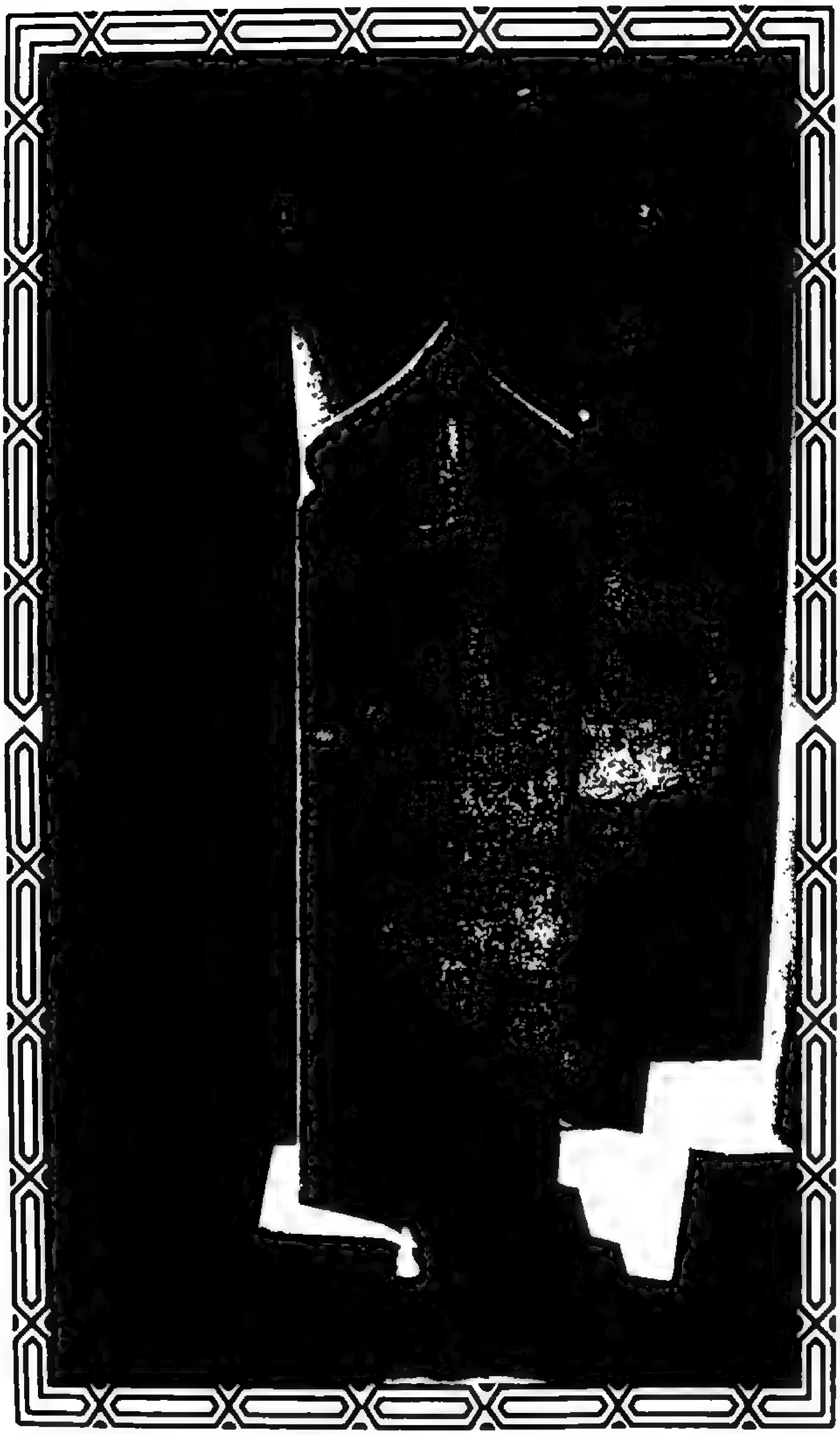

کتبہ مزار مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ
(م۔ ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء)...... بخارا، ازبکستان

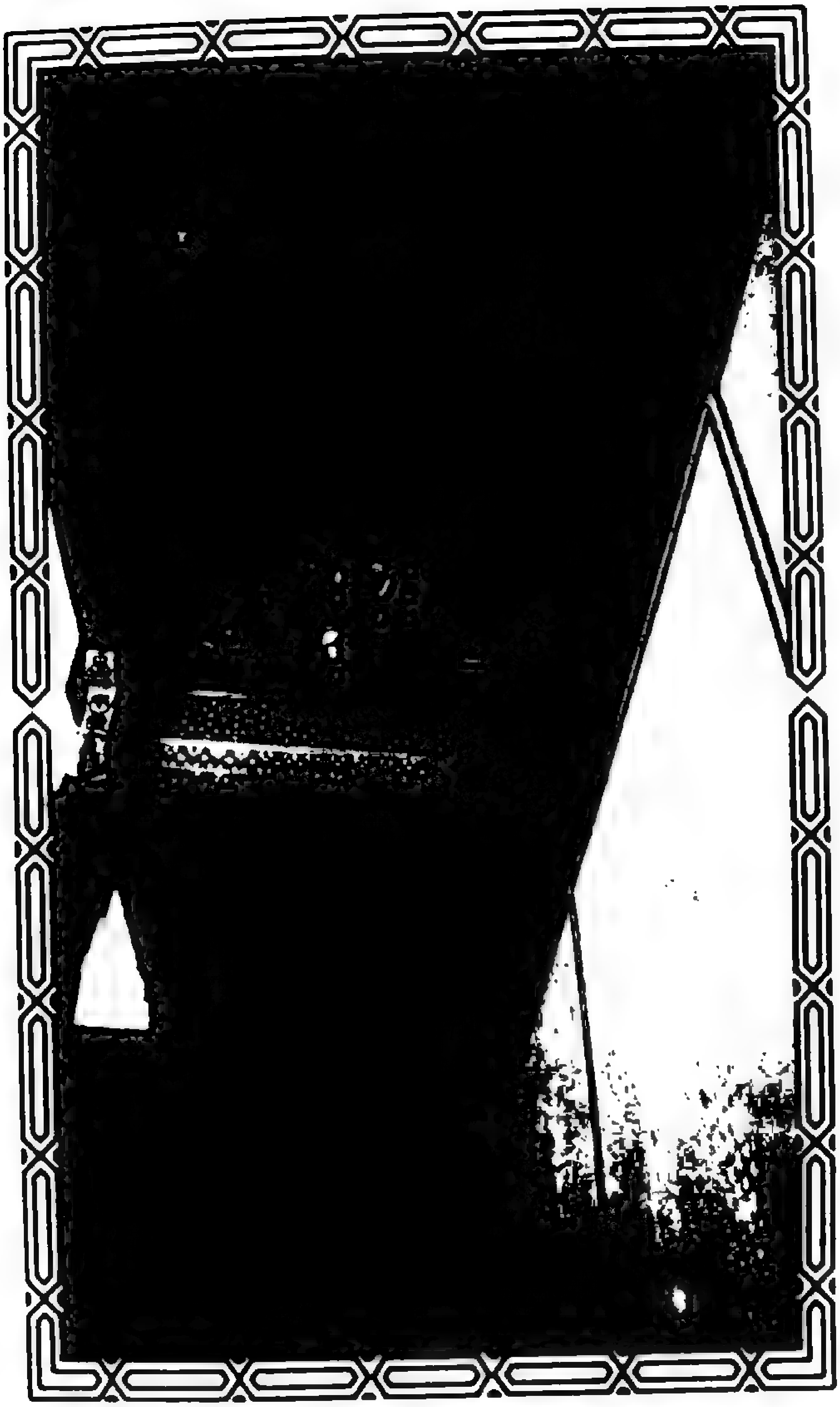

چھت احاطہء مزار مبارک خواجہ بہاءالدین نقشبند علیہ الرحمہ۔

(م۔ ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء) بخارا، ازبکستان

مزار مبارک والدۂ ماجدہ خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہا الرحمۃ
بخارا، ازبکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

مرقعات

☆

حدیثِ تجدید

اِنَّ اللّٰہ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ
کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا

صاحبِ اسرار

سوانحِ حیات امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی قدس سرہ

مرتب

محمد علی نقشبندی

شعبہ نشر و اشاعت

مجلسِ مجددیہ نور آباد، فتح گڑھ، سیالکوٹ

مجددی انقلاب

محمد بدرالاسلام صدیقی

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

الإمام الرباني مجدد الألف الثاني

الشّيخ أحمد السّرهندي

عليه الرحمة والرضوان

تأليف

الدكتور المفتي محمد مكرم أحمد

الإمام والخطيب في المسجد الجامع فتحبوري. دهلي الهند

بتهذيب وإضافات مفيدة من

العلامة المفتي محمد عليم الدين نقشبندي مجددي

أحوال بعض المشايخ المجددية

في العالم العربي

تأليف

الشيخ محمد بدر الإسلام الصديقي

الناشر
الخانقاه السلطانية
جهلم باكستان

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

کا

نظریۂ توحید

خطاب

ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز

ترتیب و تدوین

حافظ تنویر حسین مجددی

ادارہ مظہر اسلام، لاہور
اسلامی جمہوریہ پاکستان

سیرت

مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ

میں

طلباء کے لیے راہنمائی

مجددِ دوراں

(حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

☆☆

ادارۂ مسعودیہ، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
(۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ

اور

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ

کے حضور

اولیائے کرام کی سرزمین دہلی۔

سلسلہ وار گیارہویں اشاعت

مصنف

الحاج ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ (نشان گجرات)

ملنے کا پتہ یاسر اکیڈمی بالمقابل سیشن کورٹ
کچہری روڈ گجرات پنجاب پاکستان۔

فون: 053-3602350,3602150، موبائل 0300-6226626۔

حامدًا و مصلیًا

دفتر اول مکتوباتِ امامِ ربانی رح حصہ دوم

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ

سعادتِ طباعت

بفیض مجددانہ نیابت: سعیدِ ازل، نائبِ رسول، کوہِ استقامت، حبیب الرحمٰن، حضرتِ اعلیٰ۔

و حضرت قبلہ عالم / حضرت پیر: **سید محمد حبیب اللہ شاہ** صاحب قدس سرہ العزیز

بہ برکت ظلِ عاطفت: خلف الصدق حضرت صاحبزادہ سید محمد مسعود احمد صاحب انور حبیبی مدظلہ العالی

ترتیب و اہتمام: محمد افتخار حسین حبیبی

آستانہ عالیہ حبیبیہ گجرات (شریف) پاکستان

[illegible]

اسبق المولفات فى العربية حول ترجمة الامام السرهندى

الجنات الثمانية

تاليف

العلامة الإمام الحجة عبد الأحد وحدت (١٠٥٠هـ - ١١٣٦هـ)

حفيد

الإمام الربانى مجدد الالف الثانى الشيخ أحمد الفاروقى

(٩٨١هـ ...... ١٠٣٤هـ)

قابل عكس أصله الخطية وحققه وعلق عليه

محمد بدر الإسلام الصديقى

حفيد

سراس العارفين إمام الأولياء الكاملين

الشيخ محمد صادق الصديقى المجددى حفظه الله

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۝
اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جیسے چاہے

علوم و معارف کے خزائن

یعنی رسائل امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ

تصنیف لطیف

حضور والا سرکار امام ربانی **مجدد الف ثانی** الشیخ احمد کابلی فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ

بترتیب جدید

مرتبہ

خلیفہ مطلق پیر طریقت رہبر شریعت حضرت **نثار الحق** نقشبندی مجددی سیفی مدظلہ العالی

ناشر

تبلیغ صوفیا دعوت الی الخیر کراچی پاکستان

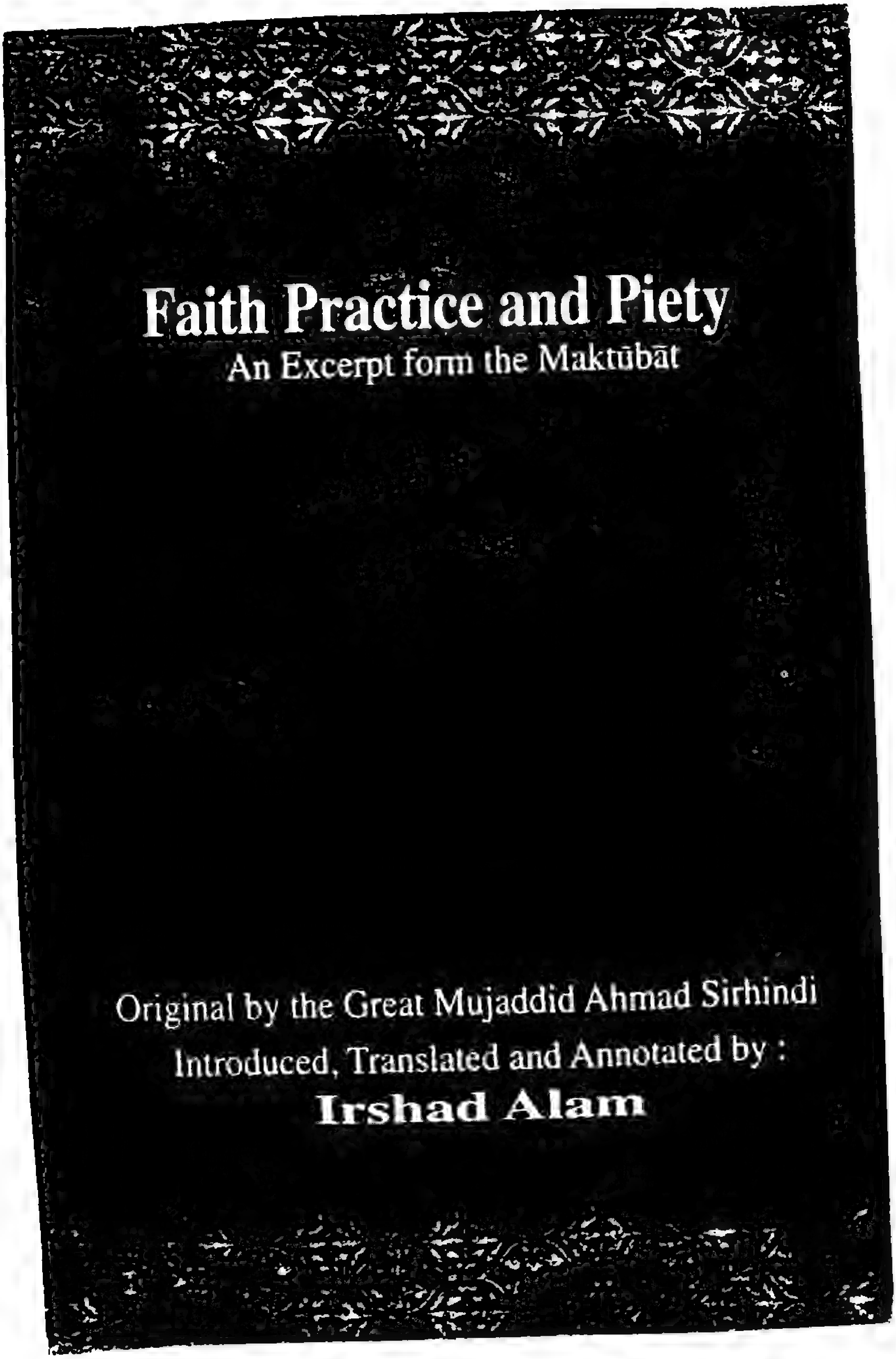

Faith Practice and Piety

An Excerpt form the Maktūbāt

Original by the Great Mujaddid Ahmad Sirhindi

Introduced, Translated and Annotated by :

Irshad Alam

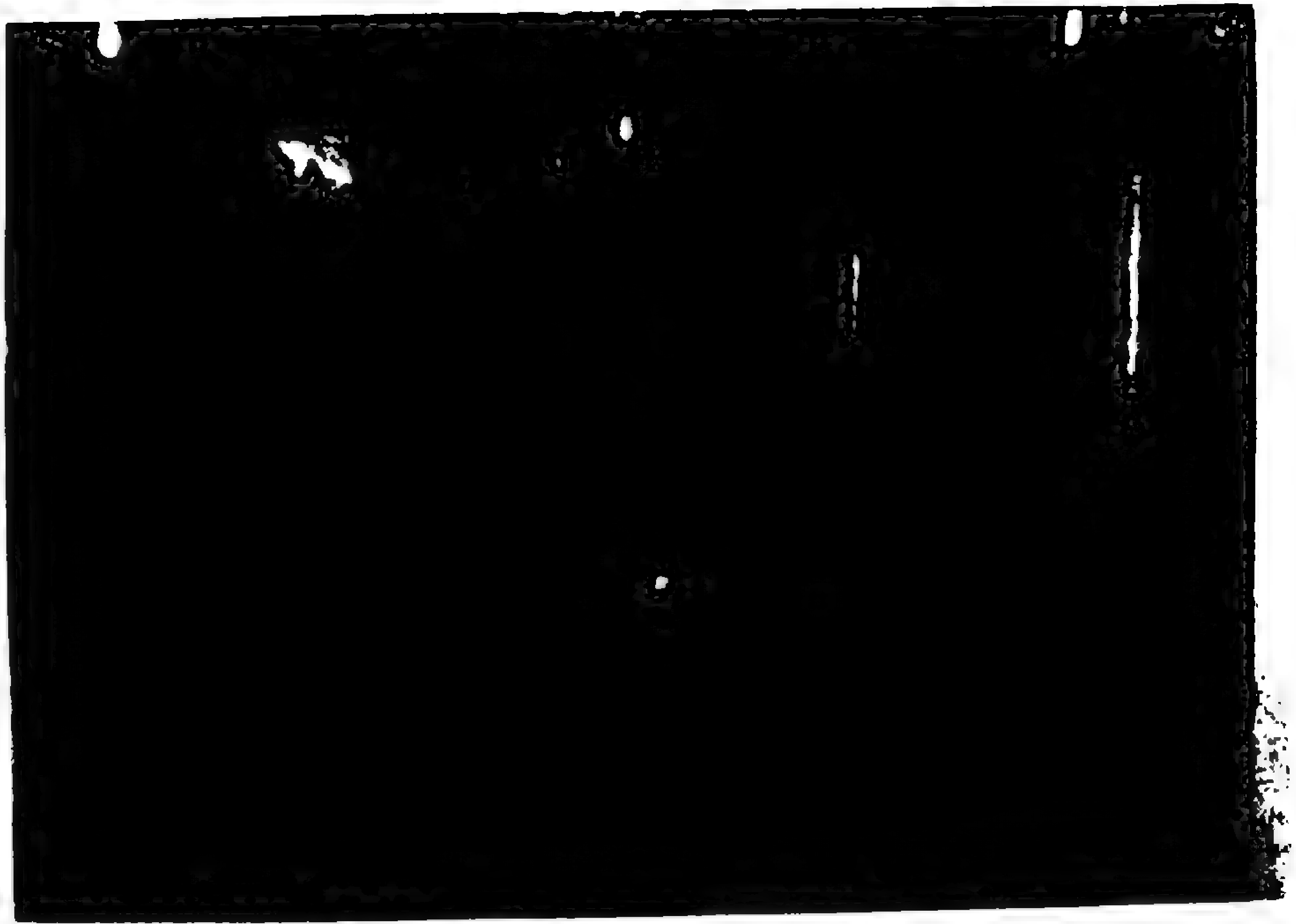

مزار مبارک حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ (دہلی)، بشکریہ نسیم حضرت جی، کراچی

مزار مبارک حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ (دہلی) کا بیرونی منظر، بشکریہ نسیم حضرت جی، کراچی

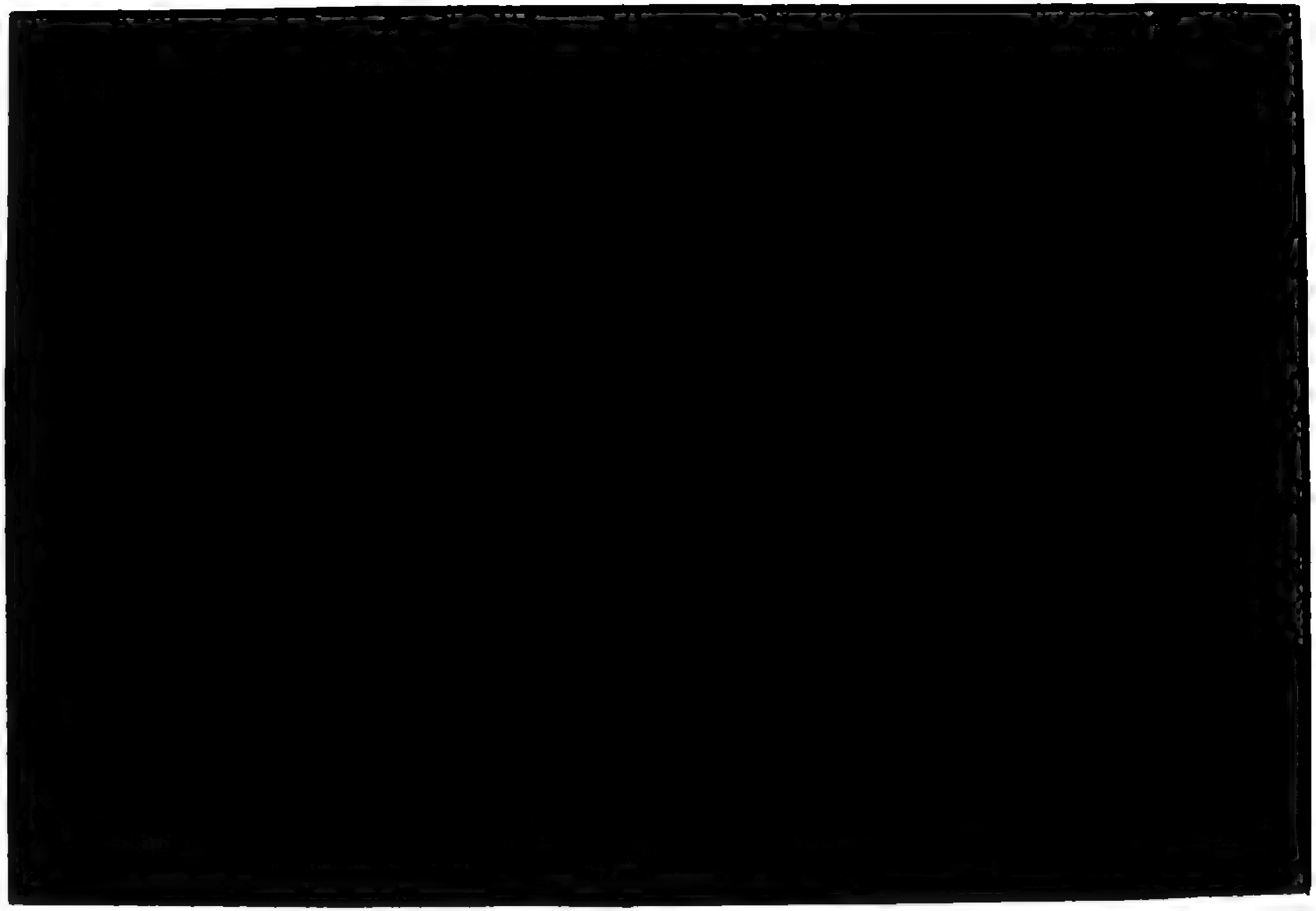

قلعہ گوالیار، بشکریہ اعجاز محمد حضرت جی، گوالیار

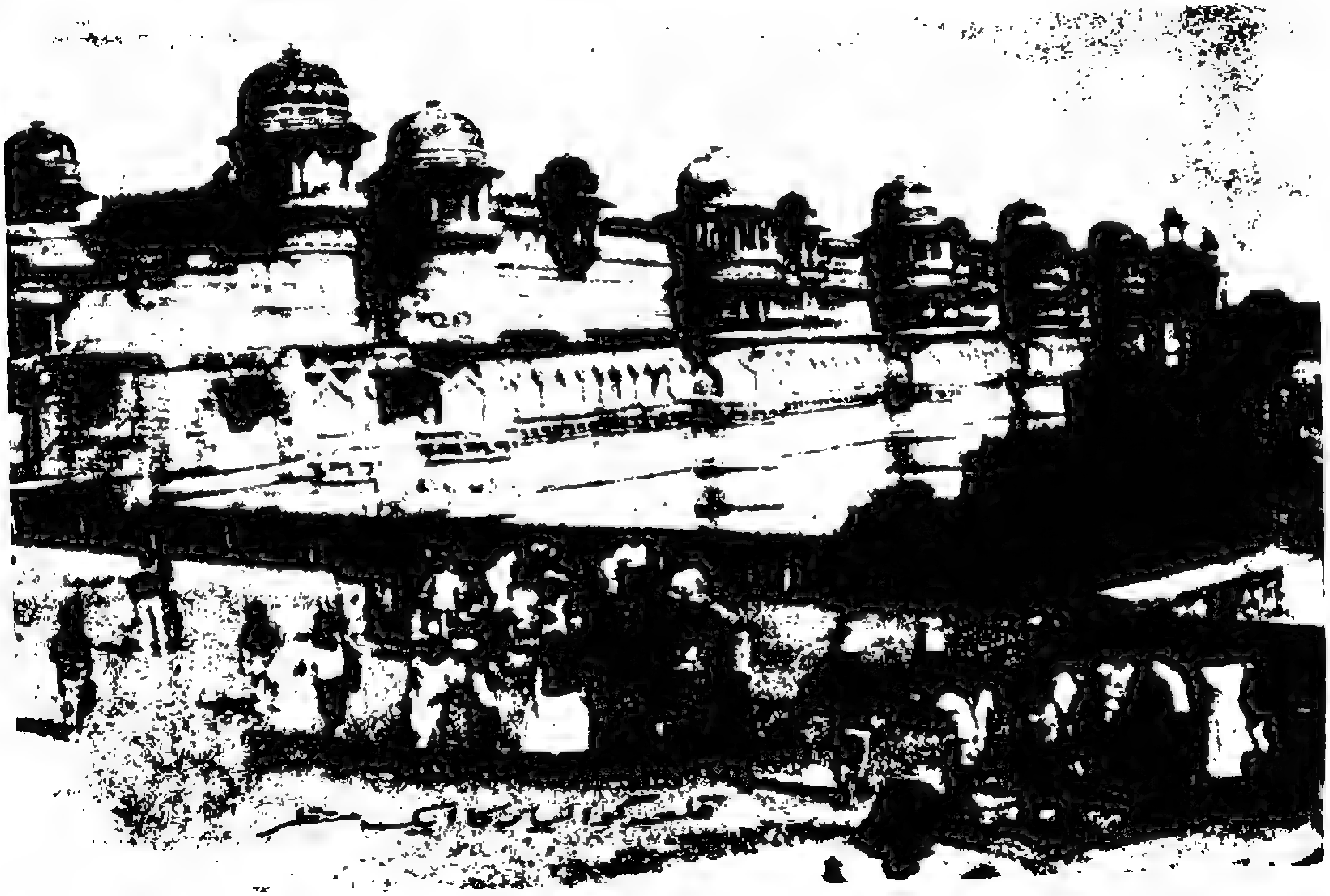

مزار مبارک حضرت خواجہ ضیاء معصوم مجددی، نقشبندی علیہ الرحمہ (م-۱۹۱۹ء) چارباغ صفا، جلال آباد، افغانستان

مزار مبارک حضرت جان عالم مجددی، گوالیار، بشکریہ اعجاز محمد حضرت جی، گوالیار

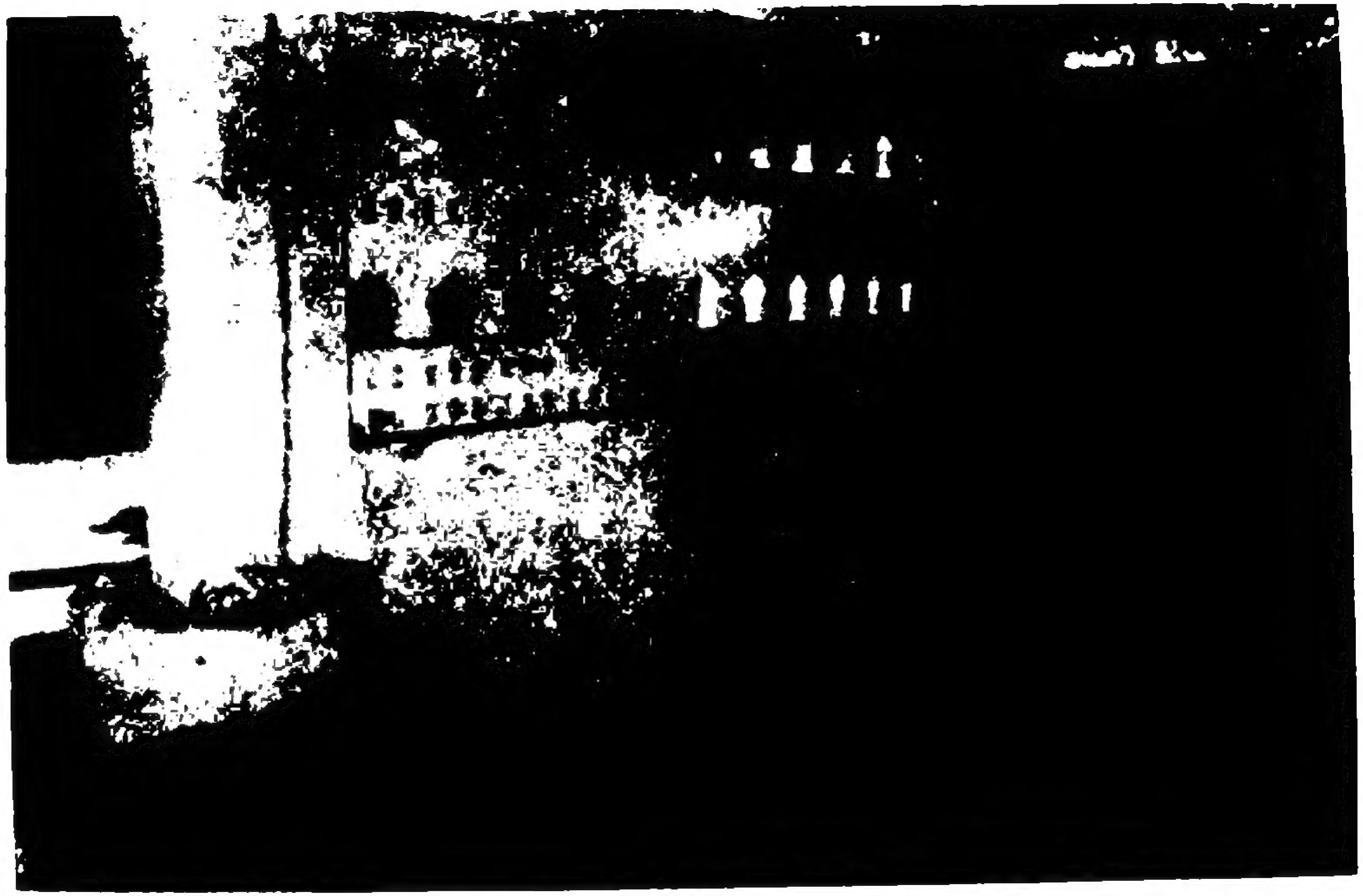

مزار مبارک حضرت جان عالم مجددی، گوالیار، بشکریہ اعجاز محمد حضرت جی، گوالیار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

شانِ مجدد اعظم

غلام مصطفیٰ مجددی

(شکرگڑھ)

☆☆

والیِ سرہند تو اور وارثِ بغداد تُو
الفِ ثانی میں خدا کے دین کی امداد تُو
تیرا رتبہ ہے میرے فکر ونظر سیتو ماوراء
کرگیا میرے دلِ برباد کو آباد تو
تیرے دربارِ کرم کے سب گدا ہیں شاد کام
ہاں خدا ہے شاد تجھ سے اور خدا سے شاد تو
تو مرادِ سرور عالم کا، ہے نُورِ ظہور
مرحبا یارِ نبوت کا حسیں مرصاد تو
تجھ کو بخشی ہے سخاوت حضرتِ عثمان نے
مرحبا مولیٰ علی کا بازوئے حقداد تو
خنجرِ تسلیمِ حق کا تو شہید ناز ہے
لمحہ لمحہ پارہا ہے دستِ حق سے داد تو
ذکر تیرا بن گیا ہے حاصل لوح و قلم
جان تو، جانانِ جاں تو، یا تو، فریاد تو
تیرے رستے سے ملا رستہ شہِ کونین کا
مرشدِ راہ وفا تو، رُشد تو، ارشاد تو

میں غُلامِ مصطفیٰ تیری نگاہوں کے طفیل
میرے گلشن میں بھی آ بن کر کرم کی باد تُو

☆......☆......☆

IMAM-I-RABBANI FOUNDATION
KARACHI
2002 c
1423 H
ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN